

تذکرہ
میرزا حسن علی خان

تصانیف
میرزا حسن علی خان
میرزا حسن علی خان

تصانیف

میرزا حسن علی خان
میرزا حسن علی خان

تاریخ

دعوت و عزیمت

حصہ ششم
(جلد اول)

سیرت سید احمد شہیدؒ

حضرت سید احمد شہیدؒ کے مفصل سوانح حیات، آپ کے اصلاحی و
تجدیدی کارنامے اور غیر منقسم ہندوستان کی سب سے بڑی تحریک جہاد و
تنظیم، اصلاح و تجدید اور اچانے خلافت کی تاریخ

ولادت سے بیعتِ امامت تک

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریات اسلام

۱۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد کراچی۔ ۱۸

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں
بمحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ
- صدر مجلس انتظامی و مجلس دارالمنصفین عظیم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
- صدر رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی
- صدر آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی آکسفورڈ۔

نام کتاب	تاریخ دعوت و عزیمت - حصہ ششم - اول
تصنیف	مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
طباعت	شکیل پرنٹنگ پریس - کراچی
ضخامت	۶۰۴ صفحات
ٹیلیفون : ۶۲۱۸۱۴	

ناشر

فضلہ ربیہ ندوی

مجلس نشریات اسلام اے۔ کے۔ ۲ ناظم آباد منیشن۔ ناظم آباد کراچی ۷۴۹۰۰

سیرت
سید احمد شہید

اردو — ساتواں ایڈیشن — لکھنؤ

انگریزی — (بعد اضافہ و ترمیم) دوسرا ایڈیشن — لکھنؤ

عربی — (بعد تلخیص) تیسرا ایڈیشن — کویت و بیروت



مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا
 اللَّهُ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ
 وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا

(سورة الاحزاب - ۲۳)

ان ایمان والوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انھوں نے جس بات کا
 اللہ سے عہد کیا تھا، اسے سچ کر دکھایا۔ پھر ان میں کچھ وہ ہیں جو
 اپنی نذر پوری کر چکے اور کچھ وہ ہیں جو (شہادت کے) مشاق
 ہیں اور انھوں نے ذرا سا بھی رد و بدل نہیں کیا۔

قلندراں کہ بہ تسخیر آب و گل کوشند
ز شاہ باج ستانند و خرقة می پوشند

بخلوت اند و کندے بہر و مہ سچند
بخلوت اند و زمان و مکاں در آغوشند

بروز بزم سراپا چو پرنیاں و حریر
بروز بزم خود آگاہ و تن فراموشند

نظام تازہ بکریخ دورنگ می بخشند
نثارہ ہائے کہن را جنازہ بردوشند
(اقبال)

فہرست عناوین

”سیرت سید احمد شہید“

۸۱	توتوں کا غلط رخ	۱۷	دیباچہ طبع جدید
۸۳	امام کا کام	۲۰	شکر و اعتراف
پہلا باب		۲۳	دیباچہ طبع چہارم
خاندان		مسافر اسلام ہندوستان کے غربت کدے میں (از مولانا سید سلیمان ندوی)	
۸۵-۱۰۸			
۸۵	امیر سید قطب الدین اور ان کی اولاد	۳۵	کتاب کے مقاصد
۹۰	حضرت سید شاہ علم الشہرہ	۴۳	کتاب کے آخذ
۹۹	حضرت شاہ علم الشہرہ کی اولاد	۴۷	سید صاحب کی سیرت پر اجمالی نظر
۱۰۱	حضرت سید محمد ہدی	۵۵	سید صاحب کا زمانہ
۱۰۲	سید محمد نور	۶۱	تیرہویں صدی کی دنیا کے اسلام
۱۰۳	سید شاہ البوسعید	۶۱	ہندوستان کی حالت
۱۰۵	مولانا سید نعمان	۶۵	مذہبی حالت
۱۰۶	حضرت سید محمد عرفان اور ان کی اولاد	۶۵	اخلاقی حالت
۱۰۸	مولانا سید محمد اسحاق	۷۰	سیاسی حالت
دوسرا باب		۷۶	تیرہویں صدی کے باکمال اور شاہ پر حال
ابتدائی حالات، تعلیم، سفر لکھنؤ		۷۹	شاخ طریقت
۱۰۹	ولادت	۸۰	مذہبی زندگی کے آثار

۱۳۰	رائے بریلی کو واپسی اور نکاح	۱۰۹	سلسلہ نسب
۱۳۱	پتھریا باب	۱۱۰	تعلیم
۱۳۸	دہلی کا دوسرا سفر اور نواب میر خاں کی رفاقت	۱۱۰	آپ کے کھیل اور مشاغل
۱۳۱	دہلی کا دوسرا سفر	۱۱۱	خدمت خلق
۱۳۲	نواب میر خاں کی رفاقت اور بیدھنک کے مقاصد	۱۱۱	عبادت الہی
۱۳۴	امیر خاں	۱۱۲	آپ کا ابتدائی شوق جہاد اور والد کا ایثار
۱۳۵	بید صاحب نواب میر خاں کے لشکر میں	۱۱۲	آپ کی ورزشیں
۱۳۷	لشکر میں اصلاح و تبلیغ	۱۱۳	سفر لکھنؤ
۱۴۰	عملی شرکت و رفاقت	۱۱۴	لکھنؤ سیاسی و معاشی حیثیت سے
۱۴۲	نواب میر خاں کی انگریزوں سے مصالحت	۱۱۵	رفقا کی تلاش روزگار بید صاحب کی بے دلی
۱۴۶	بیدھنک کی طرف سے صلح کی مخالفت اور شکر سے جدائی	۱۱۶	سفر دہلی
۱۴۹	پانچواں باب	۱۱۹-۱۳۰	تیسرا باب دہلی کا قیام ہلوک و تکمیل
۱۸۲	دہلی کا تیسرا سفر اور دو آبے کا تبلیغی دورہ		
۱۴۹	دہلی کا تیسرا سفر	۱۱۹	شاہ عبدالعزیز سے ملاقات
۱۵۰	شاہ عبدالعزیز کا خواب	۱۲۰	سلام مستون کار وراج
۱۵۱	اکبر آبادی مسجد میں قیام	۱۲۰	شاہ عبدالقادر کی خدمت میں
۱۵۲	ارشاد و تزیینت کا آغاز	۱۲۱	بیعت
۱۵۲	مولانا عبدالحی اور مولانا شاہ اسماعیل کی ارادت و بیعت	۱۲۱	تعلیم تصور شیخ اور بید صاحب کا عذر
۱۵۸	خاندان ولی اللہی کے دوسرا فراد و علماء کی بیعت	۱۲۱	ولایت انبیاء سے مناسبت
۱۵۹	مولانا محمد اسحق کی آمد	۱۲۴	تصور شیخ سے معذرت کی وجہ
۱۶۰	مقبولیت و شہرت اور سفر	۱۲۶	سلسلہ تعلیم کا انقطاع
۱۶۰	دو آبے کا دورہ	۱۲۷	خلافت شرع چیزوں سے حفاظت
۱۶۰	غازی الدین نگر	۱۲۸	باطنی ترقیات

۱۹۸	لکھنؤ کا نوابی عہد	۱۶۱	مرادنگر
۲۰۲	لکھنؤ کو روانگی	۱۶۱	میرٹھ
۲۰۳	پہلے ملاقاتی	۱۶۵	میرٹھ کے نواح و اطراف
۲۰۳	لکھنؤ میں آپ کی قیام گاہ	۱۶۵	سردھنہ
۲۰۴	شہر میں شہرت اور مقبولیت	۱۶۷	بڑھانہ
۲۰۵	مزید قیام	۱۶۸	راستے کی منزلیں
۲۰۶	شہر کی دعوتیں	۱۶۸	پھلت میں
۲۱۰	عمائد شہر کی آمد	۱۶۹	منظرنگر
۲۱۰	جمعہ میں نمازیوں کا ازدہام	۱۷۰	دیوبند و نواح
۲۱۱	مولانا عبدالحی کا وعظ دل پذیر	۱۷۱	سہارنپور
۲۱۳	کھانے کا طور	۱۷۲	سہارنپور اور اس کے نواح میں اصلاح و تبلیغ کی رو
۲۱۴	علماء و مشائخ لکھنؤ کی بیعت	۱۷۸	سہارنپور اور منظرنگر کے قصبات
۲۱۵	دو نو مسلم بھائی	۱۷۸	انبیٹھ
۲۱۷	دعا کی شرط	۱۷۸	نانوتہ
۲۲۰	بہاد کی نیت	۱۸۰	سفر کے برکات و اثرات
۲۲۱	نشانات شرک کا ابطال	۱۸۳	چھٹا باب
۲۲۲	اصلاح رسوم	۱۹۷	رائے بریلی کو واپسی اور مشرقی اضلاع کا دورہ
۲۲۳	برائے پیشہ فساد کی توبہ و اصلاح	۱۸۳	سفر رائے بریلی
۲۲۶	مال حرام سے تائبوں کی نفرت	۱۸۶	رائے بریلی کا قیام
۲۲۷	زنانون کی توبہ و اصلاح	۱۸۹	ایک تبلیغی دورہ
۲۲۸	اہل حکومت کو تشویش		ساتواں باب
۲۳۰	نواب معتمد الدولہ کی دعوت	۱۹۸-۲۳۴	سفر لکھنؤ
۲۳۱	مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ و مکالمہ	۱۹۸	لکھنؤ کا سفر

۲۵۷	حج کا شوق و ولولہ	۲۳۱	جماعت کی تربیت و بلند جوصلگی
۲۵۷	حج کی عدم فرضیت کا فتنہ	۲۳۲	روانگی اور معتدل الدولہ سے ملاقات
۲۵۹	شاہ عبدالعزیز کی تصریح و اعلان	۲۳۲	نواب صاحب کو تحفہ
۲۶۱	فریضہ حج کی ہندوستان میں تجدید	۲۳۳	فقیر محمد خاں کی ترقی
۲۶۲	حج کی ترغیب و تبلیغ	۲۳۳	بادشاہ کی آرزوئے ملاقات
۲۶۴	حج سے پہلے ایک تبلیغی دورہ	۲۳۵	آٹھواں باب
۲۶۶	عازمین حج کی آمد	۲۵۶	رائے بریلی کا قیام اور بعض اہم اصلاحی کام
۲۶۷	دسواں باب	۲۳۵	رائے بریلی کا قیام اور اس کے اہم واقعات
۲۹۴	رائے بریلی سے مرزا پوزنگ	۲۳۵	جہاد کا شوق اور اس کی تیاری
۲۶۷	روانگی		رفقاء کی سیدضلع گفتگو جہاد کی ضرورت پر
۲۶۸	اہل قافلہ کی کیفیت	۲۳۷	آپ کی تقریر
۲۶۹	دو بھائیوں کا جھگڑا	۲۳۸	ایک عارف کی زبان سے سیدضلع کی عظمت کا اعتراف
۲۷۰	سید صاحب کا وعظ	۲۳۹	بیوہ کا نکاح
۲۷۰	حقیقی بھائیوں کے اخلاق	۲۴۴	مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ
۲۷۰	خدا کی پرورش پر پھر دسہ	۲۴۵	سید صاحب کا خواب
۲۷۱	خدا کا وعدہ برحق ہے	۲۴۸	نصیر آباد کا ہنگامہ
۲۷۲	مذہبین کے لئے اب بھی واپسی کا موقع ہے	۲۴۹	نصیر آباد کو روانگی
۲۷۲	ہدایت عام	۲۵۰	نصیر آباد میں
۲۷۲	حج کے اجراء کی پیش گوئی	۲۵۱	نصرت و برکت
۲۷۳	سفر کا آغاز	۲۵۲	دوبارہ نصیر آباد کو
۲۷۵	مشرکانہ رسوم و نشانات کا عملی ابطال	۲۵۳	تاثر غیبی
۲۷۷	غیبی انتظام		نواں باب
۲۷۸	ایک عالم کی مخالفت حج	۲۶۶-۲۵۷	حج کا عزم اور اس کی تبلیغ

۲۹۸	ہسپتال میں مریضوں کی بیعت	۲۶۹	ہندو اذیت و معاشرت کی اصلاح اور دینی تعلیم و تربیت
۲۹۸	تلو کا چار	۲۸۰	ایک انگریز کی طرف سے دعوت اصلاح و تبلیغ
۳۰۰	میاں الہی بخش	۲۸۱	شیخ غلام علی صاحب
۳۰۱	مسلمانوں کے درمیان اتفاق و مصاکحت	۲۸۳	شیخ غلام علی کی عاشقانہ کیفیت اور شاہانہ ضیافتیں
۳۰۳	شرک و بدعات سے توبہ	۲۸۵	الہ آباد اور اس کے نواح میں اصلاح و تبلیغ
۳۰۵	بدعات و رسوم کی اصلاح و بیعت کا مقصد	۲۸۷	قلعہ کے مسلمان سپاہیوں کی عقیدت
۳۰۶	بنارس سے عظیم آباد تک	۲۸۷	الہ آباد کے دوسرے مخلصین
۳۰۸	عظیم آباد پٹنہ میں	۲۸۸	مرزا پور
۳۰۸	عظیم آباد کے مخلصین	۲۸۹	انصاف و ایثار
۳۰۹	انگریز حاکم کے یہاں شکایت	۲۹۰	خدمت اور عام نفع رسانی
۳۱۰	تبلیغی وفد تبت کو	۲۹۰	گدھے والوں کی دعوت میں شرکت
۳۱۲	وفد کی کامیابی اور اثرات	۲۹۲	اسلامی معاشرت و مساوات
۳۱۳	شیعہ رؤسا اور اہل شہر کا رجوع	۲۹۳	سفر میں عورتوں کی نماز
۳۱۵	عظیم آباد سے کلکتہ تک	۲۹۴	بدعات پر برادری کی سزائیں
۳۱۶	بندر ہو گلی	گیارہواں باب	
بارہواں باب		بنارس تا کلکتہ	
کلکتہ میں ۳۱۷ - ۳۵۰		۳۱۷ - ۲۹۵	
۳۱۷	ایک مخلص کی پیش قدمی	۲۹۵	بنارس میں آپ کی قیام گاہ
۳۲۱	قیام گاہ	۲۹۵	رؤسائے شہر کا رجوع اور استفادہ
۳۲۱	منشی امین الدین	۲۹۶	بنارس میں مصروفیت
۳۲۲	قافلہ کی سادگی	۲۹۷	دعوت کا ایندھن
۳۲۲	اہل قافلہ کی احتیاط	۲۹۷	
۳۲۲	مصروفیت اور بیعت کرنے والوں کا ہجوم		

۳۵۱	روانگی کا منظر	۳۲۵	سید صاحب کا وعظ اور عمومی اصلاح
۳۵۲	جہازوں کے انتظامات	۳۲۶	غیر مسلموں کا قبول اسلام
۳۵۲	تقسیم عمل	۳۲۶	نکاح کی تزویج
۳۵۲	جہاز پر آپ کے معمولات	۳۲۷	خلافت شرع لوگوں کا مقاطعہ
۳۵۵	بندر گاہ الہی اور کالی کٹ میں	۳۲۷	شراب کی کساد بازاری
۳۵۶	عدن	۳۲۸	بے پردگی کا انسداد
۳۵۸	جہاز میں کیفیت و ذوق	۳۳۰	چوتھے کے بجائے مسجد
۳۵۸	مخ	۳۳۱	شیخ صاحب کی پیشکش اور سید صاحب کی معذرت
۳۵۹	برہنہ غسل کی روک تھام	۳۳۲	بنگال اور آسام میں تبلیغ و اصلاح
۳۶۰	وحدت و جوہر گفتگو کرنے کی مانعت	۳۳۶	سلطان ٹیپو کے شہزادے
۳۶۰	حدیدہ	۳۴۱	ایک پیرزادے کے مکان پر
۳۶۱	احرام	۳۴۲	ایک نایاب تحفہ
۳۶۱	حدہ	۳۴۳	فقیر منعم
۳۶۲	حدیبیہ میں	۳۴۳	مرد خدا کا یقین
چودھواں باب		۳۴۵	اہل خیر کی مسابقت
سرزمین حجاز میں ۳۶۳ - ۳۷۷		۳۴۶	جہازوں کے انتظامات
۳۶۳	داخلہ	۳۴۶	الشرعائے سے عہد
۳۶۴	دن رات کے معمولات	۳۴۷	جہازوں کا معائنہ اور تاخروں کو ہدایات
۳۶۵	مولانا محمد اسماعیل صاحب کی تشریف آوری	۳۴۸	سفر کی ترتیب
۳۶۵	عید اور عائد مکہ کی ملاقات	۳۴۹	اہل دنیا کی عزت و حرمت کی طرف عدم انتقا
۳۶۶	صراط مستقیم کا عربی ترجمہ	۳۵۰	روانگی کا دن
۳۶۶	جاوی حجاج کی بیعت	تیرہواں باب	
۳۶۷	مناسک حج	کلکتہ سے مکہ معظمہ تک ۳۵۱ - ۳۶۲	

۳۸۳	پوسٹ پورا غازی پور	۳۶۸	عقبہ میں بیعت بہاد
۳۸۴	بنارس	۳۶۸	سفر مدینہ
۳۸۵	مرزا پور	۳۶۹	اہل حرم کا احترام
۳۸۵	الشہر کی حد اور آخری آرزو	۳۷۰	چھپر چھاڑ
۳۸۶	مسجد اور غریب پڑوسیوں کے لئے تحفہ	۳۷۲	بڈوؤں کی دوبارہ شہرارت
۳۸۶	شیخ غلام علی کی اولوالعزمی	۳۷۲	زیارت نبوی
۳۸۷	وطن میں	۳۷۳	مدینہ طیبہ کا داخلہ
۳۸۸	قصیدہ تہنیت	۳۷۴	محفل میلاد کی شرکت سے معذرت
۳۹۳	رائے بریلی کا آخری قیام	۳۷۴	بیت المقدس جانے کی نیت اور فتح عریضہ
۳۹۴	مکانوں کی مرمت	۳۷۵	واپسی کا قصد
۳۹۴	مسجد کی تعمیر	۳۷۵	زیارات
۳۹۵	علمی و روحانی تربیت گاہ	۳۷۶	روانگی
۳۹۹	سولہواں باب	۳۷۷	مولانا عبدالحی اور مولانا اسماعیل کا درس
۴۲۲	جہاد اور اس کے مقاصد اور اسباب	۳۷۷	مکہ معظمہ میں دوسرا رمضان المبارک
۳۹۹	مقاصد و اسباب	۳۷۸	پندرہواں باب
۴۰۰	تعمیل حکم	۳۹۸	سفر واپسی اور رائے بریلی کا قیام عارضی
۴۰۱	رضا و محبت الہی	۳۷۸	سفر کی تیاری
۴۰۲	مسلمانوں کی بے بسی اور اہل کفر کا غلبہ	۳۷۸	سفر واپسی
۴۰۳	ہندوستان پر کفار کا تسلط اور اسلام کا زوال	۳۷۹	بیمبئی
۴۰۳	ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط	۳۸۰	مالا بار
	اعلامی کلمۃ اللہ اچھے سنت اور	۳۸۰	کلکتہ
۴۰۴	بلاد اسلامیہ کا استخلاص	۳۸۱	ایک مخلص کی بلند روحانگی
۴۰۵	دین کا قیام سلطنت سے ہے	۳۸۲	صوبہ بہار

۲۲۷	پنجاب میں مسلمانوں کی حالت	۲۰۵	احکام شرعی کا نفاذ
۲۳۴	افغانستان و سرحد	۲۰۶	ذہنی دعوت و تبلیغ جہاد کے بغیر ممکن نہیں
۲۳۵	ڈرالی خاندان کا زوال اور اس کے ارتقا	۲۰۷	عزم راسخ
۲۳۸	بارک زئی خاندان کا اقتدار	۲۰۸	ہماری جنگ صرف اہل کفر سے ہے
۲۴۰	بارک زئی خاندان کا افتراق اور اس کے نتائج	۲۰۸	مقصود اصلی ہندوستان ہے
۲۴۱	پشاور پر سکھوں کا قبضہ	۲۰۹	جہاد کے عمومی و خصوصی منافع
	افغانوں کی آخری جنگ ورنو شہرے	۲۱۰	منفعت عامہ
۲۴۳	کاموکہ	۲۲۰	ہندوستان اور آزاد اسلامی ممالک کا مقابلہ
۲۴۸	اٹھارہ ہواں باب	۲۱۱	گذشتہ و موجودہ ہندوستان
۲۶۲	رائے بریلی سے مارواڑ کی سرحد تک	۲۱۱	منفعت مخصوص بجاہدین
۲۴۸	سفر ہجرت	۲۱۱	اصحاب باطن
۲۴۹	رائے بریلی سے گوالیار تک	۲۱۱	علماء
۲۵۲	مہاراجہ گوالیار کی طرف سے دعوت	۲۱۲	عوام صلیحاء
۲۵۳	مہاراجہ کی فرمائش	۲۱۲	عوام مؤمنین
۲۵۳	مہاراجہ کے محل میں پہلی اذان	۲۱۳	فتنات
۲۵۴	مزید قیام کی درخواست	۲۱۴	منافقین
۲۵۴	احمد شاہ ڈرالی کا پوتا گوالیار میں	۲۱۴	ذہنی کفار
۲۵۵	مہاراجہ کی نذر	۲۱۵	اہل حرب
۲۵۵	شہزادے کی پیش کش	۲۱۶	ذہنی کفار
۲۵۶	ہندو راؤ کی دعوت اور تواضع	۲۱۶	جہاد کی مثال بارش کی سی ہے
۲۵۷	قافلے کی فوجی ترتیب	۲۱۷	محض جنگ آزادی
۲۵۸	گوالیار سے ٹونک تک	۲۲۳	ستر ہواں باب
۲۵۹	ایک فقیر کی اصلاح و ہدایت	۲۲۷	سرحد انتخاب و پنجاب افغانستان اور سرحد شمال

۲۸۳	سید انور شاہ	۲۵۹	ٹونگ
۲۸۴	جاگن سے پھرتک	۲۶۰	نواب صاحب کی بیعت
۲۸۶	پھتر سے بھاگ تک	۲۶۰	رسالہ دار عبد الحمید خاں
۲۸۷	بھاگ سے ڈھاڈرتک	۲۶۱	روانگی
۲۸۷	درہ بولان	۲۶۲	اجمیر اور پالی
۲۸۹	درہ بولان میں	انیسواں باب	
۲۹۲	شال	۲۶۳-۲۸۰	مارواڑ اور سندھ
اکیسواں باب		۲۶۷	سرحد سندھ
شال (کوٹے) سے پشاور تک ۲۹۵-۵۰۹		۲۶۹	حیدرآباد سندھ
۲۹۵	شال سے روانگی	حیدرآباد میں داخلہ اور امیران سندھ کی مدارات	
۲۹۸	کوزک		
۲۹۸	افغانستان کی حکومتوں پر ایک نظر	۲۷۲	حیدرآباد سے روانگی
۵۰۰	قندھار کی جانب	۲۷۳	حیدرآباد سے رانی پور تک
۵۰۱	استقبال	۲۷۳	سید صبغت اللہ راشدی
۵۰۱	قندھار	۲۷۷	پیرکوٹ سے شکار پور تک
۵۰۲	قندھار سے روانگی	۲۷۸	شکار پور
۵۰۴	غزنی قبیلے کے علاقے میں	۲۷۸	شاہ شجاع کے لشکر کا شبہ
۵۰۷	غزنی	۲۷۹	رجوع عام
۵۰۸	کابل	۲۸۰	حاکم اور اہل شہر کی عقیدت
بیسواں باب		بیسواں باب	
چکنی سے نوشہرے تک ۵۱۰-۵۱۶		شکار پور سے شال تک ۲۸۱-۲۹۴	
۵۱۰	چکنی سے ہشتنگر	۲۸۱	روانگی
۵۱۰	لشکر کی معیشت	۲۸۲	جاگن

۵۲۱	مجاہدین کی شجاعت	۵۱۱	شکرگاہ کی رات
۵۲۳	شکر کی مراجعت	۵۱۲	سید محمد خاں کی حاضری
۵۲۲	جنگ اکوڑہ کے شہداء	۵۱۲	اہل شکر کے اخلاق
۵۲۵	مؤمن کا یقین	۵۱۳	ایک جاسوس کی گرفتاری
۵۲۵	اکوڑے کی جنگ کا اثر	۵۱۲	شکرگاہ کی تبدیلی
چوبیسواں باب		۵۱۲	خوشگئی میں
۵۲۶-۵۲۷	حضرت کا چھاپہ	۵۱۵	شکر کا انتظام
۵۲۹	حضرت پر چھاپہ	۵۱۶	حکومت لاہور کو اعلام نامہ
سردار بدھ سنگھ اور پیر صاحب کی خط کتابت		تیسرے باب	
۵۳۲	مقاصد جنگ کی وضاحت	۵۱۷-۵۲۶	اکوڑے کی جنگ
چھبیسواں باب		۵۱۷	فتنوں کا فیصلہ
۵۳۷-۵۳۷	بیعت امامت	۵۱۷	مجاہدین کی فہرست
۵۳۷	بیعت امامت	۵۱۸	ایک بیزار مسلمان کا شوق جہاد
۵۳۷	سید صاحب کا خط امامت کے متعلق	۵۱۸	مجاہدین کی روانگی
۵۳۹	شاہ اسماعیل صاحب کا خط	۵۲۰	روانگی کا منظر
۵۵۷	اشاریہ (انڈیکس) ترتیب از محمد غیاث الدین ندوی	۵۲۱	راہِ خدا کا پہلا شہید

دیباچہ طبع ششم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى

ناچیز مصنف "سیرت سید احمد شہید" کا قلب اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر سے معمور ہے کہ اس کتاب کے چھٹے ایڈیشن کی نوبت آگئی ہے جس وقت یہ کتاب مصنف کے قلم سے نکلی تھی اس وقت اس کا کوئی تصور بھی نہیں تھا کہ وہ اس قدر مقبول ہوگی اور اس کے مواد و ضخامت میں اس قدر اضافہ ہوگا کہ وہ ۲۰ × ۳۰ - ۱۶ کی مختصر تقطیع کے ۶۰۲ صفحے سے زرق کر کے ۲۰ × ۲۶ - ۸ کے ایک ہزار صفحات تک تجاوز کر جائے گی اس وقت مصنف کی عمر ۲۲ - ۲۵ سال سے زیادہ نہ تھی اور حقیقت میں وہ اس عظیم موضوع اور اس عظیم شخصیت پر لکھنے کا اہل نہ تھا، لیکن شوق و ہمت اور سب سے بڑھ کر سعادت و توفیق ماہ و سال کی پابند نہیں ہوتی، یہ حقیقتاً مصنف کی پہلی تصنیف تھی اور اس سے اس کی علمی و دینی تاریخ کا بنیاد و ر شروع ہوتا ہے، اس کتاب کا خود اس پرچو احسان کا اس کا تذکرہ کسی قدر تفصیل سے کتاب کے دیباچہ میں آگیا ہے۔

بعض حالات اور مجبور یوں کی بنا پر اس کتاب کا پانچواں ایڈیشن جس کی اشاعت میں غیر معمولی تعویق ہوئی تھی پاکستان میں شائع ہوا تھا، پہلی اور دوسری جلد کی اشاعت میں بھی بعض مجبور یوں کی بنا پر طویل وقفہ ہوا، اس روح پرور اور ایمان آفرین تاریخ کا ہندوستان کی سرزمین سے آغاز ہوا، یہ اس کا وہ عزیز سرمایہ ہے جس پر اس کو ملکیت کا دعویٰ اور افتخار کا حق ہے اور وہ ۱۹۳۹ء میں پہلی بار یہیں سے شائع ہوئی تھی، اس لئے شائقین کی طلب، دوستوں کے اصرار اور ضرورت کے احساس کی بنا پر اب وہ دوبارہ یہیں شائع کی جا رہی ہے۔

اگر حالات اجازت دیتے اور اشاعت کا سامان مہیا ہوتا تو اس وقت تک اس کے اس کے کہیں زیادہ ایڈیشن نکل چکے ہوتے، امید ہے کہ ہندوستان کے علمی و ادبی حلقوں میں اس کی پذیرائی ہوگی، اس کو ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا اور اس سے ایمان و عمل میں اس طرح حرکت و حرارت پیدا ہوگی، جیسے اس کی اشاعت کے وقت پیدا ہوئی تھی۔

۱۹۳۹ء میں (جب اس کتاب کی پہلی مرتبہ اشاعت ہوئی تھی) اور ۱۹۴۴ء میں (جب اس کا چھٹا ایڈیشن نکل رہا ہے) کے حالات میں بہت بڑا فرق ہے، اس وقت اس کتاب کی اشاعت سے ہندوستان کی "تایخ دعوت و عربیت" کی ایک کھوئی ہوئی کڑی دریافت ہوئی تھی اور اچھے اچھے باخبر مسلمان اور اہل نظر بڑے تعجب سے کہتے تھے۔

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی؟

اب جہاں تک اس تایخ و داستان کا تعلق ہے، بے خبری اور خود فراموشی کے وہ پردے اٹھ چکے ہیں، نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کی بھی اس تایخ کی طرف توجہ ہو گئی ہے مختلف زبانوں میں کئی وقیع کتابیں اس موضوع پر شائع ہو چکی ہیں، جن میں اردو میں مولانا غلام رسول، مرحوم کی محققانہ کتاب "بید احمد شہید" (۱-۲-۳-۴) اور حال میں محی الدین صاحب کی "موزخانہ انگریزی کتاب "بید احمد شہید" (SAYID AHMAD SHAHID) جس کی اشاعت کا شرف اسی "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" کو حاصل ہوا ہے، عربی میں خود مصنف "سیرت بید احمد شہید" کے قلم سے "اذا هبت ریح الایمان" شائع ہوئی، جس کے اس وقت تک تین ایڈیشن نکل چکے ہیں، مضامین اور تحقیقی مقالات کا سلسلہ اس کے علاوہ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر الہی نے ان نقوش کو جن میں خلوص اور خون شہادت کی سرخی تھی، زندہ و نابند رکھنے کا فیصلہ کر دیا ہے، اور اخلاص کا سفینہ اسی طرح سے بارہا ڈوب کر ابھر اور

ساحلِ مراد تک پہنچا ہے۔

مصنّف بارگاہِ الہی میں اس توفیق و سعادت پر حمد کناں و سرسجود ہے اور

اس کا قلم و قلب دونوں اس دعا میں شریک ہیں کہ رَبَّنَا ثَقِیلْ مَنَا إِنَّكَ أَنْتَ

السَّمِیعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ“

ابوالحسن علی

ندوہ و وڈیر نیویارک

۲۲ رجب ۱۳۹۷ھ
۲۳ جون ۱۹۷۷ء

شکر و اعتراف

احمد لشکر "سیرت سید احمد شہید" کی جلد اول جو ولادت سے بیعت امامت تک کے حالات پر مشتمل ہے ناظرین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے مصنف کو احساسِ اعتراف ہے کہ یہ کتاب غیر معمولی تاخیر سے شائع ہو رہی ہے اہل ذوق و اہل خلوص کی ایک جماعت سے کتاب کی مشتاق اور اس کی اشاعت کی منتظر ہے بعض اچانکے حسرتیاق اور بے چینی کے ساتھ اس کتاب کا انتظار کیا، وہ یہ صراحتاً اللہ علیہ کی شخصیت و سیرت کے ساتھ تعلق کے سوا کسی اور چیز کا نتیجہ نہیں مصنف کو ان کے اشتیاق و انتظار کو دیکھ دیکھ کر اس کتاب کی اشاعت کی پُر زور تحریک ہوتی رہی لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ یہ کتاب اتنی تاخیر سے شائع ہو اور ارادہ الہی انسانی ارادے پر غالب آ کر انسان کی بے بسی اور بے چارگی کے ثبوت فراہم کرتا ہے۔ لیکن کتاب جس شکل میں شائع ہو رہی ہے اور اس عرصے میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تکمیل کے لئے جو جو غیبی سامان مہیا کئے ان کو دیکھتے ہوئے قلب اللہ تعالیٰ کی حمد سے معمور اور زبان اس کے شکر میں مشغول ہے "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بَعَثَنِي وَعَجَلًا لِي نَتِمُّ الصَّالِحِينَ"

کتاب اپنے علمی مواد اور تحقیقی مباحث کے علاوہ متعدد تاریخی دستاویزوں اور تصاویر سے مزین ہے دو نقشے بھی شامل کتاب میں ان نقشوں میں چھوٹے سے چھوٹے مقامات کی نشان دہی کی کوشش کی گئی ہے پھر ملک کی سیاسی تقسیم اور ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۶ء میں جن میں سفر حج اور سفر ہجرت بالترتیب پیش آئے تھے ہندوستان کی سیاسی حالت اور مختلف رنگوں میں اس کے مختلف علاقے دکھائے گئے ہیں ان نقشوں کی تیاری میں ان نادرا اور بیش قیمت تاریخی نقشوں اور

تاریخی کتابوں سے مدد لی گئی ہے، جو لاہور کے علمی ذخیرے میں دستیاب ہو سکی ہیں یہ نقشے بجا خود اس کتاب کے لئے ایک بڑی زینت اور اہل علم کے لئے ایک نادر تحفہ ہیں امید ہے کہ ان پر نظر ڈالنے سے ہندوستان کا قدیم سیاسی مرقع سامنے آجائے گا اور ایک ہی نظر میں سید صاحب اور ان کے رفقا کی بلند ہمتی، جفاکشی، اولوالعزمی اور دلی لگن کا اندازہ ہو جائے گا، جنہوں نے اس ہمتوں کو سر کیا ان کے سفر، ہجرت کے طویل لیکن نورانی خط نے اس عظیم کے تین گوشوں کو اس طرح اپنے دائرے میں لے لیا ہے جس طرح سمندر کسی جزیرہ نما کے تین حصوں کا احاطہ کر لیتا ہے۔

اپنے محسنوں اور عنایت فراؤں کا شکر یہ مصنف کے لئے ہمیشہ سعادت و مسرت کا موجب رہا ہے، دیا چہ تحریر کرنے کے بعد بھی بعض اجاب نے اس کتاب کی طباعت و تکمیل میں اعانت فرمائی، مصنف اس عزیز فہرست میں بڑی مسرت کے ساتھ مہر محمد صاحب (ساکن لاوا، ضلع اٹک) اور سید اور حسین نفیس رقم صاحب لکھنؤ کا اضافہ کرتا ہے، مہر محمد صاحب نے سنگ سازی کی پڑتال میں نہایت قابل قدر مدد دی اور اپنے عزیز وقت کا بڑا حصہ بڑے انہماک کے ساتھ صرف کیا، نفیس رقم صاحب نے سرورق کے صفحات اور آیات و اشعار نیز نقشوں کے اسما کی کتابت میں بڑے ذوق سے حصہ لیا، اور ان کی بہارت فن اور نقاست قلم نے کتاب کے حسن میں گراں قدر اضافہ کیا، اسی طرح محترمی پروفیسر شیخ محمد ناظر صاحبی، اے آنرز (لندن) پی ای ایس آر بیٹا ٹرڈ، سابق پرنسپل ہنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کا شکر یہ بھی واجب ہے، جن کی عنایت سے بعض نہایت نادر اور اہم نقشے دیکھنے میں آئے، جن سے ان نقشوں کی تیاری میں قابل قدر مدد ملی، اللہ تعالیٰ موصوف کو علمی خدمت کے لئے طویل جیسا اور صحت عطا فرمائے! اسی طرح میں اپنے عزیز و مخلص دوست جناب رانا نور محمد صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے کتاب کی تیاری میں مدد دی اور لاہور کے قیام میں میری رفاقت فرمائی، جَزَاہُمُ اللہُ خَیْرًا! اندازہ ہے کہ دوسرا حصہ زیادہ ضخیم ہوگا، وہ بیعت امامت کے بعد سے معرکہ بالاکوٹ اور

شہادت تک کے حالات پر مشتمل ہوگا، اس کتاب کا ایک اہم حصہ یہ حصہ ہے اور مشا و اخلاق اور صفات
 و خصوصیات کا باب ہے جو خاصی تفصیل کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے اس کے علاوہ آپ کے تجدیدی
 و اصلاحی کارنامے آپ کی جماعت کی سیرت و اخلاق، خلق اور اہل ارادت پر مستقل ابواب ہیں،
 اللہ تعالیٰ سے امید اور اپنا اندازہ ہے کہ دوسرے حصے کی طباعت میں زیادہ تاخیر نہیں ہوگی اور
 یہ حصہ توفیق الہی سے رجب ۱۳۷۵ھ (جنوری ۱۹۵۹ء) میں شائع ہو جائے گا "إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى"
 اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرمائے، اور اس کے مصنف اس کے معاونین اور کتاب کے
 پڑھنے والوں کو اس صلاوتِ ایمانی اور حمیتِ اسلامی کا کوئی حصہ عطا فرمائے جو صاحب سیرت
 رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا جوہر اور ان کے رفقا کی متاعِ گراں مایہ تھی۔
 وَاجْرُدْ عَوَانَا انِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

ابو الحسن علی کان اللہ

۲۱، ایمپرس روڈ۔ لاہور

۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ

۲۶ ستمبر ۱۹۵۸ء

دیباچہ طبع چہارم

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَّمَ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى!

احمد لکڑہ "سیرت سید احمد شہید" کی چوتھی اشاعت کی نوبت آرہی ہے، اس کا پہلا ایڈیشن

۱۹۳۹ء میں نکلا تھا، اس وقت سے اس وقت تک اصل کتاب میں اتنے اضافے ہو چکے ہیں کہ

موجودہ ایڈیشن کو بعض حیثیتوں سے مستقل تصنیف کہنا بے جا نہ ہوگا۔

"سیرت سید احمد شہید" کی تالیف کا خیال کس طرح پیدا ہوا، اس کی تالیف کس طرح عمل پیرائی،

اس کا پہلا ایڈیشن کن حالات میں شائع ہوا، اس کی تکمیل کا سامان کس طرح فراہم ہوا، یہ ایک مستقل

دانتان ہے جس کا کتاب و مصنف کتاب کے گہرا تعلق ہے، کچھ بے محل نہ ہوگا کہ مختصر طریقے پر یہ دانتان بھی

سنادی جائے۔

راقم مسطور نے جب ہوش سنبھالا اور عقل و شعور کی آنکھیں کھولیں تو خاندانی مجلسوں میں سید صاحب

کا ذکر خیر سنا، مجھے بزرگوں کی ان مجلسوں میں اس میں شرکت کرنے کا شرف حاصل ہوا، جس میں بچے

عام طور پر ان مجلسوں میں شرکت کرنے سے گھبراتے ہیں، اس زمانے میں خاندان کے سب سے بڑے اور

باوقار بزرگ مولوی سید خلیل الدین صاحب تھے، ان کے دادا مولوی سید سعید الدین صاحب مرحوم سید صاحب

رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، مولوی سید سعید الدین صاحب کے بڑے بھائی مولانا سید محمد طاہر سنی سید صاحب

کے خلفا میں تھے، سید خلیل الدین صاحب نے دونوں کو دیکھا تھا، وہ بڑی عظمت و شہرت کے ساتھ سید صاحبؒ کا تذکرہ کرتے تھے، جہاں تک یاد آتا ہے، سب سے پہلے انھیں مجلسوں میں سید صاحبؒ کا نام نامی کان میں پڑا۔ سید صاحبؒ سے تعارف کرانے میں اور ان سے عقیدت اور ان کی عظمت پیدا کرنے میں سب سے بڑا حصہ میرے برادر عظیم و مرتی ڈاکٹر مولوی سید عبدالعلی صاحبؒ نے لیا، کا ہے جن کو سید صاحبؒ کی ذات و الہانہ تعلق ہے، ابھی میں پڑھ ہی رہا تھا کہ رسالہ توحید امرتسر میں جو مولانا داؤد غزنوی کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا تھا، مولوی محی الدین احمد صاحبؒ قصوری کا ایک سلسلہ مضامین نکلنا شروع ہوا جس کا عنوان غالباً "تیرہویں صدی کا مجاہد اعظم" تھا۔

بھائی صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے تربیت کا بڑا ملکہ عطا فرمایا ہے، انھوں نے مجھے اس مضمون کو عربی میں منتقل کرنے کا حکم دیا اور اس کے لئے مناسب ہدایات اور شوریے دیئے، میں نے عربی میں اس کا آزاد ترجمہ اور تلخیص کی اور اپنے فاضل اُستاد ڈاکٹر تقی الدین الہمالی المراکشی کے مشورے سے علامہ سید رشید رضا مصری کی خدمت میں بھیج دیا، علامہ موصوف نے اس کو نہ صرف اپنے رسالہ "المنار" میں شائع کیا، بلکہ "ترجمة السید الإمام أحمد بن عرفان الشہید" کے نام سے اس کو علیحدہ رسالے کی شکل میں بھی شائع کر دیا، غالباً ۱۹۳۰ء کا واقعہ ہے، اس وقت میری عمر سو گسترہ سال سے زیادہ نہ تھی، میں اس مقالے کی تحریر کے زمانے میں خود سید صاحبؒ کی عظمت اور مرتبے سے واقف نہ تھا، اور نہ میرا اس موضوع پر براہ راست مطالعہ تھا، یہ رسالہ کوئی بڑی علمی قیمت تو نہیں رکھتا، لیکن اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے کہ وہ "سیر سید احمد شہید" کے سلسلہ تصنیف کی تہید اور تقریب ہے۔ خاندانِ علمِ اللہی کی جس شاخ سے مجھ ناچیز کا تعلق ہے، اس کو حضرت سید صاحبؒ سے روحانی طریقہ پر ہیبت گہرا اور مسلسل تعلق رہا ہے، میرے ددھیالی اور نہہالی بزرگ سید صاحبؒ ہی کے سلسلے سے وابستہ اور اس سلسلے میں صاحبِ جاہزت ہوئے ہیں، والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی قلی اور ذہنی طور پر

سیدنا کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے، مجھ پر سب گہرا اثر ان کی ایک قلمی کتاب "ارمانِ اجاب" کا پڑا، یہ ان کے اس سفر کار و زنا مچھ ہے، جو انھوں نے ۱۳۱۲ھ میں کیا تھا اس وقت تک سیدنا کے بعض دیکھنے والے بقید حیات تھے اور وہ لوگ تو بکثرت تھے، جو سیدنا کے رفقاء و اصحاب کی صحبت سے مشرف ہوئے تھے، والد ماجد نے ان سے جو کچھ سنا ہے تکلف اور سادے طریقے پر اس کو نقل کر دیا، اس سفر نامے میں بڑی صلاوت و سلاست ہے، خاص طور پر جہاں وہ سیدنا کا تذکرہ کرتے ہیں وہاں بڑا ذوق پیدا ہوتا ہے، میرے دل و دماغ پر سیدنا کی غیر معمولی شخصیت کا سب سے گہرا نقش اسی سفر نامے کے مطالعے سے پڑا اور مجھے ذہنی و ایمانی لذت و صلاوت کا نایاں طور پر احساس ہوا۔

اس وقت تک سیدنا کی سیرت و زندگی پر اردو میں صرف دو کتابیں معروف تھیں، ایک "سوانح احمدی" دوسری "حیاتِ طیّبہ" جو اصلاً مولانا شاہ اسماعیل شہید کی سیرت و حیات ہے، لیکن جس میں سیدنا کا تذکرہ بھی آگیا ہے، میری قسمتی یا اقتدا طبع یا زمانے کا اثر تھا کہ میں ان دونوں کتابوں سے متاثر نہ ہو سکا، یہ دونوں کتابیں اگرچہ عقیدت مندانہ انداز میں لکھی گئی ہیں، اور آخر الذکر کتاب میں خاصی انشا پر دازی بھی ہے، لیکن دل نے ان کا کوئی اثر قبول نہیں کیا، ان دونوں کے مقابلے میں خود سوانح احمدی کے مصنف مولوی محمد حنفی غیسری مرحوم کی چھوٹی سی کتاب "تواریخ عجیب" جو "کالا پانی" کے نام سے معروف ہے، کہیں زیادہ مؤثر ثابت ہوئی، ان دونوں کتابوں کے علاوہ اردو میں کوئی اور کتاب اس موضوع پر اس وقت دستیاب نہ تھی، اچھے اچھے تعلیم یافتہ اصحاب کے معلومات سیدنا سے متعلق بہت ناقص و سطحی تھے، ان کے متعلق عام تصویر یہ تھا کہ وہ پچھلی صدی کے ایک صاحبِ کرامت شیخِ طریقت تھے، جنھوں نے مجاہدین کی ایک جٹا مہیا کر کے رنجیت سنگھ کی سلطنت کے خلاف اعلانِ جہاد کیا اور چند معرکوں کے بعد اپنے نخلص رفیقوں کے ساتھ بالاکوٹ کے میدان میں شہید ہو گئے اور اس طرح ان کی مجاہدانہ سعی کا خاتمہ ہو گیا، سنجیدہ علمی اور سیاسی حلقوں میں ان کی ذرا

اور ان کی شخصیت اور کارناموں کا اس سے زیادہ بلند اور واضح تصور پایا نہیں جاتا تھا اور نہ ان کی سیر و حالات کی تحقیق و جستجو اور تبلیغ و اشاعت کی کوئی سنجیدہ کوشش و تحریک پائی جاتی تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مسلمانان ہند کا حافظہ رفتہ رفتہ اس عظیم شخصیت اور اس کے کارناموں کو فراموش کر دے گا۔

۱۹۳۵ء میں جب یہ راقم سطور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں خدمت تدریس انجام دیتا تھا اور اپنے مخلص و فاضل دوست مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کے ساتھ ایک ہی کمرے میں مقیم تھا اس عزیز و محبوب موضوع پر اکثر گفتگو ہوتی، مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم خاندان صادق پور کے ذریعے سید صفا کی ذات سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، اپنی عربی تصنیف "مناصیر الہندیا و غابرها" کے سلسلے میں وہ ہندوستان کی اسلامی تحریکوں اور اجیائے دین کی کوششوں کے ضمن میں ہندوستان کی اس سب سے بڑی تحریک کا مطالعہ کر چکے تھے، انھیں مجلسوں اور مذاکرات میں میرے قلب میں سید صفا کی سیرت لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ مجھے اس کی سعادت بخشی جائے، میری زندگی کا حقیقتاً وہ نہایت ہی مبارک دن تھا، جب میں نے اس کام کا ارادہ کیا، اس لئے کہ اس سے میری زندگی کے نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔

۱۹۳۶ء کی گرمیوں کی تعطیل میں میں اپنے محترم محسن اتاذ مولانا محمد حسن خاں شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کی دعوت پر ان کی معیت میں ٹونک گیا، جس سے پہلے خاندان کے ایک صدی کے تعلقات تھے، اور جہاں سید صفا کے اخلاف اور ان کے خاندان کا ایک بڑا حصہ مقیم تھا، اس وقت سید صفا کی حیات و سیرت کا سب سے بڑا مواد و مسالہ وہیں تھا، میں نے وہیں اس کام کا آغاز کیا، میں مولانا کے ساتھ دریائے بناس کے کنارے چند روز کے لئے مقیم تھا، ایک روز آفتاب نکلنے سے پہلے اس دریا کے کنارے جہاں کبھی سید صاحب کا

قافلہ ٹھہرا تھا، اور ان کے پاکباز مجاہدوں نے اس کے پانی سے بارہا وضو کیا تھا، ایک تاجر پر بیٹھ کر اس سلسلے کا آغاز کیا۔

اس وقت تک میرے پیش نظر صرف یہ بات تھی کہ زمانے کے مذاق اور اسلوب کے مطابق شگفتہ زبان میں ایک مختصر سیرت مرتب کر دی جائے، جو اس گرامی شخصیت اور اس کی عظیم تحریک کے تعارف کا کام دے، اس وقت کچھ تو اپنی نو عمری اور تصنیفی نا تجربہ کاری کی وجہ سے کچھ اپنی فطری عجلت کی بنا پر اس کی تصنیف کا بہت مختصر و محدود پیمانہ رکھا گیا، اس کا اندازہ ہی نہ تھا کہ یہ کتاب وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، اور مسلمانوں میں مخصوص سیاسی اسباب کی بنا پر سید صاحب کی سیرت کے مطالعے کا ایسا شغف پیدا ہو گیا ہے، اور ان میں ایسی تشنگی ہے کہ بڑی سے بڑی ضخیم و مفصل کتاب بھی ذوق و شوق سے پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کا ذوق مطالعہ پھر بھی "ہلّ من مزید" پکارتا رہے گا۔

اس وقت ٹونک میں ہمارے خاندان میں نیز ریاست کے کتب خانے میں حالات و واقعات کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود تھا، اور وہ اپنی دسترس میں تھا کہ بڑی آسانی کے ساتھ ایک ضخیم اور مکمل سیرت تیار کی جاسکتی تھی لیکن طبیعت پر کتاب کے جلد نثاٹ کرنے کا تقاضا غالب تھا، اس بنا پر اس وسیع ذخیرے کو کھٹکانے کا وقت نہ نکالا جاسکا اور ان کتابوں کے اہم و مختصر اقتباسات پر اکتفا کی گئی، ٹونک سے واپسی پر کتاب کی ترتیب و تالیف کا کام جاری رہا، اس کی مشغولیت اتنے سرور و سکون کا باعث تھی اور اس میں ایسا حذب و کیفیت محسوس ہوتا تھا کہ جب اس فراغت ہوئی تو ایک گونہ قلق ہوا، ۱۹۳۹ء میں "سیرت سید احمد شہید" کے نام سے یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے تقریباً چار سو صفحات پر نثاٹ کر دی گئی، استاد محترم مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے ازراہ شفقت

لے اس وقت مصنف کی عمر تیس، چوبیس سال سے زیادہ نہ تھی اور یہ اس کی اولین تصنیف تھی۔

اس پر مقدمہ تحریر فرمایا جس میں نو عمر مصنف اور اس کی اولین کوشش کی فراخ دلی اور بزرگانہ شفقت کے ساتھ ہمت افزائی کی گئی۔

یہ کتاب اپنی تمام کوتاہیوں کے ساتھ پہلی کتاب تھی جو عصر حاضر کے مذاق کے مطابق شائع کی گئی اور اس میں سب سے پہلے سید صاحب کی دعوت و تحریک کے وسیع تر اور بلند تر مقاصد کے پیش کرنے کی کوشش کی گئی اور ان کی جماعت اور فقہ کی ایمانی کیفیات اخلاقی خصوصیات اور ان کی حیرت انگیز تنظیم و جدوجہد اور قربانیوں کی روداد پیش کی گئی نیز اس میں پہلی مرتبہ یہ دکھایا گیا کہ سید صاحب کا مقصود محض پنجاب میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کا سدباب کرنا نہ تھا بلکہ خلافت اسلامیہ کا احیاء اور حکومت علی منہاج النبوت کا قیام و تاسیس تھا اور ان کی کوشش کا میدان صرف پنجاب کی سب سے حکومت نہ تھی بلکہ اصل مقصود وہ ہندوستان تھا جو اس وقت انگریزوں کے اقتدار و تسلط میں آگیا تھا، اس کتاب میں انگریزوں کے خلاف سید صاحب کی جماعت کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور انگریزوں کے ظلم و ستم اور انبساط جیل اور انڈمان کے مظلومین کے صبر و استقامت کی داستان بھی سنائی گئی تھی۔

نوشق و نو عمر مصنف کو ہرگز اس کا اندازہ اور توقع نہ تھی کہ یہ کتاب جو اس عجلت میں لکھی گئی ہے ملک میں اس قدر مقبول ہوگی اور اس کا استقبال اتنی گرم جوشی سے ہوگا، مصنف کتاب کو اس بارے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ یہ سید صاحب کی مقبولیت اور ملک کے حالات کا اثر تھا، اہل علم و اہل قلم نے تبصرے اور تقریظ، رسائل و اخبارات نے نقل و اقتباس اور اہل قلوب اہل خلوص نے خطوط کے ذریعے ناچیز مصنف کی حوصلہ افزائی کی اور اپنے گہرے قلبی تاثر کا اظہار کیا، یہ کتاب مجالس اور مساجد میں بار بار پڑھ کر سنائی گئی، بہت سے لوگوں نے اسے اتنی بار پڑھا اور پڑھ کر سنا یا کہ ان کو بعض مضامین اور حصے یاد و ازیر ہو گئے، بہت تھوڑی مدت میں کتاب کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ لکل گیا، اور اہل شوق کی طلب باقی رہی، طباعت کی دشواری اور طوالت کی وجہ سے دوسرا ایڈیشن ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا اور اس کے ختم ہوجانے میں بھی دیر نہ لگی۔

ان دونوں اشاعتوں کے بعد تیسری اشاعت کا تقاضا پیدا ہوا اور اب جی چاہا کہ اس اشاعت کے موقع پر کتاب میں ضروری اضافہ کر دیا جائے اور قلمی ذخیرے کو جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے اس غرض کے لئے دوبارہ پڑھا جائے اور اس سے پورا کارآمد مواد حاصل کیا جائے اس غرض کے لئے مصنف نے ٹونک دوبارہ سفر کیا اور ۱۹۲۶ء میں "وقائع احمدی" کا موجود ذخیرہ اپنے اعزاز اور اہل خاندان کے یہاں سے حاصل کر لیا میں نے "وقائع احمدی" کے اس دفتر کو جو کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے لفظ بلفظ پڑھنا شروع کیا، جو وقت اس ذخیرے کے مطالعے اور تلخیص میں گزرا، وہ عمر کے بیش قیمت ترین لمحات میں سے تھا، قلب پر ان حالات و واقعات کا عکس پڑتا تھا، ان واقعات نے جو بالکل سادی پوربی اردو میں بیان کئے گئے تھے بارہا دل کے ساز کو چھیڑا، بارہا قلب کو ایسانی حرارت بخشی، بارہا آنکھوں کو غسل صحت دیا، اہل لقین و مقبولین کی صحبت کے جو اثرات بیان کئے گئے ہیں ان واقعات کے مطالعے اور ان کتابوں کی ورق گردانی کے دوران میں ان کا بارہا تجربہ ہوا اور صفا محسوس ہوا کہ یہ وقت ایک ایسانی اور روحانی ماحول میں گزر رہا ہے، معلوم نہیں کہ ان اثر کے بندوں کے انفاس قدسیہ اور ان کی صحبت میں کیا تاثیر ہوگی، جن کے واقعات کے مطالعے اور جن کے حالات کے اس دفتر پارینہ کی ورق گردانی میں یہ تاثیر ہے۔

اگرچہ اپنی مصروفیت انتشارِ طبع اور انتشارِ اوقات کی وجہ سے مسلسل اور باطمینان اس کام کی تکمیل کا موقع نہ مل سکا، پھر بھی بڑا مواد فراہم ہو گیا، اور پھر قلب میں اس کی اشاعت کا تقاضا پیدا ہوا کتاب سفرِ حج تک مکمل ہوئی تھی کہ ۱۹۲۷ء میں سفرِ حج پیش آ گیا، واپسی پر کتاب کی اشاعت کی کوشش کی گئی، اس وقت تک جنگ کے اثرات موجود تھے، کاغذ بڑا کمیاب تھا، اور اشاعت و طباعت پر بڑی پابندیاں تھیں، بڑی کوشش سے ۱۹۲۹ء میں کتاب کا صرف پہلا حصہ شائع ہو سکا جو یہ حصہ کتاب کے سفرِ حج تک کے حالات و واقعات پر مشتمل تھا، دوسرے حصے کی اشاعت کی نوبت نہ آئی اس وقت تو

اپنی اس مجبوری سے بڑی کوفت تھی اگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی مصلحت تھی کتاب اگر اسی وقت شائع ہو جاتی تو اس میں بڑے نقائص و خلا باقی رہ جاتے اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اس کتاب کے سلسلے میں جو آخری تکمیلی کوششیں ممکن تھی وہ کر لی جائے اور کتاب اپنے اندازے اور امکان کے مطابق مکمل صورت میں شائع ہو۔

اس طویل عرصے میں ذہن اور ذوق جستجو اپنا کام کرتے رہے اور نیا مواد اور سالہ برابر ملتا رہا اپنی قلمی تحریریں یادداشتیں دستاویزیں اور خطوط ایسی جگہوں کے اور اس طرح ملے کہ ”یَرْزُقُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ“ (۳:۶۵) کی ایک تفسیر نظر آئی ان تحریروں دستاویزیں اور خطوط سے بہت سے واقعات کے سین اور ان کا زمانہ متعین ہوا جو پہلے متعین نہیں ہو سکا تھا بعض واقعات کے سین جو میں نے یاد دوسرے مصنفین نے متعین کئے تھے وہ غلط ثابت ہوئے بعض نئے واقعات تفصیلات کا علم ہوا ”وقائع احمدی“ سے استفادے اور اقتباس کا کام بھی جاری رہا۔

یہاں تک کہ مواد و معلومات کا ایک پچھا خاصا ذخیرہ فراہم ہو گیا ”مَنْظُورَةُ السَّعْدَاءِ“ کا وہ حصہ جو مصنف کے چشم دید واقعات و مشاہدات پر مبنی ہے پہلے نہیں مل سکا تھا اس سے بھی استفادے کا موقع ملا اور اس طرح کتاب پہلی اشاعت کے مقابلے میں سہ چند ہو گئی۔

۱۹۵۲ء میں مولانا غلام رسول صاحب تہر کی کتاب شائع ہو گئی جس کا اہل ذوق کو اور سے بڑھ کر اس راقم سطور کو برسوں سے انتظار تھا، تہر صاحب پندرہ بیس سال سے اس موضوع پر کام کر رہے تھے اہم دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ پورا علمی تعاون کیا تھا میرے پاس جو کچھ ناخذ و ذرائع معلومات تھے جب کبھی ضرورت پیش آئی، تہر صاحب کی خدمت میں پیش کرنے میں کبھی تاثر نہیں کیا، اسی طرح تہر صاحب نے اپنی علمی تحقیق و جستجو کے نتائج سے فائدہ پہنچانے میں کبھی ٹھیل سے کام نہیں لیا، وہ ایک کہنہ مشوق اور نچتہ کار مصنف و ادیب ہیں اور خصوصیت کے ساتھ اس موضوع پر نڈاؤ

مرح کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی کتاب جس کے چار حصے شائع ہو چکے ہیں توقع کے عین مطابق تھی، بلا تکلف کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت تک وہ سید صاحب کی سیرت و تاریخ میں سب سے بڑی محققانہ اور مؤرخانہ تصنیف ہے، راقم سطور کو اس کتاب سے بڑی قیمتی مدد ملی، بہت سی چیزوں کی طرف اس کتاب سے رہبری ہوئی، اس نئے ایڈیشن میں اس سے استفادہ کیا گیا ہے۔

تہر صاحب کی کتاب کے شائع ہوجانے کے بعد بھی سیرت سید احمد شہیدؒ کی نئی اشاعت کا تقاضا اور اس کی ضرورت کا احساس باقی تھا، کسی موضوع پر کوئی تصنیف حروفِ آخر نہیں کہی جاسکتی، تحقیق اور جستجو کا کام برابر جاری رہتا ہے اور یہ تصنیف و تحقیق کے بعد اہل طلب و اہل ہمت کے کانوں میں یہ صدا آتی رہتی ہے کہ

گماں مبرکہ یہ پایاں رسید کارِ معاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در درگِ تاگست

سید صاحب کی سیرت اور ان کے حالات و واقعات کے سلسلے میں جو تیار مواد اور خاندانی تحریروں اور یادداشتوں کا جو نیا ذخیرہ حاصل ہوا، اس سے خود ان معلوماً و واقعات کی ترتیب اور نین کی تعیین میں تغیر و تبدل ہوا، جو خود سیرت سید احمد شہیدؒ کی پہلی اشاعتوں میں اور اب تہر صاحب کی کتاب میں اختیار کی گئی ہے۔

اس اشاعت کا ایک بڑا محرک یہ ہے کہ سید صاحب کے حالات اور تذکرے کے وسیع کتاب خانے میں خصوصاً "وقائع احمدی" میں واقعات و روایات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے جن میں وہ تاثیر وہ دلاویزی اور وہ طاقت ہے جو قرنِ اول کے بعد کسی تاریخ اور تذکرے میں نہیں ملتی، ایمان و یقین کے جذبات و کیفیات پیدا کرنے کے لئے، دینی جماعتوں کی اخلاقی و روحانی تربیت اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لئے ان کو بنیاد بنا یا جاسکتا ہے، اور ان سے بہت بڑا کام لیا جاسکتا ہے، یہ صرف

ایک صدی قبل کے واقعات ہیں اور ہمارے ہی ملک میں پیش آئے ہیں اس لئے زمانے کے بعد کا عذر بھی نہیں کیا جاسکتا، ایک ایسا مصنف جس پر تاریخی نقطہ نظر غالب ہے، ان کو نظر انداز کر سکتا ہے یا ان میں اختصار سے کام لے سکتا ہے، لیکن دعوت و تزکیہ کے نقطہ نظر اور سید صاحب کے اصل مقصد و مدد کے لحاظ سے یہ واقعات ساری سیرت و تاریخ کا جوہر و روح ہیں اس لئے ان کی بڑی سی بڑی مقدار بھی غیر ضروری اور زائد نہیں کہی جاسکتی، ناچیز مصنف نے ”وقائع احمدی“ میں سے ان مؤثر واقعات کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں انتخاب کیا اور ان کی زبان میں بھی کم سے کم تغیر کیا تاکہ ان کی سادگی و دلاویزی قائم رہے، مصنف نے اپنے قارئین کو اپنے تاثرات میں شریک کرنے کی کوشش کی ہے اور ان مؤثر و دل نشیں واقعات کا ایک بڑا مجموعہ پیش کر دیا ہے جو آج بھی ایمان میں حرکت، دل میں حرارت اور آنکھوں میں اشکِ تداومت پیدا کرتا ہے۔

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے

جو چھبے دل میں، وہی تنکے لئے

اس کتاب کی اشاعت کا تیسرا محرک ذاتی و جذباتی ہے ”سیرت سید احمد شہید“ اس بے بضاعت کی عزیز ترین متاع اور ایک بڑی محسن کتاب ہے، اس کم سواد نے ہزاروں صفحات سیاہ کئے اور بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کیں، لیکن جس ذوق و شوق سے یہ کتاب لکھی گئی، کوئی کتاب نہیں لکھی، اس کتاب نے کسی اور کو کوئی فیض پہنچایا ہو یا نہ پہنچایا ہو، اس نے خود اپنے مصنف کو صلاح و تہ اربابی سے لذت یاب کیا، اس نے ان اہل یقین اور اربابِ عزیمت سے متعارف کیا، جن کی نظیر اسلام کی کھلی صدیوں میں آسانی سے نہیں ملتی، پھر اسی کتاب نے اس دور کے ان اہل یقین تک پہنچایا، جن کو اس دولت سے حصہ ملا تھا اور ان کے دلوں میں جگہ پیدا کی، اس کو مصنف کی خود غرضی کہنے یا جذبہ شکر گزاری کہ وہ اس کتاب کو اپنے نقوشِ قلم میں اہم مقام دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ نقوش بار بار تازہ اور روشن ہوں۔

یہی کہہ دینا ضروری ہے کہ مصنف نے کوشش کی ہے کہ صاحب سیرت اپنی اصلی صورت میں نظر آئے، اس نے نہ مشرقی سوانح نگاروں کی طرح رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے، اور نہ مغربی مورخین کی تقلید میں خواہ مخواہ کتاب کو بے روح اور بے اثر بنانے کی کوشش کی ہے، نہ زمانے کے سانچے میں ڈھالنے کی سعی کی ہے، اور نہ کسی خواہش و تخیل کے ماتحت تاریخ سازی کا ارادہ کیا ہے، بلکہ روایات و واقعات کی زبان میں بھی کم سے کم تغیر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی بڑا فضل ہے کہ اس نے اس کتاب کی اشاعت کا بھی ایسا سامان فرمایا جو مصنف کے بس ہیں نہ تھا، ۱۳۶۹ھ کے سفر حج میں مدینہ طیبہ میں مولانا ظفر اقبال صاحب ایم اے (ابن جناب غلام قادر فصیح صاحب مرحوم) سے ملاقات ہوئی، انھوں نے اس تعلق و عقیدت کی بنا پر جو انھیں بید صفا اور ان کی جماعت کے لئے مجھ سے وعدہ لیا کہ ”بیرسرا احمد شہید“ کی پوختی اشاعت کا اہتمام اور نئے داری ان کے سپرد کروں گا مولانا کو اللہ تعالیٰ نے کتابوں کو صحت و تحقیق اور اعلیٰ معیار کے مطابق شائع کرنے کا خاص ذوق عطا فرمایا ہے، وہ ہر کتاب کو اس صحت و اہتمام کے ساتھ شائع کرنا چاہتے ہیں، جو اہتمام صرف مذہبی صحیفوں کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے، انھوں نے اس کتاب کے سلسلے میں جو زحمت برداشت کی اور جو اہتمام فرمایا، وہ شکرِ یے سے بالاتر ہے، اس کی جزا اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے، میں اپنے محترم عزیز و بزرگ مولانا حکیم سیدن شمش صاحب رضوی امر وہی کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں، جنھوں نے خاندانی حالات کے سلسلے میں بعض قیمتی معلومات عطا کیں اور بعض غلطیوں پر مطلع کیا۔

ناچیز مؤلف خواجہ گلزار محمد صفا (خلف الصدق جناب خواجہ دل محمد صفا، ایم اے)

کا بھی شکر گزار ہے، جنھوں نے پورے اہتمام اور کمال قدر دانی سے اس کتاب کو اپنے مطبع ”گلزار عالم پریس“ میں شائع کرنے کی ذمہ داری قبول فرمائی، نیز اس کتاب کے کاتب

منشی جمیل احمد صاحب "تنویرِ قلم" کا بھی ممنون ہے جنہوں نے نہایت ذوق و شوق سے فرائض کتابت ادا کئے اور اس سلسلے میں ایثار سے بھی دریغ نہیں کیا، عزیزہ رفعت اقبال ایم اے (عربی و اسلامیات) شعبہ علوم اسلامی لاہور کالج فاراؤن لاہور اور عزیزہ سعیدہ اقبال ایم اے (علوم اسلامی) معلمہ لیڈی میکلیگن گرلز ہائی اسکول لاہور کا شکریہ بھی واجب ہے جنہوں نے کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح میں اپنے والد محترم مولانا ظفر اقبال صاحب کی قابل قدر امداد کی، اللہ تعالیٰ ان سب عزیزوں کو جزائے خیر عطا فرمائے!

اللہ تعالیٰ اس اشاعت کو بھی پہلی اشاعتوں کی طرح قبول فرمائے اور اسے مصنف و قارئین کرام کے لئے دینی ترقیات اور ایمانی کیفیات کے حصول کا ذریعہ بنائے!

ابوالحسن علی

۳۲ گلبرگ روڈ
لاہور۔ پاکستان

۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۷۶ھ
(۱۹ جنوری ۱۹۵۵ء)

مسافرِ اسلام

ہندوستان کے غربت کدے میں!

از

مولانا سید سلیمان ندویؒ

صحیح حدیث میں ہے ”اسلام کا آغاز مسافرانہ بے کسی میں ہوا اور پھر وہ مسافرانہ بے کسی میں ہو گا تو مسافرت کے بے کسوں کو مبارکباد ہو“ اسلام کا آغاز اس وقت ہوا جب حق کی آواز بند ہو چکی تھی، دین ابراہیم علیہ السلام کا وجود سایہ ہو کر رہ گیا تھا، کفر و شرک کی تاریکی ہر طرف بھیلی تھی، نبوت کا نور چھ صدیوں سے زیر نقاب تھا، توحید کی دعوت ایک بیگانہ آواز تھی جو مسافرانہ بے کسی کے عالم میں محمد بن عبدالشعلیؐ وسلم کی زبان مبارک سے بلند ہوئی، پورب کھیم، دائیں بائیں ہر طرف اس صدائے حق کو اجنبی اور نامانوس سمجھا گیا، آواز دینے والے نے حسرت کچاروں میں دیکھا اور ہر طرف اس کو وہی بیگانگی، اجنبیت اور مسافرانہ بے کسی کا منظر نظر آیا۔

رفتہ رفتہ یہ اجنبیت دور ہوئی، بیگانگی کافر ہوئی، آواز کی کشش اور نوائے حق کی بانسری نے دلوں میں اثر کیا، کان والے سننے لگے اور جو سننے لگے سر ڈھننے لگے یہاں تک کہ وہ دن آیا کہ سارا عرب اس کیفیت سے معمور اور اس شراب سے مخمور ہو گیا اور اسلام کا مسافر اپنے گھر پہنچ کر اپنے عزیزوں اور دوستوں میں ٹھہر گیا۔

اب وہ قافلہ بن کر آگے چلا، عرب کے ریگستانوں سے نکل کر عراق کی نہروں اور شام کے گلستانوں میں پہنچا، پھر آگے بڑھا اور ایران کے مرغزاروں اور مصر کی وادیوں میں گڑھرا، اس آگے بڑھا تو ایک طرف خراسان و ترکستان ہو کر ہندوستان کے پہاڑوں اور ساحلوں پر اس کا جلوہ نظر آیا اور دوسری طرف افریقہ کے صحراؤں کو طے کر کے اس کا نور بحرِ ظلمات کے کنارے چمکا۔

اب آہستہ آہستہ قافلے کے لوگ چھٹنے لگے، تماشائی تماشاکرتے دور نکل گئے، کتنے حسن ظاہر کے طلب گار اور طبعی مناظر کے شیفٹہ ان تماشوں میں اپنے سفر کے مقصد کو بھول گئے، اور جہاں پہنچ گئے وہیں رہ گئے۔

اب وہ مسافر پھر تنہا تھا، اس کی آواز میں پھر بیگانگی آگئی، صدائے حق صد البصرا ہو گئی، آخر قافلے کی بانگِ درآغا موش ہو گئی اور کارواں یکسر خوابِ غفلت میں مجھ ہو گیا۔ اس غفلت کی نیند پر چار سو برس گزر گئے اور سافر کے آغازِ سفر پر ہزاروں برس گزر رہا تھا، یہ اکبر کا دور تھا، جب عمیم کے ایک جادوگر نے آکر بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دینِ عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہو گئی، اب وقت ہے کہ ایک شہنشاہِ اُمّی کے ذریعے نبی اُمّی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین منسوخ ہو کر دینِ الہی کا ظہور ہو، جو سیول نے آتش کدے گر بائے، عیسائیوں نے ناقوس بجائے، برہمنوں نے بت آراستہ کئے اور جوگ اور تصوف نے مل کر کعبے اور بت خانے کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا، اس کچھ میل تحریک کا جو اثر ہوا اس کی تصویر اگر کوئی دیکھنا چاہے تو دبستانِ مذاہب کا مطالعہ کرے، کتنے زُنار داروں کے ہاتھوں میں تسبیح اور کتنے تسبیح خوانوں کے گلوں میں زُنار نظر آئیں گے! بادشاہی آستانے پر کتنے امیروں کے سرسجدے میں پڑے اور شہنشاہ کے دربار میں کتنے دستار بند کھڑے

دکھائی دیں گے، اور مسجدوں کے منبر سے یہ صدا سنائی دے گی۔
تَعَالَى شَأْنُهُ، أَحَدُهُ الْكَبْرُ

یہ ہو ہی رہا تھا کہ سرسہند کی سمت سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی۔ راستہ صاف کر کے راستے کا چلنے والا آتا ہے، ایک فاروقی مجتہد فاروقی شان سے ظاہر ہوا، یہ آہد سرسہند تھے، بہانگیر کے طوق و سلاسل نے بڑھ کر ان کے قدم لئے اور وہ شاہی قیدی کی حیثیت میں اسیر زنداں ہوئے، اس یوسف زندانی نے بھی یوسف کنعانی کی طرح "عَاذُ بِآبِ مُتَّقِرٍ قُوًّا خَيْرٌ أَمَّ أَحَدُهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ" کا نعرہ لگایا، اس نعرے نے سوتوں کو جگا دیا، مسافر اسلام کی دراکا دھیمی دھیمی آواز پھر سنائی دینے لگی۔

سرسہند کے اس فاروقی مجتہد کی آواز نے دلی کے ایک اور فاروقی خاندان کو گرا دیا، یہ شاہ عبدالرحیم دہلوی تھے، جو عالمگیر کے معاصر تھے، ان کے صاحبزادے شاہ ولی اللہ ہوئے، جن کو ملت نے حکیم الامت کا خطاب دیا، یہ اس دوسرے دور کے مجتہد ہوئے، اس دور میں جس کو ملا، ان سے ملا اور جس نے پایا، ان سے پایا۔

شاہ صاحب ۱۱۱۲ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۱۶۶ھ میں وفات پائی، شاہ صاحب کے اخلاف نے پوری صدی تک وہ چراغ ہدایت جو ان کے پدر بزرگوار نے جلایا تھا، روشن رکھا، کتاب میں ان بزرگوں کے نام اکثر آئیں گے، اس لئے ان کا یہ شجرہ مع تاریخ وفات نظر کے سامنے ہے۔

اے اُس کی شان بلند ہے، اللہ اکبر۔

۱۱۶۶ھ مجتہد امجد امجد اچھے یا خدائے یگانہ برتر؟ (۱۲: ۳۹)

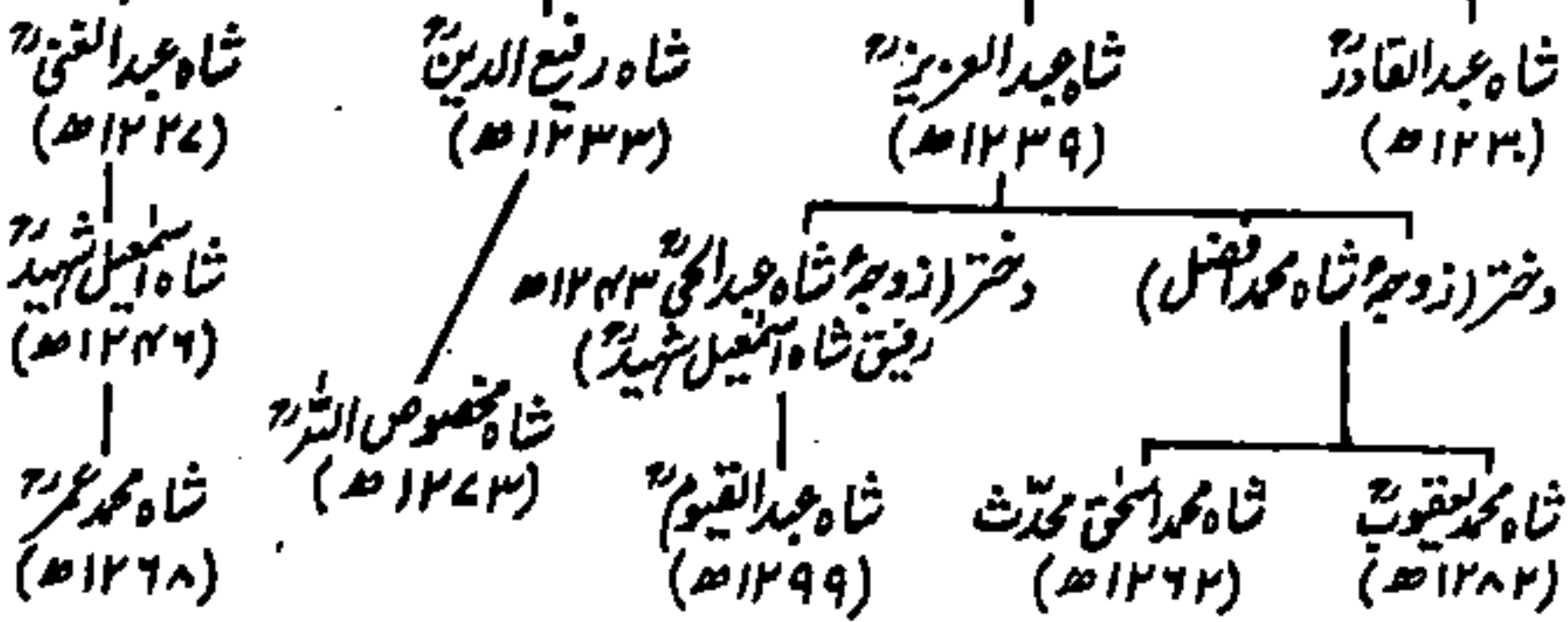
۱۱۶۶ھ "تفہیمات الہیہ" میں شاہ صاحب نے خود اس کی تصریح کی تھی، اور واقعہ نے اس کی تصدیق کی

شجرہ

شاہ وجیہ الدین فاروقی معاصر سلطان اورنگزیب

شاہ عبدالرحیم
(۱۱۳۱ھ)

شاہ اہل الشریعہ (۱۱۸۴ھ) شاہ ولی الشریعہ (۱۱۷۶ھ)



اس سلسلہ پلائے ناب است

اس خانہ تمام آفتاب است

شاہ وجیہ الدین جیسا کہ ان کے تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے سلطان اورنگزیب کی فوج میں تھے اور جنگ برادران میں بڑی بہادری سے اورنگزیب کی طرف سے لڑے تھے بادشاہ جبے کن میں ہنگامہ آرا تھے تو شاہ صنّام مدوح بھی جہاد میں شرکت کے لئے دکن جا رہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں سے لڑائی ہوئی اور شہادت پائی، شاہ عبدالرحیم کے مجاہدانہ جذبات کا پتہ ان کے خطوط سے ملتا ہے ان کے مکاتیب کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے کتب خانے میں میری نظر سے گزرا ہے اس میں ان کا ایک خط نظام الملک آصف جاہ اول کے نام ہے جس میں انھوں نے نواب مرہوم کو مرہٹوں سے جہاد کی ترغیب دی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کی تصنیفات کو پڑھ کر کوئی اس کا پتہ بھی نہیں پاسکتا کہ ان کے زمانے میں جو سیاسی انتشار اور پرآگندگی تھی، اس کا ان کی جمعیتِ خاطر پر کچھ بھی اثر پڑا ہے، مگر ذرا حجتہ اللہ ابراہیمہ کے اس باب پر کوئی غور کی نظر ڈالے جو بادشاہ اور ارکانِ حکومت کے فرائض پر لکھا ہے اور "ازالۃ الخفاء" میں خلافت اور امامت کا جو خاکھینچا ہے، اس کو کسی نے ذرا گہری نظر سے دیکھا ہے تو معلوم ہوگا کہ داد نے جو نقشہ تیار کیا تھا، پوتے نے اسی نقشے کو اپنے خون سے رنگ کر تیار کرنا چاہا۔

شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی تعلقات تیموریوں کی گرتی ہوئی قوت کے ساتھ نہ تھے، بلکہ وہ سیلوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے ساتھ تھے اور نواب نجیب الدولہ افغان کی سلکِ فضل میں منسلک تھے۔

مولانا اسمعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدانہ کارنامے عالم آشکارا ہیں اور ان سے کتاب کے صفحات لبریز ہیں۔

مجدد سرہندیؒ اور مجدد دہلویؒ کے فضل و کمال اور مجاہد و حال کے دو آتشے سے رائے بریلی کے خاکدے میں ایک ورسہ آتش تیار ہوا، یہ ساداتِ حسنی کا خاندان تھا جس میں مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات کا فیض آکر مل گیا تھا، اس خاندان کا آغاز شیخ الاسلام امیر کبیر قطب الدین محمد دہلی سے ہوا جنھوں نے ساتویں صدی ہجری کی ابتدا میں ہندوستان آکر کرمانگپور کے نواح میں جو اس زمانے میں الہ آباد سے پہلے الہ آباد تھا، جہاد کیا۔

اس خاندان کے آخری مورث شاہ سید علم اللہؒ ہیں جو عالمگیرؒ کے زمانے میں تھے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مشہور خلیفہ اور جانشین حضرت آدم بنوریؒ کے فیض سے مستفیض اور مشرق کے دیار میں ان کے خلیفہ خاص تھے، اس خاندان کے ممتاز افراد مجدد دہلویؒ کے فیض درس اور فیض صحبت سے سیراب تھے، اس طرح اس خاندان میں حضرت مجدد سرہندیؒ اور مجدد دہلویؒ کی برکتیں اور سعادتیں جمع ہو گئیں۔

۱۔ "جام بہاں نامہ" قلمی، مؤلفہ قدرت اللہ سنبھلی، تالیف ۱۹۱۱ء موجودہ کتب خانہ جامعہ ملیہ دہلی۔

تیرہویں صدی کا آغاز تھا کہ اس خاندان میں چودھویں کا چاند طلوع ہوا یعنی ۱۲۰۱ھ
 میں مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی، چند سال کے بعد یہ چاند مجاہدہ
 و عرفان کا آفتاب بن گیا۔

کتاب کا موضوع اسی آفتابِ عالمتاب کے انوار کمالات کی تابش و بینش ہے۔

نہ شبم، نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
 چو غلامِ آفتابم، ہمہ ز آفتاب گویم!

تیرہویں صدی میں جب ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت فنا ہو رہی تھی
 اور دوسری طرف ان میں شرکانہ رسوم و بدعات کا زور تھا، مولانا اسماعیل شہید اور حضرت سید احمد بریلویؒ
 کی مجاہدانہ کوششوں نے تجدید دین کی نئی تحریک شروع کی یہ وہ وقت تھا جب سائے پنجاب پر
 سکھوں کا اور باقی ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تھا، ان دو بزرگوں نے اپنی بلند ہمتی سے اسلام کا
 علم اٹھایا اور مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی جس کی آواز ہمالیہ کی چوٹیوں اور نیپال کی ترائیوں سے
 لے کر خلیج بنگال کے کناروں تک یکساں پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق اس علم کے نیچے جمع ہونے لگے،
 اس مجددانہ کارنامے کی عام تاریخ لوگوں کو یہیں تک معلوم ہے کہ ان مجاہدوں نے سرحد پار ہو کر سکھوں سے
 مقابلہ کیا اور شہید ہو گئے، حالانکہ یہ واقعہ اس کی پوری تاریخ کا صرف ایک باب ہے۔

یہ مسلمانوں کی ایک عظیم الشان تحریک تھی جس کی کھل کر پوری تاریخ لکھنی بھی اب سے پہلے
 مشکل تھی، اس کے متفرق مضامین رسالوں اور کتابوں میں بکھرے تھے، کچھ معلوم بزرگوں کے سینوں
 اور کچھ قلمی کتابوں کے دفتروں میں بند تھے، ان سب کو سمیٹ کر ایک فتر میں فراہم کرنا بھی ایک کام
 تھا، ہم کو خوشی ہے کہ اس کام کے لئے بھی اس خاندان کے ایک نوجوان کو جس کو علم عمل اور فکر و
 ذوق کی دولت سے حصہ وافر ملا ہے، توفیق بخشی گئی، مولوی سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، شیخ التفسیر،

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے بڑی کوشش سے ان متفرق معلومات کو یکجا کیا ہے اور اس طرح ترتیب دیا ہے کہ یہ تاریخی داستان کے بجائے نوجوان مسلمانوں کے لئے عملی روح کا سامان بن گیا ہے۔

ان مجاہدوں کی تاریخ بتائے گی کہ ان کی تحریک کا یہ ناکام انجام کیوں ہوا، واقعہ دکھا چھپا اور اسباب نامعلوم نہیں وہی جماعتوں کا نفاق اور اُمرا کا اختلاف ان کی ناکامی کا سبب ہوا، جو ہمیشہ سے ناکاموں کی ناکامی کا سبب رہا ہے، پشاور کے پٹھان اُمرا اگر وفاداری سے کام لیتے تو آج ہندوستان کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔

اس تحریک نے اپنے پیروں میں للہیت، خلوص، اتحاد، نظم، سیاست اور تنظیم کا جو جو ہر پیدا کر دیا تھا، اس کے سمجھنے کے لئے کتاب کا چوتھا باب کافی ہے، بنگال کی سرحد سے لے کر پنجاب تک و زمین پال کی ترائی سے لے کر دریائے شور کے ساحل تک اسلامی جوش و عمل کا دریا موحشیاں مار رہا تھا اور حیرت انگیز وحدت کا سماں آنکھوں کو نظر آ رہا تھا۔

سیدنا کے خلفاء ہر صوبے اور ولایت میں پہنچ چکے تھے اور اپنے اپنے دائرے میں تجدیداً اصلاح اور تنظیم کا کام دے رہے تھے، مشترکانہ رسوم مٹائے جا رہے تھے، عیدیں چھوڑی جا رہی تھیں، نام کے مسلمان کام کے مسلمان بن رہے تھے، جو مسلمان نہ تھے، وہ بھی اسلام کا کلمہ پڑھ رہے تھے، شراب کی بوتلیں توڑی جا رہی تھیں، ناٹری اور سینڈھی کے خم بھوٹے جا رہے تھے، بازاری فواحش کے بازار سرد ہو رہے تھے، اور حق و صداقت کی بلندی کے لئے علماء حجروں اور اُمرا ایوانوں سے نکل نکل کر میدان میں آ رہے تھے، اور ہر قسم کی ناچاری، مفلسی اور غربت کے باوجود تمام ملک میں اس تحریک کے سپاہی پھیلے تھے، اور مجاہدین اور دعوت میں لگے تھے۔

لہ کہتے ہیں کہ اس تحریک سے چالیس ہزار مسلمان ہوئے

کتاب میں پہلے چند ابتدائی عنوان ہیں اور یہ کہنا چاہئے کہ کتاب کے پانچ سو صفحات میں جو کچھ ہے اس کی روح انہیں چند ابتدائی عنوانوں میں کھینچ کر رکھ دی گئی ہے اس کے بعد چار باب ہیں پہلے باب میں اس تحریک کے بانی حضرت سیدنا شہیدؒ کے حالات بچپن سے حج تک ہیں دوسرے باب میں ان کے جہاد کے اغراض و مقاصد اور سفر جہاد کی پُر اثر کیفیتیں اور دشمنوں سے موکر آرائی کی تفصیلات اور شہادت کا حال لکھا ہے تیسرے باب میں سیدنا کی تجدید امامت اور تزکیہ کے حالات ہیں ساتھ ہی اس باب میں اصول تزکیہ و روحانی پر جو کچھ لکھا ہے بہت خوب لکھا ہے اور چوتھے باب میں آخری ہے سیدنا کے خلفاء کی سوانح اور ان کے کارنامے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اس ایک آفتاب کے پر تو سے کتنے درتے چمک اٹھے تھے اور اس گئی گذری حالت میں بھی طبیعتوں میں کتنی اچھی استعدادیں موجود تھیں۔ مصنف نے یہ کتاب بڑے وقت سے لکھی ہے اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں رشد و ہدایت اور عزم و ہمت کا ایک صحیفہ سے دیا ہے کیا عجب کہ مسلمان اس تاریخی موقع پر اس کتاب سے اصلاح و ہمت کا فائدہ اٹھائیں اور اپنے ماضی کے آئینے میں اپنے مستقبل کی شکل و صورت دیکھیں۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

دار المصنفین اعظم گڑھ
۲۸ رذو الحجہ ۱۳۵۴ھ

اس کتاب کا یہ تعارف کتاب کی پہلی اشاعت کے لئے لکھا گیا تھا اور پورہ ایڈیشن میں تغیر و اضافہ ہوا ہے۔

کتاب کے مقاصد

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَّمَ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى

اس کتاب کی تالیف کے چند مقاصد ہیں:-

۱۔ ایک نہایت رنجیدہ منظر یہ ہے کہ بہت سے ہمت و عزم کے جوان قوتِ ارادہ اور قوتِ عمل کے مالک بے توفیقی کم نگاہی یا مسلمانوں کی بدقسمتی سے اپنی کارآمد قوتیں بے کار اور اکثر مُضر چیزوں میں ضائع کر رہے ہیں ان آوارگانِ فکر و عمل کو اگر صحیح راستہ نظر آجائے اور خدا کی توفیق سے اس پر قدم اٹھائیں تو بہت جلد منزل تک پہنچ سکتے ہیں اسلام کی خدمت اور نوعِ انسانی کی سعادت کا ایک ہی لائحہ عمل ہے جو اس کتاب میں بتایا گیا ہے اور وہ وہی ہے جس کے مطابق جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے خلفائے راشدین اور بعض مجددین اُمت نے عمل کیا یعنی دنیا میں اسلامی شریعت اور خلافت کا صحیح نظام قائم کرنا اور اسلام کے اخلاقی، روحانی، مادی، سیاسی غلبے کی کوشش کرنا۔ اسی طرح سے مسلمانوں کی منزلِ مقصود کا بھی صرف ایک راستہ ہے اور وہ وہی راستہ ہے جس سے اس امت کا پہلا قافلہ منزل تک پہنچا ہے لَنْ يُصْلِحَ آخِرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا مَا أَصْلَحَ أَوَّلَهَا اس امت کے پھلوں کی اصلاح صرف وہی چیز کر سکتی ہے جس نے اس کے انکلوں کی اصلاح کی تھی، یعنی دینِ خالص اور اس کی پیروی۔

۲۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بہت سے سلیم الفطرت، خوش نیت، سادہ ذہن انسان اپنے ماحول کی مادیت اور جمود سے اگتا چلکے ہوتے ہیں، روحانیت اور سکون قلب کے پیاسے ہوتے ہیں، فطری طور پر ان میں مذہب کے قبول کرنے کی استعداد و صلاحیت ہوتی ہے، ایسے لوگوں کو جب پانی کا کوئی چشمہ نظر آتا ہے تو پیاسوں کی طرح اس پر گر جاتے ہیں اکثر یہ چشمہ گندہ، اکثر زہرا لود اور اکثر محض سراب ہوتا ہے، بہت بڑی انسانی خدمت ہوگی کہ ان پیاسوں کو صاف چشے کے کنارے کھڑا کر دیا جائے کہ پیاسے کی پیاس بجھانا بڑا صدقہ ہے۔

بہت سے لوگ اپنی پستی، اور کمزوریوں کے معترف ہوتے ہیں، وہ اخلاق و عمل، بہت وعزم، ایثار و قربانی، روحانیت و تقدیس کا اپنے سے بلند نمونہ ڈھونڈتے ہیں، ان لوگوں کو ایسا نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا کم اتفاق ہوتا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ دینا ایسے لوگوں سے خالی ہے، اور ہمیشہ خالی رہی، جب اپنے سے کچھ بلند نمونہ دیکھ لیتے ہیں یا سن پاتے ہیں تو اپنے دل و دماغ اور اپنے ایمان و اعتقاد کی ساری دولتیں آنکھ بند کر کے اس کی نذر کر دیتے ہیں، اس میں وہ طبقہ زیادہ مبتلا ہے جس کے متعلق شاعر نے کہا ہے ۷

نوجوانانِ تشنہ لبِ خالی ایاغ شستہ روتا ریکِ جاں روشن دماغ

کم نگاہ و بے یقین و نا امید چشمِ شاں اندر جہاں چیزے نید

ناکساں منکر ز خود، مومن بغیر خشت بند از خاکِ شاں مہار و

(جاوید نامہ)

میرے نزدیک غیر اسلامی تحریکیوں کی کامیابی کا بڑا سبب (خصوصاً نوجوان طبقے میں)

یہی ہے اور اس کا سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ ان لوگوں کو انسانی عظمت اور اسلامی کمالات پہاڑ

کی اس چوٹی پر کھڑا کر دیا جائے، جہاں سے ایسے تمام دعوی دار اپنی پوری پستی میں نظر آئیں اور اس مقام

سے مقامِ نبوت کی بلندی کا تصور کر لیا جائے کہ جب نبی کے ایک امتی اور خادم کا یہ مقام ہو سکتا ہے

تو نبی کا مقام کیا ہوگا۔

۳۔ انسان کی طبیعت پر جس قدر ایشارہ قربانی اور سرفروشی کا اثر پڑتا ہے کسی چیز کا نہیں پڑتا، اس سامنے پوری منطق اور تمام بحث استدلال بے اثر ثابت ہوتا ہے، بڑے سے بڑا تن آسان اور عافیت کو ش بھی ایسے لوگوں کا کلمہ پڑھتا ہے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں ان کی عقیدت اور عظمت محسوس کرتا ہے، ہمارے نوجوان دوسری قوموں اور اپنے ملک کے قائدین و مجتہدین و وطن کے شاندار اور سحر انگیز سوانح اور تذکرے پڑھتے ہیں اور ان کے کارنامے اپنے کانوں سے سنتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو طبعاً متاثر ہوتے ہیں اس کے مقابلے میں (اپنی خود فراموشی یا ناواقفیت سے) سمجھتے ہیں کہ ہمارے گھر میں اندھیرا ہے اس کا اثر براہ راست مذہب پر پڑتا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ نوجوانوں میں سیاست کی راہ سے اتحاد بڑی سرعت سے آرہا ہے اس لئے سخت ضرورت ہے کہ اپنے ہی ملک کے ان دینی قائدین و مجاہدین کے حالات کی اشاعت کی جائے، جو قربانی اور سرفروشی میں بھی منزلوں آگے ہیں۔

۴۔ اردو میں صوفیہ و مشائخ کے تذکروں کی کمی نہیں، مجاہدین اسلام کے تذکروں کی کمی ہے، مگر وہ بھی معدوم نہیں، لیکن قرآن کی اشاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بعد صرف انھیں حضرات کی سیرت پورے طور پر مفید ہو سکتی ہے، جو سیرت و تسبیح کے جامع ہوں اور جن سے محبت و شوق الہی کے ساتھ حرکت و عمل کی قوت پیدا ہو۔
ایک عارف، ایک مصلح اور ایک مجدد کی حیثیت سے بھی یہ سیرت مکمل ہے اور مسلمانوں کے ہر طبقے کے مطالعے کے لائق۔

نوجوانوں کو یہ پیغام دیتی ہے کہ وہ خود بدلنے کے بجائے زمانے کو بدلنے کی ہمت کریں
نازکیا اس پر جو بدلانے زمانے نہیں مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں!

سلطنتوں کو فتح کرنے کا حوصلہ رکھیں کہ جو انوں نے یہ بھی کیا ہے، حیم کی آرائش و زیبائش
چھوڑ کر نرم جہاں کی آرائش کی فکر کریں اور دیکھیں کہ کیا چیزیں کم ہیں کہ پوری کر دیں، کیا رخنے ہیں کہ
بھر دیں، کیا چیزیں بیکار ہو گئی ہیں کہ نکال دیں۔

اہل خانقاہ اور مشائخ کو اس کا پیغام ہے کہ :-

اے پیر حرم، ارم و رہ خالقہی چھوڑ	مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
الشر رکھے تیرے جوانوں کو سلامت	دے ان کو سبق خود شکنی، خود نگری کا
توان کو سکھا خارہ ننگانی کے طریقے	مغرب نے سکھایا انھیں فن شیشہ گری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی	دار و کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا (صوبہ کلیم)

داڑھ شاہ علم الشر
راٹے بریلی

۳۰ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ
(۱۵ دسمبر ۱۹۳۶ء)

کتاب کے آخذ

سید صاحبؒ کی سیرت میں اتنی کتابیں اور اس شرح و بسط کے ساتھ لکھی گئی ہیں جو غالباً کم نامورانِ اسلام اور شاخ و مجاہدین کے حالات میں لکھی گئی ہوں گی اس کے نئی سبب ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ اس زمانے میں کتابت و تصنیف بہت عام تھی اور سید رضاؒ کے فوراً بعد آپؒ کے رفقا و معتقدین نے اس طرف توجہ کی، اس لئے ان کو زیادہ تر وہ چشم دید بیانات اور جزئیات و تفصیلات مل سکیں، جن کا بعد میں فراہم ہونا مشکل ہوتا ہے۔

دوسرے نواب زبیر الدولہ مرحوم والی ریاست ٹونک نے جن کو سید رضاؒ کے ساتھ عقیدت و ارادت ہی نہیں عشق تھا، اس کام کے لئے اپنی ریاست میں سید رضاؒ کے اعزاء اور رفقا اور عوام کی ایک جماعت مقرر کر دی تھی جس نے سید رضاؒ کے حالات و واقعات کا ایک ضخیم دفتر تیار کر دیا۔ لیکن ان کتابوں کی موجودگی میں ایک ایسی نئی کتاب کی ضرورت پیش آئی۔

۱۔ جو ان سب کتابوں کو سامنے رکھ کر لکھی جائے۔

۲۔ جس میں سید رضاؒ کی شخصیت و حیثیت اور آپ کے مقاصد و عزائم واضح کئے جائیں اور آپ کی عظیم الشان تحریک کے دینی و سیاسی اثرات و برکات بیان کئے جائیں۔

لہ نواب میرزا بانی ریاست ٹونک (راجپوتانہ) کے فرزندِ ارجمند۔ پیدائش ۱۲۲۲ھ ہندوستانی ۱۲۵۰ھ و وفات ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۳ء

۳۔ جس میں غیر ضروری جزئیات و تفصیلات اور محض کرامات کی بجائے ضروری واقعات اور تاریخی اشارے ہوں اور

۴۔ جس میں وہ مضامین و مسالک کئے جائیں جو اقتضائے وقت اور مجبوری چھوڑ دیئے گئے تھے۔

جن کتابوں سے اس کتاب کے واقعات و مضامین ماخوذ ہیں ان کے نام ضروری

تفصیل کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

قلمی: ۱۔ آثار الابرار (فارسی)

مولانا شاہ اہل الشریعہ (برادر حضرت شاہ ولی اللہ) مولانا نور اللہ، مولانا شاہ محمد عاشق

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کے دوسرے اکابر نے حضرت شاہ ولی اللہ کی

وفات کے بعد حضرت شاہ سید ابوسعید رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام مفصل خطوط لکھے ہیں جن سے اس زمانے

کے بہت سی حالات اور خاندان کے اہم واقعات اور بزرگوں کے سینوں فات پر روشنی پڑتی ہے اور شاہ

ابوسعید کے اس خاندان سے تعلق اور ان کے مرتبے اور شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے مولوی سید ابوالقاسم

ہنسوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان خطوط کو "آثار الابرار" کے نام سے یک جا جمع کر دیا ہے جو ہنوز غیر مطبوع ہے۔

۲۔ وقائع احمدی (اردو)

یہ کتاب اسی جماعت کا مرتب کیا ہوا مجموعہ ہے جس کی نواب زبیر الدولہ مرحوم نے سید صاحب کی

وقائع نگاری اور تاریخ نویسی کے لئے مقرر کیا تھا، اس میں سید صاحب کے بعض خاص اعزاز آپ کے وقائع سفر و

جہاد اور آپ کے خدام تھے ہر ایک اپنی معلوماً اور چشم دید واقعات بیان کرتا اور کتاب اس کو لکھ لیتا یہ سید صاحب

کے حالات اور جنگی تفصیلات کا سب سے وسیع ذخیرہ اور معلومات کا سب سے بڑا مخزن پیش نظر کتاب کا بھی سب سے

بڑا ماخذ ہے مولف کے پاس جو نسخہ ہے وہ تین مرتب ضخیم جلدوں اور چند متفرق اور کچھ راجز پر مشتمل ہے

یہ نسخہ مولانا سید عرفان مولانا سید مصطفیٰ اور حافظ سید محمد یونس (نبیرگان حضرت سید صاحب) کی ملکیت ہے

اور علامہ محترمہ اہلیہ سید عبد الحفیظ اختر حافظ سید محمد یونس صاحب مرحوم کی عنایت سے حاصل ہوا، اس نسخے

کی پہلی جلد کے ابتدائی اوراق ناقص تھے، اس کی تکمیل "وقائع احمدی" کے نسخے سے کی گئی، جو سید نور احمد صاحب پسرید محمد اسحاق صاحب مرحوم سے مستعار ملا اور وہ "وقائع" کی صرف پہلی جلد ہے۔
سہ منظورۃ السعداء (فارسی)

اس کتاب کا پورا نام "منظورۃ السعداء فی احوال الغزاة والشہداء" ہے، تاریخ احمدیہ "تاریخی نام" ہے جس سے تاریخ تالیف ۱۲۶۲ھ نکلتی ہے، یہ کتاب مولوی سید حفیظ علی نقوی ساکن مچھوا میر (ضلع لتی) کی تالیف ہے اور سید صاحب کے حالات میں نہایت معتبر و سبوط کتاب ہے، مولوی سید حفیظ علی ان کے والد اور بھائی سید صاحب سے وابستہ اور آپ کے مخلصین میں تھے، رمضان ۱۲۲۵ھ میں سرحد پہنچے اور اپنی علمیت اور تحریری قابلیت کی بنا پر منشی خانے سے وابستہ ہو گئے، جنگ بالاکوٹ میں شریک تھے، بالاکوٹ کے واقعے کے بعد ہندوستان تشریف لے آئے اور اصلاحی اور دعوتی کاموں میں مشغول ہو گئے، نواب زبیر الدولہ مرحوم کے عہد ریاست میں غالباً انھیں کی تحریک سے کتاب لکھی، ۱۲۲۵ھ تک کے حالات میں ان کا ماخذ اور ذریعہ معلوماً "مخزن احمدی" "مکاتیب سید حمید الدین" اور مجاہدین کے بیانات و روایات اور منشی خانے کے کاغذات ہیں، ۹ رمضان ۱۲۲۵ھ سے ۲۲ ذی قعدہ ۱۲۲۶ھ تک وہ واقعات کے چشم دید راوی اور بہت سے موقعوں پر خود شریک واقعہ ہیں۔

اس کتاب کے متعدد نسخے مظفر جنگ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں (خلف نواب محمد علی خاں مرحوم) کے کتب خانوں میں دیکھے، مگر سب صرف حصہ اول پر مشتمل تھے، مکمل نسخہ جو بالاکوٹ تک کے حالات پر مشتمل ہوا ٹونک میں نظر سے نہیں گزرا، ایک نسخہ جو حصہ ثانی پر بھی مشتمل ہے، حافظ محمود خاں شیرانی ٹونکی مرحوم کو کہیں سے حاصل ہوا اور ان کے ذخیرہ کتب میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں منتقل ہو گیا، نسخہ بھی ناقص ہے، اس کے بعض اجزا غائب، بعض کرم خوردہ ہیں، ٹونک کے نسخے سے اس نسخے کی اور ٹونک

لے مولوی سید حفیظ علی صاحب کا مفصل تذکرہ خلفاء مریدین کے سلسلے میں ملاحظہ ہو۔

کے نسخے کی اس نسخے سے تکمیل ہوتی ہے، مؤلف کتاب کو دونوں نسخوں سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔

۴۔ مکتوبات (فارسی)

یہ سید رضا مولانا اسماعیلؒ اور سید حمید الدینؒ (خواہر زادہ سید رضاؒ) کے خطوط کا مجموعہ ہے جو زیادہ تر میدان جنگ سے اعزاز و اجاب امر اور سلاطین اور اہل ہندستان کو بھیجے گئے، ان سے سفر ہجرت اور جہاد کے واقعات اور میدان جنگ کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، سید حمید الدینؒ کے خطوط نہایت مفصل و رواضح اور بیش قیمت معلومات پر مشتمل ہیں اور ان سے سفر ہجرت کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے، صاحبزادہ عبدالرحیم خاں صفا کے کتب خانے میں و ہندستان کے بعض دوسرے کتب خانوں میں اس کے متعدد مجموعے ہیں جن میں خطوط کی تعداد میں کمی بیشی ہے جو نسخہ مؤلف کے پیش نظر ہے، وہ خاندانی ہے اور غالباً سید حمید الدین یا سید عبدالرحمنؒ (خواہر زادگان سید رضاؒ) کے پاس رہا ہے اس میں خطوط کے علاوہ بعض جنگوں اور واقعات کی روداد جو غالباً ہندستان روانہ کی گئی ہے، فرامین اور اجازت نامے بھی ہیں، دریا میں ڈوقار کا قصیدہ بھی ہے، یہ نسخہ نہایت خوش خط لیکن اغلاط سے بڑا ہے، بڑے سائز کے ۴۱۶ صفحات پر تمام ہوا ہے۔ یہ خطوط گراں قدر فوائد پر مشتمل ہیں اور قرآن و حدیث کا بیش بہا خزانہ اور جہاد کے نہایت ولولہ انگیز اور ایمان افروز خطبے ہیں، جن کا لفظ لفظ شمشیر و سناں کا کام دیتا ہے۔

۵۔ ارمغان اجاب (اردو)

یہ راقم سطور کے والد مرحوم مولانا حکیم عبدالحی صفاؒ کا سفر نامہ اور روزنامہ ہے، آپ نے ۱۳۱۲ھ میں ہلی پانی پت، دیوبند، سہارن پور، ننگینہ، سرہند وغیرہ کا سفر کیا، علماء و مشائخ و تہذیبی ملاقات کی، ان بزرگوں سے علمی و روحانی تذکروں کے علاوہ جناب سید رضاؒ کے متعلق بیسیوں ایسی روایات سنیں جو انھوں نے اپنے بزرگوں سے سنی تھیں یا خود ان واقعات میں شریک تھے، اور سید رضاؒ کی عام تاریخوں میں نہیں ملتی، یہ کتاب اگرچہ

لہ یہ کتب خانہ دوسرے کتابی ذخیروں کی طرح ریاست کے کتب خانے میں ضم کر دیا گیا ہے۔

یہ رضا کے تذکرہ و سیرت موضوع پر نہیں ہے لیکن یہ رضا کے تذکرے میں اس نہایت بیش قیمت مدد ملی
یہ رسالہ اس وقت کی علمی دینی اخلاقی تصویر ہونے کے علاوہ یہ رضا کے بہت حال و کمالات کا آئینہ ہے۔

۶۔ نزہتہ الخواطر و بھجۃ المسامح والنواظر (عربی)

یہ آٹھ جلدوں میں شاہیر ہندستان کا تذکرہ ہے اور والد مرحوم مولانا سید عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ
کی تصنیف سرمایہ حیات ہے اس میں تیرہویں صدی کے اعیان میں یہ رضا اور ان کے رفقا کا تذکرہ ہے۔

۷۔ قدیم تحریریں اور دستاویزیں

مخطوطات اور غیر مطبوعہ کتابوں کے علاوہ خاندانی ذخیروں میں بعض ایسی قدیم تحریریں یاد آتی
خطوط اور دستاویزیں ہیں جن سے بعض اہم تفصیلات اور واقعات کی جزئیات معلوم ہوئیں ہیں کی
تعیین ہوئی اور عام مطبوعہ تذکروں اور بعض اوقات بعض قدیم ماخذوں کی غلطیوں کا علم ہوا۔
ان قدیم تحریروں و زیادداشتوں میں سفر حج کی ایک یادداشت ہے جو روزنامے کی شکل میں
یہ رضا کے رفقاء خاص میں سے کسی فریق کے قلم کی لکھی ہوئی ہے اور اس میں بنا اس کی منزل سے لے کر
حجاز سے واپسی تک کے اہم واقعات بقیہ تاریخ لکھے ہوئے ہیں یہ یادداشت مولوی محمد سعید صاحب
نصیر آبادی کے خاندانی کاغذات میں ایک کتاب کے اندر نشانی کے طور پر رکھی ہوئی ملی جس سے سفر حج
کی منزلوں کی تاریخ لکھنے میں بڑی مدد ملی اور بعض نئے واقعات کا علم ہوا۔

دستاویزوں میں بعض اقرار نامے اور خاندانی ہبہ نامے وغیرہ تھے جن میں سے بعض اپنے گھر کے
خطوط اور قدیم قلمی تحریروں کے مرتب میں ملے بعض مولوی سید محمد علی صاحب "مخزن احمدی" کے صاحبزاد
بخشی سید نور الہدیٰ صاحب مرحوم کے قلمی ذخیرے میں ٹونک میں دستیاب ہوئے ان میں کبھی بڑے مفید معلومات

لے رسالہ معارف (دار المصنفین اعظم گڑھ) میں ۱۹۳۹ء میں مسلسل شائع ہو چکا ہے بعد میں دہلی اور
اس کے اطراف کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔

یہ کتاب جو آٹھ حصوں پر مشتمل ہے دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہے۔

حاصل ہوئے اور عام کتابوں کے متعدد غلط اور مشہور سنہین کی تصحیح ہوئی۔

قدیم حسابات کے کاغذات بھی بڑی بڑی مدلی اور بعض مشہور اخلاط کی تصحیح ہوئی ان میں برائے بری کے موضع لوہانی پور کی مسجد (تعمیر کردہ بیدھنٹا) کے حسابات کاغذات خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو ہم تعمیر محمد زمان خان مرحوم کے پوتے ماسٹر محمد زمان خان اور اولاد محمد خاں ہاں دستیاب ہوئے جَزَاهُمْ اللهُ خَيْرًا

مطبوعہ: ۱۔ مخزن احمدی (فارسی)

بیدھنٹا کے بڑے بھانجے مولوی بید محمد علی کی تصنیف اور بیدھنٹا کے حج سے واپسی تک کے ابتدائی حالات میں سب سے بڑا ماخذ ہے مولوی حصار سوم بیدھنٹا سے عمر میں ٹپے اکثر واقعات کے چشم دید گواہ اور فرسوں سفر تھے، نواب محمد علی خاں کے عہد میں یہ کتاب لکھی گئی، اب نایاب ہے۔
۲۔ سوانح احمدی اور ۳۔ تواریخ عجیب (اردو)

پہلی کتاب بیدھنٹا کے حالات میں مقبول مشہور کتاب ہے جس سے بیدھنٹا کے حالات کی بہت اشاعت ہوئی، مولوی محمد حصار صفا تھانوی اسی رپورٹ بلیر مہتمم مقدمہ سازش کی تصنیف ہے، آپ بیدھنٹا کے خلفا سے بیعت اور بیدھنٹا کے سچے اور پرپوش معتقد تھے جس زمانے میں یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے اس وقت اس کے زیادہ تصریح شاید خطرے سے خالی نہ تھی اور اس وقت اس کی اشاعت ہی ایک خطرناک کام تھا شاید اسی وجہ سے مصنف کتاب کو خطوط کی عبارتوں میں بھی کہیں کہیں رد و بدل کرنا پڑا۔
دوسری کتاب "تواریخ عجیب" مصنف کی آپ بیتی ۱۸۶۴ء کے مشہور مقدمہ سازش انبالہ جیل و

کالے پانی کی سرگزشت اور مصائب استغاثہ کی نہایت عبرتناک اور مؤثر داستان ہے اس کا دوسرا نام کالا پانی ہے۔
۴۔ وصایا وزیر علی طریقۃ البشیر والنذیر (فارسی)

یہ نواب زبیر الدولہ مرحوم والی ریاست ٹونک کی تصنیف ہے جو وصایا کے وزیر کے نام سے شہور ہے، آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے محمد علی خاں مرحوم والی ریاست ٹونک کے عہد حکومت میں

ترتب ہو کر ۱۲۸۴ھ میں مطبع محمدی ٹونک میں طبع ہوئی، اس کتاب میں نواب حسام حرم نے اپنے جانشینوں کو اتباع سنت احکام شریعت کے اجرا اور یدِ رضا کے مسلک پر چلنے کی تلقین کی ہے، اور ریاست و حکومت کے متعلق خاص خاص وصیتیں اور ہدایتیں کی ہیں، کتاب میں مختلف مناسبتوں کے ۶۵ تقاضا پر نواب حسناء نے عاشقانہ وارفنگی اور مریدانہ عقیدت مندی کے ساتھ حضرت یدِ رضا اور آپ کے رفقا کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کے حالات و کمالات اور حج کئے ہیں، جن میں اکثر آپ کے چشم دید ہیں۔

۵۔ رسائلِ خلفا

رسالہ "دعوت" از مولانا ولایت علی عظیم آبادی، رسالہ "نصائح" و رسالہ "وصول"
از مولانا سخاوت علی، ذخیرہ کرامت از مولانا کرامت علی، "حسن الوصایا" و "دافع انفساً"
و "نافع العباد" از پیر تفسی خان رام پوری، "لمحات احمدیہ" از مفتی الہی بخش کاندھلوی،
۶۔ الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور (اردو)

یہ مولانا عبدالرحیم صادق پوری، اسیر پورٹ بلیر و تہم مقدمہ سازش ۱۸۶۲ء کی تالیف ہے
اپنے خاندانی حالات و انساب کا مجموعہ اور یدِ رضا کے خلفا و تبعین کی سب سے بڑی پرورش و سرفروش
مخلص اور کار گزار جماعت اہل صادق پور کا تذکرہ ہے، اس کا دوسرا نام "تذکرہ صادقہ" بھی ہے۔
۷۔ امیر الروایات اور ۸۔ ارواح ثلاثہ (اردو)

امیر شاہ خاں مرحوم نامی ایک بزرگ خوجے کے متوطن اور مینڈو ضلع علی گڑھ میں رہتے تھے،
آپ بہت اکابر و فضلا کے صحبت یافتہ تھے اور حدیث کی طرح خاندان ولی اللہی کے بزرگوں و اکابر
سلسلہ دیوبند کے حالات و واقعات سنانے تھے، مولانا اشرف علی تھانوی نے ان زبانی روایا کو قلم بند
کر لیا اور اس مجموعے کو "امیر الروایات" کے نام سے شائع فرمادیا، بعد میں بعض دوسرے اضافات کے ساتھ مجموعہ
"ارواح ثلاثہ" کے نام سے شائع ہوا، اس میں اگرچہ بعض فرگزاشتیں اور تاریخی مسامحات ہیں، لیکن

جناب سید صاحب، شاہ اسمعیلؒ اور مولانا عبدالحیؒ کے متعلق بعض کارآمد معلومات اور دلچسپ واقعات ہیں جو اپنے اپنے موقع پر کتاب میں درج ہیں۔

۹۔ آبائی اور خاندانی حالات کے مآخذ

اس خاندان کے اکابر اور بزرگوں کے حستہ حستہ حالات اور واقعات تاریخ و سیر و انساب کی کتابوں میں ملتے ہیں، تاریخ فیروز شاہی، "عمدة الطالب"، "تذکرۃ السادات"، "منبع الانساب"، "بجز خازن" "تاریخ آئینہ اودھ" اور "نزهت الخواطر" اس باب میں مآخذ ہیں۔

خاص خاندانی حالات اور قریب کے اجداد کی سیرت و وقائع کے لئے "اعلام الہدیٰ" سب سے بہتر اور معتبر مآخذ ہے جو سید صاحب کے عم "حقیقی مولانا سید نعمان کی تالیف اور حضرت شاہ علم اللہؒ اور ان کی اولاد و احفاد کے سیر و حالات کا مجموعہ ہے، مولانا سید نعمان نے ان میں سے اکثر بزرگوں کا زمانہ پایا اور ان کی صحبتیں اٹھائیں اور اپنے مشاہدات و معلومات قلم بند کئے۔

مولانا سید نعمان کے بعد اس خاندان کے ایک رکن سید عبدالشکور (۱۲۳۴ھ - ۱۲۸۳ھ) نے خاندان کے انساب میں "گلشن محمودی" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس سے بعد کے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ خاندانی حالات و معلومات کا سب سے بڑا ذخیرہ اس خاندان کے مؤرخ اور عالم انساب مولیٰ سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فراہم کیا، آپ نے "اعلام الہدیٰ" میں ضافہ کیا اور "سیرۃ علیہ" نام رکھا، ان کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اپنے زمانہ وفات (۱۳۲۶ھ) تک اس خاندان کے تمام افراد کے نام و نسب اور حتی الامکان سنین و حالات و خصوصیات بڑی تحقیق و جستجو سے فراہم کئے اور "سیرۃ السادات" کے نام سے ایک مفصل نسب نامہ مرتب کیا، جو خاندانی انساب، سنین و فیہا اور ممتاز افراد خاندان کی سیرت و خصوصیات زندگی معلوم کرنے کا اس وقت واحد مآخذ ہے۔

لے مولیٰ سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا حکیم سید عبدالحیؒ نے اس میں ضافہ کیا، اس آخری مجموعے کا نام "تذکرۃ الابراہیم" ہے۔

سید صاحب کی سیرت پر اجمالی نظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غیر فانی معجزہ یہ ہے کہ آپ کے فیض کا چشمہ کبھی خشک نہیں ہونے پایا آپ کا نمونہ آنکھوں کے کبھی اوجھل نہیں ہوتا، آپ کی امت کی ضرورتیں زیادہ دیکھ لی نہیں رہیں اور وہ اس طرح کہ آپ کی مشعل نور سے براہ راست مسلسل طریقے پر سیکڑوں مشعلیں روشن ہوتی رہی ہیں اور قیامت تک ہوتی رہیں گی، آپ کی کامل پیروی سے ہر زمانے میں اور تقریباً ہر جگہ کم و بیش ایسے انسان پیدا ہوتے رہے جن سے آپ کی یاد مانہ ہوتی تھی اور انبیاء کی شان نظر آتی تھی جن سے ظاہر ہوتا کہ اللہ کا کام بند نہیں ہوا اللہ کا دین زندہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہر زمانے میں ممکن ہے اور انھیں کی وجہ تمام انبیاء کے بعد کسی نبی کی عملاً ضرورت نہیں ان بزرگوں کے کئی طبقے ہیں پہلے اور سب سے اونچے طبقے کو صحابہ کرام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اثبات کی تکمیل کر دی اسی طرح ان حضرات نے آپ کی کامل پیروی کا حق ادا کر دیا، ان کے بعد سلف صالحین اور کئی کا ملین مجاہدین امیرین مصلحین امجدین مختلف طبقا ہیں اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلامذہ و مریدین آپ کے کفش بردار اور آپ کے دین خادم ہیں اور اس کے زیادہ کچھ نہیں ان لوگوں کے اللہ ہمیشہ اپنا کام لیتا رہا، ان ہزاروں کی آنکھیں روشن ہیں ہزاروں کے دل کے کنول کھلائے ہزاروں کو جگایا بنڈن پر اپنی حجت تمام کی ان کا ذکر عبادت ہے ان کی محبت ذخیرہ آخرت ہے ان کی سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک جز ہے اگرچہ ان میں ہر ایک اپنے رنگ میں کامل تھا لیکن ان کا مل

میں بھی کامل وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ کامل ہے جس میں صحابہؓ کی شان سب سے بڑھ کر تھی جس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب و مقصد کی زیادہ خدمت ترقی ہوئی جس کی صحبت تربیت اسی جانتا تھا ہوئی جس نے خیر القرون کی یاد تازہ کر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک بار ملاحظہ ہو اور آپ کی جامعیت پر نظر کی جائے علم عمل کے جامع، دین دنیا کے جامع، شب بیدار و شوہر سوار اللہ کے لئے اگر محبت کرتے تھے تو اللہ ہی کے لئے دشمنی بھی کرتے تھے، نفس کے مجاہدے کے ساتھ کفار سے جہاد بھی کرتے تھے۔ لیکن صحابہؓ کو چھوڑ کر ذرا پیچھے ہٹ کر دیکھئے، بہت لوگوں کے جسم پر مسلم قبائل نظر نہیں آئے گی، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ دیکھنا ہے تو ان میں سے ایک کو نہیں دیکھنا چاہئے، ورنہ آپ کی شان کا ناقص تصور ہوگا، اس لئے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیس سالہ زندگی کے صرف مخصوص اوقات کا نمونہ ہیں اگر کامل نمونہ دیکھنا ہے تو سب کو جمع کر کے دیکھنا چاہئے۔

لیکن صحابہؓ کی صفت کو چھوڑ کر کہ "اس خانہ تمام آفتاب است" ہر صفت میں چند ایسے لوگ نظر آئیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مکمل صحیفہ ہیں جنہوں نے آپ کے کمال میں انتخاب نہیں کیا بلکہ ان کو مسلم یایہ وہ افراد ہیں جن میں ہر فرد اپنی جامعیت میں ایک پوری امت کا آئینہ اور اوراق سے معلوم ہوگا کہ ایسے افراد امت میں سید احمد شہید بھی ایک فرد ہیں جو زمانے کے لحاظ سے چھ لکھن مرنے کے لحاظ سے بہت آگے ہیں۔ اس کے بعد دوسری حیثیت پر غور کرنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں ایک بہت بڑا کمال ہے

آپ کی بعثت کا ایک اہم مقصد انسانوں پر اللہ کی حکومت و شریعت کا قائم کرنا زمین میں آسمانی نظام استوار و اخلاق و معاشرت کا جاری کرنا تھا پشاور کے فاتح اور تیرہویں صدی کے امیر المؤمنین کی زندگی میں تبلیغ نبوی کی حیثیت بہت نمایاں نظر آئے گی اور اسی چیز نے مشائخ امت میں اس جو ان کا سر و نچا کر دیا ہے، مصلحین اور علما و مشائخ نے بے شبہ اسلام کی گراں قدر خدمت انجام دی ہیں اور دسے رہے ہیں ہزاروں بندگان خدا کو ان سے ہدایت ہوئی ہزاروں کو ان کی وجہ کلمہ نصیب ہوا، ہزاروں کے خاتمے اچھے ہوئے آج بھی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ ان سے جاری ہے، لیکن ان سب کے حلقے اور عمل کے دائرے محدود ہیں۔
 یہ دستاویزۃ اللہ علیہ نے اس نکتے کو اچھی طرح سمجھا کہ حکومت الہی کے قیام اور اسلامی نظامِ حیات
 و قوانین محدود کے اجراء اور ماحول کی تبدیلی کے بغیر یہ سب کوششیں "کوہ کندن کاہ برآوردن"
 ثابت ہوں گی، ضرر خیز خاص لوگوں کی اصلاح ہوگی لیکن ضرورتاً فضا بدلنے اور جبراً مضبوط کرنے کی بجائے
 آپ اسی نقشے پر کام کرنا چاہتے تھے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین نے کیا
 اور تجربہ کیا کہ سب سے زیادہ اور پائیدار کامیابی اسی کو ہوئی اور قیام تک اسلام کی ترقی کے لئے وہی نظامِ عمل ہے۔
 اسلام صرف خواص کا مذہب نہیں اور چند منتخب لوگوں کا اس پر عمل کرنا کافی نہیں، اسی طرح اسلام عیسائیت
 کی طرح چند عقائد و رسوم کا نام نہیں، وہ پوری زندگی کا نظام ہے، وہ زمانے کی فضا، طبیعت بشری کا مذاق اور
 اور موادِ عالم کا رنگ بدلنا چاہتا ہے اور عقائد کے ساتھ ساتھ اخلاق و معاشرت زندگی کے مقصد
 و معیار زاویہ نظر اور انسانی ذہنیت کو بھی اپنے قالب میں ڈھالنا چاہتا ہے، یہ اسی وقت ہو سکتا
 ہے کہ اس کو مادی و سیاسی اقتدار حاصل ہو، صرف اسی کو قانون سازی اور تنفیذ کا حق ہو، اسی کے
 صحیح نمائندے دنیا کے لئے نمونہ ہوں، اسلام کے مادی اقتدار کا لازمی نتیجہ اس کا روحانی اقتدار اور
 صاحبِ اقتدار جماعت کے اخلاق و اعمال کی اشاعت ہے، اسی حقیقت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے:
 الَّذِينَ اِنْ مَنَّكَهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا
 الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ
 وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَذَلِكَ عَاقِبَةُ
 الْاُمُورِ (۲۱:۲۲)

یہ مظلوم مسلمان وہ ہیں کہ اگر ہم نے زمین میں انہیں صاحبِ
 اقتدار کر دیا، یعنی ان کا حکم چلنے لگا، تو وہ نماز قائم
 کریں، ادائے زکوٰۃ میں سرگرم ہوں، نیکیوں کا حکم دیں گے،
 برائیوں کو روکیں گے اور تمام باتوں کا انجام کارِ شری کے ہاتھ ہے۔

ایک نہایت ہی اہم بات یہ ہے کہ شرعی حکومت کے بغیر شریعت پر پورا عمل بھی نہیں ہو سکتا،

اسلام کے نظامِ عمل کا ایک مستقل حصہ ایسا ہے جو حکومت پر موقوف ہے، حکومت کے بغیر قرآن مجید کا

ایک پورا حصہ ناقابل عمل رہ جاتا ہے، خود اسلام کی حفاظت بھی قوت کے بغیر ممکن نہیں، مثال کے طور پر اسلام کا پورا نظام مالی و دیوانی و فوجداری معطل ہو جاتا ہے اسی قرآنِ عظیمہ عزت کے حصول پر زور دیا ہے اور اسی لئے خلافتِ اسلامی بہت اہم اور مقدس چیز سمجھی گئی اور اس کو اکابر صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز و کفین پر مقدم رکھا، جسے بہت کوتاہ نظر نہیں سمجھتے اور اسی کی حفاظت کے لئے حضرت حسین نے اپنی قربانی پیش کی تاکہ اس کا مقصد ضائع نہ ہو اور وہ نااہل ہاتھوں میں جانے نہ پائے "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" اسلام میں جس قدر اہم فریضہ ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ امت کی بخت کا مقصد یہی بتایا گیا ہے

کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ
بِالمَعْرُوفِ وَنَهَوْنَ عَنِ المُنْكَرِ (۱۱۰ : ۳)

تم بہترین قوم ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم
بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے روکتے ہو۔

اور قیامت تک کے لئے مسلمانوں کا یہی فرض قرار دیا گیا ہے :-

وَلَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ
وَيَأْمُرُونَ بِالمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ المُنْكَرِ
تم میں ایک ایسی جماعت رہنی چاہئے جو بھلائی کی
طرف دعوت دیتی رہے، نیکی کا حکم کرتی رہے اور
بُرائی سے روکتی رہے۔ (۱۰۴ : ۳)

لیکن یہ یاد رہے کہ اس کے لئے امر (حکم) اور نہی (ممانعت) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اہل علم جانتے ہیں کہ امر و نہی کے لفظ میں اقتدار اور حکم کی شان ہے، یہ نہیں فرمایا کہ وہ بھلائی اختیار کرنے کے لئے درخواست و عرض کریں گے، پس امر و نہی کے لئے سیاسی اقتدار اور مادی قوت کی ضرورت ہے اور امت کا فریضہ ہے کہ وہ اس کا انتظام کرے۔ صحیحین کی مشہور حدیث ہے :-

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا، فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ
لَمْ يَسْتَطِعْ، فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ،
فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ.
تم میں سے جو شخص کوئی بُرا کار دیکھے، اسے ہاتھ سے روک
دے، اگر ہاتھ سے روک سکے تو زبان سے روکے، اگر زبان بھی
نہ روک سکے تو دل سے بُرا سمجھے اور یہ آخری درجہ ایمان کا
سب سے کمزور درجہ ہے۔

ظاہر ہے کہ تفسیر بالیڈ (ہاتھ سے بدل دینے اور عملی اصلاح) کے لئے قوت و اختیار کی ضرورت ہے، زبان رکھنے کے لئے کچھ قوت اور آزادی کی ضرورت ہے، اگر یہ کچھ نہیں تو تیسرے درجے پر قناعت کرنی پڑے گی، جو ایمان کا آخری درجہ ہے، اور جس کے بعد بعض روایا کے مطابق ایک ذرہ برابر بھی ایمان نہیں رہ جاتا، شاہد اور تجربہ ہے کہ غلامی میں دل سے برا سمجھنا اور زشت نیک کا احساس بھی جاتا رہتا ہے۔

جو تھا نا خوب، بتدریج وہی خوب ہوا

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر!

اگرچہ سید حسنا کی تاریخ میں اس کا زمام جہاد اور اجبائے خلافتِ اسلامیہ نے اتنی اہمیت حاصل کر لی ہے کہ عام لوگ اس کو سوا کچھ نہیں جانتے، لیکن خواص کی بھی اس مقاصد اسرار پر نظر نہیں، خدا کو ابھی ہماری ناقذ اور نا اتفاقی کی سزا دینی تھی، ورنہ دنیا خلافتِ راشدہ کے بعد ہندوستان میں شریعہ کا نقشہ دیکھ لیتی، اس موقع پر ایک چیز کی حتمی نہایت ضروری قوموں کی تاریخ میں اور خود مسلمانوں کی تاریخ میں ایسے اشخاص کی کمی نہیں اور اس وقت بھی ہر ملک قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے ذاتی برتری و اقتدار یا قومی عزت و سر بلندی یا ملک و وطن کی آزادی کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی کی، قوم کی تنظیم کی، وطن کو آزاد کرایا، عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں، کامرانی و اقبال مندی کی زندگی حاصل کی یا عظمت و فتح مندی کی موت مرے، یہ اپنے کارناموں کے درجے اور ترتیب کے مطابق انسانوں کے احترام اور ہائے انصاف کے مستحق ہیں، لیکن سید حسنا اس فہرست کے اشخاص میں نہیں ہیں، وہ ان مجاہدین میں ہیں جنہوں نے محض اللہ کے نام کی بلندی اور اس کی بناؤ پوچی کرنے کے لئے، خالص اللہ کی خوشنودی اور رضا کے لئے، مسلمان نام ایک قوم کے غلبے کے لئے نہیں، بلکہ اسلام نام ایک مکمل دین، عقیدہ و عمل و مسلک زندگی کو قائم کرنے کے لئے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مظلوم شریعت کو جاری کرنے کے لئے اپنے خون کا پہلا اور آخری قطرہ بہایا، اس کے علاوہ کسی راستے میں ان کے پسینے کا بھی کوئی قطرہ نہیں بہا، ایسے مجاہدین شہداء اسلام ایسے اکابر قائدین اسلام کی فہرست اتنی طویل نہیں،

جتنی سمجھی جاتی ہے زندگی اور شو کی یہ ترازو ایسی بلند معیار ہے جس پر ہزاروں سیکس جنڈ ہی پوسے آتے ہیں۔ اس کے بعد بدھ مت کی ایک اور خصوصیت پر نظر ڈالئے اور وہ یہ کہ آپ نے تھوڑے زمانے میں ایک دینی فضا قائم کر دی اور ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس کی صحیح تعریف یہ ہے کہ وہ تیرہویں صدی میں صحابہ کا نمونہ تھے، ایک رنگ میں رنگے ہوئے، ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے، اللہ کے لئے جہان دینے والے شہداء پر چلنے اور مرنے والے، بدعت سے نفور، شرک کے دشمن، جہاد کے نشے میں سہر شاد، متقی و عبادت گزار اور بڑی بات یہ ہے کہ ہم رنگ و یک آہنگ تاریخ اسلام میں ایک جگہ اتنی بڑی تعداد میں سیکس جنڈ کی اور جامعیت کی کوئی جماعت صحابہ و تابعین کے بعد مشکل سے ملے گی، کیفیات ایمانی کے جہاں نواز جھونکے تاریخ اسلام میں بارہا چلے ہیں لیکن ایمان و یقین اور خلوص و شہادت کی ایسی باد بہاری بہار علم میں کم سے کم اس ملک میں اس پہلے نہیں چلی، نہ اس پہلے اتنے بڑے پیمانے پر عزم و توکل، جوش جہاد، ایمان و احتساب، شوق شہاد اور یقین آخرت کے ایسے نمونے دیکھنے میں آئے، آدم گری اور مردم سازی، اصلاح و انقلاب کے ایسے محیر العقول واقعات بھی اصلاح و تربیت کی تاریخ میں نایاب نہیں تو کیا ضرور ہیں۔ ان آخری صدیوں میں ہم کو دنیا کے اسلام میں کسی ایسی مذہبی تحریک کا علم نہیں ہوا جو ہندوستان کی اس تحریک جیسے سنت و جہاد سے زیادہ منظم و وسیع ہو اور جس کے سیاسی اور مذہبی اثرات اتنے ہم گیر اور دور رس ہوں، ہندوستان کی کوئی اصلاحی جد و جہد اور مسلمانوں کی کوئی سیاسی تحریک ایسی نہیں ہو اس تحریک سے متاثر نہ ہوا، واقعہ یہ ہے کہ اس پر صغیر میں موجودہ اسلامی زندگی، مذہبی اصلاح، مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور ملک میں مسلمانوں کے وجود کی اہمیت اور ان کا سیاسی وزن بڑی حد تک سی ٹوی جہاد کا رہنما بنتا ہے، آئندہ اوراق اسی اجمال کی تفصیل اور انہیں اشارات کی توضیح کے لئے ہیں۔

ابوالحسن علی ندوی

رودہناس، ریاست ٹونک
(راپڑو تانہ)

مئی ۱۹۳۶ء

سید صاحب کا زمانہ

تیرہویں صدی کی دنیائے اسلام

تیرہویں صدی یا اسلامی تاریخ کی پچھلی صدیوں میں دنیائے اسلام میں جو عالمگیر ذہنی، اخلاقی اور سیاسی انحطاط نظر آتا ہے وہ دفعہ سہمیں نہیں ہوا اور وہ کسی وقتی واقعے یا فوری تبدیلی کا نتیجہ نہیں بلکہ تاریخ کے ساتھ پیدا ہوا ہے اس کی تاریخ بہت پرانی ہے تاریخ اسلام کے بہت سے مسائل حل کرنے کے لئے نیز مجاہدین اسلام کی مشکلات کا اندازہ لگانے کے لئے اس کی ابتدائی تاریخ اور اس کے تاریخی ارتقا پر ایک نظر ڈالنی ضروری ہے۔ اسلام ایک دین ہے اس کے لئے ایک خاص قسم کی اعتقادی ذہنی، اخلاقی تربیت اور انقلاب کی ضرورت ہے نیز بہت بڑے ایثار اور قربانی کی جان مال کا ایثار بھی اور اس کے خلاف قسم کے خیالات و رجحانات اور رادوں اور خواہشوں کی قربانی بھی اسلامی دعوت کے علمبرداروں کے لئے ضروری تھی کہ وہ قدیم و جدید تمام مخالف عقائد، ماحول و مخالف ذہنی تربیت کے اثرات سے آزاد ہو چکے ہوں اور اس کے اصول و نظام پر پورا ایمان لائے ہوں اور ذہنی اور عملی طور پر اس کے حلقہ بگوش ہو چکے ہوں اسلام کے ابتدائی تیس سال تک وہ لوگ مسلمانوں کی زندگی پر حاوی رہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی اور صحبت نبوی کی انقلاب انگیزی اور کیمیا اثری کے باوجود ساہا سال ان کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کی گئی تھی ان کے دل و دماغ اور ان کی زندگی کے ہر گوشے میں جاہلیت اور اسلام کی کشمکش آخری طور پر ختم ہو چکی تھی اور صرف اسلام باقی رہ گیا تھا وہ اسلام کی عملی تصویر تھے اور ان کا عہد حکومت الہی اور حیات اسلامی کا مستند اور معیاری عہد تھا۔

ان کے بعد مسلمانوں کی رہنمائی ان لوگوں کے حصے میں آئی، جن کی ذہنیت اور زندگی میں اجابت اور اسلام کی غیر فانی کشمکش پورے طور پر ختم نہیں ہوئی تھی اور ان میں بعض غیر اسلامی رجحانات اور اثرات موجود تھے، بعد کے لوگوں میں یہ کشمکش کبھی کبھی جاہلیت کے غلبے اور اسلام کی مغلوبیت کی صورت میں نمایاں ہوئی، کبھی ملوکیت کے بھیس میں کبھی عربی قومیت کے روپ میں، کبھی دین و دنیا کی تفریق کی شکل میں اور کبھی شاہانہ شان و شوکت اور آزادانہ عیش و عشرت کے رنگ میں، حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مختصر عہد اس گلے سے مستثنیٰ ہے، انھوں نے اپنے مجددانہ کارناموں کو ثابت کر دیا کہ اس مجدد و وقت سلطان کے پاس وہ آپ جتا ہے جس سے وہ ایک پوری قوم کی گزری ہوئی جوانی واپس لاسکتا ہے، مگر ہوا کے اس طوفان میں تاریخ نبی امیہ کا یہ فاروقی ورق جلد الٹ گیا اور سابق مضمون کا تسلسل پھر قائم ہو گیا۔ اسلام نے اپنے پیروں میں وہ سچا عشق پیدا کر دیا تھا جس نے نفسانیت اور انانیت کو بالکل مغلوب کر دیا تھا، اور جس کی آگ نے نفس کے میل کھیل کو بالکل جلا دیا تھا، لیکن جب عشق کی یہ آگ کبھی اور حمیت اسلامی کا یہ چرٹھا ہوا دریا اتر آتا تو وہ چیزیں نمودار ہوتی ہیں جو دریا کے کنارے نمودار ہوتی ہیں، نفسانیت و انانیت، اختلاف و خانہ جنگی، رقابت اور سازشوں، ہر جگہ گل کھلائے، غفلت اور عیش و عشرت کی گرم بازاری ہوئی اور کہیں کہیں مسلمان ایک بے اصول بے سیر عالم حاکم قوم بن کر نظر آئے۔ اس عالم زوال کا بڑا سبب خلافت راشدہ کا خاتمہ ہے، خلافت دین کی پاسبان و سرپرست اور اس کے مقاصد و مصالح کی آراء کا تھی، یہ ان لوگوں کا ہاتھ میں آئی، جو یا تو اس کے مقاصد و مصالح سمجھتے نہ تھے، یا ان کے پابند نہیں رہنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کے لئے دین میں کوئی بلند نمونہ نہیں تھے، جب تک عہد نبوی کا قریب رہا، دینی ماحول و فضا باقی تھی، اس انقلاب کا اثر زیادہ ظاہر نہیں ہونے پایا اور صرف انتظامی اور فوجی شعبوں تک محدود رہا، خلفا سے زیادہ صحابہ و علماء کا اثر تھا، بے ضابطہ طریقے پر احتساب قائم تھا، علماء امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے تھے، وہ خلفا کو ٹوک دیتے تھے، اور وہ ان کی باتیں سن لیتے تھے،

ایسے نونے موجود تھے جنہیں دیکھ کر دین کا شوق پیدا ہوتا، اس کے بعد رفتہ رفتہ جب یہ لوگ ٹھننے لگے تو اہل حکومت کا تسلط بڑھا، علما و اہل دین کا اقتدار کم ہوا تو دین کا رنگ پھیکا پڑنے لگا، اہل علم و دین خود سے یا امیر حکومت کے دامن و البستہ ہونے لگے، احتساب ختم ہو گیا، اسی وقت سے اسلام اپنے گھر میں پر دسی ہو گیا بہت سے اہل حق گوشہ نشین ہو گئے اور اپنے اپنے حلقے میں اپنا فرض انجام دیتے رہے۔

پہلیت کہ خلافت امویہ یا عباسیہ کے عروج کا زمانہ اور ولید بن عبد الملک، ہارون مامون اور عبد الرحمن الناصر کا عہد اصولی حیثیت سے معیار اور نمونہ نہیں، ان لوگوں کے لئے نئی ہوگی جو اسلام کے معنی "اسلامی تمدن" سمجھتے ہیں اور اسلامی تمدن سے ان کی مراد بغداد و قرطبہ و دمشق و غرناطہ کا تمدن ہوتا ہے، وہ اسلام کی ترقی کو عیناڑوں کی بلندی فن تعمیر کی ترقی اور فتون لطیفہ کی سرپرستی کے پیمانے سے ناپتے ہیں، لیکن جو سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک عملی روحانی اخلاقی اور معاشرتی مذہب ہے، ان کو اس کی ترقی بغداد اور قرطبہ کے عالی شان اور اخلاقیوں و سر بفلک مسجد کے بجا دینے کے چھوٹے پروں میں نظر آئے گی۔ دنیا دار بادشاہ و امرا تو پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے، زمانے کے اقتضا اور حالات کے تغیر سے دنیا دار علما اور دانشوروں کا گروہ پیدا ہوا اور یہی وہ تینوں عناصر تھے جو اسلام کے درخت کو دیکھ کی طرح کھاتے رہے، حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔

وَهَلْ أَفْسَدَ الدِّينَ إِلَّا الْمُلُوكُ وَأَخْبَارُ سَوْءٍ وَرُهْبَانُهُمْ

خلافت کا نظام شرعی اور اس کی برکتیں تو پہلے ختم ہو چکی تھیں، احتساب ٹھہ جانے، ہر قسم کی آزادی اور سامان عیش دولت کی فراوانی سے سخت اخلاقی ابتزری پیدا ہوئی، فواحش و منکرات بے گناہیاں، شراب کا دور چلنے لگا، معصیت کی بہت سی ایسی قسمیں رائج ہو گئیں جن کی وجہ سے گزشتہ قوموں پر عذاب آتا تھا

لے دین کو محض بادشاہوں بڑے علما اور غلط کاروں کی ہوا میں خراب کیا۔ عہد اموی اور عباسی میں مسلمانوں کے اخلاقی انحطاط کی تصویر اور اسلامی معاشرے میں غمی عادات و تعیشات کا نقشہ دیکھنا ہوتا تو ابوالفرج الاصبہانی کی تالیف "کتاب الاغنی" اور بجا خطی "کتاب الحیوان" ملاحظہ ہو۔

علماء کی آوازیں منبروں اور درس کے حلقوں تک اور مشائخ و صوفیہ کا تذکرہ اور اصلاحیں خانقاہوں تک محدود رہ گئیں۔

پہلی ہی صدی میں عجمیوں کے اختلاط نے دین کی صورت اور تخیل کو مسخ کرنا شروع کر دیا تھا رفتہ رفتہ دین اپنے اس مرکز سے ہٹ گیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑا تھا اس مسخ و تحریف کی انتہائی صورت بقول ڈاکٹر شاہ ڈو، ایران کی شیعیت ہے جس سے اسلام کو سیاسی اور دینی کچھ نقصان نہیں پہنچا۔ اس زمانے میں اسلام میں عقائدی و عملی بدعات ظاہر ہوئیں اور یہ مصیبت پہلی مصیبت سمجھی گئی کہ وہ اسلام کے جسم پر حملہ تھا، اور یہ اس کے دل و دماغ پر رفتہ رفتہ ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس کی ایک مستقل شریعت تھی جس کا علم کلام الگ تھا اور علم فقہ الگ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ دوبارہ دنیا میں تشریف لاتے تو کبھی اس کو نہ پہچان سکتے اور اگر حضرت عمرؓ زندہ ہوتے تو ان کے مازیانے کی مصروفیت بہت زیادہ ہوتی۔ سیاسی زوال کی رفتار بھی تیز ہو گئی، بغداد و اندلس کا سقوط اس وقت کے اہم واقعات ہیں جن سے مسلمانوں کے سیاسی زوال پر اچھی طرح روشنی پڑتی ہے۔

اگرچہ سیاست کا دین کے ساتھ زیادہ تعلق نہیں رہا تھا، مگر سیاسی زوال کے ساتھ مذہب و اخلاق و معاشرت کو بھی زوال ہوتا گیا، ترکوں نے مسلمانوں کے گرتے ہوئے سیاسی اقتدار کو سنبھالا، مگر مذہب میں بوجہ چند کوئی جان نہیں پڑی سلطان صلاح الدین اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی جہاد کو زندہ کیا اور اس سے مسلمانوں میں مجاہدانہ روح پیدا ہو گئی، لیکن جنگ صلیبی کے خاتمے پر (اگر یہ صحیح ہے کہ اس کا اس وقت خاتمہ ہو گیا تھا) فوجی میں پھر اضمحلال پیدا ہو گیا، اس وقت سے عالم اسلامی کے ہر گوشے میں وقتاً فوقتاً مصلح اور مجدد پیدا ہوتے رہے جن سے مسلمانوں میں زندگی اور بیداری پیدا ہوئی، عقائد و اعمال کی اصلاح ہوئی کہیں کہیں میدان جہاد بھی آراستہ ہوا، اور کارگزاری و صحیح انجیال جماعتیں پیدا ہوئیں لیکن مسلمانوں میں عالمگیر بیداری پیدا نہیں ہوئی۔

ہندوستان کی حالت

مذہبی حالت

اسلام کو عربوں کی ذہنی تربیت کا زیادہ زمانہ اور زیادہ موقع ملا اور انہوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و صحبت سے فائدہ اٹھایا، اس لئے اسلام ان کی طبیعتِ ثانیہ ان کی تہذیبِ تمدن اور اخلاق و معاشرت بن گیا تھا، اور بہت سے عقلی و طبیعی اسباب کی بنا پر ان کا دماغ اس کو بآسانی قبول کر چکا تھا، اور وہ اس کو صحیح روح، صحیح منشا اور شائع کے مقصد کے مطابق سمجھتے تھے، ان میں اس کی اشاعت اور غلبے کا جوش بھی دوسروں سے زیادہ تھا، اور ان کے پاس اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں تھی اور اس لئے جہاں جہاں اسلام ان کے ذریعے پہنچا، وہ تازہ دم اور اپنی صحیح اور ابتدائی شکل میں تھا، اس میں جذب کی قوت بھی زیادہ تھی، چنانچہ اس نے وہاں کے مذاہب، عقائد، اخلاق و معاشرت کو فتح کر لیا اور اپنے قالب میں ڈھال دیا اور وہ قومیں عربوں کا ثمنی اور نقل بن گئیں، چنانچہ بگڑتے بگڑتے بھی ان میں عین حجازی کی شکل قائم رہی، ان کی خرابیاں اور کمزوریاں بھی اسی نوع کی تھیں، جس نوع کی خود عربوں کی۔

قسمتی سے ہندوستان میں اسلام ایران و افغانستان کا چکر کاٹ کر پہنچا اور راستے میں اپنی بہت سی تازگی اور زندگی کھو کر یہاں کا اسلام سکندریہ میں ڈھل گیا، ترک و مغل فاتحین اسلام کے اسلام میں کوئی

شک نہیں لیکن مذہب تہذیب فتح کرنے کے لئے اتنی روحانی قوت کافی نہیں جتنی ان میں تھی وہ خود
 اس وجہ سے تھے کہ ان کی دینی تربیت کی جاتی دوسری شکل تھی کہ خود ان کی خاص تہذیب معاشر
 تھی جو ان کے ساتھ جاتی تھی ان کا مستقل نظام سلطنت تھا، اور وہ مسلخ و داعی سے زیادہ حکمران
 و کشور کشا تھے پھر ملک میں وہ داخل ہوئے تھے اس کا خود ایک مذہب ایک گنگ اور ایک تہذیب تھی
 جس وقت حریفوں کی ملواریں باہم میدان جنگ میں دست و گریباں ہوئیں اس وقت ان کی تہذیب
 استفادہ و تعارف میں مشغول ہوتی تھیں ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ بقول ڈاکٹر لیبان اسلام ہندوستان
 میں جتنا اثر انداز ہوا، اس سے زیادہ متاثر ہوا، اور تھوڑے دنوں میں ایک بین الاقوامی اور بین المذاہب
 عربی ایرانی افغانی اور ہندوستانی تہذیب پیدا ہو گئی تھی یہاں کے اسلام میں وہ ساری
 کمزوریاں تھیں جو ایران و افغانستان کے اسلام میں تھیں اور وہ بھی جو ہندو مذہب تہذیب و جوگ کے
 اختلافا سے پیدا ہوئی تھیں جو لوگ یہاں اپنے پرانے مذہب کے اسلام میں داخل ہوئے، وہ طبعاً اپنے سابق
 اپنی بہت سی مذہبی و قومی خصوصیات، عقائد و خیالات لائے، جو قائم رہے اور بعد میں مذہب میں داخل
 ہو گئے، بیوہ کا نکاح ثانی دنیا جہان میں نہیں عیب نہیں لیکن ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ جرم گردن دلی تھا
 اس زہر کا تریاق اور اسلام کی شکل محفوظ رکھنے کے لئے دنیا میں دو چیزیں ہیں قرآن و حدیث
 قرآن کے سمجھنے کے لئے یا تو عربی زبان کی ضرورت ہے یا ترجمے کی عربی زبان تو ہندوستان میں ہمارے
 باہر تھی تھی ہی نہیں اور ترجمے کا یہ حال ہے کہ مشہور ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان
 میں سب سے پہلے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا جس پر علماء میں شور مچ گیا کہ عوام قرآن مجید پڑھیں گے
 اور گمراہ ہوں گے رہی حدیث سواس کے متعلق تسلیم ہے کہ گجرات اور چند ساحلی مقامات چھوڑ کر ہندوستان میں
 حدیث شیخ عبد بن حبیب صحیح حدیث لائے یعنی گیارہویں صدی تک ہندوستان میں حدیث نہیں آئی تھی اور آئے کے
 بعد ہی شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے جانشینوں سے پہلے حدیث کا سکہ ہندوستان میں چلا نہیں تھا۔

بعض اوروں حکومت میں مذہب حکومت وقت کی سرپرستی اور حمایت قطعاً محروم رہا،

بلکہ اس کی مخالفت کی گئی اور بادشاہ اسلام نے اس کی بیخ کنی کی کوشش کی، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ عہد اکبری کے متعلق ان الفاظ میں شہادت دیتے ہیں :-

عزبت اسلام نزدیک بہ یک قرن بہ نیچے قرار یافتہ
است کہ اہل کفر بجز اجرائے احکام کفریہ بر ملا
در بلاد اسلام راضی نمی شوند می خواہند کہ احکام
اسلام بالکل زائل گردند و اثرے از مسلمانان
مسلمانی پیدائہ شود۔ کارتابان سرحد رسانیدہ
اند کہ اگر مسلمانے از شعائر اسلام اظهار نماید
بقتل می رسد۔ (مکتوبات ملکا)

ایک صدی میں اسلام کی عزبت اس درجے کو پہنچ گئی
ہے کہ اہل کفر اس پر راضی نہیں ہیں کہ محض کفر کے
احکام کا علانیہ اسلامی بلاد میں اجرا ہو جاوے تو یہ چاہتے
ہیں کہ اسلامی احکام بالکل مٹا دیئے جائیں اور مسلمانوں اور
اسلام کا کوئی اثر باقی نہ رہے، بات یہاں تک پہنچائی گئی
ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار
کرتا ہے تو اس کو قتل کے انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں :-

در قرن ماضی (عہد اکبری) کفار بر بلاد بطریق امتیلا
اجرائے احکام کفر و دارالاسلام می گردند و مسلمانان
از اظهار احکام اسلام عاجز بودند و اگر می گردند
بقتل می رسیدند۔ وادیلانہ ادا و احزانہ اومصیبتانہ
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین
است مصدقان اوزیل و خوار بودند و منکران او
بعزت و اعتبار مسلمانان بادہائے پیش در تعزیت
اسلام بودند و معاندان بجز و استہزار بر جرح است

اکبر کے زمانے میں کفار بر ملا اور غلبے کے طور پر کفر کے
احکام دارالاسلام میں جاری کرتے تھے اور مسلمان
احکام اسلام کے اظہار سے عاجز تھے اور اگر کر بیٹھے
تھے تو قتل کر دیئے جاتے تھے، وادیلانہ ادا و احزانہ اومصیبتانہ
و مصیبتانہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین
ہیں، آپ کی تصدیق کرنے والے ذلیل و خوار تھے اور
آپ کے انکار کرنے والوں کی عزت ہوئی تھی انھیں کا
اعتبار تھا، مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی

بائے ایشاں تک پاشیزند آفتابِ ہدایت
تعریت میں شخول اور کفار ان کا مذاق اڑا کر
درشتق ضلالت ستور شدہ بود و نور حق در حجب
ان کے زخموں پر نمک چھڑکا کرتے تھے آفتاب
باطل منزوی۔ ہدایت گمراہی کے پردے میں چھپ گیا تھا اور حق کا

(مکتوب نمبر ۲۶ ص ۶۵ ج ۱) نور باطل کے حجابوں میں سمٹ گیا تھا۔

اس کی تفصیل دیکھنا ہو تو عہد اکبری کے مؤرخ ملا عبد القادر بدایونی کی تاریخ منتخب التواریخ ملاحظہ ہو۔
حقیقت یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں اللہ تعالیٰ دو شخصوں کو پیدا نہ کرنا اور ان سے اپنے دین کی
دستگیری نہ فرماتا تو یوں تو اللہ تعالیٰ اپنے دین کا نگہبان ہے اس کی حفاظت دین کے طریقے ہزاروں لیکن ظاہر
تیرہویں صدی تک یا تو اسلام ہندوستان سے بالکل فنا ہو جاتا یا اتنا بگڑ جاتا جتنا ہندو مذہب بڑے بزرگ
ہندوستان کے مسلمانوں کے جلیل القدر محسن اور اسلام کے عظیم الشان پیوا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
شیخ احمد سرسندی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میں اچھے اسلام اور
خدمتِ شرع کے تذکرے میں ان نائبانِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور درویشوں کے ساتھ ایک دنیا دار بادشاہ
محمی الدین اورنگ زیب عالمگیر مروجہ کانا بھی زبان پر آتا ہے ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء (۶۲: ۶۲)
تیرہویں صدی میں ہندوستان میں مسلمانوں کی جو مذہبی اخلاقی اور سیاسی حالت تھی اس کے تصور کے
لئے موجودہ حالت ذہن میں لانا چاہئے، یہ خیال رہے کہ یہ حالت بڑی مجاہد اور اصلاح و تجدید کا نتیجہ ہے
پھر بھی شاید بہ یک وقت سب گونے نظر نہ آسکیں اس لئے ہم اس کا ایک ناقص اور دھندلا سا خاکہ کھینچتے ہیں
اگر شرکِ حبلی دنیا میں کوئی چیز ہے اور لغت اور عرف و شرع میں اس کے کچھ معنی ہیں تو وہ
خاصاً مسلمانوں میں کثرت سے موجود تھی قبروں اور مردوں کے متعلق ایک مستقل شریعت بن گئی تھی جس کے
واجبات اور مستحبات میں نہیں سجد کرنا ان سے دعا مانگنا، بوسہ دینا، نذیریں اور چادریں چڑھانا،
لہذا یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔

تیس ماننا، قربانیاں کرنا، طواف کرنا، گانا بجانا، میلہ لگانا، تہوار منانا، چراغاں کرنا، عورتوں کا جمع ہونا اور مختصر اور صحیح الفاظ میں ان کو قبلہ و کعبہ اور بلجا و ماویٰ سمجھنا تھا، اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے متعلق وہ عقائد و خیالات موجود تھے جن کی وجہ سے نصرانی، یہودی اور مشرکین عرب بدنام ہیں، ہندوؤں اور شیعوں کی بکثرت روم مسلمانوں کی معاشرت کا جز بن گئی تھیں اور ان کے شکل سے کوئی گھر خالی تھا، ان کی پابندی قرآن و حدیث و اسلامی فرائض سے زیادہ کی جاتی تھی، شرک و بدعت اور اسراف و جہالت ان کے اجزائے ترکیبی تھے۔ سنت و شریعت بے معنی الفاظ تھے، جو صرف کتابوں میں رہ گئے تھے، بدعت کی تعریف ہی کسی فعل پر صادق نہیں آتی تھی اور ہر بدعت بدعتِ حسنہ تھی، بہت سے حرام حلال ہو گئے تھے اور بہت سے حلال حرام، اسلامی شعائر اٹھ رہے تھے، اور ان کی جگہ ہندو، انہ شاعر رہے تھے، اور نے چلے تھے، قرآن و حدیث کے بہت سے احکام منسوخ ہو گئے تھے، مثلاً بیوہ کا نکاح اور یمیمہ شرفاء اسلام کی نئی شریعت میں مستحب فرض سے حرام و متروک ہو گئے تھے، ہر مسلمان کو شریعت میں ترمیم اور مستقل تشریح (قانون سازی) کا حق تھا اور جس کو عام مسلمان اچھا سمجھ لیں، وہ تو مستند شریعت تھی۔

قرآن ایک معما تھا جسے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا، اور نہ اس میں غور کرنے کی ضرورت تھی، اس لئے اس پر عمل کرنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا، اور اس کا بہت سا حصہ منسوخ ہو کر بے کار ہو چکا تھا اور وہ خود وقت ضرورت کے لئے ادب و احتیاط کے ساتھ محفوظ رہتا تھا، وہ مردوں کے لئے تھا، زندوں کے لئے نہیں، وہ عوام کی سمجھ سے باہر تھا، اور اس کو پڑھ کر ان کی گمراہی کا اندیشہ تھا، یہ علمائے ان کو شرعی و ضروری علوم سے اس کی فرصت ہی نہ تھی کہ وہ قرآن پر غور و تدبیر کریں۔

فرائض و عبادات سے غفلت تھی، اس لئے کہ زندگی میں مقررہ مجلسیں اور بزرگوں کے کھانے، مرنے کے بعد قرآن خوانی، فاتحہ، قتل، یوم تہیجا، چالیسواں اور سب سے بڑھ کر پیر کا وسیلہ نجات کے لئے کافی تھا، پھر اس کے علاوہ مشقتِ حماقت تھی، شعائر و آدابِ اسلام کے زوال و انحطاط کا حال اس معلوم ہوگا کہ

معتبر لوگوں کی شہادت ہے کہ سلام مسنون کی رسم ہی اٹھ گئی تھی حتیٰ کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے شریعت کدے میں بھی "آداب" و "تسلیمات عرض" کا رواج تھا، اس سبب سے اتنا بعد ہو گیا تھا کہ عالمگیر جیسا منتشر اور فقیہ بادشاہ بھی اس کا متحمل نہیں تھا، مشہور عالم مؤرخ میر سید عبدالحلیم بلگرامی کے صاحبزادے میر سید محمد اپنی کتاب "تبصرۃ الناظرین" میں ۱۹ جلوس عالمگیری (۱۰۸۷ھ) کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

بست و مفتاح شعبان آب دایے برزینہ ہائے
 مسجد جامع نزدیک ریدہ سلام علیک گفت
 ۲۷ شعبان کو ایک سقے نے جامع مسجد کے زینے
 پر بادشاہ کے نزدیک آکر سلام علیک کہا، حکم ہوا
 حکم شد حوالہ کو تو ال نہایندہ
 کہ کو تو ال کے حوالے کیا جائے۔

اخلاقی حالت

اس وقت مسلمانوں کی اخلاقی حالت بعینہ وہ تھی جو قوموں کے انحطاط اور حکومتوں کے زوال و تداخل کے موقع پر ہوتی ہے، ان کی معاشرت اس قدر خراب ہو گئی تھی کہ مؤرخ کا قلم بھی اس کی تصویر کھینچنے شرماتا ہے، فسق و معصیت ان کے آداب و تہذیب میں داخل ہو کر معاشرت کا جز بن گئی تھی، اور وہ اس پر علانیہ فخر کرتے تھے، شراب نوشی کی لذت بھی پائی جاتی تھی، نشہ آور چیزوں (افیون، بھنگ، تارڑی وغیرہ) کا استعمال بھی تھا، جس اخلاق کے ساتھ قوائے عقلیہ اور صحت بھی خراب رہی تھی، بازاری عورتیں دینی مجالس کے گھر مجلس کی زینت تھیں، حدیہ ہے کہ بعض شرفا اپنے لڑکوں کو ان کے پاس زبان اور علم مجلس کی تعلیم کے لئے بھیجتے تھے، ریدانشاکی "دریائے لطافت" (سن تصنیف ۱۲۲۳ھ) سے اندازہ ہوتا ہے کہ

لہ "تبصرۃ الناظرین" مخطوطہ خدابخش لاہور پرنٹنگ پریس ۵۹ (افادہ مولانا مسعود عالم ندوی)
 لہ جس طرح دو موسموں کے تداخل کا ایک زمانہ ہوتا ہے اور اس میں بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں اسی طرح قوموں اور سلطنتوں کے تداخل کا بھی ایک زمانہ ہوتا ہے، جب ایک قوم یا سلطنت کا چل چلاؤ ہوتا ہے اور دوسری قوم یا سلطنت اس کی جگہ لیتی ہے اس موقع پر بھی بے شمار اجتماعی و اخلاقی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

اربابِ نشاط کا ہر طرف دور دورہ تھا، میوا اور زنانِ بازاری شہری زندگی اور معاشرت کا اہم عنصر اور جزو، لائیفک تھیں، جن کی حکایات روایا، محاورا و اصطلاحات اور تلمیحات و کنایات اور زبانِ تخریر و انشا اور اخلاق و عادات سب متاثر و رنگین تھے، ذہنی اور لکھنؤ کی معاشرہ اور مجلسی اور خانگی زندگی کا جو نقشہ ”دریائے لطافت“ میں نظر آتا ہے، اس سے تہذیب کی آنکھیں نیچی اور چپاکی پشیمانی عرق آلودگی بہت سے لوگ نکاح میں کسی تعداد کے بلکہ نکاح کے بھی پابند نہ تھے، مسلمانوں سے قاتح اور زندہ قوموں کے خصائصِ رخصت ہو رہے تھے، اور اس درخت کو گھن لگ چکا تھا، امر اور متوسط طبقے کے افراد سے لے کر غریبانگ تعیش عام تھا، ہر ایک نشے میں سرشار تھا، باوجود اس کے یہ مسلمانوں کے لئے نازک ترین وقت تھا، سب بے فکر اور پیش و نشاط میں مشغول تھے، گھر گھر یہی ہو چکا تھا، ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برات تھی، غریب بھی امر کی تقالی کرتے تھے، اور امر کی تو دنیا ہی الگ تھی، ان کے لئے نہ قانونِ شریعت تھا، نہ قانونِ فطرت و سزاوار ہے ان کو جو سزا ہے

اخلاقی انحطاط اور قومی بے حسی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ انیسویں صدی کے آغاز میں کہ انگریزوں کے قدم حاکمانہ طور پر ابھی ہندوستان میں جمے نہیں تھے، اور ان کا وہ رعبے داب، جو ۱۸۵۶ء کے بعد قائم ہوا ہے، ابھی ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں پر نہیں تھا، متعدد مسلمان عورتیں یورپین تاجروں اور حکام کے گھروں میں تھیں، کانپور کے منڈر و فرنگی اور اگٹس بروگ ناظم بنارس کا ذکر تو نام کے ساتھ ہے، باقی بغیر ناموں کے بھی بعض انگریزوں کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں اور سفر ناموں میں آتا ہے، جن کے گھروں میں مسلمان عورتیں تھیں۔

سیاسی حالت

سلطنتِ مغلیہ کا شیرازہ بدلت ہوئی، بکھر چکا تھا، سارے ہندوستان پر یا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا

لے ملاحظہ ہو ”دریائے لطافت“ مطبوعہ آفتاب عالمی، مرشد آباد ۱۸۵۰ء

تسلط تھا، یا اس کے معتمدین اور حلیفوں کا بچا کبھی ملک ان قسمت آزمائیسوں اور سرداروں کے قبضے میں تھا، جو یکے بعد دیگرے شکست کھاتے اور ملک حوالے کرتے چلے جاتے تھے، شاہ عالم جن کے عہد میں یہ بدصنایا اور جوان ہوئے، صرف نام کے شاہ ہندوستان تھے، بدصنایا کی ولادت سے اسی سال قبل ہی ۱۱۷۹ھ میں بنگال، بہار، اڑیسہ، تینوں صوبوں کی دیوانی بلا شرکت غیرت بطور التتمہ^۱ سرکار کمپنی کو دی جا چکی تھی، سرکار بنارس اور غازی پور بطور جاگیر کمپنی کو مل چکے تھے، اسی زمانہ میں یورپ کے بادشاہ (شاہ عالم) کے پاس ملک میں سے صرف صوبہ الہ آباد تھا اور آمدنی میں وہ روپیہ تھا، جو انگریز اس کو دیتے تھے، ۸ مارچ ۱۷۸۶ء میں یعنی ۱۲۰۲ھ میں جب بدصنایا دو سال کے تھے، کلکتہ گزٹ میں مشہور کیا گیا کہ مسلمانوں کی سلطنت تو نہایت حقیر اور ذلیل ہو گئی ہے، ہندوؤں سے ہم کو کچھ خوف نہیں ہے۔ اس کے اگلے ہی سال ۱۷۸۸ء (۱۲۰۳ھ) میں غلام قادر روہیلے نے شاہ عالم کی آنکھیں نکال لیں اور اس انسان کو جو تیموری سلطنت کی عظمت و شان کا نشان اور شاہ جہاں اورنگ زیب کا جانشین تھا، سخت ذلیل کیا، ۱۸۰۳ء (۱۲۱۸ھ) میں لارڈ لیک اپنی انگریزی فوج لے کر دلی میں داخل ہوا، مرہٹوں کو باہر نکالا اور بادشاہ کی منشن ایک لاکھ روپیہ سال مقرر کر دی، شاہ عالم اور ان کے جانشین کبیر شاہ (سن جلوس ۱۲۲۱ھ وفات ۱۲۵۳ھ) نے اپنی بقیہ زندگی ایک وظیفہ خوار عیس کی حیثیت گزارا، جس کا ملک کے نظم و نسق میں کوئی دخل نہ تھا، اور جس کے اختیارات "قلعہ معلیٰ" کے حدود تک محدود تھے۔

زوال سلطنت کہنے کو تو دو لفظ ہیں، لیکن کسی قوم اور ملک کی تاریخ میں قیامت سے کم نہیں، سلطنت کو کمزور یا کر بیسیوں فتنوں نے سرٹھایا، دکن سے لے کر دہلی تک کا ملک اور جو کچھ ملک میں ہوتا ہے، مرہٹوں کے رحم و کرم پر تھا، پنجاب سے لے کر افغانستان کے حدود تک سکھوں کا راج تھا، جن کی تاخت اور دستبرد سے ہندوستان کا شمالی اور وسطی حصہ بھی محفوظ نہیں تھا، دہلی اور اطراف دہلی مرہٹوں اور سکھوں کی غارتگری کا نشانہ رہتے تھے،

۱۔ التتمہ (تنگ) انعامی یا عطا شدہ جاگیر کی نداد اصل معنی "سرخ مہر" جو اکثر شاہی فرمانوں پر پڑتی تھی۔

اور یہ سب جب چاہتے تھے اور جب ان کو موقع ملتا تھا، اس آباد اور مرکزی علاقے کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندنے، مال و املاک کو لوٹنے اور شہری شرفاء و معززین کو بے عزت کرتے چلے جاتے شہروں کی زندگی میں تھوٹے تھوٹے وقفے کے بعد یہ بد و جزر آتے رہتے اور کوئی سکون کے ساتھ زندگی نہ گزار سکتا، اس قسم کا جو سیلاب بھی آتا، وہ دہلی کے سر پر سے ضرور گزرتا، اس لئے وہاں سب سے زیادہ انتشار رہتا، مرہٹوں سکھوں اور جاٹوں کے حملے کے وقت شہر کے پُر امن باشندے اور شرفاء قسماً اور دیہات کی طرف منتقل ہو جاتے حملہ آوروں اور غارت گروں کے سیلاب کے نکل جانے کے بعد پھر واپس آ جاتے۔

بارہویں صدی ہجری کے آخر اور انیسویں صدی عیسوی کے وسط تک یہی کیفیت تھی اس زمانے کے خطوط سے اس بے امنی، انتشار اور طوائف الملوک کی کاپورا اندازہ ہوتا ہے اس عہد کے بزرگوں اور شاہیر کے خطوط میں اس قسم کے اشارات ملتے ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز شاہ ابوسعیدؒ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

یہ حالت بھی عجیب حالت ہے، کافر سکھوں مرہٹوں اور جاٹوں کے مسلمانوں کے شہروں پر غلبہ پا جانے، ان کے مالوں کو لوٹنے اور ان کو بے عزت و بے آبرو کرنے رہنے کی وجہ سے آرام و آسائش خواب و خیال ہو گئی، چنانچہ فقیر اپنے متعلقین کے ساتھ مراد آباد منتقل ہو گیا ہے اور دو آئے کا سارا علاقہ ان مفسدوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زیر و زبور ہے۔

اس حالت عجیب حالت است، بسبب غلبہ کفار سکھ و مرہٹہ و جٹ بر بلاد مسلمین و نہیب اموال ایشان و انتہاک حرمت ایشان و جان آسائش را فراموش نموده، چنانچہ فقیر مع قبائل بہ مراد آباد انتقال نموده است و تمام میان دو آب زیر و زبور بہ نعال فرسان این بدکیشاں شد۔

(”ماثر الابرار“ قلمی)

حضرت مرزا مظہر جان جاناں اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

از تشویشات ہر روزہ دہلی تنگ آمدہ ام۔ دہلی کے روزمرہ کے ہنگاموں اور بے اطمینانی سے تنگ آ گیا ہوں

لہ ”کلمات طیبات“ مکتوب، ص ۴۰۔

ایک دوسرے مکتوب میں اطلاع دیتے ہیں:-

ازہر طرف فتنہ قصید دہلی می کندہ ہر طرف سے فتنہ دہلی کا رخ کرتا ہے۔

ایک مکتوب میں حکومت کی بد نظمی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:-

در امور سلطنت تشفی نامندہ خدا خیر کند! سلطنت کے معاملات میں اطمینان نہیں رہا خدا خیر کرے!

۱۱۸۶ھ (۱۸۰۳ء) میں مرہٹوں کے ایک حملے لوٹ مار اور دیہات اور قصبوں کی ویرانی

کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

از آشوب و ہنگامہ کہ دریں حدود بسبب غلبہ دکنی افواج (مرہٹوں) کے غلبے اور روہیلوں کے فرار کی

افواج جنوبی و فرار قوم روہیلہ واقع شدہ و وجہ ان حدود میں جو گڑ بڑ اور ہنگامہ برپا ہوا ہے اور قصبوں اور

قصبوں و دیہات بتاراج رفتہ چہ نویسندہ؟ دیہات جس قدر ویران ہوئے ہیں اس کا حال کیا لکھا جاوے؟

دار السلطنت کی بد امنی اور اہل شہر کی پریشاں حالی کا تذکرہ فرماتے ہیں:-

احوال مردم شہر از بیماری عام و نا امنی تاکجا عام بیماری اور بد امنی سے اہل شہر کی پریشانی کا حال

نوسیدہ خدا ازین بلدہ مورد غضب الہی برآرد کہان تک لکھا جائے؟ اللہ تعالیٰ اس شہر سے جو مورد

نفسے در امور سلطنت نامندہ خدا خیر کند! غضب الہی میں رہا ہے نجات دے! امور سلطنت میں کوئی

نظم باقی نہیں رہا خدا اپنا فضل فرمائے!

ہندوستان کے اصل سیاسی شاطر انگریز تھے جو اس بساط شطرنج پر مہروں کو لڑاتے اور آگے

بڑھاتے اور پیچھے پٹاتے رہتے تھے ان کے مقابلے میں آخری منظم کوشش سلطان شہید ٹیپو نے کی تھی ۱۷۹۹ء

میں یہ کوشش بھی ناکام رہی کہیسی کے اس دور تجارت و سیاست میں ملک کی جو سیاسی و اخلاقی حالت

تھی اور اسلامی سیاست کے مرکزوں میں اس نے جو رقابت اور تفرقہ پیدا کر دیا تھا اس کا اندازہ

۵۲ ایضاً ۵۳ ایضاً ۳۱ ایضاً ۲۶ ایضاً ۸۶ ایضاً

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے عربی قصیدے کے ایک شعر سے ہو سکتا ہے۔

وَأَتَى آذَى الْأَفْرَجِ أَصْحَابَ تَرَوْهُ
لَقَدْ آفَسُوا مَا بَيْنَ دِيْنِي وَكَأْبِلِهِ

ڈاکٹر لوٹھراپ اسٹاڈرڈ (LOTHROP STODDARD) مشہور امریکی مصنف نے اپنی کتاب

”جدید دنیا کے اسلام“ (NEW WORLD OF ISLAM) میں اس دور کی سیاسی و مذہبی اخلاقی

تصویر پیش کی ہے اور شکیب اسلمان نے اپنے حواشی میں بالکل سچ لکھا ہے کہ اگر کوئی باریک بین مسلمان حکم فلسفی اور

اسلام کے اجتماعی امراض سے پورے طور پر باخبر ہوئے بھی ان پچھلی صدیوں کی تصویریں چننا چاہے اور اس کا

حال بیان کرے تو اس سے زیادہ صحیح مطالب اور طبع تصویر نہیں کھینچ سکتا، ڈاکٹر اسٹاڈرڈ لکھتا ہے۔

• اٹھارویں صدی تک اسلامی دنیا اپنے صنعت کی انتہا کو پہنچ چکی تھی، صحیح تو ہے کہ

آثار کسی جگہ نہیں پائے جاتے تھے، ہر جگہ جمود و تنزل نمایاں تھے، آداب اخلاق قابلِ نفرت تھے،

عربی تہذیب کے آخری آثار مفقود ہو کر ایک قلیل تعداد و حیاہ عشرت میں اور عوام و حیاہ

ذلت میں زندگی بسر کرتے تھے، تعلیم مردہ ہو گئی تھی اور چند درگاہیں جو ہونکان وال

میں باقی تھیں، وہ افلاس اور غربت کی وجہ سے دم توڑ رہی تھیں، سلطنتیں مطلق العنان

تھیں، دوران میں نظمی اور خوریزی کا دور دورہ تھا، جگہ جگہ کوئی بڑا خود مختار جیسے

سلطان ترکی یا ہند کے شاہان مغلیہ کچھ شاہی شان قائم کئے ہوئے تھے، اگرچہ

صوبہ شاہ کے امرا اپنے آقاؤں کی طرح آزاد سلطنتیں جو ظلم و استحصال با بجزیر یعنی تھیں،

قائم کرنے کے بہت کوشاں تھے، اسی طرح امرا تواتر کشتن مقامی رئیسوں اور قلعہ الطریق

کی جماعتوں کے خلافت جو ملک کے آداب پہنچاتے تھے، برسرِ بیکار تھے، اس منحوس طرز حکومت میں

رعایا لوٹ مار اور ظلم و پامالی سے نالاں تھے، دیہاتیوں و شہریوں میں محنت کے مستحق مفقود ہو گئے تھے،

لے فرنگی سرمایہ داروں نے دہلا اور کابل کے درمیان فساد برپا کر رکھا ہے۔

لہذا تجارت اور زراعت دونوں اس قدر کم ہو گئی تھیں کہ محض سدقہ کے لئے کی جاتی تھیں۔

مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا، تصوف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا، مسجدیں ویران اور شہنشاہ پڑی تھیں، عوام جہاں ان سے بھاگتے تھے، اور تعویذ، گنڈے اور مال میں پھنس کر گندے فقرا اور دیوانے درویشوں سے اعتقاد رکھتے تھے، اور بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے تھے، اور ان کی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیق و ولی کے طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ ان جہاں کا خیال تھا کہ خدا ایسا برتر ہے کہ وہ اس کی طاعات بلا واسطہ نہیں ادا کر سکتے، قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم کو نہ صرف پس پشت ڈال رکھا تھا، بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی، اقبون و شراب خواری عام ہو رہی تھی، زنا کاری کا زور تھا، اور ذلیل ترین اعمال قبیحہ کھلم کھلا بے حیائی کے ساتھ کئے جاتے تھے۔

تیرہویں صدی کے باکمال اور شاہسیر رجال

پچھلے صفحات سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ علمی ذہنی اور دینی و روحانی حیثیت سے تیرہویں صدی کا یہ زمانہ بالکل تاریک اور ویران تھا اور اس ملک کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک خاک ڈری تھی کہیں زندگی کے آثار اور کہیں روشنی کے مینار نہیں پائے جاتے تھے، صلاحتیں کھیر مفقود

۱۔ "مجدید دنیا کے اسلام" مترجمہ جمیل الدین صاحب بدایونی علیگ۔

ہو چکی تھیں، دل و دماغ کے سوتے بالکل خشک ہو چکے تھے، خانقاہیں اور مدرسے ابرو پھکے تھے، اور ہندوستان کمال اور اہل کمال سے خالی ہو چکا تھا۔

اس کے برخلاف تیرہویں صدی کا یہ ابتدائی زمانہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا قابل فکر عہد ہے اور علمی و روحانی حیثیت سے ایسا مردم خیز اور شاداب مانہ ہے جو اس ملک کی علمی و روحانی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے، اس میں بعض ایسی باکمال و ممتاز ہستیاں موجود تھیں جن کی نظر گزشتہ دور میں آسانی سے اور پچھلے دور میں مشکل سے بھی نہیں ملے گی۔

دینی و علمی کمالات کی جامعیت کے لحاظ سے دیکھئے تو سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ھ) اور بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ ریانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) جیسے اکابر اسی عہد کی زینت و رونق تھے، جن کی علمی فضیلت اور روحانی فیض کا سکہ عرب و عجم میں رواں تھا، شاہ صاحب کے فتاویٰ اور تفسیر "فتح العزیز" اور قاضی صاحب کی "تفسیر نظری" اور "مالا بدلتہ" اس دور کی مقبول ترین تصانیف ہیں، علوم دینیہ اور کتاب سنت کے وسیع علم اور صحیح ذوق کے لحاظ سے ترجمان القرآن حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی صاحب "موضع القرآن" (م ۱۲۳۰ھ) شایح حدیث مولانا سلام اللہ محدث صاحب "محلی" (م ۱۲۲۹ھ) صاحب فتاویٰ شیخ الاسلام مولانا عبدالرحی برہانوی (م ۱۲۳۳ھ) اور سند ہند شاہ اسحق دہلوی (م ۱۲۶۲ھ) جیسے علمائے راہنیں موجود تھے، جن کا ہم قرآن علم حدیث، فقہی نظر اور خدمت دین تاریخی مسلمات سے ہے۔ دوسری طرف "سلم و سلم" کے شہرہ آفاق شایح ملک العلماء مولانا عبدالعلی بکر العلوم (م ۱۲۲۵ھ) جیسے سرآمد و رگاز البطل البراہین الحکمیہ اور "تشحیذ الاذہان" اور دوسری مجتہدانہ فنی کتابوں کے مصنف شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۳ھ) صاحب "تلخیص الشفاء" و صاحب "خواشی میرزا ہدایا جلال" مولانا فضل امام خیر آبادی (م ۱۲۳۳ھ) اور فنون عقلیہ کے باکمال معلم مولانا جید علی رامپوری (م ۱۲۴۳ھ) جیسے فاضل یگانہ اسی زمانے میں تھے، جن کو علوم عقلیہ میں درجہ اجتہاد حاصل تھا۔

ذکاوت و استعداد و ملکہ علمی میں "حقیقات" اور "منصبِ امامت" کے مصنف مولانا محمد اسماعیل (م ۱۲۲۶ھ) اور "ہدیہ سعیدیہ" اور "سوانحی منطقہ" کے مؤلف اور عربی کے قادر الکلام ناظم و ناظر مولانا فضل حق خیر آبادی جیسے طباع، حاضر دماغ اور صاحبِ فنون عالم موجود تھے۔ علوم ریاضیہ میں دیکھئے تو تشریحِ مخروطات اور رسائلِ جبر و مقابلہ کے مصنف نواب فضل حسین خاں علامہ (م ۱۲۱۵ھ) "السنۃ الجبریہ" کے مصنف قاضی القضاة نجم الدین کوروی (م ۱۲۲۹ھ) "فوائد افکار" اور "تحفہ نعمانیہ" کے مؤلف خواجہ فرید الدین (م ۱۲۲۴ھ) اور "شمس الہندسہ" اور "درتہ شمس" کے مؤلف شمس الامراء نواب فخر الدین حیدر آبادی (م ۱۲۴۹ھ) جیسے مجتہدین موجود اسی دور کی یادگار ہیں جن کی تالیفات فن ریاضی و ہیئت کا قیمتی ذخیرہ ہیں۔

مفتی اسماعیل لندی مولانا اوصد الدین بلگرامی صاحب "نفاہات اللغات" و "مفتاح اللغات" (م ۱۲۲۵ھ) اور مولانا عبد الرحیم صفی پوری صاحب "منتہی الارباب" (م ۱۲۲۴ھ) نے اسی دور میں اپنی لغوی تحقیقات اور علمی خدمات کی یادگاریں چھوڑیں۔

درس و تدریس کے لحاظ سے دیکھئے تو ملا عبدین فرنگی محلی (م ۱۲۲۵ھ) مولانا نور الحق لکھنوی (م ۱۲۳۵ھ) مولانا حیدر علی سندیلوی (م ۱۲۲۵ھ) مولانا عبد الباسط قنوجی (م ۱۲۳۵ھ) مولانا غلام جیلانی رامپوری (م ۱۲۳۴ھ) مولانا ولی اللہ لکھنوی (م ۱۲۴۰ھ) جیسے جہاں تباد موجود تھے، بھولنے برسوں درس و تدریس کا بازار گرم رکھا اور سیکڑوں طلبہ کو مرتج تلامذہ بنا دیا۔ تصنیف و تالیف و تبحر علمی کے لحاظ سے دیکھئے تو مولانا باقر درہی (م ۱۲۲۰ھ)

مفتی الہی بخش کاندھلوی (م ۱۲۲۵ھ) مولانا رشید الدین خاں (م ۱۲۲۳ھ) جیسے مصنف و مؤلف اور وسیع النظر عالم و مکمل موجود تھے، جن کی ہر علم و فن میں تصنیفات ہیں۔

شعر و شاعری کے لحاظ سے یہ دور اردو و شاعری کا عہدِ شباب و موسمِ بہار ہے، جس میں

اساتذہ پیدا ہوئے جو اردو شاعری کا سرمایہ فخر ہیں اگر اس سے کسی قوم و نسل کی داعی صلاحت
 و زرخیزی کا اندازہ ہو سکتا ہے تو میر حسن دہلوی (م ۱۲۰۱ھ) میر تقی (م ۱۲۲۵ھ) سید انشا (م ۱۲۳۳ھ)
 استاد مصحفی (م ۱۲۴۲ھ) شیخ امام بخش ناسخ (م ۱۲۵۲ھ) خواجہ آتش (م ۱۲۶۳ھ) مومن خاں
 (م ۱۲۶۸ھ) اور ذوق (م ۱۲۷۱ھ) وغالب (م ۱۲۸۵ھ) جو اس دور کے نوجوان شاعر تھے،
 اس عہد کی داعی شادابی الطافتِ ذوق اور ذہانت و طباعی کا بہترین ثبوت ہیں۔

مشائخ طریقت

تصوف و طریقت کو دیکھئے تو ہر سلسلے کے ایسے اکابر شیوخ موجود تھے جنہوں نے اپنے طریق
 کو زندگی تازہ بخشی اور لاکھوں بندگانِ خدا ان کے انفاسِ قدسیہ پہریا تھے، سلسلہ نقشبندیہ
 مجددیہ پر نظر ڈالئے تو حضرت مرزا مظہر جان جانا کے خلیفہ حضرت شاہ غلام علی (م ۱۲۴۰ھ) کی ذاتِ گرامی
 پر نظر پڑے گی، جن کے قبضے سے ہندوستان، ترکستان، عراق و شام و روم فیض یافتے، اور جن کے متعلق بہت سے
 اہل نظر کا خیال ہے کہ فیضِ ارفادہ کے لحاظ سے اگر ان کو تیرہویں صدی کا مجددِ طریقت کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔
 حضرت شاہ غلام علی کے علاوہ شاہ نعیم الشہرانی (م ۱۲۱۸ھ) اور شاہ مراد اللہ تھانیسی
 (م ۱۲۴۸ھ) لکھنؤ میں شاہ محمد آفاق (م ۱۲۵۱ھ) دہلی میں شاہ حسین علی مکانوی پنجاب میں شاہ
 درگاہی نقشبندی (م ۱۲۲۶ھ) اور شاہ رؤف احمد مجددی (م ۱۲۴۹ھ) رام پور و بھوپال کی
 رہائشوں میں مولانا احمدی کرسوی شاہ امین الدین کاکوروی (م ۱۲۵۳ھ) حضرت سید محمد عدل
 عرف شاہ نعل حنارائے بریلوی کے خلیفہ قاضی عبدالکریم جو راسی اور ان کے خلیفہ قاضی عبدالکریم
 نگرانی (م ۱۲۴۹ھ) اودھ میں نسبتِ مجددیہ کے حامل اور مرکزِ ہدایت و ارشاد تھے۔
 سلسلہ چشتیہ میں دیکھئے تو مولانا فخر الدین دہلوی کے خلیفہ و چم و چراغ مولانا قطب الدین

(م ۱۲۳۳ھ) شیخ صابر بخش (م ۱۲۳۶ھ) اور شاہ میر مجری (م ۱۲۳۷ھ) دہلی میں شاہ تیازا احمد بریلوی
(م ۱۲۵۵ھ) اور شاہ عبدالباری امرہوی (م ۱۲۲۶ھ) روہیلکھنڈ میں شاہ سلیمان تونسوی
(م ۱۲۶۶ھ) پنجاب میں شاہ علی اکبر فیض آبادی (م ۱۲۱۰ھ) صوفی عبدالرحمن لکھنوی (م ۱۲۲۵ھ)
شاہ کریم عطا سلونی (م ۱۲۲۸ھ) شاہ پناہ عطا سلونی (م ۱۲۴۵ھ) اودھ میں شاہ نعمت اللہ
پھلواری (م ۱۲۲۶ھ) بہار میں سلسلہ نظامیہ اور سلسلہ صابریہ کے برکات کے امین تھے۔
سلسلہ قادریہ میں دیکھیے تو مولانا انوار الحق قرنگی محلی (م ۱۲۲۶ھ) لکھنؤ میں سید اکبر احمد
(م ۱۲۳۵ھ) مارہرہ میں شاہ اجمل (م ۱۲۳۶ھ) الہ آباد میں سید صبغۃ الشریح محمد راشد سندھ میں
طالبین خدا کی تربیت و ارشاد میں مشغول نظر آئیں گے۔

مذہبی زندگی کے آثار

اس دور میں بھی دین کی اتنی طلب اور قدر باقی تھی کہ مدرسے طلب علم دینیہ اور خانقاہیں
مردان خدا سے متوجہ تھیں، اوپرچن اکابر اہل درس و اہل طریق کا تذکرہ ہوا ہے ان میں ہر ایک ایک مستقل
اور آباد مدرسہ اور خانقاہ تھا، اور کہیں کہیں یہ دونوں مرکز جمع تھے، دہلی لکھنؤ، روہیلکھنڈ میں بریلی،
رام پور، سیلی بھیت، شاہجہانپور اور اودھ کے قصبہ میں گوپا، بلگرام، سندیلہ، خیر آباد، اس کے علاوہ
قنوج، جوہنپور، الہ آباد، عظیم آباد، یوہار (برہوان) کلکتہ، بداس اس زمانے کے مشہور تعلیمی مرکز تھے، جن میں
سیکڑوں طلبہ استفادہ و تحصیل علوم میں مشغول تھے، دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسے میں بیرون ہند
کے طلبہ بھی اور مدرسے کے مدرسے والا جاہلی میں مولانا بکرا العلوم کے درس میں ہندوستان کے اطراف
و اکناف کے طلبہ جمع تھے۔

خانقاہوں کے روحانی مفتاحیں اس کے بھی زیادہ دور دور کے ذروں کو کھینچا تھا،

حضرت شاہ غلام علیؒ کی خانقاہ میں پانچ پانچ سو طالبین جمع رہتے تھے جن کی ضرورتاً کفیل خانقاہ کی طرف سے ہوتا تھا، بیرونی ممالک میں سے سفر قنداز تا قنداز، بخارا، قندھار، کابل، غزنی تک کے اور ہندستان میں مغرب میں پشاور اور شمال میں کشمیر سے لے کر مشرق میں ڈھاکے اور جنوب میں حیدرآباد تک کے لوگ ہوتے تھے، پنجاب میں مکان کی خانقاہ معمر خانقاہوں میں سے تھی اس صدی کے آخر تک یہ حال تھا کہ شاہ امام علی صاحب کے وقت میں مہمانوں کے لئے دو سو بکرے روزانہ ذبح ہوتے تھے۔

دین سے غفلت روز افزوں تھی، مگر آنکھوں میں جیا اور دلوں میں گداز باقی تھا، اللہ کے نام کا ادب اور اس کی کہلانے والی چیزوں (شعائر اللہ) کا احترام رخصت نہیں ہوا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ توبہ و انابت کی توفیق سلب نہیں ہوئی تھی۔

فسق و فجور میں ترقی تھی، مگر فسق و فجور پر اصرار اور معاصی و محرمات کے اظہار و اعلان کا رواج نہیں ہوا تھا، اہل دنیا کی وقعت اور اہل حکومت کا رعب ضرور تھا، مگر اہل دین کی توقیر اور اہل علم کا اعزاز بھی قائم تھا اور دین کے ساتھ تمسخر و استہزا کا دروازہ نہیں کھلا تھا، محکومی و غلامی کے لئے تیاری شروع ہو گئی تھی، مگر اسلاف کی مردانگی و سپہ گری کا بچا کھچا سرمایہ باقی تھا، شجاعت و دلیری و فادائیگی و شہدائی بختگی، استقامت، عالی ہمتی، فراخ و صلگی، ہفاکشی و مستعدی جو ہر شناسی ذہانت و طباطبائی سے ابھی ہندوستانی مسلمانوں کا دامن خالی نہیں ہوا تھا۔

لیکن دین علم کے یہ بڑے بڑے ذخیرے جو سلف کی کوششوں سے جمع ہوئے تھے، مسلسل خنچ اور عرصے سے آبدست ہونے کی وجہ سے گھٹتے گھٹتے ختم ہوتے جا رہے تھے اور اضافہ و ترقی کا دروازہ بند معلوم ہوتا تھا۔

قوتوں کا غلط رخ

زندگی کا صحیح مقصد اور قوتوں کا صحیح مصرف نہ ہونے کی وجہ سے اکثر قوتیں ضائع ہو رہی تھیں

لہ آثار العناوید باب چہارم۔ ۱۷۷ "در المعارف" از حضرت شاہ رؤف احمد مجددی۔

اور اعلیٰ انسانی صفات اور جذبات نے غلط رخ اختیار کر لیا تھا۔

شجاعت و دلیری اکثر خاندانی مناقشات، رقابتوں اور حریفانہ مقابلوں میں صرف کر رہ جاتی تھی، وفاداری کو چھوٹے چھوٹے آقاؤں اور خداوندانِ نعمت کی خدمت کے سوا کوئی اور بلند مصروف نہیں ملتا تھا، واعداری چند خود ساختہ اصولوں اور چند معاشرتی و مجلسی قوانین کی پابندی کا نام بن کر رہ گئی تھی۔ پختگی و استقامت تھی مگر وہ زیادہ تر اپنی آن کے قائم رکھنے میں اور جوانی کے مشغلوں کو بڑھاپے میں نباہنے میں صرف ہوتی تھی۔

عالی ہمتی تھی مگر وہ اکثر غربت کو چھیلنے اور تنگ دستی میں امیرانہ حوصلہ مندی کے اظہار کے لئے رہ گئی تھی۔

غیرت و حمیت کا ظہور عموماً انفرادی و شخصی معاملات میں ہوتا تھا، دین کی مظلومی و غربت اور امت کی زبوں حالی پر اس میں حرکت و اشتعال پیدا نہیں ہوتا تھا، فیاضی و فرسخ حوصلگی کا یہاں نوازی، صدقہ و خیرات یا امیرانہ داد و دہش کے علاوہ کوئی مصروف سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ جفاکشی و مستعدی تھی مگر وہ عوام میں معاش کی انگڑی دو اور آقاؤں کی خدمت امر میں یہی مہمات اور حریفوں کی سرکوبی اہل دین میں مجاہدہ و عبادت اور سلوک و ریاضت کے حدود سے آگے نہیں بڑھنے پاتی تھی۔

جوہر شناسی تھی مگر اس کا موضوع شعرا، نغمہ سراؤں اور مصاحبین کی پرورش اور سرپرستی کے سوا کچھ نہ تھا۔

ذہانت و طباعی تھی، مگر وہ اہل ادب میں محض شاعرانہ نازک خیالی اور نکتہ آفرینی اور اہل علم میں دقیق متنوں کی شرح و تحشیہ اقوال کی توجیہ اور مشکلات فن کی گرہ کشائی سے آگے بڑھنے نہیں پاتی تھی۔ اس نسل میں بہترین صلاحیتیں اور جوہر موجود تھے، مگر ضائع ہو رہے تھے، افراد نگھے مگر جانتے تھے،

اور اوراق تھے مگر کتاب نہ تھی، کچا مال تھا مگر کوئی کاریگر نہ تھا، پرنے سے تھے اور بہت سے متحرک بھی تھے، مگر دینی زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی تھی، اس لئے عام اور مفید حرکت نہ تھی۔

امام کا کام

اس وقت ایک ایسے شخص اور جماعت کی ضرورت تھی جو دین و علم اور صلاحیتوں کے اس بچے کھچے سرے سے وقت پر کام لے لے اور اس کو ٹھکانے لگائے۔

جو خانقاہوں کا حال اور درس گاہوں کا حال وہاں کی حرارت اور یہاں کی روشنی سارے ملک میں عام کرنے جس کے جلو میں چلتی پھرتی خانقاہیں ہوں اور ڈوڑتے بھاگتے مدرسے گھوڑوں کی پیٹھ پر عالم ہوں اور محرابوں میں مجاہد۔

جو دلوں کی بھبتی ہوئی انگلیٹھیاں دوبارہ دہکائے، افسردہ دلوں کو ایک بار پھر گرائے اور ملک میں اس سرے سے اس سرے تک طلب اور دین کی تڑپ کی آگ لگائے، جو مسلمانوں کی خداداد قابلیتوں اور فطری صلاحیتوں کو ٹھکانے لگائے جس کی سستی سے شجاعت و لیری کا رخ میدان جہاد اور حقیقی دشمن کی طرف پھر جائے، جذبہ وفاداری خداوند حقیقی کی بندگی میں لگ جائے، وضعداری، بختگی، واستقامت، فرائض و عبادات کی پابندی اور میدان جہاد کی ثابت قدمی میں، عالی ہمتی دین کی خدمت اور رضائے الہی کے اعلیٰ مراتب کے حصول میں، غیرت و حمیت دین کی مظلومی اور مسلمانوں کی زبوں حالی کے احساس میں، فیاضی و فرسخ جو صلگی مجاہدین کی امداد، مہاجرین کی نصرت اور جہاد و غزاکے اعانت اور دینی بھائیوں کی خدمت میں، بھٹاکشی و مستعدی سفر جہاد کی صعوبتوں کے تحمل، میدان جہاد کے مصائب اور دینی فرائض کی سربراہی میں، جو ہر شناسی اہل لیاقت کی قدر دانی، دین کے خادموں اور سپاہیوں کی شناخت اور تربیت میں کام آئے، ذہانت و طباعی دعوت و اصلاح کی حکمت، امور جماعت میں

معاملہ فہمی و فراست، میدان جنگ کی تدبیر اور حکومت اسلامی کی دینی سیاستیں اپنے جوہر دکھائے، جس کی نگاہ دور رس اور جس کی ذات میں سیما نفس کسی بیکار چیز کو کبھی بیکار نہ سمجھے اور کسی بے جان کو بھی مردہ نہ کہے اور جو امت کے ذخیرے کے ہر دانے اور اس کے خیابان کے ہر تنکے سے پورا پورا کام لے لے، جس کے متعلق ساری دنیا کا فیصلہ ہو کہ یہ کسی مصرف کا نہیں، اس کی نگاہ کا فیصلہ ہو کہ یہی سب سے بڑھ کر کار آمد ہے، جس پتھر کو ہر معمار رد کر چکا ہو، وہ کہے کہ یہی کوئے کا پتھر ہے، جو ساری عمارت کا بوجھ اٹھا سکتا ہے، وہ سنگریزوں سے دیکھتے دیکھتے ایسا کھل اچھا ہر تیار کر دے، جو ہزاروں آدمیوں کی آنکھیں کھول دے، اور عالم کو روشن کر دے، جو منتشر افراد سے منظم جماعت پر اگندہ اوراق سے مکمل کتاب کچے، بلکہ گلے ہوئے مال سے بہترین مصنوعات تیار کر دے، متضاد عناصر، مختلف مزاجوں اور مقابل طبائع کو آپس میں جوڑ کر ان کے اختلاف و تنوع سے نئی قوت حاصل کرے، او ان کو شیر و شکر کر دے، ہر قابلیت اور ہر ہنر سے دین کا کام لے، شاعر کی شاعری کو حق کے دفاع میں، علما کی قوت استدلال کو حق کے اثبات اور دماغوں کی سلوٹ ڈور کرنے میں، اہل باطن کی قلبی قوت کو دین کے سپاہیوں اور کار گزاروں کی تربیت و تزکیہ، نفس اور دلوں کی گرہ کھولنے میں، اہل قلم کی تصنیفی قابلیت و قوت تخریر کو توحید و سنت کی اشاعت اور جہاد کی ترغیب و تخریب میں، مقررین کی گویائی و خطابت کو دین کی دعوت اور فیہ عام میں، دولت مندوں کی دولت کو مجاہدین کا سامان درست کرنے میں صرف کرے، غرض ہر ٹرینے کو دین کی مشین میں لگائے اور اپنی اصلی جگہ پر جائے، پھر سٹی ہوئی پول کو اپنی جگہ پر لاکر ساری مشین کو اس طرح حرکت دے کہ زندگی کا پورا محور گھوم جائے۔

جو شخص ان اوصاف کا جامع ہو، اس کو اسلام کی بلینج و معجز اصطلاح میں "امام" کہتے ہیں، اور اس کی جگہ تیرہویں صدی کے تمام اہل کمال اور شاہسیر رجال کی موجودگی میں خالی تھی۔

پہلا باب

خاندان

امیر سید قطب الدین اور ان کی اولاد

محمد ذوالنفس الزکیہ شہید کی بارہویں پشت میں سید رشید الدین کے فرزند رشید شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد اچھی ایک عالم و عارف اور عالی ہمت بزرگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے علم و تقویٰ کی دولت کے ساتھ شجاعت کا جوہر اور جہاد کا جذبہ عطا فرمایا تھا۔ ۶۸۰ھ میں خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ کو جہاد کے لئے ہندوستان جانے کا حکم اور فتح کی بشارت ہوئی اور آپ غزنی کے راستے سے اترنا و سبازا اور غزنی کے رؤسا و شرفا و مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دہلی تشریف لائے، دہلی سے پورب کا قصد کیا اور اول قنوج پہنچا، پھر نانک پورا اور کراپڑا پر جو اس زمانے میں ایک مستقل حکومت کا مرکز تھا حملہ کیا اور اس تمام علاقے کو فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کیا۔

امیر سید قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ ایک مدت تک دہلی میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز رہے، دہلی کے تمام مشائخ و علما اور تمام سلاطین اپنے اپنے وقت میں آپ کا ادب و احترام کرتے رہے، آپ نے دہلی سے

۱۰ صاحب "بحر الانساب" نے آپ کی تاریخ ولادت ۵۸۱ھ لکھی ہے۔ ۱۱ صاحب "تاریخ آئینہ اودھ"

نے سفر جہاد اور حملے کے مفصل واقعات سید قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عربی ملفوظ سے نقل کئے ہیں

(منہ - ۵۳) اس ملفوظ کی صحت اور تاریخی استناد کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

منقل ہو کر طے میں مستقل سکونت اختیار فرمائی تھی جہاں چھپانوے سال کی عمر میں ۳ رمضان ۱۰۶۵ھ میں وفات پائی۔

مورخین اور تذکرہ نگاروں نے امیر قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت بلند الفاظ میں تذکرہ کیا ہے

قاضی ضیاء الدین بلخی "تاریخ فیروز شاہی" میں سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کا ذکر کرتے ہوئے یہ

قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا آپ کے بعض دوسرے معاصرین کے ساتھ ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

من کہ مؤلف "تاریخ فیروز شاہی" از ثقات عمر

شہیدہ ام: در عصر بلبن چند بزرگ زبعا یا بزرگان

شمسی ماندہ بود و چند ملک ز نواد ملوک اعوان

انصار او پیدا آمد کہ عہد عصر سلطان بلبن ازاں

بزرگان و ازاں ملوک آراستہ شدہ بود و اعتبار

تمام گرفتہ چنانکہ از سادات کہ بزرگ تر بزرگان

امت اند قطب الدین شیخ الاسلام شہر جد بزرگوار

قاضیان بد اوں و منتخب الدین سید جلال الدین

پسر سید مبارک سید عزیز الدین سیدین الدین سامانہ و

سادات گردیز جہان سید چچو و سادات عظام

کینھل و سادات چنچیر و سادات بیانہ و سادات

بداؤں و چندیں سادات دیگر کہ از حادثہ چنگیز

خان ملعون دریں دیار آمدہ بودند و ہر کیے در

لہ "زہرہ الخواطر" بحوالہ "وفیات الاعلام" از شیخ محمد کھلی۔

خاکسار مؤلف "تاریخ فیروز شاہی" نے معتبر و معزز بزرگوں سے سنا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں چند ہستیاں جو سلطان شمس الدین لہمیش کے مبارک عہد کا یادگار تھیں باقی رہ گئی تھیں اور اس دور کے چند کیتے روزگار ملوک امر او اعوان سلطنت بھی موجود تھے یہ بزرگ ہستیاں اور یہ ملوک امر اس سلطان بلبن کے عہد کے لئے باعث زینت و فخر تھے چنانچہ سادات میں کہ بزرگان امت کے سر تاج ہیں دار السلطنت ملی کے شیخ الاسلام قطب الدین جو بدایوں کے قاضیوں کے جد بزرگوار ہیں اور سید منتخب الدین سید جلال الدین (فرزند سید مبارک) سید عزیز الدین و سیدین الدین سامانہ نیز گردیزی سادات (جو سید چچو کے اجداد ہیں) اسی طرح کینھل کے سادات عظام و سادات چنچیر و سادات بیانہ و سادات بدایوں در دوسرے

صحتِ نسب و بزرگیِ عدیم المثال بودند کمال
تقویٰ و تدین آراستہ ہر سہمہ بر صدر حیات
بودند۔

متعدد ساداتِ کرام جو چنگیز خاں ملعون کے حادثے
کی وجہ سے اس ملک میں تشریف لائے تھے ان میں ہر ایک
صیح النسبی اور عالی حسی میں بے نظیر اور کمال تقویٰ
و تدین سے آراستہ رونق بخش وجود تھا۔

امیرِ قطبِ لدین کی صحتِ نسب و علوِ خاندان کی شہادت تمام مؤرخین و مہترین نے دی ہے
حضرت سید علی بہرائی صاحب "عمدة الطالب" شیخ احمد اکبر آبادی "تذکرۃ السادا" سید حامد بخاری
سندھی اور صاحب "نبیح الانساب" اور صاحب "بحر الانساب" نے اس کی توثیق کی ہے اور بعض نے
لکھا ہے کہ صحتِ نسب قطبِ معارفین رئیس المصلین سید قطب الدین محمد آسنی آسنی از تواریخ انساب از بیوستہ
حضرت سید قطب لدین کی اولاد کو اللہ نے بڑی دینی و دنیوی برکت عطا فرمائی، سیادت
و امارت کے ساتھ علم و زہد تقویٰ کی دولت سے مالا مال رکھا آپ کے ایک صاحبزادے سید تاج الدین تھے
جو مدت تک و دھ اور پھر بدایوں کے عہدہ قضا پر رہے مولف "تاریخ فیروز شاہی" ان کے متعلق لکھتے ہیں:-

دیکھو ازاں ساداتِ عظام کہ اس دیارِ بوجہ
ہمایوں او محظوم و مکرم بود، سید السادات سید
تاج الدین پسر شیخ الاسلام سید قطب لدین بود
است و سید تاج الدین مذکور پیر قطب لدین
و جد سید اعز الدین از قاضیان بداول بودند
سالہا قضا و دھ جوالت او بود سلطان علاء الدین
اور از او دھ معزول کردہ و قضا بداول داد
ان سادات میں سے ایک بزرگ جن کے وجود مبارک سے
اس ملک کو عزت و افتخار حاصل تھا سید السادات
تاج الدین فرزند شیخ الاسلام سید قطب لدین تھے
تاج الدین موصوف سید قطب لدین کے والدین تھے
اور سید اعز الدین کے جد بزرگوار بدایوں کے قاضیوں میں سے
تھے اور سالہا سال و دھ منصب ان پسر سلطان
علاء الدین نے اس کے پیش کردہ بدایوں کے قاضی مقرر کیا

سید تاج الدین علیہ الرحمۃ بڑے جلیل القدر سید تھے، متعدد بزرگوں اور طالبانِ خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سید تاج الدین کی صورت میں خواب میں دیکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی شکل میں نظر آنا ان کی صحت نسبی کے لئے دلیل قطعی ہے، قطب الدین اور ان کے صاحبزادے اور نواسے کے اخلاقِ کریمانہ اور محاسنِ اوصاف آپ کے معاصرین چشم دید واقعات تھے، ان ساداتِ اکرام میں ہر بزرگ بزرگی، علم و علم و سخاوت اور دوسرے فضائل میں بے نظیر تھا۔

ایر سید قطب الدین کے بڑے صاحبزادے سید نظام الدین نے ایک فرزند یادگار چھوڑا، جن کا نام سید رکن الدین تھا، آپ ہی حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مورث ہیں، قاضی ضیاء الدین یرنی نے سید رکن الدین صاحب کے تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے :-

سید رکن الدین جو سید تاج الدین مدوح کے کھتیجے ہیں، کرطے کے قاضی تھے، اللہ نے سید رکن الدین کو ہر صفت موصو بہ پر کیا تھا، صاحبِ کشف و کرامت تھے، صاحبِ سماع تھے، اور عجیب و جدا و کثیر کھتے تھے، ترک و تجرید اور سخاوت و ایثار میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا، مؤلف "تاریخ فیروز شاہی"

سید تاج الدین علیہ الرحمۃ و الغفران، بزرگوار سیدے بودہ است و چندین صاحبان و خدا طلبان مصطفیٰ را، علیہ الصلوٰۃ و السلام، بر صورت او در خواب دیدہ بودند و مثل او مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھانے قاطع در صحت نسبی و و مکاتب اخلاق و محاسن اوصاف سید قطب الدین پسر نبیہ آن سید بزرگوار شاہدہ معاصران عصر است و ہر یکے از سادات مذکور بزرگی علم و علم و سخاوت و سائر فضائل نظیر خودندارند۔

و سید رکن الدین برادر زادہ سید تاج الدین بزرگوار قاضی کرط بودہ است، باری تعالیٰ سید رکن الدین صاحب فضائل آفریدہ بود و کشف و کرامت آراستہ وہم صاحب سماع بود و ہم و جد و حالت عجیب داشت و روزگار بزرگی او در ترک و تجرید و اعطا و ایثار کرانہ شدہ است و مؤلف

”تاریخ فیروز شاہی“ سعادتِ ملاقاتِ سیدناج الدین
 و سیدرکن الدین رحمہما اللہ دریافتہ است و شرائط
 پائے بوس ایشاں بجا آوردہ و من مثل آن سادات
 بزرگوار و اوصاف سنیہ و حسنئے کہ دادہ خدا ایشاں
 دانشند کمتر دیدہ است. بیاد ہمہ آثر است و
 فرزند ی رسول رب العالمین بہ شرفِ زندگی
 و منقبت و جلال است کہ اگر خواہم کہ در مجاہد
 آن سادات و سائر سادات کہ نور دیدگان
 مصطفیٰ و حکم گوشگان ترضی بودہ اند و مستن پرچم
 بنویم ہر اسبہ میثوم و عجز خویش مستز می گردم۔

امیر سید قطب الدین کی اولاد پوری ایک صدی تک بڑی تیک نامی، عزت و حرمت اور
 دین داری اور بزرگی کے ساتھ کڑے میں مقیم رہی، اس خاندان کے ایک بزرگ سید قطب الدین تانی
 نے کڑے سے جہاٹس (ضلع راجے بریلی) نقل سکونت کی ۱۸۷۰ء میں ان کے پوتے (سید علاء الدین کے
 صاحبزادے) قاضی سید محمود جہاٹس سے نصیر آباد منتقل ہوئے، جو جہاٹس سے صرہ چار میل کے فاصلے پر
 ایک آباد قصبہ اور شرفا و سادات کا قدیم مسکن تھا اس وقت سے نصیر آباد اس خاندان کا وطن قرار پایا۔
 قاضی سید محمود کے صاحبزادے قاضی سید احمد مشہور بہ سید راجی اس بنا پر کہ دوران
 مقدمہ میں ایک فریق کی زبان سے یہ لفظ نکلا کہ ”از جنین حکم شرع بیزارم“ ترک وطن کر کے
 راجے بریلی تشریف لے آئے، ان کا خاندان اور اولاد نصیر آباد میں مقیم رہی آپ کے فرزند

لہ ”تاریخ فیروز شاہی“ ص ۳۲۹، عہد سلطان علاء الدین خلجی، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۲ء۔

سید محمد معظّم نے دو نامور فرزند چھوٹے سید محمد اسحق و سید محمد فضیل۔

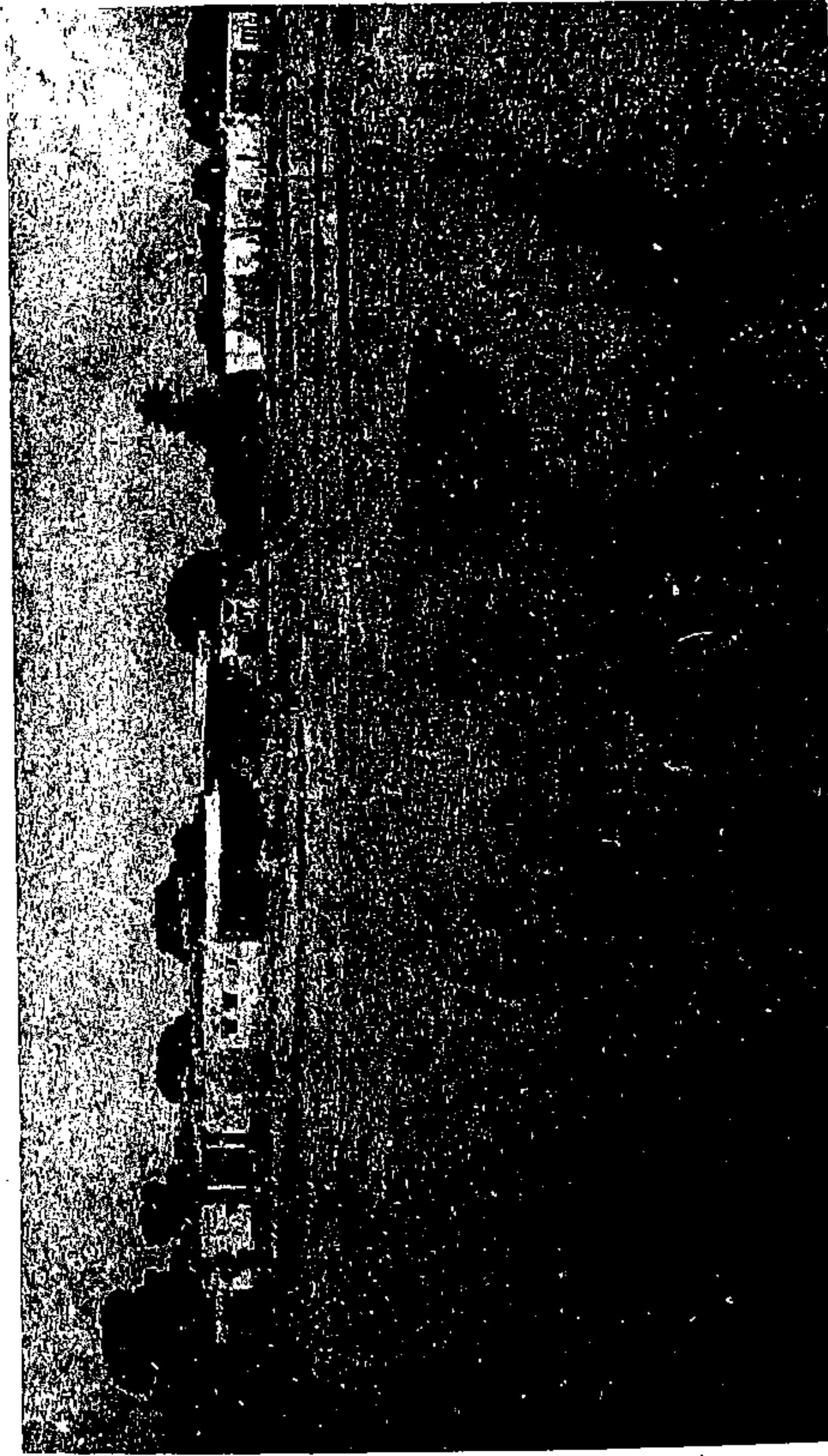
سید محمد اسحق کے تین صاحبزادے تھے، دیوان خواجہ احمد صاحب، مولانا سید ہدایت اللہ اور سید تاج الدین، دیوان خواجہ احمد صاحب اور مولانا ہدایت اللہ صاحب، علم و فضل، دیانت و تقویٰ اور کمالات ظاہری و باطنی میں نہایت بلند پایہ تھے۔

سید محمد فضیل کے دو صاحبزادے تھے، حضرت شاہ داؤد اور حضرت سید شاہ علم اللہ، سید شاہ علم اللہ حضرت سید احمد شہید کے جدِ امجد ہیں۔

حضرت سید شاہ علم اللہ

دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۳۳ھ میں ولادت ہوئی، والد ماجد کا تقریباً ڈھائی مہینے پہلے اولاد والدہ ماجد کا دو تین سال کی عمر میں انتقال ہو گیا، اماں سیدہ ابو محمد نے کہ امرائے شاہجہانی میں تھے، پرورش کی تعلیم اپنے چچا زاد بھائی دیوان خواجہ احمد صاحب سے حاصل کی، جوان ہوئے تو اماں کے ملازمت کی کوشش کے لئے لشکر میں طلب کیا، لیکن ملازمت سے پہلے ہی دنیا طلبی سے دل برداشتہ ہو کر خدایا کی راہ اختیار کی، اسبابِ امارت کو وقفِ عام کر دیا اور دو سال شکر گاہ میں ٹھہر کر نفس کی تہذیب و تربیت کے لئے خدا شاکہ انجام دینے لہے، یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم حضرت سید آدم بنوری کا آفتاب ہدایت و ارشاد پورے عروج پر تھا، حضرت سید شاہ علم اللہ حضرت سید کی خدمت میں حاضر ہوئے، بیعت کی اور تھوڑی مدت میں اس راہ کے تمام منازل طے کر کے اس کے انتہائی کمالات حاصل کئے اور خلافتِ نیابت سے سرفراز ہوئے، حضرت سید آدم

لہ آپ کی چھٹی پشت میں حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی ہیں۔ لہ آپ کی اولاد میں مولانا سید محمد امین نصیر آبادی اور اس راقم مطور کے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی ہیں۔



دائرہ شاہ علم اللہ (تکلیف کلاں) بستی کا منظر اس کے شمال مشرقی سمت سے

وسطیہ دورہ انڈیا لکھنؤ علی گڑھ

نے اپنا عامرہ اور حضرت مجددؑ کی دستار مبارک عنایت کی اور وطن کی طرف رخصت کیا
شاہ صدار رخصت ہونے لگے تو عرض کیا "اس طرف اودھ میں بہتے اویا اور عالی مرتبہ لوگ ہیں
میری ان میں حیثیت ہی کیا ہوگی؟" حضرت سید آدمؑ نے کچھ دیر مراقبہ ہو کر فرمایا "ان میں تمہاری
نسبت ایسی ہوگی، جیسے چراغوں میں شمع کی، پھر کچھ دیر مراقبہ کے بعد فرمایا "سید خاطر جمع ہو کر جاؤ اور
اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ، تمہاری نسبت ان میں ایسی ہوگی، جیسے ستاروں میں آفتاب کی"

حضرت آدم بنوریؑ ہندوستان سے ہجرت فرما رہے تھے، شاہ علم الشرعؒ نے بھی ہجرت کا عزم کیا
حضرت سید نے فرمایا "جاسکتے ہو لیکن اگر کوئی مرد خدا تمہیں کہیں روکے تو ٹھہر جانا"

شاہ علم الشرع صاحب اہل و عیال کو لے کر سفر حجاز کی نیت سے نصیر آباد سے رائے بریلی آئے
تو یہاں ایک خدار سید بزرگ شاہ عبدالشکورؒ نے شیخ کا قول یاد دلا کر باصرار رائے بریلی کے قیام
پر آمادہ کر لیا اور سنی ندی کے کنارے ایک جگہ قیام کے لئے تجویز کر دی، شاہ صانعؒ نے وہیں طرح اقامت ال دی
۱۰۷۵ھ میں اپنے حج کیا، اور واپس تشریف لائے، اور کچھ مدت قیام کر کے تقریباً ۱۰۸۲ھ میں دوبارہ
حرمین تشریف لے گئے، واپسی میں کعبے کا نقشہ اور صحیح پیمائش ساتھ لائے اور ۱۰۸۳ھ میں اس نقشے اور پیمائش
کے مطابق اپنے نئے مسکن میں سنی کے بالکل کنارے اپنے اور اپنی اولاد کے ہاتھ سے خدا کا گھر تعمیر کیا،
جس کی بنیادوں میں آپ زمزم ڈالا اور اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کے مطابق
اپنی اولاد کو وہیں اسی نیت سے آباد کیا "سَبَّانَا لِيَقْبِلُوا الصَّلَاةَ" (۱۲۷ : ۱۳۷) یعنی اے
ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو یہاں اس لئے ٹھہرایا ہے کہ یہ نماز قائم کریں۔

۱۰۹۶ھ میں عالمگیر کے عہد میں ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور سجد کے جنوب مشرقی گوشے میں

۱۰ صاحب "نتائج الحرمین" ۱۰۷۵ھ میں آپ سے مکہ منظمہ میں ملاقات کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۱ "قبلة شان" تاریخ تعمیر، جو مسجد کے جنوبی دروازے پر کندہ ہے۔ ۱۰۷۵ھ اعلام الہدیٰ

مدفون ہوئے، انتقال کی شب کو عالمگیر نے خواب دیکھا کہ آج کی رات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقایہ با دشاہ کو اس خواب سے بہت تشویش ہوئی، علماء سے تعبیر دیا کی تو انہوں نے کہا اس راہد علم اللہ صاحب کی وقایہ ہوئی ہوگی کہ وہ اتباع سنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر قدم تھے "سرکاری وقایہ نگار کی اطلاع سے معلوم ہوا کہ اسی شب کے جناب مدوح نے انتقال کیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کا اصل جوہر جس نے آپ کو اپنے معاصرین میں ممتاز کر رکھا تھا عبادت کے ساتھ روزمرہ کی زندگی اور عادات میں بھی اتباع سنت ہمیشہ عزیمت پر عمل و تقویٰ تھا۔ خواجہ محمد امین بدخشی "جو حضرت سید آدم بنوری کے مجاز و مقرب تھے" نتائج اکھبر میں شاہ صاحب کے ایک فیض یافتہ شیخ عبدالحکیم کے حوالے سے لکھتے ہیں:-

"حضرت میر سید علم اللہ کہ حضرت آدم بنوری کے خلفا میں نہایت متقی کامل بعلم والاعمال بزرگ ہیں، نبی حسنیٰ حسینیٰ ہیں، ان کا ظاہر و باطن کمال اتباع سنت کے آثار اور ان کی ساری زندگی اور تمام اوقات سنن و تجاہد سے معمور ہیں، اور وہ خود اور ان کے تمام پیرو ہمیشہ فقر و فاقہ سے گزر کرنے والے دنیا کی کو بھی اپنے پاس نہیں آنے دیتے، ہندوستان اور عرب میں بھی ان کے تقویٰ اور استقامت کا غلغلہ ہے، اکثر مشائخ کو ان کا تقویٰ اور ریاضت و استقامت دیکھ کر شک آتا ہے اور حسرت ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ دیکھو، مقبولان ازلی کو اللہ کی طرف سے ایسی استعداد و قابلیت نصیب ہوتی ہے، اپنے دوستوں، رفیقوں اور فرزندوں میں بھی ان کا عمل عزیمت ہی پر ہے، اپنے بیٹوں اور جاننے والوں میں کوئی اگر کسی امر مباح یا رخصت پر عمل کرے تو اس کے ناراض ہو جاتے ہیں، اور اگر

لے اس خواب کا تذکرہ حضرت شاہ غلام علی صاحب کے ملفوظات درالمعارف میں بھی ہے "بجز خاں" میں کہ عالمگیر نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ اور اراج مقدسہ کا اجتماع دیکھا اور کسی آزاد مشرب صوفی نے یہ تعبیر دی۔

”نَعُوذُ بِاللّٰهِ“ کسی سے کوئی بدعت کا فعل سرزد ہو جائے تو اس سے اس درجے بیزار ہو جاتے ہیں کہ اس کا منہ دیکھنے کے روادار نہیں ہوتے جب تک کہ وہ از سر نو تائب و متقی نہ ہو جائے۔
 فقرا اور فرزندوں پر اور گھر کے اندر اور باہر کھانے کی تقسیم مساوی طور پر کرتے ہیں۔
 جو عمل بھی سنت یا استحباب اس کے ذرا تجاوز نہیں کرتے ایک سالہ قوتِ اہل کے نام سے تحریر فرمایا ہے جو امر بالمعروف اور لیہ بہت حقائق و معارف الہیہ پر مشتمل ہے کہ عارفین کے سوا ہر شخص کا حقد نہیں سمجھتا اپنے احوال کا بہت انخافرتا ہے اور اپنی عاجزی اور گناہی ظاہر کرتے ہیں اکثر لوگ ان کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ شاید صحابہ کرام ایسے ہی ہوں گے۔
 پابندِ شرع و سنتوں اور طالبین کے ساتھ بڑی خوش خلقی اور تواضع کے ساتھ پیش آتے ہیں۔
 ”وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خَلِقٌ عَظِيْمٌ“ (۶۸ : ۷۷) کی متابعت کا پر تو آپ میں بہت نمایاں ہے۔

ہدایا اور نذر متقی کے سوا کسی سے قبول نہیں کرتے منقول ہے کہ ایک وزیرِ خاں جو محمد شاہ جہانی کے امراء کے بار میں تھے، ملاقات کے لئے آئے، ان کو آپ نے امر بالمعروف کیا اور تامل و خلاف شرع سے توبہ کرائی، توبہ کے بعد جو نذر وہ لائے تھے قبول فرمائی، وہ رخصت ہو کر تقریباً ایک گھنٹے ہو گئے کہ ان کے لشکر سے نفاق کی آواز آئی، اسی وقت نذر الپس بھیج دی۔
 میاں شیخ عثمان شاہ جہانپوری نے، جو حضرت آدم بنوری کے لوگوں میں تھے آپ کی تنگی معاش کا حال سن کر سلطان اورنگ زیب کو رقم لکھ کر میرید علم اللہ اور میاں شیخ سلطان کی خدمت کی ترغیب دی اور ان کا استحقاق ثابت کیا، بادشاہ نے فرمایا کہ میاں شیخ سلطان

لے اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔ اہل حضرت سید آدم بنوری کے نہایت متاز و جلیل القدر خلیفا

ہم سے تھے پورب میں سلسلہ نقشبندیہ کے دو امام تھے شیخ محمد سلطان ساکن بلیا اور سید علم اللہ ساکن رائے بریلی،

حالات کے لئے ملاحظہ ہو نتائج اکھبریں۔

کے فقراء خانقاہ کے لئے ایک روپیہ روزیہ مقرر کر دیا جائے، چونکہ بادشاہ کو معلوم تھا کہ
 سید صاحب موصوف (شاہ علم الشرع) روزیہ قبول نہیں فرمائیں گے اس لئے فرمایا کہ جس
 حلال مال سے ہمارے کھانے کا انتظام ہے اس میں سے دو سو روپے سید صاحب کی خدمت
 میں نذر کے طور پر پیش کئے جائیں لیکن شاہ علم الشرع صاحب نے اس کو بھی قبول نہیں کیا،
 شاہ صاحب کا زہد و تقویٰ روز بروز روز بہ روز ترقی تھا، بخلات اکثر مشائخ کے کہ سلوک کی
 ابتدا میں ریاضتیں کر کے آخر میں فانی و بکدوش ہو جاتے ہیں لیکن شاہ صاحب نے
 اول تنگی و سختی و فقر کو راحت سمجھ کر اور فقر و فاقہ کو سنت کی پیروی میں جو اختیار کیا تو
 آخر تک اس میں ذرا فرق نہیں آنے پایا اور لذات دنیاوی کو اپنے پاس نہیں آنے دیا۔

صاحب بکر زخار نے آپ کے تذکرے میں یہ لفظ لکھے ہیں:-

”مجاہد اتیکہ ازاں یگانہ زمانہ در باب نفرت دنیا با تبلیع طریقہ نبویہ ظہور آمدہ

بعد از صیابہ کرام در دیگر اولیائے امت متاخرین کمتر یافتہ می شود“

صاحب ”بکر زخار“ اور صاحب ”اعلام الہدی“ لکھتے ہیں:-

”کہ معظمہ اور دینہ منورہ کے لوگ آپ کی اس قوت عمل کمال اتباع اور عزیمت

کو دیکھ کر کہا کرتے تھے ”ہذا کاتبی ذی“ یعنی شاہ علم الشرع اس زمانے میں ابو ذر غفاری

رضی اللہ عنہ کا نمونہ ہیں اور یہ فقرہ حرمین میں زبان زد ہو گیا تھا“

شیخ عبد الحمید ابدال (شاہ صاحب کے ایک معاصر بزرگ) فرماتے تھے کہ اتباع سنت

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں سید علم الشرع صاحب کی مثال اس زمانے میں نہیں ہے اور

سلف میں بھی خاص خاص لوگ اس درجے کے ہوئے ہیں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

لے ”نتائج احرار“



لوہا سکد میرا
سید محمد علی شاہ



ہاں کہہ سکتے ہیں صاحب و سید محمد علی شاہ
جوں در پورہ سکد قطب عالم و اوقاف نے لکھا ہے
سوزناں ما از دور و زلف اللہ میرا علی مدد کرش
سید محمد علی شاہ نے جو مصنف اور اہل علم و کمال
کہ او دور خود پورہ سکدوں، انقبہ انقبہ
اور در زلف اللہ شاہان برسد انرا مفودن کردہ گزیدہ
ارخان قبول است اس کے کلاموں کو کمال نام

سید محمد علی شاہ نے جو مصنف اور اہل علم و کمال
کہ او دور خود پورہ سکدوں، انقبہ انقبہ
اور در زلف اللہ شاہان برسد انرا مفودن کردہ گزیدہ
ارخان قبول است اس کے کلاموں کو کمال نام

ایک قدیم تحریر، جس پر سید صاحب کے دستخط (میر احمد) ہیں۔

فرزندی کے علاوہ آپ کی محبوبیت بھی حاصل ہے، چنانچہ آپ کی اس مقبولیت اور محبوبیت کے بہت سے واقعات اور روایے صادقہ کتابوں میں مذکور ہیں۔

شیخ عبدالحکیم اپنے زمانے کی شہادت لکھتے ہیں:-

”دریں زمانہ مشہور است کہ ہم چہیں باستقامت در شریعت و طریقت و

مطابقت سنت کم کے خواہد بود الا ماشاء اللہ“

شاہ صاحبؒ حد درجے کے متواضع اور سادہ تھے، خرد و کلاں، حتیٰ کہ نوکر چاکروں کو عظیم سے خطاب کرتے، اپنے ہاتھ سے سب کام کرتے، جھاڑ دیتے، پانی بھرتے، لکڑی کاٹ کر لاتے، کھانا پکانے میں نوکروں کے ساتھ شریک ہوتے، ایک مرتبہ سیلاب کے بعد ایک مخلص نے حویلی کی کرسی بلند کرنے کے لئے پانچ سو روپے بھیجے، آپ نے صاحبزادوں اور ساتھیوں سے فرمایا، ”یہ رقم آئی ہے، چاہے مزدوروں سے کام لیا جائے، اور ان کو مزدوری دی جائے، چاہے تم خود محنت کرو اور مزدوری لو“ سب نے اسی کو منظور کیا، شاہ صاحبؒ نے سب کی شرکت میں روزانہ محنت کر کے حویلی تعمیر کیا اور سب کام سب کے ساتھ اپنے ہاتھ سے کئے۔

ہر کام میں دوسرے کا ہاتھ بٹاتے اور کسی سے خدمت نہ لیتے، بازار سے سامان خرید کر سر پر اٹھا کر لاتے، شیخ وقت اور مخدوم خلائق ہونے کے باوجود شجاعت و مخرومیت کی بوجہ نہیں پائی جاتی تھی۔

شاہ صاحبؒ کو رسوم و بدعات اور غلات شریعت رواج سے بڑی نفرت تھی، اس رنگ کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا، جو شیخ عبدالحکیمؒ نے شاہ صاحبؒ کے ملفوظات میں لکھا ہے:-

”عید الاضحیٰ کے روز سولج نیکلے آپ مسجد سے نکل کر مکان شریف لائے، دروازے پر

پہنچے تھے کہ دو سپاہی حضرت کی ملاقات کے لئے آئے، آپ دروازے سے واپس ہوئے

اور ان کی خاطر سے اپنی نشست گاہ پر گاہ کر بیٹھ گئے، آپ نے ان سے فرمایا، ”تم شادی غمی میں

اپنے عزیز و اہل برادری کے ساتھ کیا عمل کرتے ہو، سنت کے موافق یا بدعت؟ ان میں ایک نے جو حضرت سے پہلے سے تعلق رکھتا تھا، جواب دیا ہمارا عمل حضرت کی مرضی اور ارشاد کے موافق ہے اور ہم شادی غمی میں کسی بدعت کی محفل میں شریک نہیں ہوتے۔ فرمایا بَرَآءُ اللہُ اس کے ہمراہی نے کہا ہمیں جب اللہ توفیق دے گا، تو ہم بھی بدعت کے ان کاوسگے باز آجائیں گے، ہمارا اس میں کچھ اختیار نہیں، حضرت نے فرمایا اس طرح بت کہو، ہر عاقل و بالغ کو اللہ نے اختیار دیا ہے، اور یہ کہنا کہ اللہ توفیق دے، کل قیامت کو اللہ کے حضور میں یہ دلیل کچھ کام نہیں آئے گی، اگر یہ دلیل کارآمد ہو تو ہر شخص کی گلو خلاصی ہو جائے، دیکھو حضرت آدم علیہ السلام یہ جانتے تھے کہ ان کا گہروں کھانا ایک تقدیری امر تھا، لیکن انھوں نے بھی اپنی تقصیر کا عذر کیا اور کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا (۷ : ۲۳) یعنی اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا، اور یہ نہیں کہا اے اللہ! گہروں نہ کھانے کی توفیق تو نے کیوں نہیں دی؟ کسی آدمی کا کسی پر قرض ہوتا ہے اور وہ آدمی اس کے مطالبہ کرتا ہے تو قرضدار نہیں کہتا، اگر خدا توفیق دے گا تو تیرا قرض ادا کر دوں گا، بلکہ چاہو نا چاہو نہیں، انتظام کرنا پڑتا ہے یا نہ ہونے پر بالکل عذر کرتا ہے، یا اسے معاف کر دیتا ہے یا کسی دوسرے وقت پر دیتا ہے، اسی طرح اللہ کے بندوں کو چاہئے کہ اسلام کے مفہوم پر عمل کریں، اسلام کیا ہے؟ اللہ کے احکام کے آگے سر جھکا دینا اور اس کے ممنوعات سے بچنا، پس اللہ کے احکام کے آگے سر جھکا دینا چاہئے، اور ان تمام چیزوں کو جن سے اللہ نے روکا ہے، مجتنب ہونا چاہئے اور سنت کی پیروی کی کوشش کرتے رہنا چاہئے، کیونکہ بند جب نیک کام اختیار کرتا ہے تو حق تعالیٰ اپنے کرم سے اس کی امداد و اعانت فرماتا ہے اور اس کو خیر کی زیادہ توفیق دیتا ہے، جب بندے کا اخلاص اللہ سچا دیکھتا ہے تو اس کی طرف سے

فضل و کرم ہی کا معاملہ ہوتا ہے، البتہ بندے کو استقامت کی کام لینا چاہئے۔
شاہ صاحب کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر سختی سے عمل تھا، کوئی خلافِ شرع یا
خلافِ سنت بات دیکھتے تو بے تامل ٹوک دیتے، کسی کا رسوخ و وجاہت اربابست و امارت
یا علم و فضل اس سے مانع نہ ہوتا۔

حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے زمانے کے نہایت جلیل القدر عالم
شیخ وقت اور اودھ کے اکثر علما کے اتاد تھے، ایک مرتبہ رائے بریلی آپ کی قیامگاہ پر تشریف لائے
اور دونوں جلیل القدر معاصرین کی ملاقات ہوئی، شاہ پیر محمد صاحب کے جسم پر اس وقت ایک رنگین
گلابی لباس اور گردن میں کالا پڑی ہوئی تھی، شاہ علم اللہ صانع نے فرمایا، "جناب پیر، علما اور کتاب سنت سے
سب سے زیادہ واقف ہیں، یہ فرمائیں کہ اس کالا اور زنا کے درمیان بافت اور تافت کی سو کیا فرق
ہے؟ شاہ صاحب مدوح نہایت منصف مزاج بزرگ تھے، بے تامل کالا گردن سے اتاری، شاہ صاحب
نے اس کے بعد فرمایا، "یہ رنگین گلابی کپڑے بھی خلافِ سنت لباس اور ہندوستان کے جوگیوں کی
پوشاک ہے، آپ جیسے خواص کے ثابیان شان نہیں، شاہ پیر محمد صانع نے فرمایا، "یہ رنگ میل نہیں
قبول کرتا اور ذرا دیر میں دھونے کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے حالتِ سفر میں مباح ہے، شاہ
علم اللہ صانع نے فرمایا، "یہ توجیہ تکلف سے خالی نہیں، جناب کا یہ کرتہ اور چادر اور عمامہ حسن قیمت کا ہے، اس میں
اس بات کی کیا نصرت ہو سکتی ہے؟ پھر جناب کے خدام کو یہ زحمت بردا کرنی چاہئے، شاہ پیر محمد صاحب
نے اس کا اعتراف فرمایا اور شاہ صاحب کی بات قبول کی، جب نصرت ہو کر وہاں تشریف لے گئے تو خادموں
اور شاگردوں نے عرض کیا، "جناب نے شاہ علم اللہ صانع کے اعتراض کو اس قدر جلد قبول کر لیا، تو ہم خدام
بڑے محبوب ہوئے، حضرت ملک العلماء اور کتبائے زمانہ میں بہت سی توجیہاں فرما سکتے تھے، شاہ پیر محمد
صانع نے کہ علمائے راہین اور ادیبائے کالمین میں سے تھے، اور نفسانیت اور انانیت کا تضاد سے نکل چکا تھا،

رفقا سے فرمایا "سیدنا کا ارشاد بالکل حق اور سنت کے موافق تھا، ایسی بات میں سینہ زوری کرنے سے حق بات کا انکار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کا خطرہ تھا۔"

دوسرے مشائخ و علما اور نامور معاصرین حضرت شاہ پیر محمد سلونی اور مولانا شیخ احمد صاحب

تفسیرات احمدیہ (ملاحیون صاحب) سے سماع اور غنا کے باب میں اسی طرح کے مکالمے منقول ہیں

شاہ صاحب کے نزدیک خواص کا یہ عذر بھی مقبول نہیں تھا کہ ہمیں اپنے گھروالوں پر اختیار نہیں،

آپ کے پیش نظر یہ حدیث رہتی تھی "أَلَا كَلَّمُ رَاجٍ وَكَلَّمُ مَسْئُولٌ عَنْ رِعِيَّتِهِ" یعنی

سن لو تم میں ہر شخص صاحب رعیت اور فے دار ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت (اس کے

زیر دست اور متعلقین) کے متعلق سوال ہوگا، بزرگوں کا عمل دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا تو شاہ صاحب

فرماتے عمل کے لئے مجتہدوں کا قول درکار ہے، بزرگوں کا عمل نہیں، آپ کے معاصرین اختلاف

مسلك و ذوق کے باوجود آپ کی بزرگی اور اتباع سنت کا اعتراف کرتے۔

عزیمت اور صبر و استقامت کی مثال یہ ہے کہ محبوب فرزند بید الوصیفہ صاحب نے

تیس سال کی عمر میں انتقال کیا لیکن گھر سے کوئی آواز اور آہٹ بھی ایسی نہیں سنی گئی جس سے اس واقعے

کا علم ہوتا، اہل خانقاہ کو کانوں کان خبر نہ ہوئی، شاہ صاحب نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، نماز

کے بعد خلافت معمول مصلے سے اٹھ کر دوڑانے تک آئے اور خدام خاص میں سے ایک کو بلا کر فرمایا "را"

میاں الوصیفہ کا انتقال ہو گیا، چہیزو تکفین کا انتظام کرنا چاہئے" اسی دن فن کرنے کے بعد توجہ ہو کر

فرمایا "الْحَمْدُ لِلَّهِ" میاں الوصیفہ اس دنیا سے دولت ایمان کے ساتھ گئے، اس خوشی میں پانچ روپے

کی مٹھالی تقسیم کی ایک ضعیفہ روزانہ چوڑھ چلا کر تی تھیں گھر تشریف لے گئے، فرمایا "آج چوڑھ کیوں بند ہے؟"

ان بڑی بی نے عرض کیا حضرت ایسا لائق و جوان بیٹا دنیا سے اٹھ جائے، اس کے غم میں ہم اپنا چوڑھ بھی

بند نہ کریں؟ فرمایا یہ سب قضا و قدر کی باتیں ہیں، اللہ کے حکم میں کسی کو دم مارنے کا چارہ نہیں، زندگی

ستار ہے، راضی برضا رہنا چاہئے، تم اپنا کام بند نہ کرو۔

حضرت شاہ علم الشرع کی اولاد

حضرت شاہ صنا کی اولاد میں اپنے جلیل القدر شاخ اور مقبول اولیاء الشرائع تسلسل اور کثرت سے ہوئے، جس کی نظیر دوسرے خانوادوں میں شکل سے لے گی۔

شاہ صنا کے چاروں صاحبزادے حضرت سید محمد ہدیٰ، سید ابو حنیفہ اور سید محمد جی، آفتاب، بہتاب تھے، حضرت سید آیت الشرع کے صاحبزادوں میں سید محمد ضیا و سید محمد صابر، سید محمد ضیا کے صاحبزادے حضرت شاہ ابو سعید صفا (خلیفہ شاہ ولی الترمذی و جد ماری حضرت سید احمد شہید) اور سید محمد صابر کے صاحبزادے مولانا سید محمد واضح، پھر ان کے صاحبزادے مولانا سید قطب اہدیٰ محدث، اور سید قطب اہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے برادرزادے مولانا سید محمد ظاہر (خلیفہ حضرت سید احمد شہید) اور آخر میں آپ کے برادرزادے سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اپنے وقت میں شاہی تھے۔ اسی طرح سید محمد ہدیٰ کے صاحبزادے سید محمد نور اور پوتے سید محمد حیا بن محمد سنا اور سید محمد نور کے صاحبزادوں میں مولانا سید نعمان اور سید عرفان، سید عرفان کے صاحبزادے مولانا سید محمد اسحق اور حضرت سید احمد اسی سلسلہ الذہب کی کرطیاں ہیں۔

سید ابو حنیفہ کے صاحبزادے سید محمد باقی اور حضرت سید محمد کے صاحبزادے سید محمد حکم اور سید محمد عدل (عرف شاہ لعل) تھے، ان میں سے ہر ایک کے فضائل و مناقب کے لئے ایک فتر ذکر ہے۔

اس سلسلہ از طلائے ناب است

اس خانہ تمام آفتاب است

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس خاندان کے بزرگوں نے ہمیشہ جہاد میں حصہ لیا، شاہ علم الشرع کے

تین صاحبزادے جہاد میں شریک ہوئے اور دو پوتے میر عظیم الدین ابن سید آیت اللہ اور سید محمد جامع بن میر محمد احسن بن سید آیت اللہ اور ایک کھنٹیجے اور داماد سید عبدالرحیم بن سید ہدایت اللہ شہید ہوئے۔
 حضرت شاہ علم اللہ کے فیض و کمالات سے اس خاندان کو ایسی باطنی ترقی اور روحانی امتیاز حاصل ہوا جو صرف مجددین طریقت کے قریبی سلسلوں میں ہوتا ہے اس خاندان کے مشائخ کی ایک مخصوص نسبت تھی جو سلسلہ بہ سلسلہ منتقل ہوتی تھی حضرت شاہ صفا کی صحبت و تاثیر نے خدا طلبی کا وہ ذوق اور دین کا وہ کیفیت پیدا کر دیا تھا جس سے اس خاندان کے چھوٹے بڑے اور مرد و عورت سب شائق تھے اس سلسلے میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ حضرت شاہ صفا کے پوتے مولانا سید محمد صابر نے منازل سلوک حضرت مجدد سمرندی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شیخ محمد صدیق بن حضرت شیخ محمد مصوم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں طے کئے تھے آپ کی والدہ ماجدہ (زوجہ) حضرت سید آیت بن حضرت شاہ علم اللہ (شرح) نے جن کے متعلق صاحب "سیرۃ علمیہ" کے الفاظ ہیں :-

"دیں راہ تربیت یافتہ حضرت قدوة الاتقیاء مولانا سید علم اللہ بود و در طریقت

برسیاے مردان را ہر واں مسابقت نمودہ و بہمت مؤثرہ و انقاس عالیہ اثنہ"

آپ کو دہلی سے طلب کر کے اسلاف کرام کے سجادے پر بٹھایا اور حضرت شاہ علم اللہ صفا کی نسبت خاصہ جس سے آپ خط وافر کھتی تھیں اور مجاز ارشاد تھیں آپ کو عطا کی چنانچہ حضرت سید محمد صابر طالبین راہ کو اکثر اس کی تعلیم کرتے تھے اور لوگ جو در جو فیضیاب ہوتے تھے۔

اس خاندان کے بہت بزرگوں نے شاہ ولی اللہ اور آپ کے صاحبزادوں کی ظاہری باطنی انتفا

کیا حضرت شاہ محمد واضح اور حضرت شاہ ابوسعید اور حضرت سید محمد معین اور حضرت سید محمد نعمان

(میر محمد صفا) نے حضرت شاہ ولی اللہ سے اور مولانا سید قطب لہری اور مولانا سید

لہ "تذکرۃ الابرار" و "سیرت السادات"

محمد اسحق (برادر حضرت سید صاحب) نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر سے استفادہ کیا اس طرح اس خاندان میں حضرت مجدد سمر ہندی اور حضرت مجدد دہلوی کی برکتیں اور نعمتیں جمع ہو گئیں۔

حضرت سید محمد ہدی

آپ حضرت سید شاہ علم الشرک کے فرزند دوم اور حضرت سید صاحب کے پردادا ہیں سخاوت و ایشار کے باب میں صاحبِ حال تھے، سائل کے سوال پر نہیں کہنا نہیں جانتے تھے، عینِ فاقے کی حالت میں اگر سائل نے سوال کر دیا تو کھانا اٹھا کر دے دیا اور بھوکے رہے اگر دینے کو کچھ نقد نہ ہوتا تو گھر کا زبور فروخت کر کے اس کی ضرورت پوری کرتے، شاہی ملازمت میں تھے، مشاہرہ بھی ملتا تھا اور جاگیر کے گاؤں بھی تھے، جن میں سے دو گاؤں گھر والوں کے اخراجات کے لئے مخصوص کر دیئے تھے، اور دو تین گاؤں ہل محلہ اور برادری والوں کو دے رکھے تھے، باقی اپنے خرچ، سخا و اور اہلِ حاکمیت والی کے لئے رکھ لئے تھے، ایک مرتبہ ایک جاگیر سے بارہ ہزار دینار (سکہ عالمگیری) آئے، ایک ہی مجلس میں تقسیم کر کے اٹھے اور راتِ فاقے سے گزاری، ایک مرتبہ شکر میں بڑا قحط پڑا، تین ہزار آدمیوں نے اپنے کو آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا، قحط کے اٹھ جانے کے بعد آپ نے سب کو آزاد کر دیا، ایک ذر شکر میں آپ کو تین متواتر فاقے ہوئے، کہیں سے سو روپے آئے اور سائل بھی سن کر آگئے، سب اٹھا کر ان کو دے دیئے اور پوچھا فاقہ کیا، مولانا سید محمد نعمان نے ایسے کئی واقعات لکھے ہیں۔

بنا سب اہل دنیا میں درویشِ صفت تھے، صاحبزادی بیان کرتی ہیں، میں نے والدِ محترم کو دیکھا ہے کہ نصف شب میں اٹھ جاتے، تہجد کی نماز ادا کرتے پھر قرآن کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے، اکثر صبح تک ختم کر دیتے، پھر مراقبے میں مشغول ہو جاتے،

لہذا اعلام الہدیٰ

حضور مع الشرا و نسبت یادداشت رکھتے تھے، معمولات و نوافل میں کبھی فرق نہ آتا، صبح کی نماز کے بعد اور عصر و مغرب کے درمیان جیسا کہ مشائخ کا معمول ہے ذکر اور مراقبے میں مشغول رہتے، کبھی بڑی پوشیدگی کے ساتھ کسی طالبِ صادق کو طریق کی بھی تعلیم و تربیت کی ہے۔

دنیا کی زینت کی طرف مطلق التفات نہ تھا، حیثیت و استطاعت کے باوجود رہنے کے لئے پختہ مکان بھی نہیں بنایا، اگر کسی نے کبھی اس کی ترغیب دی تو فرمایا: زندگی کی چند سانسیں ہیں، پھر کے نیچے گزر گئیں، یا پختہ سوئی میں، عمارتیں روپیہ لگانا روپیے کو ضائع کرنا ہے، آخرت کی پائدار عمارت کی تعمیر کی فکر کرنا ہوشیاری کی بات ہے، کچھ مکان بنایا اور جنگلی درختوں کی لکڑی کے تھیرے رکھے۔ شاہ گردی کے زمانے میں وطن میں تھے، شاہ عالم بہادر شاہ کی سلطنت کا استقرار ہوا تو لشکر میں تشریف لے گئے، صاحبزادے سید محمد نسا اور کھنچے سید محمد باقی ہمراہ تھے، بادشاہ کا کوچ حیدرآباد کی طرف ہوا، آپ استے میں برہان پور کے قریب بیمار ہوئے، احتضار شروع ہوا تو پاکی رکھ دی گئی اور آپ کلہ طیبہ پڑھتے ہوئے ۱۹ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ کو راہی ملک بقا ہوئے، برہان پور میں کچھ دنوں تک حیدر مبارک مین میں تیار ہا پھر رائے بریلی لاکر شاہ علم اللہ کی مسجد شمال مشرقی گوشے سے متصل سپرنخاک کیا گیا۔

سید محمد نور

حضرت سید محمد ہدیٰ کے فرزند اکبر اور سید صاحب کے حقیقی دادا تھے، اپنے اسلاف کے جانشین و ہم رنگ اور سخاوت و ایثار میں والدینا مدار کی یادگار تھے۔

آپ اپنے دادا حضرت شاہ علم اللہ صاحب کے خاص منظور نظر اور تربیت یافتہ تھے، شاہ صاحب نے ابتداء شریعت اور ان کی اخلاقی و روحانی تربیت میں بہت کوشش فرمائی تھی، ان کے والدین حضرت مجاہدین اکثر فرماتے تھے، اس بچے کی تربیت کی وجہ سے امید ہے کہ اللہ میری مغفرت فرماوے گا۔

۱۰۰ اعلام الہدیٰ و سیرۃ علمیہ

والد کے حکم سے شاہزادہ محمد اعظم شاہ (پسر عالمگیر) کی ملازمت کے لئے تشریف لے گئے شمشیر خاں
 جو حضرت شاہ علم الشریعہ کے مرید اور اعظم شاہی امیر تھے درمیان میں واسطہ تھے آپ نے ان سے فرمایا
 ”میری ملازمت کی شرط یہ ہے کہ میں آداب شاہی تسلیمات و بندگی سے معاف رکھا جاؤں ورنہ
 واپس چلا جاؤں گا“ شمشیر خاں نے مجبور ہو کر شاہزادے سے عرض کیا، اعظم شاہ نے فرمایا ”کوئی
 حرج نہیں وہ صرف سلام مسنون پر اکتفا کریں ایسے لوگ موجب برکت ہیں“
 کچھ عرصے کے بعد ایک خواب کی بنا پر جس میں اعظم شاہ کے رخصت کی وجہ سے زوالِ سلطنت
 کی خبر دی گئی تھی آپ نے ملازمت ترک کر دی۔

سید محمد نور رحمۃ اللہ علیہ بہت متقی اور محتاط بزرگ تھے، غیر دیندار اور غیر منتشر لوگوں سے
 کچھ قبول نہ کرتے اپنے دادا حضرت سید علم الشریعہ کی طرح مشتبہ کھانے سے نہایت پرہیز کرتے اور اکلِ حلال
 کا بڑا اہتمام رکھتے، اپنے اوقات کو تلاوتِ قرآن اور اداِ مسنونہ اور باطنی اشغال کے ساتھ معمور رکھتے،
 لایعنی بات اور غیبت سے سخت نفرت تھی، غربا کی تجہیز و تکفین میں بڑی امداد کرتے، صلہ رحمی اور
 ہمسایوں کے حقوق کا بڑا خیال رکھتے، سلام کرنے میں ہمیشہ سبقت کرتے، وفات کے وقت رقتِ قلب بہت
 بڑھ گئی تھی اور نسبتِ جنور و یادداشت بڑی ترقی اور قوت پختی اکثر فرماتے تھے ”کوئی عملِ شرکی باہر گاہ
 میں پیش ہونے کے قابل تو نہیں ہے لیکن بعض بشارتوں کی بنا پر اللہ کی رحمت کی ضرور امید ہوتی ہے“
 ۶ ربیع الاول ۱۱۲۸ھ چہار شنبہ کے دن انتقال کیا، اور نصیر آباد میں اپنے نانا حضرت
 شاہ داؤد (برادرِ حقیقی حضرت شاہ علم الشریعہ) کے پہلو میں آسودہ خاک ہوئے۔
 سید شاہ البوسعید

سید صاحب کے نانا حضرت سید شاہ البوسعید بن حضرت سید محمد ضیا حضرت شاہ علم الشریعہ کے

پر پوتے اپنے زمانے کے جلیل القدر شائع میں تھے، جوانی میں اپنے علم محترم مولانا سید محمد صابر علیہ الرحمہ کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی، اپنے آباء کے کرام کی نسبت اپنے والد کے خلیفہ شاہ محمد نسیا سے حاصل کی، پھر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے، سلوک کی تکمیل کی اور بشارت عظیمہ سے ممتاز ہوئے، حضرت شاہ صفا کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ اہل حضرت شاہ محمد عاشق صاحب پھلتی سے استفادہ کیا اور اجازت حاصل کی۔

آپ کی نسبت بہت قوی اور آپ کی صحبت بڑی مؤثر تھی، آپ کے ذوق و کمالات اور معارف کا اندازہ اس خط و کتابت سے ہوتا ہے، جو آپ کے اور حضرت شاہ ولی اللہ صفا کے درمیان ہوئی، اور آپ کی عظمت کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے، جو شاہ اہل اللہ (برادر حضرت شاہ ولی اللہ) مولانا نور اللہ، حضرت شاہ محمد عاشق اور حضرت شاہ عبدالعزیز نے آپ کے نام بھیجے۔ سید شاہ ابوسعید حضرت شاہ ولی اللہ کے مخصوص لوگوں میں تھے، شاہ صفا کے علوم و کمالات سے جن خوش قسمت افراد نے شاہ صفا کی زندگی میں استفادہ کیا اور آپ کو پہچانا، ان کے پہلے طبقے میں سید شاہ ابوسعید کا شمار ہے، اس خصوصیت و تعلق کا اظہار ان حضرات کے خطوط کی ایک ایک سطر سے ہوتا ہے، مولانا سید نعمان نے سید شاہ ابوسعید کو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جو خط شاہ صاحب کے ساتھ وفات کی اطلاع کے لئے لکھا ہے، اس میں فرماتے ہیں:۔

احمدیہ، رضامندی حضرت صاحب قدس سرہ	بجہ اللہ حضرت مرحوم کی جناب سے رضامندی
ازاں صاحب و توجہات عالیہ بر حال ایشاں	اور آپ کے حال پر آں جناب کی توجہات عالیہ
زیادہ از حد بیان یافتہ اکثر اوقات استفسار	میں نے جتنی پائیں وہ بیان میں نہیں آسکتیں اکثر
احوال سامی فرمودند و ما جرائے غارت گری	اوقات جناب کے حالات دریافت فرماتے،

لہ مجبوراً مکتوب معارف "مرتبہ مولوی سید ابوالفاسم صفا ہنسوی" کلمات طیبات "مطبوعہ ۱۹۰۷ء" ناشر (الابرار قلمی)

ابدالیان و رسیدن آن حنادر عین رستخیز
 و انطقاً یا فتن النہاب نہیب بسبب قدم
 گرامی از زبان دُرقتاں مودی ساختند شاید
 منظور بقائے آخرین بزمیر منبر بودہ باشد مرثیہ
 فرمودند کہ میرا بوسیدارادہ آمدن دارند
 اگر زود برسند بہتر باشد۔

بیدشاہ البوسید چودو سخاوت بہمان و غربا پروری میں اپنے زمانے میں ممتاز تھے،
 ایک مرتبہ ایک لاکھ روپیہ آیا، گھر کے باہر رکھ دیا اور وہیں سے ضرورت مندوں کو تقسیم کر دیا،
 مدراس اور چیناٹن میں آپ کا بڑا اثر اور مقبولیت تھی۔

۹ رمضان ۱۱۹۳ھ میں وفات پائی، میر عبد السلام بخشانی، شیخ محمد میرزا قاری کنولانا
 جمال الدین بن محمد صدیق قطب مولانا عبد اللہ آفندی، شیخ عبد اللطیف حسینی مصری، حاجی
 امین الدین کاکوروی اور شاہ عبدالقادر خالص پوری آپ کے ممتاز خلفا میں سے تھے۔
 شاہ البوسید نے بیدشاہ ابواللیث اور سید محمد حسن دو فرزند چھوڑے۔

مولانا سید نعمان

سید محمد نور کے صاحبزادے سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی چچا تھے، نصیر آباد میں ولادت
 ہوئی، کچھ مدت تک وطن میں تحصیل علم کرنے کے بعد لکھنؤ جا کر مولانا عبد اللہ شراپٹھوی سے کتابیں پڑھیں،
 پھر اٹلے بریلی واپس آ کر حضرت سید محمد جی رحمۃ اللہ علیہ سے جو حضرت سید شاہ علم الشرحۃ اللہ علیہ کے
 تلامذہ تھے، اس کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی، تذکرۃ الابراز "سیرۃ السادات" "نزہۃ الخواطر"

پر پوتے، اپنے زمانے کے جلیل القدر شاعر میں تھے، جوانی میں اپنے علم محترم مولانا سید محمد صابر علیہ الرحمہ کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی، اپنے آبائے کرام کی نسبت اپنے والد کے خلیفہ شاہ محمد یونس سے حاصل کی، پھر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے، سلوک کی تکمیل کی اور بشارتِ عظیمہ سے ممتاز ہوئے، حضرت شاہ صفا کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ اہل حضرت شاہ محمد عاشق صاحب پھلتی سے استفادہ کیا اور اجازت حاصل کی۔

آپ کی نسبت بہت قوی اور آپ کی صحبت بڑی مؤثر تھی، آپ کے ذوق و کمالات اور معارف کا اندازہ اس خط و کتابت سے ہوتا ہے، جو آپ کے اور حضرت شاہ ولی اللہ صفا کے درمیان ہوئی، اور آپ کی عظمت کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے، جو شاہ اہل اللہ (برادر حضرت شاہ ولی اللہ) مولانا نور اللہ، حضرت شاہ محمد عاشق اور حضرت شاہ عبدالعزیز نے آپ کے نام بھیجے۔ سید شاہ ابوسعید حضرت شاہ ولی اللہ کے مخصوص لوگوں میں تھے، شاہ صفا کے علوم و کمالات سے جن خوش قسمت افراد نے شاہ صفا کی زندگی میں استفادہ کیا اور آپ کو پہچانا، ان کے پہلے طبقے میں سید شاہ ابوسعید کا شمار ہے، اس خصوصیت و تعلق کا اظہار ان حضرات کے خطوط کی ایک ایک سطر سے ہوتا ہے، مولانا سید نعمان نے سید شاہ ابوسعید کو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جو خط شاہ صاحب کے ساتھ وفات کی اطلاع کے لئے لکھا ہے، اس میں فرماتے ہیں:۔

بھارتیہ، رضامندی حضرت صاحب قدس سرہ	بھارتیہ حضرت مرحوم کی جناب رضامندی
ازاں صاحب و توجہات عالیہ بر حال ایشان	اور آپ کے حال پر آں جناب کی توجہات عالیہ
زیادہ از حد بیان یافتہ اکثر اوقات استفسار	میں نے جتنی پائیں وہ بیان میں نہیں سکتیں اکثر
احوال سامی فرمودند و ماجرائے غارت گری	اوقات جناب کے حالات دریافت فرماتے

لہ مجبوراً مکتوب لعارف "مرتبہ مولوی سید ابوالقاسم صفا ہنسوی" کلمات طیبات مطبوعہ لاہور مجموعہ "ماثر الابراہیم (قلمی)"

ابدالیان و رسیدن آن حضار عین رستخیز
 و انطفا یا فتن التہاب نہیب سبب قدم
 گرامی از زبان دُرقتاں مودی ساختند شاید
 منظور بقائے آخرین بزمیر نیز بودہ باشد مرثیہ
 فرمودند کہ میر ابو سعید ارادہ آمدن دارند
 اگر زود برسند بہتر باشد۔

سید شاہ ابو سعید جو دو سخاوت اہمان و غربا پروری میں اپنے زمانے میں ممتاز تھے،
 ایک مرتبہ ایک لاکھ روپیہ آیا، گھر کے باہر رکھ دیا اور وہیں سے ضرورت مندوں کو تقسیم کر دیا،
 مدد اس اور چینیائٹن میں آپ کا بڑا اثر اور مقبولیت تھی۔

۹ رمضان ۱۱۹۳ھ میں وفات پائی، میر عبد السلام بخشانی، شیخ محمد میراد قاری کئی مولانا
 جمال الدین بن محمد صدیق قطب، مولانا عبد اللہ آفندی، شیخ عبد اللطیف حسینی مصری، حاجی
 امین الدین کاکوروی اور شاہ عبدالقادر خالص پوری آپ کے ممتاز خلفا میں سے تھے۔
 شاہ ابو سعید نے سید شاہ ابواللیث اور سید محمد حسن دو فرزند چھوڑے۔

مولانا سید نعمان

سید محمد نور کے صاحبزادے سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی چچا تھے، نصیر آباد میں ولادت
 ہوئی، کچھ مدت تک وطن میں تحصیل علم کرنے کے بعد لکھنؤ جا کر مولانا عبد اللہ شامی مٹھوی سے کتابیں پڑھیں،
 پھر لائے بریلی واپس آ کر حضرت سید محمد جی رحمۃ اللہ علیہ سے جو حضرت سید شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے

ابو ہیں واقعے کی طرف اشارہ ہے اس کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی ۱۱۵۰ تذکرۃ الابرار "سیرۃ السادات" نزہۃ الخواطر

سب سے چھوٹے اور سب سے محبوب فرزند اور آپ کی نسبت خاصہ کے حامل تھے، بیعت کی اور ایک مدت تک ان کی صحبت میں رہ کر استفادہ کرتے رہے، حضرت سید محمد کی وفات (۱۱۵۶ھ) کے بعد ان کے صاحبزادے اور خلیفہ شیخ المشائخ حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل صفا (۱۱۹۲ھ) سے سلوک کی تکمیل کی اور ہندوستان کے مختلف شہروں اور دینی مرکزوں میں جا کر بڑے بڑے مشائخ اور علما سے ملاقات و استفادہ کیا، حضرت سید شاہ علم الشرک کے خلیفہ خاص شیخ محمود سن تاب خورجوی اور آپ کے دوسرے خلیفہ شیخ فتح محمد انبالوی کے صاحبزادے شیخ یوسف اور دوسرے حضرات کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی و روحانی فیوض حاصل کئے۔

ذی قعدہ ۱۱۴۵ھ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بڑھانہ حاضر ہو کر بیعت مشرف ہوئے اور شاہ صفا کی وفات (۳ محرم ۱۱۴۶ھ) تک حاضر باش رہ کر روزانہ ملاقات اور شاہ صفا کی خصوصی توجہات اور شفقت و انقیاد سے معظوظ ہوتے رہے۔

تقریباً ۱۱۹۳ھ میں حرمین کا سفر کیا، حج و زیارت کے بعد بیت المقدس اور انجلیل کی زیارت کی اور اسی سال ۵ جمادی الآخرہ کو وہیں انتقال کیا اور حضرت موسیٰ کے خیلرے میں مدفون ہوئے۔ تصنیفات میں سلوک طریقیہ، نقشبندیہ میں ایک رسالہ اور ایک سالہ اپنے آبائے کرام (حضرت شاہ علم الشرک اور ان کی اولاد و اصحاب کے تذکرے میں) "اعلام الہدیٰ" آپ کی یادگار ہے۔

حضرت سید محمد عرفان اور ان کی اولاد

سید محمد نور کے چشم و چراغ اور سید صاحب کے والد تھے، اپنے آبائے کرام کے قدم بہ قدم تھے، نہایت متوکل اور پرہیزگار بزرگ تھے، ۱۲۱۲ھ میں لکھنؤ سے وطن آئے تھے، رائے بریلی کے

۱۔ "مکتوب ہولانا بید نعمان بنام حضرت سید شاہ ابوسعید۔" ۲۔ "سیرۃ السادات" و "تذکرۃ الخواطر" جلد ۶

قریب پہنچ کر انتقال کیا، نعش راءے بریلی لائی گئی، شاہ علم الشرح صاحب کی مسجد شمال مشرقی گوشے کے متصل حضرت سید ابو حنیفہ (فرزند سوم حضرت شاہ علم الشرح) اور اپنے جد حضرت محمد ہدی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ حضرت سید عرفان کی پہلی شادی سید محمد معین (برادر سید شاہ ابو سعید) کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادی بی بی نجمیہ پیدا ہوئیں جو مولوی عبدالسبحان صاحب کی اہلیہ اور مولوی سید محمد علی صاحب مخزن احمدی سید احمد علی شہید سید حمید الدین اور سید عبدالرحمن کی والدہ ہیں۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد صاحبزادی کی تحریک اصرار سے سید محمد عرفان نے سید شاہ ابو سعید کی صاحبزادی سے عقد ثانی کیا جن سے نین صاحبزادی سید محمد ابراہیم مولانا سید محمد اسحاق اور حضرت سید احمد اور نین صاحبزادیاں ہوئیں۔

سید محمد ابراہیم نے کچھ زیادہ تعلیم حاصل نہیں کی، صالح اور بزرگ سیرت تھے، نواب میر خاں (والی ٹونک) کے لشکر میں تھے اور ۱۲۲۲ھ میں انتقال کیا، سید محمد یعقوب آپ کے فرزند تھے۔ بہنوں میں دو (صاحبہ النساء اور حنیفہ) کی شادی یکے بعد دیگرے سید معصوم احمد صاحب سے ہوئی، تیسری بہن بی بی صاحبہ سید محمد مصطفیٰ کے عقد میں تھیں۔

۱۱ مولوی سید عبدالسبحان سید محمد عثمان کے صاحبزادے اور سید محمد عرفان کے حقیقی بھتیجے تھے، عالم و عابد بزرگ تھے، لکھنؤ میں ۱۲۱۲ھ میں وفات پائی اور نیکہ شاہ عبدالنبی میں دفن ہوئے (سیرۃ السادات) ۱۲ سید معصوم احمد ابن مولانا سید محمد واضح بن حضرت شاہ محمد صابر بن حضرت سید آیت اللہ بن حضرت شاہ علم الشرح صاحب علم و دیانت بزرگانِ خاندان میں سے تھے، ۱۲۶۲ھ میں انتقال کیا، پہلی بیوی سے ایک صاحبزادی حکیمہ بی بی تھیں جو سید عبدالباقی بن سید جامع بن شاہ محمد واضح کے عقد میں تھیں۔

۱۳ سید محمد مصطفیٰ بن سید محمد ثانی بن مولانا سید محمد حکم بن حضرت سید محمد بن حضرت سید شاہ علم الشرح علی علم باوجہت فیاض دوست پروردگار اور نواز بہر دل عزیز شخص تھے، ایک مرتبہ تیس ہزار روپیہ اصلات میں کٹھا ملا (باقی مشاہیر)

مولانا سید محمد اسحاق

سید صاحب کے منجھلے بھائی مولانا سید محمد اسحاق بڑے علما میں سے تھے، تحصیل علم کے لئے پہلے لکھنؤ پھر دہلی کا سفر کیا اور مولانا شاہ عبدالقادر سے درسی کتابیں پڑھیں اور فقہ و حدیث کی تحصیل کی شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ سے حدیث کی سند لی، بیعت کی اور طریقت کی تعلیم حاصل کی، پھر وطن الپن گوردیس تدریس اور اصلاح و ارشاد میں مشغول ہو گئے، تقویٰ و عمل میں اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر تھے، مزاج میں ایثار و قناعت اور زہد تھا، وعظ مؤثر اور دلپذیر ہوتا تھا، تصنیف کا اچھا ذوق اور دیکھی تھی عربی و فارسی میں قادر الکلام تھے فنونِ مسائل علمیہ پر اچھی دسترس اور استحضار تھا، علمی مضامین اور قلمی مسائل کو نظم کرنے کا خاص ملکہ تھا، میراث و حساب میں الیقین کے نام سے دو سوا شعرا کا قصیدہ اور اس کی بسوٹ شرح اور مسائلِ نحویہ کے بعض منظومات آپ کی فضیلت علمی کے گواہ ہیں ایک فارسی نظم بھی یادگار ہے جس میں اہل بدر علیہم الرضوان کے اسماء گرامی جمع کئے ہیں۔

۱۲۳۲ھ کو انتقال کیا اور اپنے نانا شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کے

مقبرے میں دفن ہوئے۔

آپ کی ننادی سید شاہ ابواللیث (ابن حضرت شاہ ابوسعید) کی صاحبزادی (بی بی ولیہ) سے ہوئی تھی، سید محمد اسماعیل ایک فرزند یادگار چھوڑا۔

(باقی صفحہ ۱۰۷ کا) گھر پہنچتے ہی تمام اعراد و اجاب کی تنخواہیں مقرر کر دیں اور دامن جھاڑ کر کھڑے ہو گئے۔

۱۲۶۱ھ میں انتقال کیا، دو صاحبزادے سید علی مرتضیٰ اور سید حسن مجتبیٰ اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں۔

۱۔ "نزہۃ الخواطر" ج ۲، "سیرۃ السادات" ۲۔ "سیرۃ السادات"

دو سرباب

ابتدائی حالات، تعلیم، سفر لکھنؤ

ولادت

سید شاہ علم الشرح صاحب کے اس دائرے میں جو آب تکبیر کے نام سے مشہور ہے،
صفر ۱۲۰۱ھ میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی ولادت ہوئی۔

سلسلہ نسب

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:-

سید احمد بن سید محمد عرفان بن سید محمد نور بن سید محمد ہدیٰ بن سید علم الشرح بن سید محمد فضیل بن
سید محمد معظم بن سید احمد بن قاضی سید محمود بن سید علاؤ الدین بن سید قطب الدین محمد ثانی بن سید
صدر الدین ثانی بن سید زین الدین بن سید احمد بن سید علی بن سید قیام الدین بن سید صدر الدین بن
قاضی سید رکن الدین بن امیر سید نظام الدین بن امیر سید قطب الدین محمد احسنی آئینی المدنی الکریم
بن سید رشید الدین احمد مدنی بن سید یوسف بن سید عیسیٰ بن سید حسن بن سید ابی احسن علی بن ابی جعفر محمد

۱۰۸۶ھ "مخزن احمدی" صفحہ ۱۲۔ چودھری غلام رسول تہرکی تحقیق یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۶ صفر ۱۲۰۱ھ ۲۹ نومبر

۱۰۸۶ھ کو ہوئی۔

بن قاسم بن ابی محمد عبدالشکر بن سید حسن الامور ابو اد نقیب کوفہ بن سید محمد ثانی بن ابی محمد عبدالشکر
الاشتر بن سید محمد صاحب النفس الزکیہ بن عبدالشکر المحض بن حسن ثنی بن امام حسن بن امیر المؤمنین بیضا
علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

حسن ثنی کی شادی اپنے عم "ناہار شہید" کربلا کی صاحبزادی فاطمہ صفری سے ہوئی تھی اس لئے
اس خاندان کو حسنی حسینی کہا جاتا ہے۔

تعلیم

جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو شرفا کے دستور کے مطابق آپ مکتب میں بٹھائے گئے
لیکن لوگوں نے تعجب سے دیکھا کہ آپ کی طبیعت خاندان کے اور لڑکوں اور اپنے ہم عمروں کے برخلاف
علم کی طرف راغب نہیں اور آپ پڑھنے پڑھانے کی طرف توجہ نہیں کرتے تین سال مکتب میں گزار گئے
اور باوجود استاد کی توجہ و شفقت اور بزرگوں کی تاکید و فہمائش کے صرف قرآن مجید کی چند سورتیں
یاد ہو سکیں اور مفرد و مرکب الفاظ لکھنا سیکھ سکے آپ کے بڑے بھائی صاحبان سید ابراہیم و سید
اسحق صاحب کو آپ کی تعلیم کا بڑا اہتمام تھا اور وہ بہت تاکید رکھتے تھے والد ماجد نے فرمایا کہ میاں
ان کو خدا پر چھوڑو جو ان کے حق میں بہتر سمجھے گا، کرے گا، ہماری تاکید کا کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا۔

آپ کے کھیل اور مشاغل

آپ کو بچپن میں کھیل کا بڑا شوق تھا، خصوصاً مردانہ اور سپاہیانہ کھیلوں کا، کبڈی بڑے
شوق سے کھیلتے اور اکثر لڑکوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیتے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کے

۱۔ "سوانح احمدی" آئینہ اودھ "مخزن احمدی" وغیرہ۔ ۲۔ "مخزن احمدی" ص ۱۱۱



سید احمد شہیدؒ کا مکان : اس جگہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے والد سید عرفان رحمۃ اللہ علیہ کا مکان تھا، در و دیوار کے شکستہ حصے دیکھے جاسکتے ہیں۔

قلعے پر حملہ کرتا اور فتح کرتا، اس طرح نادانستہ آپ کی جسمانی و فوجی تربیت کی جا رہی تھی۔

خدمتِ خلق

جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو آپ کو خدمتِ خلق کا ایسا ذوق پیدا ہوا کہ اچھے اچھے بزرگ اور خدا پرست انگشت بندوں رہ گئے، ضعیفوں، ابا بچوں اور سواؤں کے گھروں پر دونوں وقت جاتے، ان کا حال پوچھتے اور کہتے ”اگر لکڑی، پانی، آگ وغیرہ کی ضرورت ہو تو لے آؤں؟“ وہ لوگ آپ کے بزرگوں، مرید اور خادم تھے، کہتے ”میاں کیوں گنہگار کرتے ہیں؟ ہم تو آپ اور آپ کے باپ دادا کے غلام ہیں، ہماری مجال ہے کہ ہم آپ سے کام لیں؟“ آپ ان کو خدمت گزاری اور اعانت کی فضیلت اس طرح سناتے کہ وہ زار و قطار روتے اور باصران کی ضرورتیں معلوم کر کے پوری کرتے، بازار سے ان کے لئے سودا لاتے، لکڑی لا کر اور پانی بھر کر لانے اور ان کی دعائیں لیتے اور کسی طرح سے اس کام سے سیری نہ ہوتی، عزیزوں، ہمسایوں کے گھروں میں جا کر دیکھتے کہ برتنوں میں پانی ہے، جلانے کے لئے لکڑی ہے یا نہیں، پانی نہ ہوتا تو اپنے ہاتھ سے بھرنے لکڑی نہ ہوتی تو جنگل جا کر خود کاٹتے، چادر میں گٹھا باندھ کر سر پر رکھتے اور گھروں میں پہنچا دیتے، آپ کے بعض بھائی اور عزیز اس پر چلیں بچیں ہوتے، سخت مست بھی کہتے، مگر آپ اس کی پروا نہ کرتے اور کام کئے جاتے۔

عبادتِ الہی

اسی کے ساتھ آپ کو عبادت و ذکر الہی کا بے حد ذوق تھا، رات کو تہجد گزاری اور دن کو

لہ روایت بزرگانِ خاندان ملہ ”مخزن احمدی“ ص ۱۳۱

خدمت گزاری اور تلاوت و دعا و مناجات میں مشغول رہتے قرآن مجید میں تدبیر فرماتے رہتے اور یہی آپ کا مشغلہ تھا۔

آپ کا ابتدائی شوق جہاد اور والدہ کا ایشیا

ایسی باتیں دنیا میں بہت کم ہوں گی جو بیٹے کی جان کے امتحان میں پوری اتریں اور اس کو مرنے کے لئے اپنے ہاتھ سے رخصت کریں یہ حدیثاً کو اللہ نے والدہ بھی ایسی دی تھیں جو حضرت اسماء کا نمونہ تھیں "منظورہ" میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ہندو مسلمانوں میں جنگ ہو گئی، سیدہ رضانہ جانے کی آمادگی ظاہر کی، لیکن کھلانے والی نے کسی طرح جانے نہ دیا، والدہ محترمہ نماز پڑھ رہی تھیں، سیدہ رضانہ منظر کھڑے تھے کہ آپ سلام پھیریں تو جانے کی اجازت طلب کریں آپ نے جب سلام پھیرا تو دایہ سے کہا "بی بی تمہیں ضرور احمد سے محبت ہے، مگر میری طرح نہیں ہو سکتی، یہ روکنے کا موقع نہ تھا جاؤ بیٹیا، اللہ کا نام لے کر جاؤ، مگر خیر از پیٹھ نہ پھیرنا اور نہ تمہاری صورت نہ دیکھوں گی، اور اگر وہ نکل جانے کے لئے راستہ مانگیں اور کہیں کہ ہم کو جانے دیجئے تو راستہ دے دینا" آپ جیسے ہی پہنچے انھوں نے کہنا شروع کیا "ہم کو راستہ دے دو، ہم چلے جائیں، ہمیں آپ سے کچھ مطلب نہیں، آپ کا بھی ہم سے کچھ جھگڑا نہیں" جیسے ہی آپ نے یہ سنا، بھائیوں سے کہا "ان کو جانے دو اور کچھ روک ٹوک نہ کرو، اسی میں خیر ہے" آپ کی ورزشیں

اللہ تعالیٰ جس سے جو کام لینا چاہتا ہے اس کے لئے اس کا سامان اور اس کا شوق پیدا کر دیتا ہے اور اسی قسم کی تربیت فرماتا ہے "كُلُّ مَيْسَرَةٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ" سیدہ رضانہ سے اللہ تعالیٰ کو جو کام لینا تھا، اس کے لئے جسمانی قوت و تربیت کی ضرورت تھی، چنانچہ آپ کو ابتدا سے بہت زیادہ توجہ

لے جو اللہ سید حسین علی برادر مولوی جعفر علی مؤلف "منظورہ" و دیگر بزرگان۔

اسی طرف تھی، اور آپ کے بچپن کے کھیلوں میں بھی یہ چیز نمایاں تھی۔

سید عبدالرحمن صاحب مرحوم سپہ سالار افواج نواب وزیر الدولہ مرحوم سید صاحب کے چھوٹے بھانجے تھے، آپ بیان کرتے ہیں کہ آپ کی عادت تھی کہ سورج نکلنے کے گھنٹوں بعد تک ورزش اور کشتی میں مشغول رہتے، میں بچہ تھا، آپ کے بدن پر مٹی ملتا، یہاں تک کہ خشک ہو کر بھر جاتی، پیروں پر مجھے کھڑا کر کے پان سو ڈنڑ لگاتے، پھر کچھ پھیر کر پان سو اور من بھر بیٹس اور بیس کے گلدے ہلاتے تھے، ان میں تعداد کا خیال نہیں تھا، بلکہ وقت کا اندازہ تھا، مثلاً دو گھنٹے میں گھنٹے چار گھنٹے معین خاں کے مقبرے کے پاس (تکیے کے قریب، نزدیکی کنارے) پتھر کا ایک ستون ہے چار ہاتھ لمبا اور بہت دبیر نیچے سے موٹا، اوپر سے پتلایا، شہ زوروں کی ورزش گاہ تھی، اوپر سے ہرزور اور اس کو اٹھا کر کھڑا کر دیتا تھا، نیچے سے کوئی زانو تک کوئی کمر تک لے آتا تھا، ایک روز چاندنی رات میں ہم وہاں سے گزے تو سید صاحب نے فرمایا کہ اس کو اٹھانا چاہئے، یہ کہہ کر کرتے اتار کا ندھے پر رکھ اور پتھر کے قریب کچھ جھک کر اس کو اپنے کا ندھے پر رکھ لیا اور میں قدم چلی کر اس کو زمین پر اس زور سے پٹکا کہ ایک ہاتھ کے قریب زمین کھدی گئی، دوسرے روز لوگ آئے اور اس کو اپنی جگہ سے اتنی دور گڑھے میں پڑا دیکھا تو کہنے لگے کہ کون دیویا جن تھا، جس نے اتنی دور لاکر ڈال دیا۔ پیر نے اور پانی میں ٹھیرنے کی آپ نے بڑی مشق بڑھائی تھی، نواب وزیر الدولہ مرحوم والی ریاست ٹونک آپ کی شاوری کی بہت تعریف کرتے تھے، مولوی علیم الشردہلی کے مشہور پیراک استاد اور مشہور اتناؤ کے شاگرد کہتے تھے کہ یہ وصف سید صاحب ہی میں دیکھا کہ سخت بہاؤ میں بہاؤ کے خلاف پیرتے تھے، میں باوجود اتنی مشق اور زبانی کے یہ نہیں کر سکتا۔

سفر لکھنؤ

آپ جوان ہو چکے تھے، والد کا انتقال ہو چکا تھا، حالات کا اقتضا تھا کہ آپ نے دارانہ

زندگی میں قدم رکھیں اور تحصیلِ معاش کی فکر کر لیں آپ کی عمر ۱۸-۱۹ سال کی تھی کہ ۱۲۱۸ھ یا ۱۲۱۹ھ میں اپنے ساتھ عزیزوں کے ساتھ لکھنؤ چلے لکھنؤ آئے بریلی سے انچاس میل ہے سواری صرف ایک ہی تھی اور باری باری اس پر سوار ہوتے تھے لیکن جب آپ کی باری آئی تو آپ سوار نہ ہوتے بلکہ منت سماجت کر کے دوسرے کو سوار کر دیتے، ہر ایک کے سر پر اس کا سامان بھی تھا جب آدھی منزل طے ہو گئی تو سب فقارے سفر تھک گئے اور مزدور کی جستجو ہوئی لیکن مزدور نہ مل سکا، یہ صاحب نے جو اس موقع کی تلاش میں رہتے تھے اپنے ساتھیوں سے بڑے عجز و انکسار سے کہا: "اس خاکسار کی ایک عرض ہے اگر آپ سب سے قبول کرنے کا وعدہ فرمائیں تو عرض کروں" لوگ مطلب نہیں سمجھے اور کہا "بڑی خوشی سے" آپ نے فرمایا "نہیں بختہ وعدہ کیجئے" سب نے بختہ وعدہ کیا، آپ نے کہا "سارا سامان ایک کھیل میں باندھ کر میرے سر پر رکھ دیجئے، میں انشاء اللہ پہنچا دوں گا" چونکہ لوگ زبان دے چکے تھے، مجبور ہو کر انھوں نے ایسا ہی کیا اور آپ ایسے خوش ہوئے جیسے کوئی بڑی دولت ملی اور فرمایا "مگر بھر آپ کا یہ احسان نہیں بھولوں گا" اور ہتے بولتے لکھنؤ پہنچ گئے۔

لکھنؤ سیاسی و معاشی حیثیت سے

یہ صاحب لکھنؤ تشریف لے گئے تو نواب سعادت علی خاں خلیفہ نواب شجاع الدولہ کا عہدِ حکومت تھا جو ۱۲۱۲ھ میں تخت نشین ہوئے سلطنتِ اودھ کی پوری تاریخ میں ان کا زیادہ منتظم اور بلند حوصلہ فرمانروا اودھ کے تخت پر نہیں بیٹھا، مگر اس سلطنت کی تعمیر اور اس کے خمیر میں کچھ ایسی خرابیاں شروع ہی سے شامل تھیں کہ کبھی اس کی پول ٹھیک نہ بیٹھی ان کے عہدِ حکومت میں بھی باوجود ان کی بیدار مغزی، مستعدی اور کارپردازی کے رعایا کو حقیقی اطمینان اور فائدہ ابالی حاصل نہ ہوئی اور ان زیادتیوں اور ظلم و ستم کا سدباب نہ ہوا جو ابتدائے سلطنت سے جاری تھا، کچھ تو ان کی

طبیعت جُزس تھی کچھ اس بات نے کہ ان کو اپنی تخت نشینی کے عرصہ میں ۶۷ لاکھ روپے سالانہ جو مزید اضافہ ہو جانے کے بعد ۹۹ '۱۲ '۱۳ ہو گئے تھے، سرکارِ کمپنی کو ادا کرنے پڑتے تھے ان کو ادا زیادہ جُزس اور کفایت شعار بنادیا تھا ملک کی تباہی جو اور نو ابوں کے اسرافِ کاہلی اور عیشی سے شروع ہوئی وہ ان کی کفایت شعاری اور جُزسی سے برسرِ ترقی ہوئی ہتو تسلیم سرکار اور ستاجراؤ صاحب جاگیر اشخاص اور بڑے تاجروں کے سوا بے روزگاری اور پریشانی عام تھی ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۲ء) میں کمپنی کے اصرار سے نواب نے فوج کا ایک بڑا حصہ برطرف کیا اس تخفیف میں چالیس ملٹنیں پیادوں کی اور بارہ ہزار سوار موقوف ہوئے اس تخفیف و برطرفی سے اودھ کے ہزاروں سپاہ پیشہ اور سیکڑوں خاندان متاثر ہوئے ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۳ء) میں کمپنی نے نوابِ زیر سے اودھ کی سلطنت کا ایک نہایت زرخیز اور شاداب علاقہ جس کی سالانہ آمدنی سکہ لکھنؤ سے ایک کروڑ پینتیس لاکھ سے اوپر تھی اس رقم کے عرصہ میں جو نواب کمپنی کو دیتے تھے حاصل کر لیا اس میں اضلاع دو آب رو، سیکھنڈ مع اضلاع علی گڑھ و گورکھپور تھے نواب کے پاس نصف آمدنی کا ملک باقی رہ گیا اس کا اثر ملک کی معاشی حالت پر پڑنا ضروری تھا، عرصہ سیاسی و معاشی حیثیت سے ملک و اہل ملک سخت ضغطے میں تھے اور پریشانی عام تھی۔

رفقا کی تلاش روزگار اور سید صاحب کی بے دلی

لکھنؤ پہنچ کر سب ساتھی روزگار کی تلاش میں ادھر ادھر پھرنے لگے مگر روزگار عقلاً تھا دن بھر دوڑ دھوپ کرتے مگر بے کار خرچ بھی ختم ہو رہا تھا اور اب دو وقت کھانے کے بھی لاپے پڑ رہے تھے سو سید صاحب کے ہر شخص نہایت پریشان اور متفکر تھا کوئی ایک دو جہز کسی کتاب "کریا" یا مقیمیاں وغیرہ کی کتابت کر کے شام کو فروخت کرتا، کوئی بازار سے تھوڑا سا کپڑا خرید کر اس کی ٹوپیاں سی کر بیچتا اور کھانے کا انتظام کرتا، خود سید صاحب ایک میر کے یہاں کہ خود ان کی حالت اچھی نہ تھی لیکن سادات سے

نہایت محبت و اعتقاد رکھتے تھے، یہاں تھے ان کے یہاں سے دو وقتہ اچھا کھانا آتا، آپ اپنے عزیزوں کے ساتھ جا کر شریک ہو جاتے، اپنا کھانا ان کے سامنے رکھ دیتے اور خود ان کی دال روٹی پر گزر کرتے، ان کو باصرار اپنا کھانا کھلا دیتے اور خود اس میں سے ایک لقمہ نہ لیتے، کبھی وہ سب فاقے سے ہوتے تو اپنا کھانا ان کو کھلا دیتے اور خود کوئی عذر کر دیتے، چار مہینے اسی طرح گزر گئے، اس کے بعد ان امیر کو سرکار لکھنؤ کی طرف سے سوار بھرتی کرنے کا حکم ہوا، مگر اس خبر کو سن کر سو کے بجائے ایک ہزار مسلح اور آراستہ امیدوار حاضر ہو گئے، امیر نے ہر دس امیدواروں میں سے ایک کو نوکر رکھ لیا اور دو آسامیاں بید صاحب کے حوالے کر دیں، آپ نے یہ دو آسامیاں دو دوسرے عزیز امیدواروں کو دلا دیں اور اپنے عزیزوں کو فضل الہی کا امیدوار بنا دیا۔

اس عرصہ میں والی لکھنؤ سیر و نکار کے لئے پہاڑوں کی طرف روانہ ہوا اور وہ امیر بھی جن کے یہاں بید صاحب ہاں تھے، ہر کام ہوئے بید صاحب بھی مع اعزاز ساتھ ہوئے اور اسی شان سے جس طرح رائے بریلی سے لکھنؤ آئے تھے، تین مہینے اس سفر میں گزر گئے، سخت سردی کا موسم اور میدانوں اور پہاڑوں کا سفر، سخت مصیبتیں اٹھانی پڑیں اور کوئی نتیجہ نہ نکلا، بید صاحب رات بھر سمجھاتے رہے "عزیزو! اس تلاش و جستجو اس تکلیف و مصیبت کے باوجود دنیا تمہیں نہیں ملتی، ایسی دنیا پر خاک ڈالو اور میرے ساتھ مدلی چلو اور شاہ عبدالعزیز صاحب کا وجود غنیمت سمجھو" لیکن آپ کے ساتھی دوسرے عالم میں تھے، یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، بلکہ ہنستے تھے۔

سفر مدلی

مولوی بید محمد علی صاحب صاحب "مخزن احمدی" کہتے ہیں کہ جب بید صاحب کو ساتھیوں سے

لے مولوی بید محمد علی صاحب اس سفر میں ساتھ تھے، اس سفر کے حالات انہیں کی کتاب سے اخذ ہیں۔

یا یوسی ہوئی، تو ایک رات مجھے الگ لے گئے اور خصوصیت کے ساتھ سمجھایا اور کہا "کل یا پیوں
 ہم دہلی جاؤں گے، ہماری خواہش ہے کہ آپ بھی ہم سے ساتھ چلیں" میں نے کہا "آپ کے پاس سوا
 ان کپڑوں کے جو بدن پر ہیں کوئی سامان نہیں، آپ ہی ایسی بے سروسامانی کی حالت میں سفر کی ہمت
 رکھتے ہیں میں کم ہمت ایسے سفر کی طاقت نہیں رکھتا" اس طرح دو تین دن گزر گئے اور لشکر کا کوچ ہو گیا
 دوپہر کو ہم لوگ منزل پر پہنچے اور سب ہمراہی ایک جگہ اکٹھے ہوئے، تو معلوم ہوا کہ سید صاحب نہیں ہیں
 جہاں جہاں ختمال تھا، شام تک تلاش کیا لیکن پتہ نہ چلا، چونکہ یہ سفر محمدی کے جنگل میں تھا اور وہ جنگل
 نہایت خطرناک و درندوں، شیر، بھڑیلے، ریچھ، ہاتھی کے لئے مشہور تھا، اور ہر منزل پر ایک وادی
 ان کا فرکار ہو جاتے تھے، اس لئے ہم سب کو فکر ہوئی کہ نصیب دشمنوں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا،
 رفتہ رفتہ اس کا یقین آ گیا، تین دن رات ہم لوگ سی رنج و الم میں مبتلا رہے، چوتھے روز محمدی کی طرف
 سے لشکر میں ایک آدمی آیا، اس نے کہا کہ ایک میاں اس جیلے کے جو صرف حضرت ہی کا ہو سکتا تھا، مجھے
 راستے میں دکھائی دیئے، ان کے سر پر راب کا گھڑا تھا اور پیچھے ایک سپاہی، میں نے کہا میاں سپاہی
 یہ صاحب زادے تو شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں، کیا ماجرا ہے؟ اس نے عجیب قصہ سنایا کہ جب میں اپنے
 مکان سے چلا تو ایک بوڑھے کے سوا کوئی مزدور نہیں ملا، وہ بوڑھا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ تھا، لیکن اس کے
 کئی فاقے ہو چکے تھے، اس نے اس امید سے کہ پیٹ بھرنے کی مزدوری مل جائے گی، بوجھ لے لیا اور
 گرتا پڑتا بہزار خرابی میرے ساتھ چلا، تھوڑی دیر کے بعد یہ جھٹلائے اور مزدور کی یہ حالت دیکھ کر ان کے
 آنسو نکل آئے اور مجھ سے کہا "بندہ خدا کچھ خدا کا خوف کر، کیوں اس بیچارے سے بے گار کر رہا ہے؟ میں
 کہا "میں نے اس پر زبردستی نہیں کی، بلکہ اس کو مزدور کیا ہے" آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے
 کہا "دو روز سے فاقہ تھا، میں نے کہا کہ یہ مزدوری کر لوں، شاید پیٹ بھرنے کا سامان ہو جائے" آپ نے
 مجھ سے کہا "اگر مزدوری تمہارے پاس ہو تو اس کو دے دو، ورنہ خدا کے غضب سے ڈرو" میں نے اسی وقت

پیسے نکال کر دے دیئے، آپ نے کہا "اب تھوڑی دیر اس درخت کے نیچے بیٹھ کر دم لے لو میں بیٹھ گیا" آپ نے کہا "اب اس مزدور کو رخصت کر دو اور مجھے مزدور سمجھو تمہارا بڑا احسان ہوگا" میں نے کہا "صاحبزادے، نیکی اور شرافت اور سمجھ داری تمہاری شکل سے شکلتی ہے، مگر اس وقت تم بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو اس جنگل میں تو رستم کا بھی جگر شت ہوتا ہے، خود صحیح سلامت پہنچ جانا ہی بڑی بات ہے، اس بوجھ کے ساتھ ساتھ منزل بکڑنا بہت دشوار ہے" آپ نے فرمایا "اگر تم میرے ساتھ سلوک کرو گے تو ساری عمر تمہارا احسان نہ بھولوں گا" میں نے مجبور ہو کر گھڑ اسر پر رکھ دیا اور آپ نہایت اطمینان سے میرا شکر یہ ادا کرتے ہوئے چلے آئے۔

یہ سن کر عزیزوں کو اطمینان ہوا کہ خدا کا شکر ہے، خیریت سے ہیں۔

یہ بوجھ پہنچا کر آپ نے اپنا سفر شروع کر دیا، راستے میں ایک مرتبہ ایک پیسے کے ستور گڑ میں گھول کر کھانے بیٹھے، ایک غریب آدمی نے پکارا کہ چارپہر سے فاتحے سے ہوں کچھ تر دہوا، پھر اس کو اٹھا کر دے دیا اور رات فاتحے سے گزار دی۔

چلتے چلتے آپ کے پیروں میں چھلے پڑ گئے، راستے میں ایک قصبے کی مسجد میں قیام کیا وہاں ایک شخص نے صورت دیکھ کر دریافت کیا "کہاں سے آنا ہوا اور کہاں کا قصد ہے؟" آپ نے کہا "اگر وعدہ کریں کہ خارج نہ ہوں گے اور کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں گے تو عرض کروں انھوں نے وعدہ کیا تو آپ نے نام و نشان کا پتہ دیا، وہ آپ کے والدیدار عرفان صاحب کے مرید بھائے آپ کو ہاتھوں ہاتھ گھر لے گئے، ہاتھ منہ دھلایا، پاؤں سے خون جاری تھا، اس پر منہدی اور ببول کے پتوں کا لپ کیا اور وعدہ کر کے بہت بچھتاے مگر مجبور تھے، آپ کو سوار کر کے دہلی تک پہنچا دیا۔

۱۔ "مخزن احمدی" ص ۱۷۱ "منظورہ" بحوالہ شیخ عبدالقیوم ص ۱۷۱ "وقائع احمدی"

تیسرا باب

دہلی کا قیام، سلوک و تکمیل

شاہ عبدالعزیز سے ملاقات

سید صاحب دہلی پہنچ کر حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے، شاہ صاحب نے مصافحہ و معانقہ فرمایا اور اپنے برابر بیٹھایا اور دریافت کیا "کہاں سے تشریف لائے؟" آپ نے فرمایا "یرپلی سے" فرمایا "کس خاندان سے ہیں؟" کہا: "وہاں کے سادات میں شمار ہے" فرمایا "سید ابوسعید صاحب سید نعمان صاحب سے واقف ہیں؟" سید صاحب نے فرمایا "سید ابوسعید صاحب میرے نانا اور سید نعمان صاحب میرے چچا ہیں" شاہ صاحب نے اٹھ کر دوبارہ مصافحہ و معانقہ کیا اور پوچھا "کس غرض کے لئے اس طویل سفر کی تکلیف برداشت کی؟" سید صاحب نے جواب دیا "آپ کی ذات مبارک کو غنیمت سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طلب کے لئے یہاں پہنچا" شاہ صاحب نے فرمایا "اللہ کا فضل اگر شامل حال ہے تو اپنے دریاں، نہاں کی میراث تم کو مل جائے گی" اس وقت آپ نے ایک ملازم کی طرف اشارہ فرمایا "سید صاحب کو بھائی مولوی عبدالقادر صاحب کے یہاں پہنچا دو اور آپ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر کہتا کہ اس عزیز بہان کی قدر کریں اور ان کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں ان کا مفصل حال ملاقات کے وقت بیان کروں گا" چنانچہ سید صاحب شاہ عبدالقادر کی خدمت میں اکبر آبادی مسجد میں رہنے لگے۔

لہ "خزین احمدی" ص ۱۵۱

سلام مسنون کار و واج

یہ صاحبؒ جب شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہلی مرتبہ حاضر ہوئے تو نہایت ساوگی سے "السلام علیکم" کہا، یہ وہ زمانہ تھا کہ سلام مسنون کار و واج ہی ہندوستان جا تا رہا تھا، حتیٰ کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے خاندان میں بھی اس کی رسم نہ تھی اور وہ جب سلام کرتے تھے تو کہتے تھے، "عبدالقادر سلام عرض کرتا ہے" رفیع الدین تسلیمات عرض کرتا ہے، شاہ صاحبؒ نے جب یہ صاحبؒ کا سلام سنا تو بہت خوش ہوئے اور آپ نے حکم دے دیا کہ سلام بطریق مسنون کیا جائے۔

شاہ عبدالقادرؒ کی خدمت میں

یہ صاحبؒ حسبِ رشاد اکبر آبادی مسجد میں ترجمانِ قرآن حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی تربیت میں ٹھہر گئے، یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ آپ کو اس مبارک خاندان کے دونوں بزرگوں سے استفادے کا موقع ملا، شاہ صاحبؒ کو یہ صاحبؒ سے بڑی محبت تھی اور ایک روایت کے مطابق انھوں نے یہ صاحبؒ کی بعض ادائیں دیکھ کر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے مانگ لیا تھا، آپ نے شاہ عبدالقادرؒ سے کچھ بڑھنا بھی شروع کر دیا۔

لہٰذا یہ روایت امیر شاہ خاں صاحبؒ کی "امیر الروایات" میں اس طرح پر ہے کہ یہ صاحبؒ پہلی مرتبہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بیعت کی اور پھر روزہ کر تشریف لے گئے، پھر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے الی آخر، لیکن اس میں کھلی ہوئی فروگزاشت ہے، اس لئے کہ یہ صاحبؒ کی ولادت بالاتفاق ۱۲۰۱ھ کی ہے اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی وفات ۱۱۷۶ھ میں ہو گئی تھی اور یہ صاحبؒ کا پہلا سفر ۱۲۲۲ھ میں ہوا، دونوں کے درمیان ۲۶ سال کا فاصلہ ہے۔ "امیر الروایات"

بیعت

چند دنوں کے بعد ایک شب جمعہ کو آپ شاہ عبدالعزیز سے بیعت ہو گئے، اور آپ نے
طریقِ ثلاثہ، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ میں آپ کو داخل فرمایا۔

تعلیمِ تصویرِ شیخ اور سید صاحب کا عذر

تعلیمِ سلوک کے ضمن میں حضرت شاہ صاحب نے حسبِ معمول تصویرِ شیخ کی تعلیم کی اور صاحب نے نہایت ادب سے عرض کیا "حضرت! اس میں اور بت پرستی میں کیا فرق ہے؟ اس میں صورت سنگی اور قرطاسی ہوتی ہے اور اس میں صورت خیالی جو دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے اور اس کی طرف توجہ اور اس سے استعانت ہوتی ہے، شاہ صاحب نے حافظ "کاپہ شعر پڑھا۔

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیرمغاں گوید

کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

سید صاحب نے فرمایا "بشرک کی کسی طرح ہمت نہیں ہو سکتی، ہاں، کتابِ سنت و اجماع
امت سے کوئی سند لائیں اور اچھی طرح سے اطمینان ہو جائے کہ دونوں ایک چیز نہیں تو خطرہ دور ہو سکتا ہے۔"

ولایتِ انبیا سے مناسبت

شاہ صاحب نے یہ سن کر سید صاحب کو فرطِ مسرت سے گود میں لے لیا اور کئی مرتبہ پیشانی کا بوسہ دیا

اور فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و انعام سے تم کو ولایتِ انبیا سے نوازا، سید صاحب نے

اس کی تشریح چاہی تو شاہ صاحب نے اس کی تفصیل اس طرح فرمائی :-

”سادہ اور مطلق ولایت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو دوسرے بندوں کے مقابلے میں اپنے قریبے برگزیدہ کرے اس برگزیدگی کی نشانی یہ ہے کہ اللہ کی محبت اس کے دل کی گہرائی میں اس طرح پیوستہ ہو جائے کہ اس کو دنیا اور دنیا کی چیزوں کی طرف کوئی توجہ نہ رہے اور اولاد اور جاہ و مال کی محبت اس کے دل سے مٹ جائے اپنے نفس، قلب، جوارح اور اعضا سے وہ قریب الہی کا جو یا اور رضائے خداوندی کا طالب بن جائے اور اس میں وہ اس طرح مشغول و مہمک ہو جائے کہ عوام الناس اس کو محض دنیا نہ سمجھیں، تبع تابعین میں سے ایک شخص نے حضرت سفیان ثوریؒ سے کہا ”صحابہؓ اور ہماری کیا نسبت ہے؟“ فرمایا ”اگر تم ان کو دیکھتے تو دیوانہ سمجھتے اور اگر وہ تم کو دیکھیں تو کافر و منافق سمجھیں اور تمہارے لام کا جوا دینے کے رادار نہ ہو“ اسی طرح سے صاحب ولایت نفس کے مجاہدے صوم و صلوات کثرت نوافل خیرات خلائق میں مشغول ہوتا ہے آیت کے مضمون مطابق ”وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا“ (۲۵ : ۹۳) یعنی جب جاہل ان کے منہ لگتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ”بھائی سلام ہو ہم کو تمہارا“ مگر بن و ناسفین سے تعرض نہیں کرتا، گوشہ گزینی اس کو محبوب ہوتی ہے اس کا عمل اکثر اثناء لیس اور قرآن کی تاویل یا صوفیوں کی اصطلاح پر ہوتا ہے ان اعمال کو قرب نوافل کہتے ہیں۔ لیکن جس کو اللہ تعالیٰ ولایت انبیا سے سرفراز کرے اس کے دل کی جڑ میں اللہ کی محبت اس طرح گڑ جاتی ہے اور اس طرح راسخ ہو جاتی ہے کہ اس ایشارہ کا اثر ہوتا ہے ”تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ“ (۳ : ۹۲) میں بیان کیا گیا ہے اور اللہ کے ان نیک و برگزیدہ پیغمبروں کی عادات جن کے متعلق ”إِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ“

لے تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکتے جب تک راہ خدا میں اپنی محبوب چیزیں صرف نہ کرو۔

الْأَخْيَارِ (۳۸ : ۴۷) میں فرمایا ہے اور جن کی تفصیل ”وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ
 وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ
 وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ فِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ
 وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ
 وَالضَّرَّاءِ وَجُنُودَ الْبَأْسِ هَٰؤُلَاءِكَ الَّذِينَ مَدَّ قَوْلِي وَأُولَٰئِكَ هُمُ
 الْمُتَّقُونَ“ (۲ : ۱۷۷) میں کی گئی ہے وہ ایشار اور پیغمبرانہ اخلاق و عادات
 اس کی صورت و سیرت میں نمایاں ہو جائیں اور یہ خصائل حمیدہ نفسانی و جسمانی ظلمتوں
 اور گڈرتوں کو معدوم کر دیں وہ ہمیشہ خلق خدا کی ہدایت بھر میں وقت ساق کو نصیحت الشریعہ
 کے فرائض کو جاری اور قائم کرنے اور انبیاء سے مسلیں کی سنتوں کو زندہ کرنے کفار کے خلاف
 کوشش اشراک کی تادیب اور گنہگاروں کی تعزیر میں مشغول رہے اکثر مسلمانوں کی مجلسوں
 اور ان کے مجموعوں میں جا کر ان کو وعظ و نصیحت کرے اگرچہ اہل مجلس اس کے سننے کی طرف
 متوجہ نہ ہوں اس مشرب کو صوفیوں کی اصطلاح میں قریب لفرائض کہتے ہیں اس مشرب کے
 لوگوں کا عمل اکثر عبارتہ النص اور تنزیل قرآنی پر مبنی ہے اس مرتبہ کو ولایت کے
 تمام مرتبوں سے اعلیٰ یقین کرنا چاہیے ”ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ
 وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ“ (۶۲ : ۴۷)

۱۔ وہ ہمارے برگزیدہ اور نیک بندے ہیں ۲۔ بڑی نیکی ہے جو کوئی اشرافیہ لائے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر
 اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور دے مال اس کی محبت پر رشتے داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور
 انگنے والوں کو اور گزنیں چھڑانے میں اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دیا کرے اور جب عہد کریں تو اپنے اقرار کو پورا کرنے
 والے اور سختی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔
 سلمۃ مخرن احمدی ص ۲۱-۲۲ ۳۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے اللہ کے فضل والے ہیں۔

تصویرِ شیخ سے معذرت کی وجہ

بید صاحب نے تصویرِ شیخ سے اس شدت کے ساتھ معذرت کیوں کی اور اس میں کیا قبایح اور خطرات ہیں اس کی تفصیل خود سید رضا کی زبان سے سننے کی ہے "صراطِ تنقیم" میں فرماتے ہیں:-

"بواشغال کہ بدعت ہیں انھیں میں سے شغلِ بربخ (تصویرِ شیخ) بھی ہے کہ وہ اکثر

سلاسلِ طریقت کے پچھلے منتسبین میں بہت شائع و ذائع ہے بلکہ بعض اکابر کے کلام

میں اور تعلیم میں بھی وہ شامل ہے اس شغل کی حقیقت یہ ہے کہ خطرات و مساوس کے ازالے

اور توجہ کی مرکزیت و یکسوئی کے لئے شیخ کی صورت کو تعین و تخصیص کے ساتھ ذہن میں جاتے

ہیں اور پورے ادب و ایم اور اپنی پوری توجہ و ہمت کے ساتھ اس (خیالی) صورت کی طرف

متوجہ رہتے ہیں گویا تمام آدابِ تعظیم کے ساتھ شیخ کے روبرو بیٹھے ہیں اور دل کو پورے طور پر

اس کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اس شغل کی حقیقتِ حال اور اس کا حکم تصویر کی حقیقتِ حال

سے معلوم کیا جاسکتا ہے سب جانتے ہیں کہ تصویر کا بنا ناگناہ کبیر اور عظیم معصیت ہے اس کو

دیکھتے رہنا یا خصوصاً تعظیم و توقیر کے ساتھ حرام ہے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ

والسلام کا اپنی قوم سے فرمانا کہ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عِشْقُونَ

(۵۲ : ۲۱) یعنی یہ کیسے بت ہیں جن پر تم مجھے بیٹھے رہتے ہو؟ چونکہ ایسے الفاظ میں ہے

جو کہ مطلق ہیں اور ان میں کوئی قید اور تخصیص نہیں اس لئے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ

بتوں پر عکوف ممنوع ہے اور عکوف کے معنی ہیں "لزام حضور" خواہ قعود و نشست کی

شکل میں ہو خواہ قیام و قوف کی شکل میں اس تعظیم و ادب و محبت کے ساتھ یہ دوام

حضور اور اس کا لزوم اس آیت کے تحت میرا ثابت ہے اس میں تو کسی کو کلام نہیں کہ

ظاہری تصویر کے ساتھ جو بھی یہ عمل کرنے کا عاصی و گنہگار ہوگا، اس ظاہری تصویر کے ساتھ مندرجہ بالا عمل کرنے والے اور شغلِ برنخ (تصویرِ شیخ) کے عامل میں جو سالک و در راہ حق کا طالب ہے صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں کاغذ یا کسی ایسی ہی چیز پر ایک نگین تصویر ہوتی ہے اور دوسری شکل (شغلِ برنخ) میں صفحہ خیالی پر شیخ کی ہو جو صورت اپنے پورے خط و خال اور حلیے کے ساتھ مرسوم کی جاتی ہے یہ عمل اگرچہ ظاہری نگاہ میں تصویر پرستی نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقتاً وہ خاصا صورت پرستی ہے، کاغذی تصویر میں صورت و حلیے کی اس قدر باریکیاں ظاہر نہیں ہو سکتیں جیسی کہ صورتِ خیالی میں نمایاں ہوتی ہیں، حالانکہ دونوں بے جان اور بے روح ہیں اس لئے جہاں تک تصویر کے مقصد و معنی کا تعلق ہے، صورتِ خیالی صورتِ قرطاسی سے آگے بڑھی ہوئی ہے، اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان صرف اس بات تفریق کی جاسکتی ہے کہ اگر کاغذ یا پتھر کی تصویر کی اجازت دے دی جائے تو ظاہری شریعتِ نظام میں بڑا خلل واقع ہوگا لیکن دوسری شکل (صورتِ خیالی) میں شریعت کے ظاہری نظم و انتظام کو کوئی نقصا پہنچنے کا اندیشہ نہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مال کے ذہن و قلب پر اپنے اس عمل کا جو اثر پڑتا ہے وہ صورتِ خیالی کی شکل میں کہیں زیادہ مؤثر اور خطرناک ہے اس بات کا تقاضا ہے کہ خیالی صورت کا جانا اور اس کی طرف متوجہ رہنا بدتر ہے اولیٰ حرام قرار دیا جائے۔

اس کے علاوہ شغلِ برنخ کا رواج ناقصوں اور مبتدیوں کو رفتہ رفتہ کاغذی یا ظاہری تصویر تک پہنچا دے سکتا ہے اور وہ ظاہری تصویریں بنا کر وہ تمام تعظیمی حرکات و آداب جو صاحبِ تصویر بزرگوں اور مشائخ کے سامنے بجا لاتے ہیں اس میں ان کی تضاد و برکے سامنے بجا لانے لگتے ہیں اور خاصا صنم پرستوں کی شکل اختیار کرتے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شغلِ برنخ اس فعلِ حرام کی سرحد تک بھی پہنچا دیتا ہے اس لئے (اصولِ شرعیہ

کا تقاضا ہے کہ یہ عمل جو اس فعلِ حرام کا مقدمہ ہے، شریعتِ محمدیہ میں حرام ہو اسی احتیاط و پیش بندی کی بنا پر کہ صورت پرستی مسلمانوں میں نہ آنے پائے، تصویر سازی کو مطلقاً ممنوع قرار دیا گیا، شرائع سابقہ میں بعض اغراضِ صحیحہ کے حصول کے لئے مثلاً کسی غائبِ زندہ یا مردے کی شکل و شمائل معلوم کرنے کے لئے اس کی اجازت دی گئی تھی، جب شارعِ علیہ السلام نے تصویر سازی کے بارے میں اتنی احتیاط و انتظام سے کام لیا ہے تو آپ کے تابعین اور شریعتِ محمدیہ کے پیروں کو تشغیلِ برنخ کو حرام و قبیح ہی سمجھنا چاہئے، جو شخص سیرتِ محمدی پر نظر رکھتا ہے، اس کو خوب معلوم ہے کہ اگر اس زمانہ مبارک میں اہل امر کے متعلق دریافت کیا جاتا تو ضرور اس کی مانعت کی جاتی اور اس کی حرمت بیا کی جاتی، بیعت و تلقین کے بعد شاہِ حسنا نے ہدایت دے کر یہ حسنا کو نصرت کیا اور آپ اپنے مسکن پر آئے اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے، شاہِ عبدالقادر نے بھی ایک مدت تک آپ کو سلوک کی تعلیم و تربیت فرمائی۔

سلسلہ تعلیم کا انقطاع

اس زمانے میں یہ حسنا نے اپنی تعلیم کا سلسلہ پھر شروع کیا، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب سے بعض کتابیں پڑھتے تھے، ایک روز عجیب واقعہ ہوا کہ آپ کتاب دیکھتے ہیں تو سامنے سے حروفِ غائب ہو جاتے ہیں، آپ نے مرضِ سمجھ کر طبیبوں کو رجوع کیا، مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، شاہ عبدالعزیز صاحب کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ باریک چیزوں کی طرف نظر کرو تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی فرق نہیں، صرف کتابوں کی خصوصیت ہے، شاہ حسنا نے فرمایا کہ پڑھنا چھوڑ دو۔

۱۷۸-۱۱۹ مجتہدانی ۱۷ "ارواحِ ثلاثہ" ۱۷ "امیر الروایات"

یعنی اندر خود علوم انبیا

بے کتاب و بے معیار اوستا

بید صاحب نے اگرچہ درسیات کی تکمیل نہیں کی لیکن آپ کو اپنی علوم سے ضروری واقفیت ہو گئی، آپ ہر وقت علما مفسرین محدثین فقہاء کی صحبت میں رہتے تھے، جہاں ہر وقت علم کا پرچار رہتا تھا، جہاں کا گھر بھی مدرسہ تھا، اور جہاں کی تفریح بھی درس تھی وہاں کی ہوا بھی علم پرور تھی اور وہاں کے بچے بھی دین کی سمجھ اور شریعت سے واقفیت رکھتے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز صفا کا شریعت کا دہندستان میں بالاتفاق علم کا سب سے بڑا مرکز تھا جس میں منتخب علما و فضلا حاضر ہوتے تھے، ایک وقت میں صرف اس خاندان میں حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، مولانا عبدالکحی، مولانا اسماعیل، مولانا شاہ محمد اسحاق، مولانا محمد یعقوب موجود تھے اور یہ صفا کی صحبت انھیں حضرات کھلی قرآن مجید تو آپ نے خاص طور سے پڑھا، ترجمان قرآن حضرت شاہ عبدالقادر کی توجہ اور صحبت نے اس کو جلا دی۔

خلافت شرعی چیزوں سے حفاظت

اس کے بعد آپ اپنے کام میں ہمہ تن مشغول ہو گئے، شاہ صفا نے آپ کی خدمت کے لئے تین شخص جن کا خود صلحا میں شمار ہوتا تھا مقرر کر دیئے، وہ آپ کی ضروریات مہیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ چند بے تکلف لوگوں جن کے کناکے ہندوؤں کے ایک میلے میں چلنے کے لئے آپ سے اصرار کیا اور باوجود آپ کے عذر و انکار کے زبردستی آپ کو لے گئے لیکن آپ میلے میں پہنچے ہی بے ہوش ہو گئے، او اس میں شریک نہ ہو سکے، اور انھیں آپ کو مجبوراً واپس لانا پڑا، اس کے بعد ان کو پھر اس کی کبھی

۱۔ صاحب "مخزن احمدی" نے اس واقعے کو نظم کیا ہے (ص ۲۵، ۲۶)

جرات نہیں ہوئی۔

باطنی ترقیات

آپ کو چند دنوں میں اس قدر باطنی ترقی ہوئی اور وہ بلند مقامات حاصل ہوئے، جو ساہا سال کی ریاضت و مجاہدوں سے بھی کم حاصل ہوتے ہیں اور آپ پر بیداری و خواب میں اس قدر انعامات الہیہ کی بارش ہوئی، جس کی نظیر کم ملتی ہے، صاحب "مخزن احمدی" لکھتے ہیں۔

"قیام دہلی کے اثنا میں رمضان پڑا، اکیسویں شب کو آپ حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "اس عشرے کی کس رات میں شب بیداری کر کے شب قدر کی سعادت حاصل کی جائے؟" مولانا نے مستم ہو کر فرمایا "فرزند عزیز"

شب بیداری کا جو روزانہ معمول ہے، اسی طرح ان راتوں میں بھی عمل کرو، صرف شب بیداری کیا ہوتا ہے؟ دیکھو، چوکیدار اور سپاہی ساری رات جاگتے رہتے ہیں، مگر

اس دولت بے نصیب محروم رہتے ہیں اگر تمہارے حال پر اللہ کا فضل ہے، تو شب قدر میں اگر تم سوتے بھی رہو گے تو اللہ تم کو جگا کر ان برکات میں شریک کر دے گا، سید صاحب

یہ سن کر اپنے مسکن پر آگئے اور عادت کے مطابق شب بیداری کا معمول رکھا، تا اسیوں شب کو اپنے چاہا کہ ساری رات جاگوں اور عباد کروں، مگر عشا کی نماز کے بعد کچھ ایسا

نیند کا غلبہ ہوا کہ آپ سو گئے، تہائی رات کے قریب دو شخصوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جگایا، آپ نے دیکھا کہ آپ کی دائیں طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بائیں حضرت ابو بکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہیں اور آپ سے فرمایا ہے میں کہ احمد جلد اٹھ اور غسل کر، سید صاحب ان دونوں حضرات کو دیکھ کر دوڑ کر مسجد کے حوض کی طرف گئے، اذکار باوجودیکہ سردی سے

حوض کا پانی یخ ہو رہا تھا، آپ نے اس سے غسل کیا اور فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فرزند آج شبِ قدر ہے، یاد الہی میں مشغول ہو اور دعا و مناجات کرو" اس کے بعد دونوں حضرات تشریف لے گئے، صاحب "مخزن" لکھتے ہیں کہ اس کے بعد یہ صنا بارہا فرمایا کرتے تھے "اس رات کو اللہ کے فضل سے وارداتِ عجیب و واقعاتِ غریب دیکھنے میں آئے، تمام درخت اور دنیا کی ہر چیز سجدے میں تھی، اور بیچ و ہیل میں مشغول، مگر ان ظاہری آنکھوں کی اپنی اپنی جگہ کھڑی معلوم ہوتی تھی، اس وقت قنائے کلی اور استغراقِ کامل مجھے حاصل ہوا صبح میں شاہ صنا کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپ نے بہت سرور ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آج کی شب تم اپنی مراد کو پہنچ گئے، اس وقت سے ترقیات و علو درجات کے آثار ظاہر ہونے لگے!"

مولانا شاہ اسماعیل شہید "صراطِ مستقیم" میں لکھتے ہیں:-

"ایک بار خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صنا کے رتہ میں تین چھوہارے دیئے اور بہت شفقت و محبت سے کھلائے، جب آپ بیدار ہوئے تو ان کی شیرینی آپ کے ظاہر و باطن سے ظاہر تھی، اس کے بعد ایک روز یہ صاحب نے خواب میں حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کو دیکھا، حضرت علیؑ نے اپنے دستِ مبارک سے آپ کو اس طرح نہلایا جیسے باپ اپنے بچوں کو نہلاتے دھلاتے ہیں اور حضرت فاطمہؑ نے اپنے ہاتھ سے ایک لباسِ فاخر آپ کو پہنایا، اس کے بعد طریقِ نبوت کے کمالات آپ پر ظاہر ہونے لگے، یہاں تک کہ ایک روز اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے دستِ قدرت سے آپ کا دایاں ہاتھ

پکڑ کر امور قدسیہ میں سے ایک چیز جو نہایت رفیع و بدیع تھی، آپ کو عنایت کی اور فرمایا کہ اور چیزیں بھی ہم تم کو دیں گے!

رائے بریلی کو واپسی اور نکاح

اس کے بعد اپنے وطن رائے بریلی تشریف لائے، آپ اچانک پہنچے اور مسجد میں مسافرانہ جا کر بیٹھ گئے، آپ جس وقت گھر سے نکلے تھے، اس وقت ڈاڑھی مونچھ بھی نہیں نکلی تھی، اب تشریف لائے تو گھنٹی ڈاڑھی اور مونچھیں تھیں، لوگوں نے پہچانا نہیں اور سمجھے شاید کوئی مسافر یا درویش ہوا، سب سے پہلے میاں عبدالقادر خاں نے (اور ایک روایت میں ہے کہ سید علم الہدیٰ نے) پہچانا اور گھر میں خبر کی، اعزاز ملنے آئے اور ہاتھوں ہاتھ گھر لے گئے۔

اس مرتبہ وطن میں کئی برس رہنا ہوا، اسی مدت میں آپ نے سید محمد روشن کی صاحبزادی بی بی زہرہ سے نکاح کیا، یہ نسبت پہلے سے تھی لیکن لڑکی کے گھر والوں کو آپ کی وضع اور عزائم دیکھ کر تامل تھا، اعزاز نے کہہ سن کر راضی کیا اور رشتہ ہو گیا، ۱۲۲۴ھ میں آپ کی بڑی صاحبزادی بی بی سارہ پیدا ہوئیں۔

۱۶۴ ص ۱۶۴ ۱۶۴ ۱۶۴ خاندانی کاغذات اور دستاویزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۱۲۲۳ھ میں وطن میں

موجود تھے (ملاحظہ ہو عکس و کالت نامہ سید محمد جامع و سید محمد و سید محمدی الدین، مشمولہ کتاب) ۱۶۴ "منظورہ"

۱۶۴ سید محمد روشن شاہ علم اللہ کے حقیقی چچا سید اسحق کی پانچویں پشت میں ہیں سید محمد روشن بن سید محمد شافع بن

سید عبدالغفار بن سید تاج الدین بن سید اسحق بن سید محمد معظم

پوٹھاباٹ

دہلی کا دوسرا سفر اور نواب میرزاں کی رفاقت

دہلی کا دوسرا سفر

راعے بریلی سے ۱۲۲۶ھ میں آپ دہلی تشریف لے گئے، یہ دہلی کا دوسرا سفر تھا، کچھ مدت

لے مرزا جیرت نے "حیات طیبہ" میں راعے بریلی سے دوسرے سفر کی تاریخ تعیین کے ساتھ جمادی الآخرہ ۱۲۲۳ھ میں

کی ہے (ص ۲۸۹) اور اسی کو مہر صاحب نے "سید احمد شہید" میں اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ "مجھے اس کا ماخذ معلوم نہیں،

اغلب ہے، یہ درست ہو، کم از کم اس کے اقرب الی الصحۃ ہونے میں کوئی شبہ نہیں" (ص ۸۲) لیکن خاندانی رتا و رواد

اور بعض واقعات ثابت ہوتا ہے کہ یہ تاریخ صحیح نہیں ہے اور محض قیاس پر مبنی ہے اس لئے کہ:-

(۱) مولوی سید محمد علی، سید احمد علی، سید حمید الدین صاحبان نے اپنے والد مرحوم سید عبدالسبحان کے قرضے کا

جو افراز نامہ لکھا ہے اور جس کا عکس شامل کتاب ہے اس پر سید صاحب کی گواہی موجود ہے، افراز نامے پر تاریخ تحریر: ۲ ربیع الاول

۱۲۲۶ھ صاڑھی جاتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۲۲۶ھ میں سید صاحب دہلی میں موجود تھے اس لئے کہ اس پر اتفاقاً

ہے کہ آپ دوسرے سفر دہلی پر روانہ ہونے کے بعد ۶-۷ سال سے پہلے وطن واپس نہیں ہوئے۔

(ب) مولانا سید قطب الہدیٰ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع الاول ۱۲۲۶ھ میں اپنے بھتیجے مولانا سید محمد ظاہر

کے نام اپنی تمام ملوکہ کتابوں کا بیہ نامہ لکھا ہے، اس پر اعیان خاندان علم الہی کے دستخط اور مہر ہیں اس میں سید صاحب کی مہر

اسرا احمد بھی ہے، جو آپ کی غیر موجودگی میں نہیں پڑ سکتی، نیز بیہ نامے کے آخر میں درج ہے "تحریر فی تاریخ بست شہر ربیع الاول

(باقی ص ۱۳۲ پر)

دہلی قیام فرما کر آپ ۱۲۲۴ھ میں نواب میرزا خاں کے لشکر میں تشریف لے گئے، جو وسط ہند کے بعض راجاؤں سے برسرِ بیکار تھے۔

نواب میرزا خاں کی رفاقت اور ید صاحب کے مقاصد

ید صاحب کو الشرح لائے جس عظیم مقصد کے لئے تیار کیا تھا اور آپ نے جن بلند مقاصد کو اپنے پیش نظر رکھا تھا، ان کی سربراہی مزید تکمیل و خوشگلی اور ملی مشق و تربیت کی تقاضی تھی، اگرچہ ید صاحب نے شروع سے سپہ گری اور سپاہیانہ اعمال و اشتغال اپنے فطری ذوق و رجحان سے دیکھے تھے، لیکن آپ کو عملی معرکہ آرائی اور میدانِ جنگ اور اس کے نشیب و فراز سے گزرنے کا اس سے پیشتر موقع نہیں آیا تھا، اس کے لئے کسی محاذِ جنگ کی ضرورت تھی، جہاں رہ کر آپ فوجوں کی

(باقی ص ۱۳۱ کا) ۱۲۲۶ھ المقدسہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام یہ سب نامہ مصنف کے پاس محفوظ ہے۔

(ج) "منظورۃ السعداء" کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ید قطب لہدیٰ کا انتقال آپ کے سامنے ہوا اور آپ حضور کے وقت موجود تھے، "تذکرۃ النخوات" نے مولانا ید قطب لہدیٰ کی تاریخ وفات "گلشن محمودی" کے حوالے سے ۱۹ ربیع الآخر ۱۲۲۶ھ لکھی ہے، اس لئے اس میں شبہ باقی نہیں رہتا کہ ید صاحب نے کم سے کم ربیع الآخر کے بعد سفر اختیار کیا، اور ۱۲۲۶ھ سے پہلے آپ وطن سے روانہ نہیں ہوئے۔

لے "وقائع احمدی" کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ چرنیا کے لشکر میں پہنچے ہیں، تو وہ دھکولہ کے قلعے کے محاصرے میں مصروف تھے، وقائع کے راوی نے خود آپ کے یہ روایت نقل کی ہے (وقائع ص ۱۱) دھکولہ کا محاصرہ لالہ بساوان لعل مؤلف "امیر نامہ" کے بیان کے مطابق ۱۲۲۴ھ میں پیش آیا، مؤلف "امیر نامہ" نے اس کو اسی سنہ کے واقعات میں بیان کیا ہے ("امیر نامہ اردو" ص ۵۰۵)

۲۔ یہی عظیم المرتبت ہستی کے لئے کوئی نقص اور عیب کی بات نہیں، تاریخ میں اس کی بکثرت مثالیں ہیں۔

قیادت اور دست بدست جنگ کا عملی تجربہ حاصل کریں۔

نیز ایک ایسے شخص کو جو ہندوستان میں اسلام کے غلبے اور دینی حکومت کے قیام کے لئے
کوٹھاں ہو سب سے پہلے اس کا جائزہ لینا ضروری تھا کہ اس ملک میں کہاں کہاں ایسی آزاد فوجی طاقت
پائی جاتی ہے جو صحیح رہنمائی کے بعد اس عظیم مقصد کے حصول میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

انیسویں صدی کی ابتدا میں سائے ملک میں چار قابل ذکر طاقتیں تھیں، ایک بیدار مغز
اور نوخیز طاقت "انگریز" جن کا ستارہ اقبال روز بروز بلند ہوتا جا رہا تھا، دوسرے دکن میں

نظام ہیسیرے شمالی ہند میں اودھ کی سلطنت، لیکن دونوں طاقتیں انگریزوں کی سرپرستی
قبول کر چکی تھیں اور اس ملک میں اسلامی اقتدار کے لئے ان سے امید رکھنا فضول تھا چوتھے

مرہٹے جو وسط ہند اور دکن میں اپنی ریاستیں قائم کئے ہوئے تھے، لیکن ان کی آپس میں سخت رقابت
اور خانہ جنگی تھی اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں ان کے چار سردار دولت راؤ

سندھیا، جسونت راؤ، ہلکرا، باجی راؤ پیشوا، گھوجی بھونسلہ اقتدار اعلیٰ کے لئے کشمکش کر رہے تھے۔
ان چار طاقتوں کے علاوہ جن سے اسلامی اقتدار کے قیام کے لئے کسی مدد کی امید نہیں تھی،

ایک پانچویں بڑھتی ہوئی آزاد طاقت تھی جس کو وقت کا کوئی مبصر نظر انداز نہیں کر سکتا تھا یہ
روہیلکھنڈ کے افغانوں کی طاقت تھی جن کی قیادت سنبھل (ضلع مراد آباد) کا ایک حوصلہ مند

افغان زادہ امیر خاں کر رہا تھا، امیر خاں کے ساتھ روہیلکھنڈ اور شمالی ہند کے دلیر اور
حوصلہ مند چٹھانوں اور سپاہ پیشہ نوجوانوں کی ایک کثیر التعداد اور طاقت ور جمعیت رہتی تھی،

جس کو مرہٹہ سردار اور راجپوت والیان ریاست ہمیشہ اپنے ساتھ ملانے کی کوششیں میں رہا کرتے
تھے اور جس کی شمولیت فتح و شکست کے لئے اکثر فیصلہ کن ثابت ہوا کرتی تھی، اس جمعیت

میں ہندوستان کا بہترین فوجی عنصر مسلمانوں کا گرم اور تازہ خون ہندوستان کی فلاح طاقت کا

بچا کھچا سرمایہ اور وقت کے بہت سے شاہین و شہباز تھے۔

امیر خاں

امیر خاں کا خاندان سالار زئی پٹھانوں کا ایک خاندان تھا، جو علاقہ بونیر کے موضع جوڑ میں بودو باش رکھتا تھا، اس خاندان کے پہلے فرد طالع خاں محمد شاہ کے عہد میں ہندوستان آئے اور سنبھل ضلع مراد آباد سرائے زرین میں سکونت اختیار کی، اس کے فرزند محمد حیات خاں امیر خاں کے والد ہیں۔

امیر خاں ۱۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے، ابتدا سے سپہ گری کا شوق تھا، پڑھنے لکھنے سے مناسبت نہ تھی، ۱۲۰۲ھ میں قسمت آزمائی اور کشور کشائی کے لئے سنبھل سے نکل پڑے راستے میں سپاہی پیشہ اور طالبِ وزگار آدمی شامل ہوتے رہے، کچھ عرصہ مختلف سرکاروں میں نوکری کی، پھر خود اپنی ایک جمعیت پیدا کر لی اور اپنی لیاقت اور شجاعت کا سکہ بٹھا دیا، بارہا اپنی قبیل جمعیت سے فوج گراں کا مقابلہ کیا اور بڑے بڑے لشکروں کو شکست دی، ان کی جمعیت اور طاقت روز بروز بڑھتی گئی، ۱۲۱۵ھ میں جب وہ سرحد کی طرف گئے ہیں تو ستر، اسی ہزار سوار اور پیادے ان کے ہمراہ تھے، ۱۲۲۳ھ میں انھوں نے پچاس ہزار پیادے اور بارہ ہزار سوار اپنے ایک فوجی افسر میاں محمد اکبر خاں کے سپرد کئے، ان کی جنگی لیاقت اور فوجی اہمیت کی شہرت اتنی دور دور چلی تھی کہ ۱۲۲۹ھ میں شاہ شجاع نے ان کو کابل اور اباہ نصیر خاں حاکم بلوچستان نے ان کو بلوچستان طلب کیا۔ بیس بیس سال کا ایل، مالوہ، مارواڑ، راجپوتانہ اور دکن کی سرزمین ان کی رزم آرائیوں اور جنگ آزمائیوں کی جولانگاہ رہی، بڑی بڑی ریاستیں ان کی باخار سے لرزہ برانداز رہتی تھیں،

ذاتی دلیری پامردی، جفاکشی اور قوت برداری، فقویں کے ساتھ حسن سلوک، قیامتی اولوالعزمی اور سپاہیانہ
 اوصاف میں وہ تاریخ کے قدیم فوجی سرداروں اور بائیان سلطنت کا نمونہ تھے، لیکن بلند اور واضح مقصد
 نہ ہونے کی وجہ سے نیز رفا کی بے نظمی اور خود غرضی کے سبب سے جو روپیہ ملنے میں دیر ہو جانے کی وجہ سے
 دھرنہ دے کر ٹیٹھ جاتے تھے، اور ان کو جلس میں رکھتے تھے (ملاحظہ ہو "امیر نامہ") وہ نہ اسلام کی کوئی مفید
 خدمت انجام دے سکے، نہ اپنے ہی لئے کوئی شایان شان مقام حاصل کر سکے، انھوں نے عرصے تک صرف
 مختلف ریاستوں پر حملہ کر کے ہمیشہ یا سالانہ رقم وصول کرنے پر اکتفا کی اور کبھی ایک فریق کی دوسرے
 فریق کے مقابلے میں مدد کر کے وقتی منفعت حاصل کر لی، کبھی دوسرے فریق کی پہلے فریق کے مقابلے میں
 حمایت کر کے رقم وصول کر لی، ان کی سپہ گری اور فوجی طاقت سے مرہٹہ سرداروں اور راجپوت
 رئیسوں نے زیادہ فائدہ حاصل کیا، بلکہ ریاست اندر محض ان کی سعی و کوشش اور وفادارانہ
 رفاقت کا نتیجہ ہے، آخر میں ۱۲۳۲ھ میں ایسے حالات پیدا ہو گئے اور ان کی سرگرمیوں کا میدان
 اتنا تنگ ہو گیا کہ انھوں نے انگریزوں سے مصالحت کر لی اور راجپوتانے اور مالوے کے چند متفرق
 اور غیر اہم حصوں پر قناعت کر کے، جن کے مجموعے کا نام ریاست ٹونک تھا، انھوں نے خانہ نشینی
 اختیار کر لی، اگر وہ اولوالعزمی اور دوہینی سے کام لیتے اور یدِ رضا سے مل کر منظم اور بلند مقصد
 جدوجہد کرتے تو تاریخ اسلام میں ان کا بڑا مقام ہوتا اور اس ملک کی تاریخ بھی بہت مختلف ہوتی۔
 سید صاحبؒ نواب امیر خاں کے لشکر میں
 یدِ رضا کا یہ سفر چونکہ اس عظیم مقصد (اقامتِ جہاد) کے ماتحت اور اشارہٴ غیبی سے تھا،

لہٰذا مولوی سید جعفر علی صاحب "منظورۃ السعدا" میں لکھتے ہیں :-

بنابر الہامیکہ در باب اقامتِ جہاد شذر بگر اے اقامتِ جہاد کے بارے میں آپ کو جو الہام ربانی ہوا
 شکر ظفر اثر، امیر الدولہ نواب امیر خاں بہادر مرحوم شذر اس کی بنا پر آپ نے نواب امیر خاں کے لشکر کی طرف تشریف لے گئے

اس لئے اگرچہ پہلی سے نواب حسنا کا لشکر بہت دور دراز فاصلے پر تھا اور عام بدامنی اور بے نظمی کی وجہ سے راستے پر خطر اور سفر نہایت مخدوش تھا لیکن آپ نے یہ سفر نہایت سکون و اطمینان اور جمعیت خاطر کے ساتھ طے کیا، مولوی سید محمد علی "مخزن احمدی" میں لکھتے ہیں :-

متوکلًا و مقصمًا بحفظہ بفرایغ بال فردا وحیداً
خدا کے توکل اور اس کی حفاظت پر اعتماد کرنے ہوئے
شاداں و فرحاں مانند کسے کہ سیر پوتاں باخا
اطمینان قلب کے ساتھ آپ تین تہا شاداں و فرحاں
دوتاں می رود، از بلدہ شاہ جہاں آباد نہفت
جیسے کوئی باغ کی سیر یا کسی دوست کے گھر جانا ہے
فرمود بعد طی مراحل و منازل کہ ہر مرحلہ ہفت
شہر دہلی سے روانہ ہوئے اور ایسی منزل لیل و در محل
نواں رستم و اسفندیار بود، طے فرمودہ بوجود
طے کرتے ہوئے کہ ہر مرحلہ رستم و اسفندیار کے ہفت خوا
فیض آمد خود شکر را منور و مشرف ساختند
سے نہ تھا، آپ نے شکر کو اپنے شرف قدم سے مشرف فرمایا۔

”وقائع احمدی“ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں اہل لشکر آپ سے ناواقف تھے بعض لوگ اس سے زیادہ نہیں جانتے تھے کہ آپ ایک مرد صالح اور شریف النفس شخص ہیں :-

”حضرت سید المجاہدین کے حال خیر آل سے اس فوج ظفر موج میں کوئی آگاہ نہ تھا
بعض بعض جانتے تھے کہ یہ شخص سید آل رسول پر سیزگار نیک کردار ہے“

لیکن یہ حالت زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہی بہت جلد آپ کی لٹہیت و پاک نفسی عبادت و مجاہدہ، زہد و توکل اور قبولیت دعا کا چرچا ہو گیا، لوگوں نے جب آپ کی مقبولیت کی علامتیں و بزرگی کے واقعات دیکھے تو بہت لوگوں کو اعتقاد ہوا بعض ان واقعات کو ان چیزوں پر محمول کرتے تھے جن کا اس زمانے میں رواج تھا یہ مسئلہ سے مذکور ہونا تو آپ پوری بے تکلفی سے اس کی حقیقت بیان فرماتے ”وقائع“ میں ہے:

”اس طرح کی جب کئی کراہتیں حضرت سے ظہور میں آئیں تب لشکر کے اکثر لوگ معتقد ہوئے بعض شخص

کہتے تھے کہ یہ صاحب خدمت اس لشکر ظفر سیکر کے ہیں اور بعض کہتے کہ سحاب لہ عوا اور ضار لہ عوا

ہیں لشکر میں نواب مستطاب مرحوم و مغفور کی کثرت سیر و دور کے سبب اکثر پیادے اور سواروں پر کھانے دانے کی تنگی اور تکلیف ہوتی تھی مگر اثر خالق کی عنایت بے نہایت حضرت سید المجاہدین کی جہت میں سب طرح سے فراغت اور فراخی رہتی تھی یہ حال خیال کر کے اکثر مرد نادان گمان کرتے تھے کہ ان کو نواب صاحب مرحوم شاید کچھ پوشیدہ بھیجتے ہیں یا ان کو کیا آتی ہے یا دست غیبی، جو آپ کے یہاں تنگی و تکلیف نہیں اور بعض یار و آشنا یہ بات آپ کے سامنے کہتے آپ ان کے فرماتے کہ ان تینوں باتوں کا ایک بھی نہیں میرا پروردگار محض اپنے فضل و کرم سے روزی پہنچاتا ہے اور جس روز نواب مستطاب کے چہ عنایت ہوتا ہے سب کو معلوم ہے کہ میں لوگوں کو اسی دم تقسیم کر دیتا ہوں!

لشکر میں صلاح و تبلیغ

آپ اپنی عبادات و ریاضت اور لشکر کی سپاہیانہ زندگی کے ساتھ اصلاح و ارشاد میں بھی مشغول تھے، لشکر جس میں ایک ایک وقت میں چالیس چالیس پچاس پچاس ہزار مسلمان سپاہی رہتے تھے اور تبلیغ کا ایک وسیع میدان تھا، سپاہی پیشہ لوگ عموماً ناخواندہ یا کم پڑھے، ضروریات دین کا واقف اور دینی علمی ماحول کے اثرات سے دور ہوتے ہیں آپ کی زندگی چونکہ خود سپاہیانہ تھی اور آپ ان میں گھلے لے رہتے تھے اس لئے آپ کو اپنے ساتھیوں کی اصلاح و تربیت کے بہترین موقع حاصل تھے لشکر کے سپاہی اور شاگرد پیشہ آپ کو درویش باخدا سمجھ کر مختلف ضرورتوں اور پریشانیوں میں آپ کے پاس آتے اور دعا کی درخواست کرتے آپ سنتِ یوسفی کے مطابق ان کی دیکھائی اور کار بر آری بھی کرتے اور عقیدہ صحیح کی تعلیم بھی کرتے، خلافتِ شرع ائمہ سے توبہ کرتے اور ارکان و فرائض دین کی پابندی کا اقرار لیتے یہاں "وقائع" سے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں جن سے آپ کے طریقہ تبلیغ اور اس کے اثرات کا اندازہ ہوگا۔

ایک سپاہی جو نار و دین مبتلا تھا، حضرت امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوا اپنے فریاد۔

”اگر تم سب بڑے کاموں کے توبہ کرو اور پانچوں وقت کی نماز پڑھنے کا اقرار کرو تو میں اپنے
 شافی مطلق اور معبودِ برحق سے دعا کروں وہ اپنی عنایتِ بے نہایت سے شفا بختے، وہ پیاسی
 بے چارہ مصیبت کا مارا اسی دم تمام افعالِ شنیعہ سے تائب ہو اور ادائے نماز پنجگانہ کا
 اقرار کیا اپنے اسی طور اس کے زخم پر بھی ربِ مبارک لگا دیا اور اسی طور پر فرمایا اور کہا ”جو کچھ
 دوا اس پر لگائی ہے، دور کر، اللہ تعالیٰ شفا دے گا“ حکمتِ الہی سے کئی روز میں وہ بھی
 چمکا ہو گیا، یہ خبر شکر میں شہور ہوئی، ان دنوں شکر میں کئی آدمیوں کے نار و نکلا تھا،
 جو آپ کے پاس آتا، اس کے زخم پر اپنا لبِ مبارک لگا دیتے اور فاسقوں نے نماز پڑھنے
 سے وہی اقرار لیتے، دو چار روز میں فضلِ الہی سے چمکا ہو جاتا۔“

”پنہاری بد بخت نامی نے جس کے یہاں سے آپ کے گھوٹے کا سالہ آتا، اپنی دکان
 میں برکت کی دعا کی استدعا کی اپنے فرمایا ”تمہارا نام کیا ہے اور کہاں رہتے ہو؟“
 اس نے عرض کی، نام میرا بد بخت، پھولا کیکڑی میں گھر ہے“ آپ نے فرمایا ”جو ہم تم سے
 کہیں، اس کو مانو تو ہم اپنے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں“ اس نے کہا ”آپ جو ارشاد
 کریں گے، بلا عذر قبول کروں گا“ فرمایا ”آج سے اپنا نام اللہ بخت رکھو اور
 سب بڑے کاموں سے تائب ہو، پانچوں وقت نماز پڑھو، جھوٹ نہ بولو، دعا فریب
 جان بوجھ کر نہ کرو، اپنا مال کسی کو کم نہ دو اور کسی غیر کا زیادہ نہ لو“ اس نے عرض کی
 ”یہ سب میں نے مانا، انشاء اللہ تعالیٰ کسی امر میں قصور نہ ہوگا“ آپ نے فرمایا ”اب جاؤ،
 اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے گا، تمہاری دکان میں برکت ہوگی“ وہ اپنی دکان پر گیا،
 عنایتِ الہی سے اسے ترقی ہوئی شروع ہوئی، اول تو اس کے پاس تین چار سیل

لانے اور ایک چھوٹا سا پاں سایہ کرنے کو تھا، قریب دو سال کے عرصے میں حضرت
 کی دعا سے نو دس بیلی اور چار اونٹ اور چھ سات نوکر چاکر اور بڑا سا پاں ہوا،
 ایک روز حضرت امیر المؤمنین کے پاس آکر التماس کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی
 دعا سے مجھ کو سب کچھ دیا، اب میری یہ آرزو ہے کہ جو کچھ دوا، سالہ وغیرہ حضرت کی
 سرکار میں درکار ہو، ہمیشہ بے داموں میری دکان سے آیا کرے، آپ نے فرمایا
 ”یہ ہرگز نہ ہوگا“ اس نے اس بات میں بہت بالغہ کیا، آپ نے کسی طور نہ مانا اور
 اپنے آدمیوں کو فرمایا کہ خبردار جو چیز ان کے یہاں سے آئے، کبھی بے قیمت نہ لینا^{لہ}۔
 ”میرے کے قاضی الشربخش اور ناگور کے قاضی خدا بخش آٹھ نو مہینے آپ کے
 پاس رہے، اور قرآن شریف درست کر لینے کے بعد آپ سے کہنے لگے کہ اب ہم کو
 حضور پر نور سے رخصت کرادیں، ہم اپنے غریب خانے کو جائیں گے، آپ نے فرمایا
 ”بہت خوب مگر ایک نصیحت ہماری مانو اور سچ جانو تو اللہ تعالیٰ تمہارا دین دنیا
 میں بھلا کرے گا“ انھوں نے کہا ”آپ جو فرمائیں گے، ہم حتم قبول ہے“ آپ نے فرمایا ”شکر
 کے اقوال افعال چھوڑ دو، یہی نصیحت ہے“ انھوں نے عرض کی ”حضرت، شکر
 کیا چیز ہے؟ ہم کو نہیں معلوم“ تب آپ نے تفصیل وارد کرنا شروع کیا اور توبہ کروائی
 اور دونوں کو ایک ایک ٹوپی عنایت فرمائی اور رخصت دلا دی وہ اپنے وطن کو چلے گئے^{لہ}۔
 شکر میں فیلیان اور سائیس عموماً غیر محتاط اور بدبانت ہوتے ہیں، وہ ہاتھی گھوڑوں کے
 رات سے عام طور پر کچھ نکال لیا کرتے ہیں اور استعمال میں لاتے ہیں یا فروخت کر دالتے ہیں، اور
 بے زبان جانور بھوکے رہتے ہیں، اس طبع کا کوئی آدمی آپ سے دعا کی درخواست کرتا تو آپ خاص طور پر

اس سے وعذہ لیتے کہ وہ جانوروں کے راتب میں سے خورد برد نہیں کرے گا، اور جن کی بدلت خود اس کا پیٹ بھرتا ہے، ان کو پیٹ بھر کر کھلائے گا "وقائع" میں ہے۔

"شیخ محمد عبد السمیع، جو لشکر ظفر پیکر کے ہاتھی کا نشان بردار تھا، ایک روز اس نے حضرت سید المجاہدین کی ضیافت کی، آپ نگرانوں کے حضرت سید ظہور احمد اور ان کے بھائی سید عبد الرزاق اور شیخ محمد عارف کرناالی اور شیخ محمد ناصر نصیر آبادی وغیرہ قریب چودہ پندرہ آدمی لے کر ضیافت کھانے تشریف لے گئے، تناول طعام کے بعد ضاد عورت نے آپ کی خدمت میں عرض کی "حضرت میں روپے پیسے سے تنگ حال اور شکستہ بال ہوں، حضور پر نور ہمیشہ خرچ دینے کا وعدہ فرماتے ہیں، مگر ابھی تک کچھ ظہور میں نہیں آیا، آپ اس میں کچھ بشرتی الشکر کوشش کیجئے، شاید آپ کے وسیلے سے کچھ مل جائے" آپ نے فرمایا کہ "بھائی صاحب، ہاتھی کا جو راتب سرکار سے مقرر ہے، اس کی بخوبی حفاظت کیا کرو، کوئی اس میں دست اندازی نہ کرنے پائے، اللہ تعالیٰ تم کو فراغت عنایت فرمادے گا۔"

اس کے بعد رمضان خان فیلیان نے اسی بات کا شکوہ آپ سے کیا کہ میں اسی بلا میں مبتلا ہوں، آپ نے اس سے فرمایا "تم اس بات سے تو بہ کرو کہ جو کچھ تمہارا ہاتھی راتب سے مقرر ہے، اس کے سوا اس کے راتب سے ایک پیسہ بھر کوئی شخص نہ لینے پائے، تم کو بھی اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ خوش رکھے گا"۔

عملی شرکت و رفاقت

سید صاحب کے کم از کم چھ سال نواب میر خاں کی رفاقت اور ان کے لشکر میں گزرنے، لشکر کی

یہ رفاقت سخت مجاہد و جفاکشی اور باندھنی کو چاہتی تھی، اوسے پورے پورے بودھ پور، بھانپور، ہلکرا، سنقر، بھرت پور، بیکانیر، اجمیر اور ان کے درمیان کے صد ہا مقامات و قصبات ہمیشہ اس لشکر کی زد میں رہتے تھے، کبھی یہ لشکر مالوے میں ہے، کبھی راجپوتانے میں، کبھی مارواڑ میں ہے اور کبھی ہواڑ میں ہے۔ اب و گیاہ ریگستان، گھنے جنگل، غنیم کے ملک، خلیفہ کے قلعے، غرض جنگ کے ہر شیب و فراز اور ہر گرم و سرد سے گزرنا پڑتا، بیماری، فاقہ، تنگی، خطرہ، فتح و شکست، قلت و کثرت، افواج ہسب سابقہ تھا، سید صاحب ان تمام حالات میں لشکر کے شریک حال رہے، آپ نازک موقعوں پر نواب کے صحیح مشورہ دینے، اہل حاجت کی سفارش فرماتے، نواب صاحب کا معاملہ بھی آپ کے ساتھ برادرانہ اور مساویانہ تھا۔

آپ صرف ریاضت و مجاہدہ، دعائے خیر و برکت اور وعظ و نصیحت ہی پر اکتفا نہ فرماتے، نازک موقعوں پر خود شریک جنگ ہوتے، فوج کا حوصلہ بڑھانے اور قائدین کو جنگ کی تدبیر اور صلاح بتلانے، جے پور کی فوج کشتی کے موقع پر "وقائع" میں آتا ہے کہ موتی ڈونگرٹی کے وئے جو نالہ تھا، اس میں کئی ہزار آدمی چھپے تھے، وہ وہاں سے بھاگ کر موتی ڈونگرٹی کے پاس اکھڑے ہوئے، نواب صاحب نے عمر خاں رسالے دار سے فرمایا کہ تم اپنا مورچہ اس نالے میں کر دو، رسالے دار صاحب نے پس و پیش کیا کہ میرے ہمراہ سوار ہیں اور نالے کی طرف سب پیادہ ہیں، ایسی صورت میں بڑا خطرہ ہے، وہ کچھ عذر رسا کرنے لگے، سید صاحب نے نواب صاحب سے فرمایا کہ اگر ارشاد عالی ہو تو میں عمر خاں کے ہمراہ رہوں، نواب صاحب نے فرمایا کہ ہم آپ کو اپنے ساتھ رکھیں گے، یہاں ہرگز نہ چھوڑیں گے، آپ نے عمر خاں رسالے دار سے فرمایا کہ بھائی صاحب! خدا کو یاد کیجئے، کوئی بے موت نہیں مرنے والا، انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی فتح اور دشمن کی شکست ہے، نواب صاحب نے بھی

۱۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "ایرنامہ" از ص ۲۹ تا ۵۵

رسالے دارموصوف کو بہت تسلی دی اور سپاہیوں کی فوج عطا کی اور چند ضرب توپ بھی عنایت
 فرمائی وہ موتی ڈونگری کی کوا بنے طرف چھوڑ کر آگے بڑھے اس عرصے میں مخبروں نے خبر دی کہ
 چاند سنگھ راجہ کارسالے دارقرب میں سزاواروں کے ساتھ حاجی کے باغ کو پشت دئے کھڑا
 ہے آگے چل کر جو دیکھا تو رسالے دار مذکور کے سوار نمودار ہوئے لشکر کے لوگ گھبرائے اپنے
 دعا کی اور نواب صاحب سے کہا "میں آگے چلتا ہوں آپ لشکر کو ہمراہ لئے ہوئے میرے پیچھے
 کچھ فرق سے آئیے" نواب صاحب نے فرمایا کہ آپ تنہا ہرگز نہ آئیں آپ کے کچھ خیال نہ کیا اور چھ سواروں
 کے ساتھ آگے بڑھے جب دشمن کے سوار ایک گولے کی زد پر پڑے تو چاند سنگھ رسالے دار سپاہیوں
 کے ساتھ حاجی کے باغ میں چلا گیا اسی وقت نے رومال ہلا کر اشارہ کیا کہ آپ جلد فوج لے کر چلے آئیں
 رسالے دار سپاہیوں کو شہر میں چلا گیا اسی وقت نے باغ کے برج پر چڑھ کر رومال کے اشارے
 سے نواب صاحب کو بلایا، نواب صاحب باغ میں داخل ہو کر ایک مکان کے گوشے پر چڑھ گئے
 اور دور میں لگا کر مخالف کی فوج کو دیکھنے لگے اسی وقت برج سے اتر کر ایک آم کے درخت کے
 سائے میں باغبان کے جھونپڑے کے قریب بائیس آدمیوں کے ساتھ جا بیٹھے وہاں بہ نسبت
 اور جگہ کے زیادہ امن تھا، ہر طرف توپوں کے گولے اولوں کے مانند گرتے تھے کچھ دیر میں شام
 ہوئی، اسی وقت دوبارہ آدمیوں کے ساتھ پھر اسی برج پر تشریف لے گئے اور نماز مغرب وہیں
 ادا کی، نماز کے بعد لوگ آپس میں کہنے لگے کہ آج اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل فرمایا ہم کو فتح عنایت کی
 اور چاند سنگھ باوجود اتنے سواروں کے ہمارے مقابلے سے ہٹ گیا۔

نواب میرزاں کی انگریزوں سے مضاحمت

نواب میرزاں اگرچہ بعض مرہٹہ سرداروں اور راجپوت رئیسوں کے حلیف اور رفیق رہے

لیکن اس پورے عرصے میں وہ انگریزوں کے حریف اور ان سے برسرِ جنگ رہے ۱۲۲۱ء میں جب جنرل لیک جھٹانے موٹھی صاحبِ ناظم بند لکھنؤ کے ذریعے نواب کے پاس پیغام بھیجا کہ اورنگ آباد میں جس قدر ملک اصلی حساب وغیرہ نے آپ کو دینا چاہا تھا، اس پر تیرہ لاکھ روپے کا ملک اور اضافہ کر کے ہم دینا چاہتے ہیں، لے لیجئے اور اس تاخت و تاج سے باز آئیے تو نواب نے جواب دیا کہ ہمارا عزم ہے کہ تمام ہندوستان پر حکمرانی کریں، اتنا سا ملک مال کیوں لیں؟ وہ انگریزوں کو اس ملک سے نکالنے پر یہاں تک آمادہ تھے کہ رنجیت سنگھ سے مدد حاصل کرنے کے لئے امرتسر تک پہنچ گئے، مولف "امیر نامہ" کا بیان ہے کہ "پٹیلے سے اس عزم پر بہت نصیحت کی کہ رنجیت سنگھ سے سازش کر کے انگریزوں پر لوٹیں، اگر سنگھ ساتھ نہ دیں، شاہ شجاع الملک بادشاہِ کابل سے ملیں، شاہ کے ظلِ حمایت میں معاندین سے انتقام لیں، ۱۲۲۱ء میں جب ہلکے انگریزوں سے مصالحت کا فیصلہ اور ابتدائی بات چیت کر لی تو نواب نے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور کہا کہ رنجیت سنگھ وغیرہ رئیسوں میں ہمت نہیں کہ ہماری امداد کریں، شجاع الملک کالانا کیسا؟ وہاں تک پہنچنے ہی کا خرچ ہمارے پاس نہیں، اب آپ کی کیا صلاح ہے؟ نواب نے جواب دیا:-

"رنجیت سنگھ وغیرہ میں ہمت نہیں، نہ ہی میں کابل جاتا ہوں، بہر طور

شاہ کو کمک پر لاتا ہوں، ہمارے پاس دس ہند رہ لاکھ کے جواہر ہیں، یہ شاہ کو

دوں گا، باقی دہلی لکھنؤ سے وصول کر کے دینے کا اقرار کروں گا، انگریزوں کو

ہند سے نکالوں گا!"

ہمارا ج نے کہا: "اور جو شاہ نہ آئے؟" میر نے کہا: "کچھ پروا نہیں، ایک تک

جا کر اپنے ہم وطن ہم قوم پھانوں کو جمع کروں گا، لاکھوں یوسف زئی ساتھ لے کر لوں گا۔
لیکن رفتہ رفتہ انگریز برسرِ جنگ طاقتوں اور ریاستوں کو توڑتے رہے اور خود ان کے حالاً کوتاہ نظری
بے نظمی اور فسقوں کی خود غرضی ان کو اس بڑھتی ہوئی طاقت کے ساتھ مصالحت اور اپنے ذاتی
مصلح کی حفاظت پر مجبور کرتی رہی یہاں تک کہ ۱۸۱۶ء میں ایک طرف پشوانے سٹراٹفینٹن
کے ساتھ معاہدہ کر لیا، کچھ ہی عرصے بعد سندھیانے بھی ایک معاہدہ صلح پر دستخط کر دیئے بالآخر چنور
۱۸۱۶ء کو نواب کے رفیق قدیم بہاراجہ بلکرنے بھی مصالحت کرنی اور نواب تین تہارہ گئے۔

۱۲۳۲ھ میں نواب مادھورا چورہ کے قلعے کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، جہاں اخوندزادہ
محمد ایاز خاں کے متعلقین جو نواب کے اعزہ خاص تھے، محصور و محبوس تھے، اس محاصرے نے بہت
طول کھینچا، نواب نے دوبار قلعے کی تسخیر کی خاص سی وندبیری کی لیکن ولایتیوں کی غلط فہمی اور فوج کی
عجالت کی وجہ سے ناکارہی، اسی عرصے میں انگریزی افواج نے چار سمت سے بڑھنا شروع کیا اور
نواب کے گرد گھیرا ڈال دیا، جنرل ڈنکین بہت بڑی اور جرار فوج کے ساتھ آگرے سے چل کر راجپور
سے پنڈرہ کوس کے فاصلے پر پہنچ گیا اور کوٹہ جانے کا راستہ بند کر دیا، دہلی سے جنرل آکٹر لونی ایک
زبردست فوج اور عظیم الشان توپ خانے کے ساتھ آیا، اب نواب کے لئے نہ پنڈاروں سے ملنے
کا موقع تھا، نہ سیندھیانے اور بلکرنے سے ربط قائم کرنے کا، ایک انگریزی جہیش خود نواب کے لشکر کے دھو
میں حائل ہو گیا، خود انگریز مورخین کا بیان ہے کہ کمپنی نے پہلی مرتبہ اپنی سب سے بڑی فوجی طاقت
جو ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی، پنڈاروں کی سرکوبی کے لئے جمع کی، اس سب کے ساتھ

۱۵۰ امیر نامہ ۳۶۴ ۲۰ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "امیر نامہ" ۵۵۳-۵۵۶

۱۵۱ (R.W. FRAZER'S "BRITISH INDIA" P 190) کمپنی نے پنڈاروں کی سرکوبی کو

اس فوجی نقل و حرکت کا سبب قرار دیا تھا، لیکن اس کا اہم مقصد ہندوستان کی آخری آزاد فوجی طاقت روہیلہ پٹواروں
(باقی صفحہ ۱۲۵ پر)

انھوں نے نواب کے بعض قدیم رفیقوں کو توڑیا، فیض اللہ شاہ سنگت نواب کے قدیم رسالے دار
انگریزوں سے مل گئے، نواب کو خطرہ ہوا کہ بعض رفقاء نے قدیم اور افسران فوج ان کو انگریزوں
کے سپرد کر دیں گے، ان نازک حالات میں کہ یہ ”شہباز“ بالکل دام میں آ گیا تھا، انگریزوں نے
نواب کے بعض معتدین کے ذریعے نواب کو صلح کی ترغیب دی، شکاف صنانے دہلی سے نرجن لال کو
ایک عہد نامے کا مضمون دے کر بھیجا کہ نواب اس پر دستخط کر دیں تو ہمارے ان کے درمیان فوراً
صلح ہو جائے، اس مصاحبت کی خوبیاں اور آئندہ منافع کی توقعات نواب کے ذہن نشین کیں اور
مصاحبت پر آمادہ کیا، نواب نے راجپورہ ٹھاکر سے صلح کر کے محاصرہ اٹھالیا، انوندرزادہ محمد ابا زخا
کے متعلقین کو رہا کر آیا اور داتا رام کو بوجے پور میں نواب کے سفیر کے طور پر مقرر کیا، لکھا کہ تم جنرل
اختر لونی (آکٹر لونی) کے پاس جا کر ہماری طرف سے صلح کی آمادگی کا اظہار کرو اور صلح نامہ
مترتب کرو، نواب اور جنرل آکٹر لونی کی ملاقاتیں اور رابطہ ضبط قائم ہو گیا، عہد نامے کا مسودہ
دہلی بھیجا گیا اور ۹ نومبر ۱۸۱۶ء کو نواب کے کوئل نے اصل معاہدے پر دستخط کر دیئے، ۱۵ نومبر کو
گورنر جنرل نے اس معاہدے کی تصدیق کر دی، اس صلح نواب کی سی سالہ فوجی سرگرمیاں اور
اولوالعزمیاں ختم ہو کر ریاست ٹونک کی بنیاد پڑ گئی، جو انگریزوں کی چالاک اور نواب کی
سادہ لوحی سے راجپوتانے اور مالوے کے چند متفرق منتشر علاقوں پر مشتمل تھی جو ہمارا جبر ہل کرنے
(باقی صفحہ ۱۲۴ کا) اور امیر خاں کا انتظام تھا، انگریز مصنفین نے بڑی چالاک کے ساتھ نواب امیر خاں کو
پنڈارہ شہور کیا، حالانکہ پنڈارے جنوبی ہند کی ایک غیر منظم اور جنگ بوطاقت تھی جو ہندوستان کے پچھلے عہد
انتشار اور مرہٹہ گردی کے دور میں پیدا ہو گئی تھی انھوں نے غارت گری کا پیشہ اختیار کر لیا اور حالات کا فائدہ اٹھایا
ان کا تعلق نواب سے صرف اتنا تھا کہ نواب نے بعض موقعوں پر ان کے بعض سرداروں کو پناہ دی تھی اور ان کو اپنی
حایت میں لیا تھا اور وہ کبھی کبھی نواب کا ساتھ دے دیا کرتے تھے۔

نواب کے سپرد کر رکھے تھے، فوج جس میں ہندوستان کا بہترین فوجی عنصر تھا، جو پورے ملک کی طاقت کا سرمایہ ہو سکتا تھا، منتشر کر دی گئی، صرف اتنے آدمی رکھے گئے، جو علاقوں کے انتظام کے لئے ضروری سمجھے گئے، توپ خانہ اور ساز و سامان انگریزوں نے صلح کی ایک شرط کے مطابق خرید لیا۔ نواب نے عہد کیا کہ وہ کسی علاقے پر حملہ نہیں کریں گے بلکہ پنڈاروں کی "سرکوبی" میں کمپنی کی مدد کریں گے، نواب نے اپنے وطن مائوت پر گنہ سنبھل کا بھی مطالبہ کیا تھا، جو ان کے مرکز حکومت بہت دور صوبجات متحدہ میں واقع ہے، لیکن اول اس کا تبادلہ پول سے کیا گیا، پھر اس کے بجائے بھی ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ کا وظیفہ مقرر ہو گیا۔

سید صاحب کی طرف سے صلح کی مخالفت اور شکر سے جدائی

صلح کی ساری کارروائی صیغہ راز میں ہوئی، لوگوں کو اس بات چیت کا اس وقت علم ہوا جب آخری مسودہ نواب کے پاس پہنچ گیا، نواب کے رفقا اور مشیران کار میں سے اکثر کی رائے تھی کہ صلح کر لی جائے، لیکن سید صاحب اس صلح کے مخالف تھے، اپنے آخر آخر تک نواب کو اس سے باز رہنے کا مشورہ دیا اور اس کے خطرات سے آگاہ کیا، لیکن نواب اپنے کو ان حالات میں بالکل مجبور دے پائے تھے، سالہا سال کی تنگ دو اور جانفشانیوں کا (جو افسوس ہے کہ بے نظمی اور بے تدبیریا کے ساتھ جاری رہیں) نتیجہ دیکھ کر ان پر ایسی افسردگی اور سست بہمتی طاری تھی اور انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقبال سے وہ اس درجے متاثر تھے کہ وہ چھوٹی سی ریاست کے گوشہ عافیت کو غنیمت سمجھ رہے تھے، سید صاحب حالات سے اس درجے متاثر نہ تھے، ان کے نزدیک یوسی کی کوئی وجہ نہ تھی، نواب کے انگریزوں کا مقابلہ اور اس بڑھتے ہوئے خطرے کا سدباب کرنا چاہئے تھا، جس کی زد میں سارا

۱۲۶ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "امیر نامہ" ۵۵۴-۵۶۳

ہندستان اور بالآخر سارا عالم اسلام تھا، ان کے نزدیک یہ ہندستان کی آخری آزاد اور جنگجو طاقت تھی جس کو اس آسانی کے ساتھ سپر انڈیا اور مقابلے سے دستبردار نہیں ہونا چاہئے تھا، مگر ان کو جلد معلوم ہو گیا کہ نواب کی قوتِ مقابلہ جواب دے چکی ہے اور صلح کے سبب مراحل طے ہو چکے ہیں اس کے باوجود بھی آپ نے "افہامِ تفہیم" کا سلسلہ جاری رکھا، جب یہ محسوس کر لیا کہ اب کوئی گفتگو کارگر نہیں ہو سکتی اور مصاحبت ایک طے شدہ امر ہے، تو آپ نے لشکر سے مفارقت اور دہلی کو واپس آجاتے کا فیصلہ فرمایا، گویا آپ کی رفاقت و شرکت کی شرط یہی تھی کہ نواب ایک زاو طاقت کی حیثیت سے باقی رہیں اور صلحِ مطمح نظر یہ تھا کہ آپ جلد یا بدیر اس آزاد طاقت کو صحیح طرح پرکائیں اور اس سے اسلامی اقتدار کے قیام اور ہندستان کے استخلاص و استقلال کی ہمہ میں کام لیں جب یہ امید بالکل منقطع ہو گئی تو آپ نے لشکر سے مراجعت فرمائی اور دہلی کا رخ کیا، وقائعِ احمدیٰ میں ہے:-

"مادھورا چولے پر فوج کشی کے سلسلے میں انگریزوں سے صلح کر لینے کا مشورہ ہوا، حضرت کی رائے کسی طرح اس کی نہ تھی اور آپ کا مشورہ جنگ جاری رکھنے کا تھا، مصاحبت کو کسی طرح مناسب نہیں سمجھتے تھے، خود نواب صفا کی بھی یہی ہوشی تھی، مگر لشکر کی بے سرو سامانی اور اہل لشکر کی خود غرضی اور نا اتفاقی کا اندر کرتے تھے، اور خیال تھا کہ دس پانچ لاکھ روپیہ لے کر ہمارا جہلکری طرح لشکر کا ساز و سامان درست کر کے لوٹیں گے، حضرت نے فرمایا، مصاحبت کرنے کے بعد آپ سے کچھ نہ ہو سکے گا، لیکن نواب صفا ملنا ہی مصلحت سمجھتے تھے، انہوں نے اس کی تیاری کی، حضرت نے فرمایا کہ اچھا آپ انگریزوں سے ملتے ہیں تو میں رخصت ہوتا ہوں، نواب صفا نے بہت سمجھایا، مگر حضرت نے نہ مانا، چند آدمی ہمراہ لے کر جے پور چلے گئے، دوسری ملاقات میں فرمایا کہ نواب صفا

ابھی کچھ نہیں گیا، اختیار باقی ہے، آپ کی فہمائش کو آیا ہوں، اگر میرا کہنا ماننے تو ان کے
 رٹے اور سرگز نہ لئے، ملنے کے بعد آپ سے کچھ نہ ہو سکے گا یہ کفار بڑے دغا باز اور مکار ہیں
 کچھ آپ کے واسطے تنخواہ یا جاگیر وغیرہ مقرر کر کے کہیں بٹھا دیں گے کہ روٹیاں کھایا
 کیجئے، پھر یہ بات ہاتھ سے جاتی رہے گی، یہ فرما کر آپ تشریف لے گئے، مصاحبت
 کے بعد ایک مرتبہ پھر آپ شکر میں تشریف لائے جس کسی سے کچھ لینا دینا تھا لیا دیا
 اور نواب حسنا سے ملاقات کی نواب حسنا بہت ابدیدہ ہوئے اور کہا حضرت
 جو کچھ تقدیر میں تھا، وہی ہوا، حکم الہی سے چارہ نہیں، اب آپ ہلی کو جاتے ہیں
 تو صاحبزادہ محمد وزیر خاں کے ہمراہ جائیے، آپ نے قبول کیا اور کچھ دن کے
 بعد ایک خط شاہ عبدالعزیز صاحب کو لکھا کہ "خاکسار قدس پوری کو حاضر ہوتا ہے،
 یہاں شکر کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا، نواب حسنا انگریزوں سے مل گئے،
 اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے"



پانچواں باب

دہلی کا تیسرا سفر اور دو آبے کا تبلیغی دورہ

دہلی کا تیسرا سفر

۱۲۳۲ھ میں مادھورا چولے میں نواب میرزاں کی انگریزوں کے ساتھ مصالحت کے بعد برصغیر میں ان سے جدا ہو کر دہلی تشریف لائے تو اگرچہ سن و سال کے اعتبار سے آچھے ان تھے، مگر اپنی اعلیٰ فطری استعداد و ملکات منفرد صلاحیتوں، مجاہدات و ریاضات اور وسعت و تائید الہی کی بنا پر ذہنی و اخلاقی و روحانی ارتقا کی وہ منزلیں طے کر چکے تھے جو اس سے بڑی عمر میں بھی نساذ و نادر طے ہوتی ہیں، آپ کی باطنی استعداد اور اندرونی صلاحیتیں اپنے پورے بلوغ کو پہنچ چکی تھیں اور آپ کو دین و شریعت اور سلوک و طریقت کا لب لباب حاصل ہو چکا تھا۔ "صراطِ مستقیم" کا مطالعہ جو ۱۲۳۳ھ میں مرتب ہوئی، صاف بتلاتا ہے کہ تینتیس سال یہ جو اس سال

لے "صراطِ مستقیم" کی ترتیب و تسوید ۱۲۳۳ھ میں دہلی میں ہوئی نہ کہ ۱۲۳۲ھ کے بعد رائے بریلی میں جیسا کہ "سیر سید احمد شہید" کی پہلی اشاعتوں میں اور "سید احمد شہید" میں ظاہر کیا گیا ہے اس کا سب سے بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ خود اس کتاب کے مرتب مولانا شاہ اسماعیلؒ اس کتاب کی ترتیب کا سن ۱۲۳۳ھ لکھتے ہیں، فصل چہارم کے افادہ پنجم (جہاد) میں فرماتے ہیں "حال ہندوستان را دریں جزو زمان کہ سن یک ہزار و دو صد سی و سوم است کہ اکثرش دریں ایام دارالحرب گردیدہ" (صراطِ مستقیم ص ۹۵)۔ (باقی صفحہ ۱۳۰ پر)

شیخ سلوک تربیت اور حقائق و معارف الہیہ میں درجہ اجتہاد و امامت کو پہنچ چکا ہے اور اس کا شمار تالیف اسلام کی ان ممتاز ترین شخصیتوں میں ہونا چاہیے جو اس فن کی تدوین جدید اور تہذیب و تجدید کا فرض انجام دیتی ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ کا خواب

دہلی پہنچنے سے ایک ہفتہ قبل جس شب کو آپ نے لشکر سے دہلی کا رخ فرمایا حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جامع مسجد دہلی میں تشریف رکھتے ہیں اور لوگ دور دور سے جوق در جوق زیارت کے لئے آ رہے ہیں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ صاحبؒ کو شرف باریابی عطا فرمایا اور عصا مبارک دے کر فرمایا کہ اس عصا کو لے کر مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو آنا چاہے اندر آ کر اس کا حال عرض کرو اور میری اجازت سے اندر بھیجنا شاہ صاحبؒ نے اس کی تعمیل کی اور ہزار ہا بندگان خدائے حضورؐ کی زیارت کی۔ صبح اٹھ کر شاہ صاحبؒ سے پہلے حضرت شاہ غلام علیؒ خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جانا

(باقی صفحہ ۱۴۹ کا) دوسرا ثبوت یہ ہے کہ بیدار شاہ کا دو آبہ (سہارنپور وغیرہ) کا دورہ بالاتفاق ۱۲۳۲ھ میں ہوا ہے مفتی الہی بخش کا نزول صوبہ ملہاٹ احمدیہ میں لکھتے ہیں "سنۃ الف و ائینین و اربع و ثلاثین در ماہ ربیع الاول بتالیف ہفت و ہم بلا زمت آن برگزیدہ جناب الہی مجذوب طریقہ و رسالت پناہی فائز گردانید" اس سفر سے پیشتر "صراط مستقیم" تصنیف ہو چکی تھی مفتی صاحب کو اسی سفر میں اس کی تلخیص کا خیال پیدا ہوا اور انھوں نے اس کام کو شروع کیا، تحریر فرماتے ہیں "پس از کتاب صراط مستقیم کہ از لفظ شاہ جناب فلک قیاب سن بطور ایجاز و اختصار اعمال خالصہ انتخاب نمودہ رسالہ کافیہ و بلیغہ وافیہ برائے خود و دوستان خود تیار نماید" (ملہاٹ احمدیہ صفحہ ۳)

رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئے اور خواب کی تعبیر چاہی شاہ غلام علی نے فرمایا
 ”سبحان اللہ! یوسف وقت مجھ سے تعبیر پوچھتا ہے! شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس خواب کی
 تعبیر میں آپ ہی کی زبان سے سننا چاہتا ہوں! شاہ غلام علی نے فرمایا کہ اس خواب کے معلوم
 ہوتا ہے کہ آپ کے یا آپ کے کسی مرید رشید کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت
 و فیض کا سلسلہ جاری ہوگا! شاہ عبدالعزیز نے فرمایا کہ میرے خیال میں بھی یہی تعبیر آئی تھی۔
 ایک ہفتے کے بعد یہ صاحب دہلی تشریف لائے اور حسب معمول اکبر آبادی مسجد میں
 قیام فرمایا اور لوگوں کا رجوع شروع ہوا۔

اکبر آبادی مسجد میں قیام

”وقائع احمدی“ سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی پہنچ کر صاحبزادہ محمد وزیر خاں تو قاضی کے
 حوض پر بلند بیگ خاں کی جوہلی میں اترے اور یہ صاحب نے اجمیری دروازے کی سرائے میں قیام
 فرمایا، رات کو وہیں رہے، صبح کو غسل کر کے اور پوشاک بدل کر آپ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر
 ہوئے اور پچیس روپے نذر دیئے، شاہ صاحب نے آپ سے تو اب امیر خاں کے لشکر کا حال اور تفصیلات
 دریافت کیں، آپ نے تفصیل کے ساتھ وہاں کے حالات سنائے، شاہ صاحب نے اپنے خواب کا تذکرہ
 کیا اور فرمایا کہ اس خواب کو ایک ہفتہ نہیں گزرا کہ آپ کی آمد ہوئی، شاہ صاحب نے آپ کے قیام
 کے لئے آپ کی قدیم جگہ مسجد اکبر آبادی تجویز کی اور مولانا محمد اسماعیل، مولانا عبدالحی، حافظ
 قطب الدین، مولوی محمد یعقوب، مولوی محمد یوسف اور مولوی وحید الدین اور کئی صاحبوں کے فرمایا کہ
 آپ کا اسباب سرائے سے مسجد میں منتقل کر دیں، مولانا شاہ عبدالقادر کا کئی سال پیشتر انتقال ہو چکا تھا

سید صاحب مسجد اکبر آبادی میں داخل ہوئے اور رکعت نماز ادا کی اور جس حجرے میں شاہ عبدالقادر
رہا کرتے تھے تشریف لے گئے، پھر صحن مسجد میں آکر بیٹھے اور لوگوں سے ملاقات کی۔

ارشاد و تربیت کا آغاز

اس زمانہ قیام میں شاہ صاحب کا معمول تھا کہ جو صاحب استعداد اور طالب صادق سلوک
کی تعلیم اور توجہ و افادہ باطنی کا طالب ہوتا، اس کو سید صاحب کے سپرد کر دیتے، چنانچہ ایک بخاری عالم
کو جو ملا بخاری کے لقب سے مشہور تھے، سید صاحب کے سپرد کیا، ملائے مذکور نے آپ کی سپاہیانہ وضع
دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ یہ تو ایک مرد سپاہی صورت میں یہ مجھ کو کیا تعلیم دیں گے؟ اور سید صاحب سے
پوچھنے لگے کہ آپ کے کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں اور کن علوم کی تحصیل کی ہے؟ آپ خاموش رہے شاہ صاحب
نے فرمایا کہ ملا صاحب آپ کو اس بے فائدہ گفتگو سے کیا مطلب؟ سمجھ لو کہ جو تم کو میرے پاس بارہ برس
میں لے گا، ان کی خدمت میں تم کو وہ بارہ دن میں حاصل ہوگا، ملا صاحب نے سید صاحب کے حجرے کے برابر
دوسرے حجرے میں اپنا بستر ڈال دیا اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے اور تھوڑے عرصے میں اپنے مقصد
میں کامیاب ہو کر اپنے وطن واپس گئے، سید صاحب اکثر فرماتے تھے کہ ہم نے ایسا مشتاق طالب خدا نہیں
دیکھا اور وہ ملا صاحب کہتے تھے کہ میں بہت شہروں میں پھرا، مگر ایسا مرشد شفیق تعلیم کرنے والا نہیں پایا۔
مولانا عبدالحی اور مولانا شاہ اسمعیل کی ارادت بیعت

مولانا عبدالحی اور مولانا اسمعیل خاندان ولی اللہی کے چشم و چراغ تھے اور شاہ عبدالعزیز

لہ "وقائع احمدی" ص ۸۵-۸۴-۸۸ ۲۷ یہ مناسبت اور قوتِ افاضہ کی بات ہے اور شاہ کبار کے

تذکروں میں اس کی مثالیں کثرت ملتی ہیں اس میں کسی شیخ کامل کا نقص نہیں طالب کی مناسبت اور مرگی کی قوتِ افاضہ

کا معاملہ ہے جس کا ادراک شیخ کامل اپنی فراست و بصیرت اور تجربے سے کر لیتا ہے۔ ۳۷ "وقائع احمدی" ص ۹۳-۹۴

شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے بعد ہندستان کے ممتاز ترین علما میں ان کا شمار تھا۔ علمی تبحر، رشد و صلاحیت اور تقویٰ و لہبیت میں اپنے ہم عمروں اور اقران و امثال میں ممتاز تھے ان کی علمی عظمت اور صحیح منزلت کا اندازہ شاہ عبدالعزیز کے اس خط سے ہوگا، جو آپ نے مفتی خیر الدین کو لکھنؤ حج کے متعلق لکھا ہے اس میں آپ نے مولانا عبدالحی کو شیخ الاسلام اور مولانا اسماعیل کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے اور دونوں کو تاج المفسرین، فخر المحدثین، سرآمد علماء محققین کا خطاب دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ دونوں حضرات تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں جناب باری کی جو عنایت ان دونوں بزرگوں کے شامل حال ہے اس کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا، ان دونوں کو علمائے ربانی میں شمار کرو اور جو اشکال حل نہ ہوں ان کے سامنے پیش کرو، بظاہر ان کلمات سے اپنی تعریف نکلتی ہے لیکن امر حق کا اظہار و اقبول پر واجب ہے۔

ایک روز مولانا عبدالحی نے اور ان کے بعد مولانا اسماعیل نے یہ دعویٰ کیا کہ بیعت کی درخواست کی اور دونوں حلقہ ارادت اور سلک بیعت میں منسلک ہو گئے، ان کی بیعت کا واقعہ اور اس کا سبب مختلف کتابوں میں مختلف طریقے پر بیان ہوا ہے، اس سلسلے میں سب سے مستند اور مفصل روایت وہ ہے جو مولانا کرامت علی جوہر نے خود مولانا عبدالحی کے حوالے سے بیان کی ہے،

۱۔ یہ خط حج کے سلسلے میں مفصل نقل کیا جائے گا ۲۔ مجموعہ خطوط قلمی، کتب خانہ صاحبزادہ عبدالرحیم خان مرہوم ٹونک ۳۔ اس روایت کو مخزن احمدی کی روایت چس کو "بیرید احمد شہید" (طبع ۲۰۱۳-۱۴) اور "بیرید احمد شہید" میں اختیار کیا گیا ہے کئی وجوہ سے ترجیح حاصل ہے اولاً اس میں تصریح نہیں کہ یہ واقعہ راوی نے صاحب واقعہ (مولانا عبدالحی و مولانا اسماعیل) سے بلا واسطہ سنا دوسرے "مخزن" کی روایت میں یوں بھی اضطراب ہے کہ یہ دعویٰ کی طرف رجوع کا مشورہ دینے والے کا نام شاہ عبدالقادر لکھا ہے، حالانکہ یہ دعویٰ کی آمد ملی سے دو سال پہلے ان کی وفات ہو چکی تھی، ثانیاً مولانا کرامت علی کی روایت میں بسط و تفصیل ہے اور محدثین کا اصول ہے کہ زیادۃ القیاس معتبر ہے، وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ "اس حکایت کو ہم مجسّم لفظ بلفظ بیان کریں گے" اس لیے روایت مقدم و مرجح ہے۔

رسالہ "نور علی نور" میں لکھتے ہیں :-

"اس حکایت سننے کے پہلے یاد رکھو کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ جہت
سید احمد صفا کو ان ابتدائے وقت سے "میر صفا" کہا کرتے تھے اور حضرت مولانا عبدالحی صفا
اور ہم سب متقدم لوگ "میاں صفا" کہا کرتے تھے اور مولانا عبدالحی مولانا محمد اسمعیل کو
میاں محمد اسمعیل کہا کرتے تھے چونکہ اس حکایت کو ہم مجنبہ لفظ بہ لفظ بیان کریں گے
اور یہ لفظیں اس میں آئیں گی اس واسطے ان لفظوں کو یاد رکھنے کو کہا اب وہ حکایت سنو۔
ایک روز اس عاجز مسکین نے حضرت عالم ربانی مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ
سے عرض کیا کہ آپ جو اس قدر میاں صفا سے اعتقاد رکھتے ہیں اور پیسے پیسے کپڑے
وغیر دنیاوی چیزوں کو چھوڑ کے میاں صفا کی صحبت اختیار کئے ہیں اور آپ کے
بدن پر جو کپڑا ہے اس کے سوا آپ کے پاس کہیں کپڑا بھی نہیں اور آپ جب میاں صفا
کے روبرو بات کرتے ہیں تو ترساں ولزراں رہا کرتے ہیں تو لاشراً آپ ہم سے سچ بیان
کیجئے کہ آپ نے میاں صاحب سے کیا پایا جو اپنا حال ایسا بنایا۔

تب مولانا مغفور نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں سچ بیان کروں گا، سنو میرا
یہ حال تھا کہ میں سلوک الی اللہ اور شاہد حاصل ہونے کا بڑا مشتاق تھا تب میں نے
مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے عرض کیا کہ مجھ کو آپ سلوک الی اللہ تعلیم کیجئے اور
اس کے قبل میں بہت سے ہندی اور دلائی مشرڈوں سے توجہ لے چکا تھا، مگر میرا مقصد
حاصل نہ ہوا تھا تب آپ نے مجھ کو حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کے پاس بھیجا،
وہاں بھی چند روز تو یہ لیتا رہا، مگر میرا مقصد حاصل نہ ہوا تب میں حضرت مولانا سے
پھر عرض کیا کہ یہ خادم حضور کی توجہ کا محتاج ہے اور حضور دوسرے مقام میں بھیجتے ہیں

ہم کو آپ خود تعلیم کیجئے تب حضرت مولانا نے فرمایا کہ میں بہت بڑھا اور کمزور ہوا اور مجھ میں بہت دیر تک بیٹھنے کی طاقت نہیں، یہ مقصد تمہارا میرا احمد صفا سے حاصل ہوگا تم ان سے بیعت کرو تب اس جناب کا یہ فرمانا مجھ کو بہت شاق گزارا اور میں ناراض ہو کر چپ کر رہا، پھر کئی بار اور بھی عرض کیا، وہی جواب پایا، آخر کو بعد چند روز کے یہ واقعہ پیش ہوا کہ میں اور حضرت میاں صاحب اور میاں محمد اسمعیل مدرسے کے ایک ہی مکان میں رہا کرتے تھے ایک شب کو بعد عشا کے جب ہم تینوں شخص پلنگ پر سوئے، تب میاں صاحب نے فرمایا کہ "مولانا مجھ کو حضرت رب العالمین نے محض اپنے فضل و کرم سے بطور الہام کے خبر دیا ہے کہ فلانی تاریخ فلانے سفر میں توجا دے گا، فلانے مقام میں یہ ہوگا، فلانے مقام میں وہ ہوگا اور اس قدر لوگ مرید ہوں گے، علیٰ ہذا القیاس سب باتیں بیان کیا پھر دوسرے روز بھی ایسی ہی عجیب و غریب باتیں بیان کیا، اسی طرح سے کئی روز تک مکہ معظمہ کے سفر اور جہاد کے سفر اور جہاد کے واقعات کا بیان بہ تفصیل تمام فرمایا، تب ہم نے اور میاں محمد اسمعیل نے مشورہ کیا کہ اگر یہ سب باتیں سچ بیان کرتے ہیں تو بلاشبہ یہ بہت بڑے شخص اور قطب ہیں، ان سے کچھ فیض لینا بہت ضرور ہے، سو آؤ، کسی بائبل ان کا امتحان کریں، تب میاں محمد اسمعیل نے کہا کہ آپ ہم سے بڑے ہیں، آپ ہی تجویز کر کے کسی بائبل امتحان کیجئے، آخر کو جب پھر راکو میاں صاحب نے پکارا کہ مولانا، تب ہم نے عرض کیا کہ حضرت، آپ کی بزرگی میں کچھ شبہ نہیں، مگر ہم کو ان سب باتوں سے کیا فائدہ؟ کچھ ہم کو عنایت کیجئے، تب فرمایا کہ مولانا کیا مانگتے ہو؟ تب ہم نے کہا کہ حضرت ہم یہی مانگتے ہیں کہ جیسی نماز صحابہ کرام ادا کرتے تھے، ویسی ہی دو رکعت ہم سے ادا ہو، یہ کہنا اور میاں صاحب ایک بار کی خاموش ہو گئے اور اس روز پھر کچھ نہ بولے، تب ہم لوگوں نے جانا کہ فقط یہ زبانی باتیں تھیں، اصل باتوں سے ان کو کچھ علاقہ نہیں، مگر

ہمیشہ کی دوستی اور صحبت کی مرویت ہم لوگ کچھ نہ بولے کہ اب شرم دنیا کیا ضرور اور
چپ کر کے سوئے پھر آدھی رات کے کچھ قبل یا بعد حضرت بیاضا نے پکارا "مولانا! اس پکار
سے مجھ کو تشعر یہ ہوا اور بدن پر رُو میں کھڑے ہو گئے اور اس جناب سے مجھ کو بڑا اعتقاد آ گیا
تب میں نے جواب میں کہا "حضرت! تب فرمایا کہ "جاؤ" اس وقت اللہ کے واسطے وضو کرو"
تب میرے بدن پر پھر تشعر یہ ہوا اور میں نے کہا کہ بہت خوب! دو تین قدم چلا تھا کہ
پھر پکارا "مولانا سن لو! میں پھر کے حضر کے پاس حاضر ہوا فرمایا "تم نے خوب سمجھا میں نے
کیا کہا؟ میں نے کہا کہ اللہ کے واسطے وضو کرو" پھر میں نے کہا "بہت خوب" اور چلا دو تین قدم
چلا تھا کہ پھر پکارا اور اسی طرح فرمایا، اسی طرح تین بار کیا، اور تیسری بار جاکے میں وضو کرنے
لگا تو ایسا حضور دل اور حق سبحانہ کے خوف سے میں ادب کے ساتھ وضو کیا کہ ایسا وضو کبھی
نہ کیا تھا، پھر وضو کر کے حضرت کے حضور میں حاضر ہوا فرمایا کہ "جاؤ الشرب العالمین کے
واسطے اس وقت دو رکعت نماز پڑھو" تب میرے بدن پر تشعر یہ ہوا اور نماز کے واسطے
چلا، دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور میں حضور میں حاضر ہوا، فرمایا کہ "تم نے خوب سمجھایا
نہیں؟ میں نے کہا کہ جاؤ اس وقت الشرب العالمین کے واسطے دو رکعت نماز پڑھو"
میں نے کہا کہ "بہت خوب" اور نماز کے واسطے چلا، پھر تیسری بار بلایا اور ویسا ہی سمجھادیا
تب میں نے ایک گوشے میں نماز شروع کیا تو تکبیر تیسری کے ساتھ ہی ایسا شاہدہ جلال میں غرق
ہوا کہ ہوش نہ باقی رہا، اور اس قدر رویا کہ آنسو سے داڑھی تر ہو گئی اور اس قدر نماز میں
غرق ہو گیا کہ دنیا کی یاد مطلق نہ باقی رہی اور نہایت خوف اور لذت کے ساتھ میں نے دو رکعت
نماز پڑھی جب دو رکعت پڑھا تو خیال کیا کہ میں نے سورہ فاتحہ نہ پڑھا تھا، پھر سلا پھر کے

لے رزہ اور روٹے کھڑے ہو جانا۔

دوبارہ دوسری بار دو رکعت کی نیت کیا، جب پڑھ چکا تو خیال کیا کہ فاتحہ میں سورہ کو ضم نہ کیا تھا، پھر شروع کیا اسی طرح ہر بار ایک ایک جب تک کہ ترک کرنے کا خیال آتا تھا اور نماز کو ناقص سمجھ کے دہراتا تھا، واللہ اعلم، سو رکعت یا زیادہ کم پڑھا ہو گا کہ صبح صادق کا قریب ہوا، پھر آخر کو نماز چار ہو کے سلام پھیرا اور بہت شرمندہ ہوا کہ میری استعداد اس طرح کی ناقص ہے کہ دو رکعت پوری بھی حضور دل کے ساتھ نہ پڑھ سکا اور اتنے بڑے کامل شخص کو میں نے آزمایا، اب اگر وہ پوچھیں کہ تم نے دو رکعت اللہ کے واسطے پڑھا تو میں کیا جواب دوں گا؟ میں تو حضور دل کے ساتھ جیسا کہ حق نماز پڑھنے کا ہے، ویسا دو رکعت بھی پڑھ نہ سکا، اسی سوچ میں شرم کے دریا میں غرق ہو گیا اور اپنے قصور کا معترف ہو کے اللہ سبحانہ کے خوف سے استغفر اللہ! استغفر اللہ! کہنے شروع کیا جب اذان ہوئی تب مجھ کو ہوش ہوا اور یاد پڑا کہ صحابہ کرام کا یہی حال تھا کہ تمام رات عبادت کرتے اور پھلی رات کو استغفار کرتے تھے، ان کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَالْمُتَغَفِّرِينَ بِالْآسْحَادِ** اور سوچا کہ بلاشبہ یہ بڑے کامل مرشد ہیں کہ ان کے کلام سے میرا مقصد پورا ہوا اور جو نعمت مدتِ دراز کی محنت سے حاصل نہ ہوئی تھی، سو ان کے ایک دم کے فرمانے سے حاصل ہوئی، پھر میں مسجد میں گیا اور قبل نماز فجر کے میں نے حضرت میاں صاحب سے بیعت کیا اور صبح کی نماز کے بعد میاں محمد اسماعیل سے میں نے رات کا قصہ پورا بیان کیا، کیونکہ وہ مجھ کو صادق جانتے تھے، انھوں نے بھی حضرت میاں صاحب سے بیعت کیا۔

پھر نئی دن کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز کے پاس گیا اور رات کا قصہ بیان کیا اور اپنے بیعت کرنے کا بیان کیا، آپ نے فرمایا: **بارک اللہ! بارک اللہ!** خوب کیا! میاں، میں تم سے اسی واسطے کہا کرتا تھا، کیوں میاں، تم نے میری رضا کا کمال دیکھا؟ تب میں نے عرض کیا کہ

”حضرت میں نے بہت درویشوں کی خدمت کیا اور بہت طریقوں کے موافق میں نے شغل اور مراقبہ کیا، میرا مقصد کبھی نہ حاصل ہوا، حضرت سید صفاؒ نے ایک با زبان سے کہہ دیا اور میں اپنا دلی مقصد پا گیا، حضرت یہ کون طریقہ کہلاتا ہے؟“ تب فرمایا کہ میں ایسے لوگ کسی طریقے کے محتاج نہیں ہوتے ایسے لوگ جو زبان سے کہیں وہی طریقہ ہے ایسے لوگ خود صاحب طریقہ ہوتے ہیں اور ایسے لوگ طریقے نکالتے ہیں“ حضرت مولانا کے فرمانے سے اور بھی زیادہ مجھ کو حضرت میاں صفا کے مرشد صاحب طریقہ ہونے کا یقین ہوا اور میرا اعتقاد اور بھی زیادہ ہوا، اس سبب سے میں میاں صفا کی غلامی میں حاضر ہوں اور ان کی غلامی کے قابل بھی میں اپنے تئیں نہیں پاتا“ تمام ہوئی تفسیر مولانا عبدالحی مرحوم کی!۱

خاندان ولی اللہی کے دوسرے افراد و علما کی بیعت

مرشد وقت شاہ عبدالعزیز کی زندگی میں ان اکابر کا کسی دوسرے کی بیعت میں داخل ہونا معمولی واقعہ نہ تھا اس کا بڑا پورا چاہا ہوا، بوق در بوق علما و فضلا و صاحبین بیعت ہونے لگے، شاہ عبدالعزیز کے خاندان کے اکثر افراد، شاہ صفاؒ کی اجازت سے اور مولانا محمد یوسفؒ نیز حضرت شاہ اہل الشہر (برادر حضرت شاہ ولی اللہؒ) مع خاندان مولوی وجیہ الدین حکیم معین الدین، حافظ معین الدین وغیرہ مع اہل خاندان واقربا مرید ہوئے اور جو لوگ نہیں آسکتے تھے انھوں نے

۱۔ نور علی نور از مولانا کرامت علی جوہری خلیفہ سید صفاؒ ص ۶۸-۷۳ (اعظم المطابع، جوہپور)

۲۔ مولانا محمد یوسف پھلتی سید صفاؒ کی جماعت کے ممتاز ترین فرد تھے، سید صفاؒ سے نہایت گہرا اور وابہانہ تعلق تھا سید صفاؒ ان کو شکر اسلام کا قطب کہتے تھے، سید صفاؒ کے اہل ارادت و تعلق میں ان کو اولیت اور بڑی خصوصیت حاصل تھی۔ ۳۔ مخزن احمدی ص ۳۷

اپنے اپنے وطن اور مقام کی دعوت دی۔

مولانا محمد اسحق کی آمد

اسی زمانے میں آپ کے برادرِ معظّم مولانا سید محمد اسحق آپ کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے اور آٹھ برس کے بعد دو بچپڑے ہوئے بھائی ملے، مولانا نے فرمایا کہ ”مجھے نواب حسنا کے لشکر سے تمہاری واپسی دہلی کا علم ہوا، مجھ کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو، تم کہیں دور چلے جاؤ، پھر ملاقات ہوتی دشوار ہو، اس خیال سے میری طبیعت کو قرار نہ ہوا، میں جلد محسن خاں کو ساتھ لے کر وہاں سے ادھر روانہ ہوا، تیرے صانع ان کو اطمینان دلایا اور فرمایا کہ انشاء اللہ جلد وطن آؤں گا۔“

مولانا سید اسحق وطن واپس ہوئے تو لکھنؤ میں اعزاز اور برادری کے جو لوگ موجود تھے، ملاقات کے لئے آئے اور سید صاحب کا حال پوچھا، مولانا نے فرمایا کہ :-

”عنایتِ الہی سے سید احمد کو وہ رتبہ حاصل ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا ہوں، اپنی

تو عمر میں نہ اس رتبے کا آدمی دیکھا ہے، نہ سنا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت بے غایت

سے ایسا علم باطنی ان کو عطا فرمایا ہے کہ دہلی کے تمام علما اور فضلاء ان کی طرف

رجوع ہیں اور ان کی تقریر کے آگے کوئی دم نہیں مار سکتا اور ہم سے مولو پون کا وہاں

کیا شمار کہ ان کے آگے بولیں اور چون چرا کال بکھولیں، ان کو علم وہی ہے کسی نہیں سنا

یہ سن کر برادری کے لوگ ہنسے اور کہنے لگے کہ وہ آپ کے بھائی ہیں جو چاہئے، فرمائیے

ہم ان کو خوب جانتے ہیں، ان میں یہ مادہ اور لیاقت کہاں ہے، مولانا نے فرمایا کہ میں نے

لہ ”وقائع احمدی“ ص ۱۱۱ لہ ایضاً ص ۱۱۱

مبالغے سے کام نہیں لیا، جب وہ آئیں گے تو تم خود دیکھ لو گے۔

مقبولیت و شہرت اور سفر

دن بدن آپ کی مقبولیت و شہرت بڑھتی گئی یہ معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دفعۃً اپنے بندوں کے قلوب عموماً اور علما و صلحا کے خصوصاً آپ کی طرف پھیر دیئے ہیں، باہر سے کثرت سے دعوت نامے آنے شروع ہوئے، جب بہت سے دعوت نامے جمع ہو گئے تو آپ نے مولانا اسماعیل کے ہاتھ یہ سب دعوت نامے حضرت شاہ صفا کی خدمت میں بھیج دیئے اور عرض کیا کہ جیسا ارشاد ہوا کیا جائے، شاہ صاحب نے اپنا لباس خاص پہنایا اور بڑی خوشی کے ساتھ رخصت کیا۔

دو آجے کا دورہ

اس سفر میں جس کثرت کے ساتھ مسلمانوں نے آپ کی تشریف آوری سے دینی نفع اور خیر و برکت حاصل کی اور ان مقامات میں عسبی اصلاح ہوئی اور جس محبت و اخلاص اور گرمجوشی سے ہر جگہ آپ کا استقبال ہوا، اس کا کچھ اندازہ کرنے کے لئے ایک رفیق سفر کے حوالے سے اس سفر کی روداد پیش کی جاتی ہے اس سے بھی اندازہ ہوگا کہ اس زمانے تک مسلمانوں میں دین کی کیسی طلب و رقدراہل دین کی محبت اور اثر پذیری اور صلاحیت موجود تھی اور وہ کس طرح دینی استفادے کے لئے پروانہ وار ہجوم کرتے تھے، اس کا بھی اندازہ ہوگا کہ اس قبل مدت اور آغاز عمر ہی میں سید صفا کی شہرت اور مقبولیت کس قدر پھیل گئی تھی۔

غازی الدین نگر

دہلی سے چل کر پہلی منزل غازی الدین نگر میں ہوئی، شہر سے باہر دو سو آدمیوں نے جو شہر کے

۱۱۴ھ وقائع احمدی ص ۱۱۴ ۱۱۵ھ مولوی رفیع الدین صاحب کو اللہ بخش خاں خادم و رفیق قدیم حضرت سید صاحب (منظور) ۱۱۶ھ موجودہ غازی آباد۔

متناز اور معزز لوگ تھے، بڑھ کر استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو فروکش کیا اور ضیافت کی اور عرض کیا کہ ہم بڑے ہی حصولِ فیض کے آرزو مند تھے، اللہ تعالیٰ نے ہماری آرزو پوری کی، شہر کے علماء میں سے چار صاحبوں (حافظ عبداللہ امام مسجد، شیخ عبدالرحمن، شیخ رمضان، عبدالشکور خاں) نے بیعت کی دوسرے روز بیعت کرنے والوں کا بڑا ہجوم ہوا، ہری رام تحصیل دار کشمیری بھی زیارت و قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا اور بہت سی شیرینی نذرانے کے ساتھ پیش کی، امام خاں جمعدار بیعت سے مشرف ہوئے اور بکثرت آدمیوں نے روحانی فیوض اور آپ کے رفقا کی باطنی توجہات سے نفع حاصل کیا، پانچ روز قیام کے بعد وہاں سے کوچ ہوا، مولانا سید اسحق وہاں سے رائے بریلی روانہ ہوئے۔

مرادنگر

مرادنگر میں مولوی ابوالقاسم صاحب، مفتی الہی بخش کاندھلوی کے صاحبزادے جو وہاں تھانیدار تھے، برقداروں کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، مولوی ابوالقاسم نے دعوت کی اور تمام برقدار بیعت سے مشرف ہوئے۔

میرٹھ

میرٹھ سے دو کوس باہر قاضی حیات بخش اور ان کے صاحبزادے مولوی احمد اللہ نے پچاس سالہ آدمیوں کے ساتھ استقبال کیا اور عرض کیا کہ چار روز سے ہم لوگ منتظر ہیں، آج تشریف آوری کی خبر سن کر بے تابانہ روانہ ہوئے، نیت یہ تھی کہ جہاں بھی جناب کے قیام کا علم ہوگا، وہاں حاضر ہو کر ملاقات سے مشرف ہوں گے، وہاں سے یہ حضرات آپ کو اپنے مکان پر لائے، نماز کے وقت ایک مسجد میں جو بڑی وسیع اور فراخ تھی، نماز کے لئے تشریف لے گئے، رات کے کھانے کے بعد قاضی صاحب

اپنے تمام عزیزوں کے ساتھ بیعت ہو گئے۔

دوسرے روز بیعت کرنے والوں کا بے حد ہجوم ہو گیا اور بکثرت لوگوں نے فیض باطنی حاصل کیا، تیسرے روز داروغہ محمد راحم، منشی محمدی انصاری، مولوی محمد بخش اپنے دوسرے پندرہ ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور بیعت کی، دو روز کے بعد میرٹھ کے ایک رئیس مولوی خدا بخش نے اپنے گھر پر پوسے قافلے اور شہر کے بہت سے علماء و معززین کو مدعو کیا اور خود اپنے اہل و متعلقین و ملازمین عمل کے ساتھ بیعت سے مشرف ہوئے، قیمتی پوشاک کے گیارہ بارہ خوان عطریات اور آٹھ خوان شیرینی کے نقد کے ساتھ پیش کش کئے، ایک برہمن ان کے تمام کاروبار کا مختار اور ان کے مزاج میں بہت دخل تھا، وہ بیعت سے مانع تھا، لیکن ایک اشارہ غیبی کے بعد مولوی حسنانے بیعت کی، ان کے بیعت میں داخل ہو جانے کے بعد برہمن کا طلسم ٹوٹ گیا، آلات اہوساز اور باجے اور اس کے منقعات باہر کر دیئے گئے، برہمن بھی کچھ عرصے کے بعد مسلمان ہو گیا۔

ظہر کی نماز کے بعد بہت لوگ منظر تھے، میرٹھ کے ایک ذی حیثیت اور دو متمند شخص قد خان نے عرض کیا کہ کل غریب خانے پر قدم رنجہ فرمائیں، لوگوں کی بیعت کا یہ حال تھا کہ ظہر سے عشاء تک بیعت کرنے والوں اور ہمراہیوں کو توجہ دینے سے فرصت نہیں تھی، آپ نے فرمایا کہ جو لوگ شہر میں دو تین روز پیشتر بیعت کر چکے ہیں، وہ نئے لوگوں کو توجہ دیں، رات کے کھانے اور عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد آپ نے مجمع میں کچھ وعظ و نصیحت فرمائی، پھر آرام فرمایا۔

صبح کو قدن خاں کے بیٹے ایک پالکی اور دو گھوڑے لے کر آئے، آپ نے ان کو ایک گھوڑے پر اور دوسرے گھوڑے پر حافظ قطب الدین کو سوار کرایا اور خود پالکی پر قدن خاں کے یہاں تشریف لے گئے، خان حسنانے مکان سے نکل کر استقبال کیا اور سلام اور مصافحے کے بعد دیوان خانے میں لائے اور انواع و اقسام کے کھانے کے خوان رکھے اور آپ کے تمام ہمراہیوں کی بڑ بکلف ضیافت کی،

کھانے کے بعد شرفِ بیعت حاصل کیا اور سات خوانِ جن میں سے پانچ شیرینی کے تھے، اور دو قیمتی پوشاک اور عطریات کے ایک سو تیس روپے نقد کے ساتھ پیش کش کئے، اس کے بعد پان کے بیڑے پیش کئے، آپ نے ایک بڑا خانِ حصاب کو اور ایک ان کے بڑے صاحبزادے کو اپنے ہاتھ سے دیا، انہوں نے اپنا اپنا بیڑا کھا کر عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو ہم یہ پان اپنے گھر میں دیں، فرمایا کہ شیرینی کا ایک خوان بھی ہماری طرف لے جائیے، خانِ حصاب نے عرض کیا کہ کچھ اس میں سے جناب تناول فرمالیں، آپ نے اس میں سے ذرا سا اٹھا کر کچھ کھایا کچھ رکھ دیا، خانِ حصاب اس خوان کو اپنے سر پر اٹھا کر گھر لے گئے، اس کے بعد آپ کو مستورات کی بیعت کے لئے مکان تک زحمت دی، بیعت کے بعد خانِ حصاب کے چھوٹے صاحبزادے دوستی لائے جن میں سے ایک شیرینی کی تھی اور ایک قیمتی پوشاک کی، اس سب سے فراغت کے بعد آپ کو جامعے قیام تک پہنچایا اور اپنے اور مستورا کے لئے توجہ کی درخواست کی، آپ نے تناولِ خاں کے لڑکے کو جس کی عمر گیارہ سال ہو گی مستورات کی توجہ کے لئے اور حافظ قطب الدین کو ان کو توجہ دینے کے لئے مقرر فرمایا، جب تک میرٹھ میں قیام رہا یہ دونوں توجہ دیتے رہے۔

صدر الدین اور ان کے بھائی کریم بخش روٹی والے حاضر ہوئے، ان کی دکان اس زمانے میں بہت چل رہی تھی، انہوں نے بھی بیعت کا شرف حاصل کیا، تھوڑی دیر کے بعد محمد تقی قصاب اور بدر الدین حاضر ہوئے، تمام چھاؤنی میں گوشت انہیں کی دکان سے جانا تھا، بیعت کا شرف ہونے کے بعد پانچ سو روپے سے زائد انہوں نے پیش کش کی اور بہت شیرینی پیش کی، محمد تقی نے دعوت کی درخواست کی اور آپ نے قبول فرمائی، رات کا کھانا نقد خاں کے ہاں تناول فرمایا اور ان کے بیٹے کے حق میں دعا کی لوگوں نے آمین کہی۔

صبح کے وقت محمد تقی کے یہاں سے سواری آئی چار گھڑی دن نکلے آپ ان کے مکان پر

تشریف لے گئے، چھاؤنی کے اکثر مسلمانوں نے بیعت کی، مجمع بہت تھا، کھانے کے بعد خواجہ خانساہاں آئے اور کھانے میں شریک ہو گئے، کھانے کے بعد بیعت مشرف ہوئے، محمد تقی اپنے زمانہ مکان میں آپ کو لے گئے ان کے خاندان کی تمام سنتوراجو وہاں پہلے سے جمع تھیں، بیعت مشرف ہوئیں، باہر تشریف لائے پر شیرینی، پوشاک اور نقد پیش کیا، محمد تقی کے رشتے دار اور اہل برادری دروازے پر منتظر تھے، انھوں نے مشرف بیعت حاصل کیا، نماز مغرب سے عشاء تک لوگوں کی بیعت سے سراٹھانے کی مہلت نہ تھی، آپ رخصت ہو کر مکان پر تشریف لائے۔ دوسرے روز صدر الدین صفا کے مکان پر دعوت تھی، آپ قافلے کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے، جب آپ قریب پہنچے، مشاقان زیارت استقبال کے لئے حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا کہ "کھانا تیار رکھیں، میں ان بھائیوں کی بیعت سے فارغ ہوں!"

شہر اور چھاؤنی اور دیہات اور اطراف کے بیشتر مسلمان حاضر ہو کر بیعت مشرف ہوئے، مضافات اور اطراف سے بھی لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی جن لوگوں کا مکان میرٹھ سے دور تھا، وہ اپنے اپنے یہاں دعوت کی تیاری کر رہے تھے، جب اس کی اطلاع ہوئی کہ آپ کا قصد سردھنہ کا ہے تو جن لوگوں کا ارادہ بیعت کا تھا، وہ سامان دعوت چھوڑ کر حاضر خدمت ہو گئے، بعض سردھنہ اور بعض بڑھانہ پہنچ کر بیعت مشرف ہوئے، خواجہ محمد خانساہاں نے دو وقت دعوت کی اور ان کے گھر کے تمام زن و مرد بیعت مشرف ہوئے، شب کو آپ نے فرمایا کہ کل ہم سردھنہ جائیں گے جس کو منظور ہو، وہ ہمیں رخصت کرنے کے لئے آئے، سونے وقت آپ نے اللہ کی عظمت و جلال کا مضمون بیان کیا اور آرام فرمایا، صبح چھاؤنی کے کثرت سے آدمی ملاقات کے لئے آئے، حافظ قطب الدین صفا کو وعظ کا حکم ہوا، حافظ صفا نے نماز روزے کے فضائل بیان کئے، حضرت سب سے رخصت ہوئے اور جو بچے ہمراہ آئے تھے، ان کو مٹھالی دے کر رخصت کیا۔

روانگی کے وقت اہل شہر کا بڑا ہجوم تھا، ہر کہ دمہ موجود تھا، جس وقت آپ شہر کے دروازے پر پہنچے سیکڑوں آدمی رقت وزاری سے بے قابو تھے، آپ ہر ایک کو تسکین دیتے تھے، مگر ہر ایک بے قرار تھا، آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے، آپ نے سلام رخصت فرمایا بہت سے آدمی جو سوار تھے، موضع دانٹل و تولی تک پہنچانے آئے۔

میرٹھ کے نواح و اطراف

موضع دانٹل میں پانچ یا چھ گھر مسلمانوں کے تھے، ان سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور دعوت کے لئے عرض کیا، آپ نے معذرت کی اور وعدہ فرمایا کہ اگر واپسی اسی طرف ہوئی تو تمہیں ضیافت کا موقع دیں گے، اس دیہات کے لوگوں کا بھی یہی حال تھا کہ آپ کی جدائی ان پر بہت شاق تھی، جب تک قافلہ نظر سے اوجھل نہیں ہو گیا، وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے۔

موضع پائلی میں دو ہی تین گھر مسلمانوں کے تھے، سب داخل بیعت ہوئے، آپ نے ایک گھڑی وہاں توقف کیا، شیرینی جو ناشتے کے لئے ہمراہ تھی، وہاں تقسیم ہوئی۔

موضع کھروی میں نماز ظہر ادا کی، وہاں مسلمانوں کے گھر بہت تھے، چار پانچ سادات کے گھر بھی تھے، جنہوں نے سب سے پہلے بیعت کی، پھر تمام مسلمان داخل بیعت ہوئے، لوگوں نے عرض کیا کہ تشریف آوری کی خبر کئی روز سے سنی جا رہی تھی اور ہم لوگ منتظر تھے، آج یہ تمنا پوری ہوئی، اب کھانا ہمیں تناول فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ ہم پائلی میں کھانے سے فراغت کر چکے، لوگوں نے شربت حاضر کیا اور تمام ہمراہیوں نے سیر ہو کر پیا۔

سردھنہ

سردھنہ سے باہر پچیس آدمیوں کی ایک جماعت نے استقبال کیا، ان میں شیخ بلذنجت

خواجہ محمد حافظ امان اللہ نشان بردار ابو علی بخش، نصر اللہ ننھے خاں اور ان کے دو فرزند پیر خان و داراب خاں سلو خاں رسالے دار، مراد خاں وغیرہ ننھے اسراء کی مسجد میں قیام فرمایا، نماز عصر کے بعد لوگوں نے بیعت کی، بیعت کے بعد ننھے خاں اور دوسرے سپاہیوں نے عرض کیا کہ آج آپ کی دعوت ہمارے ہاں ہے، آپ نے فرمایا کہ جو کچھ ہم کہیں، وہی پکانا، یہ سن کر سب خاموش ہو گئے ایک لمحے کے بعد عرض کیا کہ جو کچھ ارشاد ہو، فرمایا باجرے کی روٹی اور ماش کی دال، جب اہل دستہ اپنے گھر آئے تو انھوں نے آپس میں کہا کہ پہلے تو ہمیں فکر ہوئی تھی کہ دیکھئے آپ کیا فرمائش کرتے ہیں، لیکن جب آپ نے فرمائش کی تو معلوم ہوا کہ یہ تو سب آسان اور سستا کھانا ہے جس سے زائد تو غربا بھی اپنی دعوت میں اہتمام کرتے ہیں، آپ نے تو ضروریہ فرمائش کی ہے، لیکن ہمارا فرض ہے کہ نانِ قلبیہ بھی ضرورتاً رکریں، چنانچہ انھوں نے باجرے کی روٹی اور ماش کی دال کے ساتھ نان اور قلبیہ گوشت بھی سامنے رکھا، آپ نے صرف اپنا فرمائشی کھانا تناول فرمایا، صبح کے وقت مدے خاں کمیدان اور سلو خاں رسالے دار حاضر ہوئے، سلو خاں نے پہلے دن بیعت نہیں کی تھی، کمیدان صاحب نے عرض کیا کہ پہلے روز میں حاضر نہیں ہو سکا تھا، میری دوسری جگہ حاضری تھی، حکیم صاحبہ نیز مزاج ہیں، آپ نے فرمایا "مضائقہ نہیں اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں بھی اسی طرح چست و کمر بستہ رہنا چاہئے" دونوں صاحب بیعت سے شرف ہوئے، آپ نے بہت نصیحتیں فرمائیں اور توجہ کے لئے ان کو میاں صدر الدین کے حوالے کیا، کمیدان حسنانے دعوت کی، کھانے کے بعد ان کے گھر کی تمام مستورات اور متعلقین بیعت ہوئے، ظہر کے وقت قصبے کے دوسرے شرفاء داخل بیعت ہوئے، شام کے وقت سلو خاں صاحب کے گھر پر دعوت تھی، اس رسالے کے سواروں نے بیعت کی اور ہدیے گزارے، صبح کے وقت عظیم الشربگی کمیدان اور ان کے سپاہی داخل بیعت ہوئے اور دعوت بھی کی، دوپہر کو حافظ امان اللہ نے دعوت کی۔

بڑھانہ

سردھنہ سے آپ بڑھانہ تشریف لے گئے، قصبہ ابھی دو میل تھا کہ بارش شروع ہو گئی، آپ مولانا عبدالحی کے مکان پر تشریف لے گئے، مولانا مہر شح، مولوی وحید الدین صاحب، مولوی محمد یوسف صاحب، شیخ معین الدین صاحب، سعد الدین صاحب وغیرہ اور پھلت و بڑھانہ کے دوسرے شرفاء و علماء استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے، بڑھانہ پہنچ کر آپ نے نماز عصر ادا فرمائی، نماز عصر کے بعد مولانا عبدالحی صاحب کے خردسال صاحبزادے عبدالقیوم نے بیعت کی، مغرب کی نماز آپ نے مولانا عبدالحی کے پیچھے پڑھی، نماز عشا کے بعد کھانے سے فراغت ہوئی، صبح کے وقت میاں نظام الدین چشتی، شیخ محمد حسن اور شہر کے بہت سے شرفاء و غریبا حاضر ہو کر بیعت مشرف ہوئے، اسی روز اور دوسرے روز آپ مولانا عبدالحی صاحب کے مہمان رہے، اس کے بعد میاں جی نظام الدین چشتی نے دعوت کی اور وہ اور ان کے گھر کی تمام مستورات داخل سلسلہ ہوئیں، اس کے بعد شیخ ابو بکر کی طرف سے دعوت ہوئی اور انھوں نے اور ان کے تمام گھر کی عورتوں نے بیعت کی۔

بارہ روز قصبہ بڑھانہ میں قیام رہا، زیادہ تر مولانا عبدالحی کی طرف سے میزبانی اور دعوت رہی، مولانا کے ہاں زیادہ تر کھانا یہ ہوتا تھا کہ تنوری روٹی شوربے میں چور کر کے ترید تیار کیا جاتا تھا جس کا حدیث میں ذکر آتا ہے، آپ فرماتے کہ "مولانا، آپ اس قدر کیوں تکلیف فرماتے ہیں؟" مولانا جواب دیتے کہ "حضرت یہ کیا تکلیف ہے؟ اگر میں اپنا سارا گھر بیچ کر آپ کو کچھ بھی راحت و آرام پہنچا سکوں تو اپنی سعادت سمجھوں گا" آپ نے بہت دعائے خیر فرمائی اور بڑھانہ سے روانگی ہوئی۔

راستے کی منزلیں

مولانا مدوح اور قصبے کے دوسرے بزرگ ہمراہ تھے، جب موضع اڑنی میں پہنچے وہاں کا زمین اردس پندرہ آدمیوں کے ہمراہ راستے پر بیٹھا ہوا تھا، بڑی تعظیم سے سلام کیا اور بڑے اخلاص کے ساتھ عرض کیا کہ "آج غریب خانے پر قیام فرمائیں اور خاکسار کی دعوت قبول فرمائیں جس روز سے میں نے شریفی آوری کی خبر سنی ہے روزانہ آپ کے انتظام میں بیٹا اگر بیٹھا جاتا ہوں آج تو میں جانے نہیں دوں گا" آپ نے ارشاد فرمایا کہ "بھائی ہمیں بہت ضرورت ہے اور اپنی جگہ سے ہم دو کوس نکل آئے ہیں قیام کرنے کی بالکل مہلت نہیں" اس نے عرض کیا کہ "اچھا تو پھر ایک گھڑی ٹھہر کر ٹھنڈا پانی ہی پیتے جائیں" آپ نے قافلے کو ٹھہرنے کا حکم دے دیا وہ زمیندار چار گھڑے گنے کے ریس اور چار گھڑے بکے موئے دودھ کے لایا اور دونوں کو ملا کر آپ کے اور تمام اہل قافلہ کو شربت پلایا اور دو روپے دعوت کیلئے اور دوسرے موضع تک ساتھ آیا۔ موضع چولی میں ہاں کا زمیندار حاضر ہوا اور گاؤں کے دوسرے مسلمانوں کو بلا کر سب بیعت سے مشرف ہوئے، وہاں سے موضع بہر سو پہنچے۔

پھلت میں

پھلتیے باہر قصبے کے چالیس پچاس اشخاص استقبال کے لئے گھڑے تھے انھوں نے عرض کیا کہ زمین روز سے ہم منتظر ہیں آپ شیخ ولی محمد کے مردانے میں مقیم ہوئے، نماز عصر کے بعد بیعت کا سلسلہ شروع ہوا میاں محمد فضل، شیخ ولی محمد صا کے والد شیخ غلام محمد اور محمد عار دونوں بھائی غلام علی و حافظ معین الدین حافظ احمد الدین اور عبدالعلی وغیرہ نے بیعت کی کھانا بھی شیخ ولی محمد صا کے یہاں تناول فرمایا دوسرے روز محمد عثمان بیعت میں داخل ہوئے، ان کی وضع بالکل سپاہیانہ تھی آپ نے فرمایا "بھائی اگرچہ

اس وقت تمہارا ظاہر اچھا نہیں لیکن تمہارا باطن صلب ہے، انشاء اللہ چند دنوں میں ظاہر بھی باطن کی طرح ہو جائے گا، ان کے گھر کی مستوراً بھی بیعت ہوئیں، شیخ ولی محمد صفا کی والدہ اور دوسری مستوراً بھی بیعت مشرف ہوئیں، مولوی وحید الدین صفا نے دو وقت دعوت کی اور اپنے مکان لے جا کر مستوراً کو بیعت کرایا، عصمت الشراپہ والدہ شیخ صبوحہ اللہ کے ساتھ بیعت ہوئیں، میان محمد الدین نے بھی ضیاء کی اور ان کے گھر کی مستورات نے بھی بیعت کی، دوسرے روز حافظ محمد حسین نے بھی دعوت کی، مولانا محمد امجدی صاحب کے خالہ زاد بھائی میاں جمال، حافظ محمد عثمان اور عبدالرزاق نیز حافظ قطب الدین حکیم قرادین، میاں صلاح الدین، شیخ عبدالحکیم و عبدالرؤف اور دوسرے شرفانے ایک ایک وقت دعوت کی۔ جب تک پھلت میں قیام رہا، معمول تھا کہ شیخ ولی محمد کے بالا خانے پر ورزش فرماتے، اس وقت شیخ ولی محمد، شیخ عبدالرؤف، سعد الدین، صلاح الدین، عبدالحکیم، محمدی انصاری اور محسن خاں بھی موجود ہوتے، ورزش کے بعد پانی میں بھیگے ہوئے چنے تناول فرماتے اور حاضرین کو بھی عنایت فرماتے، محسن خاں کہتے ہیں کہ مجھے حکم تھا کہ میں بازو اور شانے پر بالش کروں، اس مکان کے صحن میں اپنے مٹی کا تودہ تیار کرایا تھا، ورزش سے فراغت کے بعد تیر اندازی فرماتے تھے، ایک تیر انداز اپنے ساتھ لائے تھے، اور نیر و کمان بھی خریدے تھے، پھلت کے بعض لوگ بھی اس مشق میں شرکت کرتے تھے۔ سترہ دن کے قیام کے بعد آپ پھلت سے روانہ ہوئے، قصبے کے مسلمانوں نے دو رنگ مشابعت کی، موضع بھوپاڑی میں ناشتہ کیا، وہاں کے پٹھانوں نے بیعت کی، نماز ظہر سے پہلے وہاں روانہ ہوئے۔

منظر نگر

منظر نگر نے ہزاروں چاند پیادوں کے ساتھ استقبال کیا، قاضی نجم الدین نے بھی بندرہ آدمیوں کے ساتھ ایک میل بڑھ کر معانقہ و مصافحہ کا شرف حاصل کیا اور اپنے مکان پر

لے گئے اور صاحبزادے اور کھتیجے سمیت بیعت سے مشرف ہوئے۔

دیوبند و نواح

مظفرنگر سے آپ دیوبند تشریف لے گئے، یہاں مقبول ہو قاضی نجابت علی خاں کی پیشی میں
تھانے میں ملازم تھے بیعت سے مشرف ہوئے، مولوی شمس الدین صاحب کو پہلے یہ صاحب سے
بد اعتقادی اور سوء ظن تھا، ایک ہدایت غلطی کے ذریعے بیعت سے مشرف اور داخل سلسلہ ہوئے اور
تمام خلاف شریعت امور سے توبہ کی بیعت پہلے گنڈہ اور عملیات وغیرہ کے جو اعمال کئے تھے، شیخ
حفیظ اللہ دیوبندی کو اپنے ساتھ لے کر اہل معاملہ کے پاس جا کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا کہ میں اپنی
تقصیر معاف کرائی اور کسی سے توبہ لی، شیخ حفیظ اللہ کہتے ہیں کہ آپ کے خاندان میں سلام کے بجائے "آداب"
و "بندگی" کے الفاظ کا رواج تھا، یہ سب موقوف کر آیا اور سلام سنوں کو رواج دیا میں مولوی صاحب مدوح کا
شاگرد تھا مجھ سے بھی تاکید فرمائی کہ جس سے بھی ملاقات ہو بڑا ہوا چھوٹا اس کو سلام علیک کرنا چاہئے آپ کی
تعلیم کے موافق آپ کے والد صاحب محترم کو "سلام علیکم" کہا چونکہ یہ بالکل خلاف عادت تھا تھی بہت ناراض
ہوئے اور فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ کس نے تم کو سکھایا ہے، میں اسے سمجھوں گا، آخر میں ان کی سیر بالکل بدل گئی اور
سنا گیا ہے کہ اپنے صاحبزادے کے ہاتھ پرجن کو سید صاحب سے خلافت تھی بیعت کر کے داخل سلسلہ ہو گئے۔
شیخ رجب علی اور ان کے صاحبزادے منور علی اور بے قصے کے دوسرے شرفاؤں نے بیعت سے مشرف ہوئے
ایک وزیر حافظ عبداللہ ان کے بھائی نظام الدین اور کریم الدین آپ کے موضع اہلیا لے گئے، آپ نے عصر کی نماز
میں پڑھی تینوں بھائی اور ان کے والد امام بخش اور وہاں کے بعض دوسرے حضرات کو حضرت حسینؑ
شیخ چاند وغیرہ بیعت ہوئے، شام کے کھانے کے بعد موضع کی تمام عورتیں بیعت میں داخل ہو گئیں۔
امام بخش کا نام آپ نے بدل کر امام الدین رکھ دیا، ان کے صاحبزادے حافظ عبداللہ تو آپ کے

ساتھ حج و جہاد میں بھی رہے اس دیہات کے اکثر لوگ سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے، ہمت خاں ایک نیک بابرکت شخص تھے، زراعت کرتے تھے، اور اپنے کھیت میں نماز پڑھتے تھے، جب آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تو عرض کیا کہ میں اپنے کھیت میں نماز پڑھا کرتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ تمہارے غلے کی پیداوار میں برکت ہوگی، ان کی کھیتی میں اتنی برکت ہوئی کہ ان کے قریب کے کھیت والے رشک کرتے تھے، تمہاری رات کو آپ اسی جائے قیام پر تشریف لائے، حافظ عبداللہ ساتھ آئے اور دوپہں سیاہ کھیل اور کچھ نقد ہدیہ کیا۔

دس دن دیوبند میں قیام رہا، دیہات کے مسلمان بکثرت بیعت مشرف ہوئے، دوسرے دیہات کے لوگ گاڑیوں اور پہلیوں پر ستورات کو سوار کر کے لاتے اور بیعت کرانے، بیعت کے بعد بکثرت لوگوں نے پیرانِ کلیہ کے میلے میں جانے سے توبہ کی، آپ نے مولوی فرید الدین، مولوی بشیر اللہ، قاضی عظیم اللہ، سید محمد حسین اور مولوی شمس الدین حنا کو خلافت نامہ لکھ کر دیا۔ دیوبند سے روانگی ہوئی، کثرت سے لوگ ایک ایک میل تک بعض منزل تک مشایعت کے لئے آئے، بہت سے لوگ زار و قطار روئے تھے۔

دیوبند سے آپ قبضہ شیخ پورا اور وہاں سے موضع سویری تشریف لے گئے اور وہاں ماحضر تناول فرمایا، وہاں کے مسلمانوں نے اور گھروں کی ستورات نے بیعت کی اور تمام منہیات سے توبہ کی، چند گھنٹے اس موضع میں ٹھہر کر روانہ ہوئے، موضع لاکہ نورا اور قبضہ شیخ پور کے درمیان ایک نہر ہے، عصر کی نماز کا وقت وہیں ہو گیا، آپ نے نماز پڑھی، قبضہ کا زمین دار جس کا نام چودھری امام الدین تھا، دس پندرہ آدمیوں کے ساتھ آیا اور اپنے مکان لے گیا، بہت سے آدمیوں نے بیعت کی، رات وہاں گزار کر دوسرے دن دوپہر کو مہارنپور کی طرف روانہ ہوئے۔

سہارنپور

سہارنپور سے باہر ایک حرمِ غفر استقبال کے لئے موجود تھا، آپ نے مغرب کی نماز مسجد النبی

میں پڑھی اس کے ایک حجرے میں حاجی عبدالرحیم صاحب دلائی رہتے تھے، بوڑھے خٹاچ میں سے تھے، سیکڑوں آدمی ان کے مرید تھے انھوں نے اپنے تمام مریدوں کے ساتھ بیعت کی اور اپنے تمام نیاز مندوں کو بلا کر کہہ دیا کہ سب آپ سے بیعت ہو جاؤ، ایسا مرشد کا بل پھر ملنا مشکل ہے، تہائی رات تک بیعت کرنے والوں سے آپ کو فرصت نہیں ہوئی، دو روز تک انھیں کے گھر دعوت رہی۔

سہارنپور میں ولی محمد صاحب نے بوڑھے متمول رئیس تھے، اور بڑا عملہ پیاہی اور خشی ان کے یہاں ملازم تھے اور تین اور خدا طلب آدمی تھے، بڑے اعزاز و انتہام کے ساتھ دعوت کی اور اپنے تمام اعزاز و عملے کے ساتھ مرید ہوئے، ان کے یہاں کی مستورات بھی بیعت میں داخل ہوئیں، ولی محمد صاحب نے دعا کی درخواست کی اور عرض کیا کہ "اللہ کے فضل و کرم سے دنیاوی مال دولت کی کمی نہیں، ضریہ عاچا ہوتا ہوں کہ اللہ سے فضول خرچی سے اللہ محفوظ رکھے اور اللہ کا دیا ہوا اللہ ہی راستے میں خرچ ہو جائے ان کی خواہش کے موافق ان کے لئے اور ان کی ترقی ایمان کے لئے دعا فرمائی، آپ کے آرام کرنے کے وقت تک لوگ گروہ درگروہ بیعت کے لئے حاضر ہوتے اور بیعت مشرف ہوتے۔

صبح کے وقت ولی محمد اور شہر کے دوسرے شرفا حاضر خدمت ہوئے، مفتی شرف الدین صاحب نے دعوت کی درخواست کی، ایک دوسرے شخص بھی وہاں ٹھہرے ہوئے تھے، انھوں نے بھی دعوت کی درخواست کی، جانبین سے کچھ گفتگو ہوئی، آپ نے فرمایا کہ "بحث کا موقع نہیں، یہاں آپ سب کی دعوت منظور ہے، لیکن وقت کا تعین آپ کے اختیار میں ہے، آپس میں طے کر لیجئے، چنانچہ مفتی صاحب کو پہلے موقع دیا گیا اور وہ اپنے گھر کی تمام مستورات اور متعلقین کے ساتھ بیعت میں داخل ہوئے، پھر روز

تک ایسی محلے میں دعوت و بیعت کا سلسلہ جاری رہا اور بیعت کرنے والوں کا ازدحام رہا۔

سہارنپور اور اس کے نواح میں اصلاح و تبلیغ کی رو

سہارنپور میں قصابوں کی برادری کے کئی گھر تھے، ان میں سے اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر

بیعت مشرف ہوئے، بیعت ان کی یہ تھی کہ موچھیں بڑھی ہوئیں، زلفیں دراز، لنگوٹ بندھے ہوئے جس سے صرف شرمگاہ چھپی ہوتی، آپ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ تمہاری صورت بالکل ہندوؤں کی سی ہے، موچھیں تراشوا، زلفیں رکھنا چھوڑو، پاجامہ پہنوا اور یہ لنگوٹ اتارو اور سچو قہہ نماز کی پابندی کرو، انہوں نے سب باتیں قبول کیں اور فرمائش کی کہ ایک معلم ان کو دیا جائے، آپ نے حافظ قطب الدین حسکا کو اس کے لئے مقرر کیا، دو تین دن میں تین سو آدمیوں نے اپنی موچھیں اور سر درست کر لئے، ان کے ایک چودھری تھے آپ نے پوچھا "بھائی تمہارا کیا نام ہے؟" انہوں نے کہا "ام بخش" آپ نے فرمایا "اچھا آج سے تمہارا نام امام الدین ہے" اور سب کو تاکید کی کہ اس نام کے سوا اور کسی نام سے چودھری حسکا کو نہ پکارا جائے۔ مولانا عبدالحی حسکا کو وعظ کا حکم ہوا، مولانا نے تعزیر جاری، قبر پرستی اور شرک و بدعت کی دوسری باتوں کے خلاف وعظ کیا اور کھول کھول کر ان باتوں کی بڑائی بیان کی اور ان سے منع کیا، لوگوں نے یہ وعظ اور تقریریں سن کر کہا کہ "ہمیں تو ابھی تک اس بات کی بالکل خبر ہی نہ تھی ہم تو انہیں بو کو دین و ایمان سمجھتے تھے" انہوں نے تمام خلاف شرع امور سے توبہ کر کے یہ صنگ کے ہاتھ پر بیعت کی اور عرض کیا کہ "آپ ہمارے اس راستے پر ثابت قدم رہنے کے لئے دعا فرمائیے، آپ نے استقامت کی دعا فرمائی اور وہ اللہ کے فضل و کرم سے شفقی اور متوجع ہو گئے، آپ نے ان میں چار چودھریوں کو اپنی نظر سے خلیفہ مقرر کیا، ان کے نام یہ ہیں: محمد یار الہی بخش، امام الدین، کریم الدین۔

ان قصابوں کی دستوراً بھی بیعت میں داخل ہوئیں اور ان کے گھروں میں آپ کی دعوت ہوئی۔ بیس روز سہارنپور میں آپ کا قیام رہا، اس عرصے میں قصابوں کی عورتیں خود بھی نماز پڑھنے پر مستعد ہوئیں اور دوسروں کو بھی راہ راست پر لائیں، جو عورتیں آپ سے بیعت کر چکی تھیں لیکن ان کے مرد بیعت سے مشرف نہیں ہوئے تھے، انہوں نے اپنے مردوں کو کہہ دیا کہ "اگر تم نے یہ صنگ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تو ہم تم کو گھر میں گھسنے نہ دیں گے" مردوں نے جب تک بیعت کا پکا اقرار نہیں کیا، انہوں نے دروازے نہیں کھولے۔

محمد یار خاں کے محلے کے لوگوں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے سرگروہ محمد یار خاں جو ابھی تک آپ کی صحبت باریکے فیض اندوز نہیں ہوئے، بلکہ دوسروں کو بھی اثنائے کنایے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے منع کرتے ہیں آپ ان کے حق میں دعا فرمائیں "آپ نے فرمایا کہ ہدایت تو اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے باقی دعا کرنے سے عذر نہیں اگر ہدایت الہی ان کی طرف متوجہ ہوئی تو خود حاضر ہوں گے آپ نے شیخ صلاح الدین ارشد فرمایا کہ تہجد کے وقت ہم کو یاد دلانا شیخ صاحب نے اس وقت یاد دلایا اور آپ نے دعا فرمائی، صبح خان صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں تابعدار ہوں بیعت کا اہتمام رکھتا ہوں، شیطانی وسوسہ تھا کہ اتنے دنوں توقف کیا بڑی معذرت کی اور داخل بیعت ہوئے۔

سہارنپور کے محلہ داؤد سرا میں نور بانوں کی آبادی تھی ان کی بھی یہ تمنا ہوئی کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں برادری نے مشورہ کر کے اپنے دو چودھریوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور اس تمنا کا اظہار کیا کہ غریب خانے پر قدم رنجہ فرمائیں آپ نے ان کی دعوت قبول کی انھوں نے شہر کے دو سر معززین و شرفا کو بھی مدعو کیا، شرفائے شہر نے جن کو اس برادری کی دعوت میں شریک ہونے اور ان کے مکان پر جانے سے عار تھا یہ خبر سن کر کہ آپ شریف لے گئے ہیں بادل ناخواستہ دعوت میں شرکت کی اور ان کو آپ کا وہاں تشریف لے جانا ناگوار ہوا اس برادری کے تمام مردوزن بیعت مشرق ہوئے اور ہدیہ پیش کیا ان کے ایک چودھری کا نام امام بخش تھا، آپ نے ان کا نام بدل کر امام الدین رکھا۔

وہیں محرم کا چاند دیکھا گیا بعض تعزیر اور تعزیر بنانے میں مشغول ہو گئے، آپ نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ ان دنوں تعزیر اری کی مذمت پر وعظ کہا جائے "مولانا کے وعظ کی برکت سے اکثر تائب ہوئے اور کئی آدمیوں نے اپنے بنے بنائے تعزیوں کو توڑ پھوڑ ڈالا اور بعضوں نے جلادیا اور آپ کے ہاتھ پر تعزیر داری سے توبہ کی۔

موضع چلکانہ کا ایک شیعہ مذہب شریف زادہ سید تم علی ہیں کی عمر نیندرہ برس کی تھی تین چار

دن مولانا عبدالحی حسنیؒ کے وعظ میں شریک ہوا، ایک روز حافظ بخوردار کو ہمراہ لے کر ید صفا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ”مجھ پر حق منکشف ہو گیا ہے اور میں توبہ کرنا چاہتا ہوں“ اس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی آپ نے اس کے حق میں عاغے خیر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو اور تمہاری بہتی الشری رضامندی کے راستے میں صرف ہو، آپ نے بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اللہ کی عظمت و کبریائی اور اپنے عجز و مسکنت کے مضمون کو بیان کیا آپ نے اس کو مولانا محمد اسمعیل حسنیؒ کے سپرد کر کے فرمایا کہ ”مولانا اس کو نماز کا طریقہ اور دیگر احکام شرعی کی تعلیم فرمائیے“ اور خود اس کے حق میں ثابت قدمی اور انتقامت کی دعا فرمائی، اس کے اہل خاندان نے اس کی استقامت اور سختگی کو دیکھ کر اور مولانا محمد اسمعیل حسنیؒ سے گفتگو میں بند ہو کر کہا کہ ”ہم نے اس بچے کو دے دیا، آپ اپنے ساتھ رکھئے“ یہ نوجوان حج و سفر جہاد میں برابر ساتھ رہا، مولانا محمد اسمعیل حسنیؒ اس کو اولاد کی طرح سمجھتے تھے اور اپنے تمام کام کا اس کو مختار بنا رکھا تھا، یہ صاحب نے جیسے کہ دعا فرمائی تھی، مہیار کی جنگ میں شہید ہوا اور اللہ کے راستے میں کام آیا۔

حاجی شیخ احمد کہتے ہیں کہ ید صفا نے مولوی شاہ رمضان رڑکی والے کو خلافت عطا فرمائی تھی، تاکہ اطراف و جوانب کے دیہات میں تعلیم و صحبت کے لئے دورہ کریں مولوی صاحب موضع جالکا میں پہنچے جو اس خاکسار کا وطن ہے اور وہاں ایک مسجد میں وعظ فرمایا، میرا سن اس وقت نو سال کا تھا، اور بند تھا، میں نے مسجد کے نیچے بیٹھ کر آپ کا وعظ سنا، آپ نے روزہ نماز وغیرہ اور دوسرے نیک اعمال کے فضائل بیان کئے تین روز تک اسی طرح میں آپ کا وعظ سنتا رہا میرے دل میں آیا کہ جب ان کا دین اتنا اچھا ہے تو میں بھی اگر یہی دین قبول کروں تو بہت اچھا ہے، میرا یہ شوق دن بدن بڑھتا رہا، تیسرے روز میں نے ہمت کی کہ میں مولوی حسنیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو جاؤں، میں مسجد میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ مسلمان آپ کا وعظ سننے کے لئے بیٹھے ہیں اور بہت سے

ہندو علیحدہ علیحدہ مسجد کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں میں بھی وہیں جا کر کھڑا ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد میرے دل میں ایک ایسا سرور پیدا ہوا کہ میں اس کے نشے سے سرشار ہو گیا یہاں تک کہ بے اختیار مگر مولوی حسنا کے پاس جا کر عرض کیا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں مجھے آپ مسلمان کر لیجئے، مولوی حسنا نے اپنے پاس بٹھا کر پوچھا تم مسلمان ہوتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ نے مجھے اپنے ایک بھائی کے ساتھ بید حسنا کی خدمت میں سہارنپور بھیجا اور میرا یہی ذوق و شوق کی حالت میں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔

محسن خاں محمد حسین سہارنپوری بیان کرتے ہیں کہ جب یہ بچہ آپ کی خدمت میں سہارنپور پہنچا آپ نے اس کو اپنے پاس بٹھایا بار بار اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس ہادی مطلق کی شان دیکھو اس کا نور ہدایت جس کے دل میں پڑ جاتا ہے وہ خود راہ راست تلاش کرتا ہے پھر مولانا عبدالحی حسنا سے فرمایا کہ نام خدا اس بچے کو کلمہ توحید کی تلقین کیجئے اور اس نیک کام میں ذرا دیر نہ کیجئے، مولانا مدوح نے کلمے کی تلقین کی آپ نے فرمایا کہ اس کا کوئی نام بھی تجویز کر دیجئے، مولانا کی زبان سے نکلا کہ کریم الدین، اس وقت مجلس میل اہل شہر کا ہجوم تھا، انھوں نے کہا کہ یہ نام رکھنے سے بعض لوگ ناراض ہوں گے، کیونکہ عمائد شہر میں گئی آدمیوں کا یہی نام ہے، آپ نے فرمایا کہ اچھا پھر اس کا نام احمد رکھو اس لئے کہ یہ میرا نام ہے، آپ نے اس بچے کو حکیم معین الدین کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ اس کو نماز سکھائیے اور قرآن کی تعلیم دیجئے اور دین کے احکام و مسائل سے واقف کیجئے، جب ہم آپ کو اپنے سفر حج کی اطلاع کریں تو اس کو بھی اپنے ساتھ لیتے آئیے گا، انشاء اللہ یہ حاجی ہوگا، پھر آپ نے اپنے تمام ہمراہیوں اور اہل شہر میں سے جو لوگ حاضر تھے، نیز مولانا عبدالحی و مولانا محمد اسمعیل حسنا کو جمع کیا اور ان دو صاحبوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ بہالت کی چند باتیں لوگوں کے ذہن میں ایسی بیٹھ گئی ہیں کہ اگر یہ باتیں دل سے نہ نکلیں تو ناندیشہ ہے کہ آخر میں دین ایمان میں خلل نہ آجائے

اول یہ کہ جب کسی کا بچہ مرجاتا ہے اور اللہ اس کو دوسرا بچہ عطا کرتا ہے تو وہ اس پہلے بچے کا نام دوسرے بچے کا نہیں رکھتا اس ڈر سے کہ کہیں وہ بچہ بھی نہ مرجائے۔
دوسرے یہ کہ کوئی غریب مسلمان اپنے بچے کا نام روسا میں سے کسی کا نہیں رکھ سکتا۔
تیسرے یہ کہ دولت مند امرغریبا کی دعوت قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں اور ان کو اس میں شکی اور ذلت محسوس ہوتی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کھانا ہم بچاتے ہیں اسی بچے کے غریب لوگ نہیں چکا سکتے، کیونکہ اس سے ہماری اور برابری ٹھیکتی ہے۔

اس کے علاوہ کبھی بعض ایسی ہی باتیں فرمائیں اور ان میں گڑبھت باتوں کی تردید فرمائی اور مولانا عبدالحی صفا کو وعظ کا حکم دیا، مولانا نے ایسی روانی و خوش بیانی سے وعظ فرمایا کہ ہر ایک کا دامن آنسوؤں سے تر ہو گیا ہر شخص کی زبان پر آمنا و صدقنا تھا وعظ کے ختم ہونے پر آپ نے احکام الہی کی اطاعت کی دعا کی جن لوگوں کے کیم الدین نام رکھنے سے منع کیا تھا، انھوں نے از سر نو بیعت اور ید صفا کے ہاتھ پر توبہ کی۔

مسلمانوں کے علاوہ سلیم الطبع ہندو بھی آپ سے حسن ظن اور محبت کرنے لگے ایک روز تحصیلدار دھوکھل سنگھ آئے اور کھڑے کھڑے عرض کیا کہ کل اس علاقہ کے ہاں جناب کی دعوت آپ نے فرمایا تشریف رکھے، انھوں نے کہا کہ جب تک میری دعوت قبول نہیں ہوگی نہیں ٹھہروں گا آپ نے فرمایا قبول ہے تحصیلدار بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ کل کس وقت سواری لے کر حاضر ہوں؟ فرمایا دو گھنٹے تک کسی کو بھیجا جائے ہم آجائیں دو سو روز وقت مقررہ پر اپنے عملے کے دو سو آدمیوں کے ساتھ جن میں اکثر مسلمان تشریف لائے حاضر ہو آپ سوار ہو کر ان کے مکان پر تشریف لے گئے، ان کے تمام مسلمان ہمراہی شرف بیعت سے شرف ہو تحصیلدار نے بڑے پر تکلف النوع واقسام کے کھانوں کی ضیافت کی کھانے کے بعد عطر پاتا

اور پان سے تو اضع کی شام کے وقت پھر حاضر ہو کر تمام قافلے کو اپنے ساتھ لے گئے اس وقت پلاؤ
وغیرہ اور اکثر ٹھہاریا تھیں تحصیل رانے اعزاز واکرام اور تو اضع اور طردار میں کی دقتیہ اٹھا نہیں رکھا

سہارنپور اور مظفرنگر کے قضبات

دو آبے کے یہ وہ مقامات ہیں جہاں سید صبا کے تشریف لے جانے کا ذکر محسن خاں کی
روایت میں ہے اور مولوی سید جعفر علیؒ نے "منظورۃ السعداء" میں ان کا تذکرہ کیا ہے دو آبے کے
متمم بزرگوں اور علما و مشائخ کے بیانات و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سید صباؒ گنگوہہ نانوتہ
(ضلع سہارنپور) تھانہ بھون اور کاندھلہ (ضلع مظفرنگر) بھی تشریف لے گئے۔

انسبیٹھ

"تذکرۃ الرشید" میں ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا کہ "سید صبا انسبیٹھ میں بھی تشریف
لائے" یہاں صاحبزادہ سید شہین شاہ ابوالمعالی کے یہاں دعوت ہوئی تھی، گنگوہہ بھی سید صبا تشریف
لائے تھے اور مکملے کی سرائے میں قیام ہوا تھا چند شخص یہاں شرفِ بیعت سے مشرف بھی ہوئے تھے،
جن میں ایک شخص یہاں کی مسجد میں رہتا تھا، بڑا ہی قبیح سنت تھا، اس کی عادت تھی جب
رمضان تشریف گزر چکے تو لوگوں سے کہہ دیتا "بھائیو! ایک برس کی میری زندگی اور کل آئی لوگ
ہنسنا کرتے کہ ہر رمضان کے بعد یوں ہی کہہ دیتا ہے، حتیٰ کہ رمضان کی ساتویں کو انتقال کیا۔
نانوتہ

سید صباؒ نانوتہ بھی تشریف لے گئے، وہاں بھی بہت سے لوگ مرید ہوئے، ایک مرید نے

۱۷ "منظورۃ السعداء" ۱۷ "تذکرۃ الرشید" جلد ۲ ص ۲۷۳ ۱۸ ایضاً ص ۲۷۴

بیان کیا "میری آنکھوں میں پھر رہا ہے کہ یہ صاحب مسجد جامع کے وسطی دروازے میں کھڑے ہیں، نہایت شکل جھیل تھے، آپ نے اپنی پگڑی اتار کر ایک سر اپنے ہاتھ میں لے کر باقی بیعت کرنے والوں کو پکڑادی، لوگ برابر دوسرے سر سے تک اس کو پکڑے ہوئے تھے اور پگڑی کنگھورے کی شکل معلوم ہوتی تھی، کیونکہ دونوں طرف سے اس کو تھامے ہوئے تھے۔

کاندھلہ میں مفتی الہی بخش صاحب، جو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگرد اور مرید تھے، بیعت ہوئے اور ان کے خاندان اور قصبے کے اکثر اہل علم اور شرفا بیعت میں داخل ہوئے اور مغان اجاب میں ہے:-

جب یہ صاحب کاندھلہ تشریف لے گئے تو اس وقت مولوی ابوالحسن صاحب سن رسیدہ تھے، ان کے صاحبزادے مولوی نور الحسن آٹھ دس برس کے تھے اور زیور پہنے ہوئے تھے، جب یہ صاحب تشریف لائے تو صاحبزادہ صاحب آ کر بیٹھ گئے، یہ صاحب نے فرمایا "مولانا یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا "بندزادہ" فرمایا "یہ کیا پہنے ہوئے ہیں؟ کیا یہ جائز ہے؟" کچھ ایسی تقریر فرمائی کہ وہ شرمندہ ہوئے اور اسی وقت انھوں نے اس کو اتروا ڈالا، عورتوں نے بہت دُند مچایا کہ "یہ نئے مولوی کہاں سے آئے ہیں؟ ہمارے مولویوں نے کبھی نہیں متع کیا اب نئی کتابیں بنی ہیں؟ جو پہلے تھیں، وہی اب بھی ہیں" مولوی صاحب نے فرمایا کہ "واقعی کتابیں تو وہی ہیں، جو پہلے تھیں، لیکن ہم نہیں جانتے کہ ہم کو کیا ہو گیا تھا"۔

اس دولے میں کم از کم چھ مہینے کی مدت صرف ہوئی، دولے سے دہلی واپسی ہوئی، کچھ عرصہ قیام فرما کر

لے تذکرۃ الرشید" جلد ۲ ص ۲۷۲ ۲۷۳ مفتی الہی بخش صاحب کے صاحبزادے مولانا ابوالحسن متخلص حسین مصنف

"مثنوی گلزار ابراہیم" مثنوی ۱۲۶۹ھ ۱۲۷۰ھ مولوی نور الحسن صاحب کی ولادت ۱۲۲۰ھ میں ہوئی،

(ربیع الثانی ۱۲۳۲ھ میں ان کی عمر تیس سال کی تھی۔ ۱۲۷۰ھ اور مغان اجاب

آپ نے رائے بریلی کے سفر کی تیاری کی لے

سفر کے برکات و اثرات

آپ کا یہ پورا سفر بارانِ رحمت کی طرح تھا کہ جہاں سے گزرتا ہے، سرسبز و شادابی، بہار و برکت چھوڑ جاتا ہے دیکھنے والوں کا متفقہ بیان ہے کہ جہاں آپ تھوڑی دیر ٹھہر گئے، وہاں مساجد میں رونق، اللہ رسول کا چرچا، ایمانوں میں تازگی، اتباع سنت کا شوق، اسلام کا جوش پیدا ہو گیا اور کہیں کہیں شرک و بدعت اور فتن کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور جو بستیاں اور مقامات آپ کے قدم سے محروم رہے وہ ان نعمتوں سے محروم رہے، سالہا سال تک یہ اثر اور فرق رہا، راقم سطور کے والد مرحوم مولانا سید عبدالحی صاحب نے سفر نامہ ”ارمعانِ احباب“ میں مولانا ذوالفقار علی صاحب کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:-

لے اندازہ ہے کہ یہ صاحب کا دوا لے کا دورہ ذی قعدہ ۱۲۳۳ھ کی کسی تاریخ کو شروع ہوا، آپ راتے میں کہیں پانچ روز کہیں دس روز کہیں تیرہ روز ٹھہرتے ہوئے بہار، پونہ، سہارنپور میں محرم (۱۲۳۴ھ) کا چاند دیکھا، بہار پور سے گردنواح کے دوسرے مقامات (انبیٹھ، گنگوہ، تھانہ بھون، کاندھلہ وغیرہ) تشریف لے گئے، کاندھلہ پہنچنے کی تاریخ ۷ ربیع الاول ۱۲۳۴ھ ہے، مراجعتِ دہلی کی تاریخ کی تعیین مشکل ہے، لیکن کاندھلہ کے بعد دہلی پہنچنے تک زیادہ عرصہ نہیں لگنا چاہئے، اس لئے کہ اکثر اہم مقامات پر جانا ہو چکا تھا، میرا اندازہ ہے کہ جہادِ اولیٰ کے آخر تک دہلی واپسی ہو گئی ہوگی، اس طرح واپسی پر ڈیڑھ دو مہینے دہلی قیام رہا ہوگا، دہلی سے رائے بریلی کو روانگی آخر جب تک ضرور ہو گئی ہوگی، اس لئے کہ واپسی کے سفر میں آپ کا قیام کہیں ایک روز اور کہیں اس سے زیادہ روز ہوا ہے، غازی آباد میں جو سفر کی پہلی منزل تھی، آپ سے جب زیادہ قیام کی درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ مہینہ رمضان شریف کا قریب آیا ہے، ہمارا رہنا یہاں دو چار دن نہیں ہو سکتا ہے، (وقائع ص ۱۵۸) وقائع میں تصریح ہے کہ ”ماہ رمضان المبارک کی چاند رات کو حضرت مسیح الخیر اپنے شہر رائے بریلی میں داخل ہوئے، فجر کو سب سے روزہ رکھا (وقائع ص ۱۶۲) لے مولانا ذوالفقار علی دیوبندی بڑے عالم، ادیب اور شاعر تھے، آپ کے صاحبزادے مولانا محمود حسن دیوبندری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند کے لقب سے معروف و خاص و عام ہیں۔

”مولانا ذوالفقار علی صاحب فرماتے تھے کہ سید صاحب اس نواح (دیوبند و سہارنپور) کے اکثر قصبہ جہاں تشریف لے گئے، وہاں اب تک خیر و برکت ہے اور دو ایک گاؤں اور قصبے ایسے ہیں جہاں نہیں گئے وہاں اب تک ہی نحوست اور شامت باقی ہے چنانچہ منگلور نہیں گئے، وہاں کے لوگوں میں وہی بہالت و تساوت ہے اور ایک منقر گاؤں ہے جہاں مسلمانوں کے دو چار گھر ہیں اتفاقاً سید صاحب کسی ضرورت سے وہاں بھی گئے ہیں وہاں بھی خیر و برکت پائی جاتی ہے گویا کہ ایک نور مستطیل ہے کہ بدھ بدھ ہو گئے اُدھر اُدھر وہ پھیل گیا ہے“

میاں محمد حسین نواح سہارنپور کے ایک بزرگ اور سید صاحب کے مرید نے والد مرحوم سے فرمایا:۔
 ”جہاں جہاں حضرت کے قدم گئے، وہاں ہاں برکت آتا رہا ہے جاتے ہیں ایک جگہ تشریف لے گئے، اس قصبے میں نو مسلموں کا محلہ پہلے بنتا تھا، انہوں نے حضرت کو روک لیا تھا کہ محلے تک نہ جانے دیا، اب خدا کی قدرت دیکھئے، نو مسلموں کا محلہ نہایت سرسبز ہے اور وہ لوگ بہت خوشحال ہیں اور قاضیوں کا محلہ ویران پڑا ہوا ہے“
 سب سے زیادہ سید صاحب کا اثر دہلی اور سہارنپور کے نواح میں ہوا اور حقیقت میں یہی آپ کے مرکز رہے، چنانچہ دینداری میں بھی یہ اطراف سارے ہندوستان میں ممتاز ہیں والد مرحوم نے ۱۳۱۲ھ میں سفر کیا اپنے سفر نامے میں سہارنپور کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:۔

”اس وقت تک سہارنپور کے جس قدر قصبوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے وہاں کے ہر فرد کو سید صاحب کا دم بھرنے پایا ہو ہے ان کی محبت میں پورے اور سب بالاتفاق کہتے ہیں کہ ہم کو ایمان و اسلام کی سیدھی راہ انہیں سے ملی ہے برائے نام ہم مسلمان تھے جتنے مشائخ ہیں وہ سب ایسی سلسلے کو مقدم جانتے ہیں میں نے فی عمری سید صاحب کا اتنا پورا چاہا کہ نہیں دیکھا“

اس طرف کی مساجد عموماً آباد ہیں، ہر مسجد میں حمام گرم ہو رہے ہیں، ہر مسلمان کم سے کم نماز و تلاوت کا ضرور شائق ہے، میرے گمان میں ضلع سہارنپور کے اشرار ہماری طرف کے اختیار سے اچھے ہیں اور اختیار کا کیا پوچھتا ہے؟ ان کی تو نظر اس طرف نہیں ملتی کسی رنگ میں ہیں، مگر خدا کی تو لگی ہوئی ہے، بے تکلف اور سچے دیندار مسلمان ہیں، مجلس و عطا معصوم رہتا ہے، ابتداء سے انتہا تک نہایت شوق اور رغبت کے ساتھ سنتے ہیں، ہماری طرف کے (اودھ کے) مسلمانوں کی طرح نہیں ہیں کہ سو میں ایک مجلس و عطا میں بیٹھتا ہے، اور دل میں یہی خیال رہتا ہے کہ اب اٹھو تو اب اٹھو!

اس تمام سفر میں مولانا محمد اسماعیلؒ اور مولانا عبدالحیؒ ہمراہ تھے، ان کے مواعد سے بہت اصلاح و انقلاب ہوا، اسلئے سفر نے وہ کام کیا جو بڑے بڑے مشائخ کا تزکیہ باطن اور بڑے بڑے علماء و مصلحین کی برسوں کی تربیت ظاہر کرتی ہے، ہر ہر جگہ سیکڑوں آدمی متوسل، عابد، تیسع سنت اور ربانی بن گئے، ہزاروں فاسق، صالح اور اولیاء اللہ ہو گئے، بیسیوں آدمی قتل کے ارادے سے آئے، اور جہاں نشان بن کر گئے، اور گھربار چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گئے، یہاں تک کہ میدان جنگ میں شہید ہو گئے، جس نے ایک تیرہ زیارت کر لی وہ آپ کے رنگ میں رنگ گیا اور مرتے مرتے مر گیا، اگر شریعت سے ایک قدم نہ ہٹا، عورتوں و بچوں کی بھی یہی حالت تھی، جوق جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی آنکھیں روشن کرنے، ایمان تازہ کرتے، دعوت دیتے اور اپنے گھراں اور اولاد میں برکت حاصل کرتے، بارہا ایسا ہوا ہے کہ لوگوں نے دعوت کی ہے اور دس پانچ آدمیوں کے اندازے سے کھانا پکوا یا، لیکن وقت پر سو ڈیڑھ سو آدمی سیدھنا کے خادم اور معتقد آگئے، صاحب خانہ نہایت پریشان ہوئے، سیدھنا نے اپنی چادر دے دی وہ کھانے پر ڈال دی گئی اور کھانا نکالا گیا اور سب کے لئے کافی ہوا، بلکہ بچ گیا۔

مولانا عبدالحیؒ، مولانا اسماعیلؒ کا یہ حال تھا کہ سواری کے ساتھ پیدل چلتے، رگام تھاتے، جوتیاں اٹھاتے، آپ سوتے تو وہ ساری رات جاگتے۔

چٹاباب

رائے بریلی کو واپسی اور مشرقی اضلاع کا دور

سفر رائے بریلی

دہلی سے اپنے رائے بریلی کے سفر کا قصد فرمایا اور شنبے کا روز سفر کے لئے معین ہوا، جسے کے روز مولانا محمد اسماعیل صاحب نے دعوت کی اپنے مولانا کے ساتھ ناز جمعہ ادا کی مولانا عبدالحی نے مسجد اکبر آبادی میں عصر تک عطا فرمایا دوسرے روز آپ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے رخصت ہوئے، اور سفر پر روانہ ہوئے آپ کے ساتھ پچاس سے زائد ہمراہی تھے۔

دہلی سے شاہدہ ہوتے ہوئے غازی آباد قیام فرمایا، غازی آباد کے ایک حافظ صاحب نے درخواست کی کہ "تین چار روز یہاں قیام فرمایا جائے، لوگ بہت مشتاق ہیں، وہ سفین یا ہوں گے" اپنے فرمایا کہ "ماہ مبارک قریب ہے آج تو قیام رہے گا، کل انشاء اللہ وطن کو روانگی ہو جائے گی" اس روز کثرت سے لوگوں نے بیعت کی۔

غازی آباد میں آپ کو برادرِ معظم مولانا سید محمد اسحق صاحب کی خبر و قیام معلوم ہوئی، اپنے قاصد خط لے کر چورائے بریلی سے بھیجا گیا تھا، پڑھا، پھرے کا رنگ متغیر ہو گیا، لیکن خاموش رہے اور

یہ آپ کی آخری ملاقات تھی، اس کے بعد نہ آپ کا دہلی آنا ہوا نہ شاہ صاحب سے ملا، آپ حج سے ۱۲۳۹ھ میں اپس ہوئے

اسی سال آپ کی واپسی کے بعد حضرت شاہ صاحب نے انتقال فرمایا اور اپنے وطن میں اس کی خبر سنی۔ ۱۲۳۹ھ تاریخ انتقال

خط ایک رفیق مبارک علی کے حوالے کیا، جو ناخواند تھے تاکہ ہمراہیوں کو اطلاع نہ ہو ورنہ وہ بچیدہ ہوں گے اور کوئی کھانا نہ کھائے گا، آپ نے مولانا محمد اسماعیل ^{رحمۃ اللہ علیہ} سے فرمایا کہ ہمارے بھائی صاحب مولانا سید محمد اسحق نے انتقال کیا، محسن خاں جن کو سید اسحق سید رضا کی ہمراہی کے لئے چھوڑ گئے تھے، یہ سن کر زار قطار رئے، آپ نے فرمایا، محسن خاں اب صبر کرو، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، لوگوں نے کھانا کھایا، آپ نے بھی آدھی رات کو کچھ تناول فرمایا۔

”وقائع میں ہے“ سب نے نماز (مغرب) پڑھی، بعد اس کے حضرت سید المجاہدین بیٹھے تھے، قصبہ رائے بریلی سے ایک بھاٹ آگے یہاں سے خط لایا، آپ نے پورا غزویک منگوا کر وہ خط پڑھنا شروع کیا، پھر ٹھوڑا سا پڑھ کر خط لپیٹ ڈالا اور آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا، لوگوں نے پوچھا کہ ”حضرت کیا خبر ہے؟“ آپ نے کچھ نہ بتایا، اس عرصے میں صاحب دعوت نے کہا کہ ”حضرت کھانا تیار ہے، آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم سب صاحبو! کھانا کھاؤ، میں اس وقت نہ کھاؤں گا“ مولانا عبدالحی مولانا محمد اسماعیل ^{رحمۃ اللہ علیہ} نے کہا کہ ”حضرت کچھ سبب تو معلوم ہو ویسے تو ہم کھا لیتے، مگر اب ہم بھی نہیں کھا سکتے“ آپ نے وہ خط مولانا کے حوالے کیا اور فرمایا کہ ”ہمارے بھائی صاحب مولوی سید محمد اسحق کا انتقال ہو گیا، یہ بات سن کر سب کو بہت رنج ہوا، پھر مولانا صاحب نے کہا کہ ”حضرت اب تو جو ہونا تھا، ہوا، سوائے صبر کے کچھ چارہ نہیں، مگر دو چار تقمے کھانا کھا لیجئے، کہ آپ کے سب سے سب کھائیں گے اور بغیر آپ کے کوئی نہ کھائے گا“ ان کے کہنے سے حضرت نے دو چار تقمے کھائے اور سب لوگوں نے کھانا کھایا، پھر نماز عشا پڑھ کر سب لوگ سوئے۔“

صبح غازی آباد سے کوچ ہوا اور قصبہ ہالوڑ قیام ہوا، وہاں کے بہت سے شرفاء اور غربا بیعت مشرف ہوئے، وہاں سے کوچ فرما کر قصبہ گڑھ مکتیسر قیام فرمایا، وہاں بھی لوگ بیعت و توجہ سے فائز ہوئے، وہاں سے چل کر امر و بہر ٹھیرنا ہوا، امر و بہر میں قصبے کی سرانے میں (ایک دن) قیام رہا، امر و بہر سے چل کر

مراد آباد منزل ہوئی اور وہاں کی سرائے میں قیام ہوا، قاضی شہر ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے، اور کھانے کی دعوت دی، کھانا تناول فرماتے کے بعد قاضی صاحب اپنے اہل و عیال کے بیعت ہو گئے، آپ نے قاضی صاحب کو خلافت عطا فرما کر وعظ و نصیحت کی اجازت دی اسی شب نواب علی محمد خاں ایک اشارہ غیبی سے متوجہ ہو کر ایک بڑی جماعت کے ساتھ سرائے میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارا آپس میں کچھ نزاع و اختلاف ہے جناب الا ایک ہفتہ مراد آباد میں قیام فرمائیں اور ہمارا آپس میں اتفاق کرادیں، انہوں نے شام کے کھانے کی دعوت بھی دی، آپ نے فرمایا کہ ”دعوت تو قبول ہے لیکن ایک ہفتہ کے قیام میں ہمارا حرج ہوگا، رمضان تشریف فریب ہے، انہوں نے عرض کیا کہ کچھ تو قیام ضروری ہے اس لئے کہ یہ بھی خدا کا کام ہے، شام کو قاضی صاحب آئے اور آپ نے ان کی ہمراہی میں نواب صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے، کھانے سے فراغت کے بعد نواب صاحب خاندان کے مرید ہو گئے۔ دوسرے روز شام کو مراد آباد کے دوسرے رئیس محمد میاں کے یہاں دعوت ہوئی، ان کے یہاں بھی بہت مردوں اور عورتوں نے بیعت کی تھی۔

مراد آباد میں دو چار روز قیام فرما کر آپ رام پور تشریف لائے اور حاجی زین العابدین خاں کے یہاں فروکش ہوئے۔

رام پور سے بریلی منزل ہوئی، نواب بریلی آپ کی زیارت کے لئے جامع مسجد آئے اور آپ کو سوار کر کے اپنے مکان لے گئے، نواب صاحب کے دیوان خانے کے سامنے چند قبریں تھیں، حضرت نے پوچھا کہ یہ قبریں کس کی ہیں؟ نواب صاحب نے کہا کہ ”ہمارے گھرانے کے لوگ اسی جگہ مدفون ہیں، آپ ہاں چل کر ان کے واسطے دعا کریں“ حضرت نے فرمایا بہت خوب، مگر آج نہیں اکل کسی وقت ہمارے پاس آئیے گا تو پہلے شہر کے گورستان میں جا کر وہاں کے غراب کے واسطے دعا کریں گے، پھر یہاں آکر ان کے واسطے بھی دعا کریں گے، نواب صاحب نے اس پر راضی

ہو گئے، رات کو کھانا تناول فرمانے کے بعد نواب حسنا کے تمام اہل و عیال نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، دوسرے دن آپ گاڑی پر سوار ہو کر شہر کے مقابر میں تشریف لے گئے اور دیزنگ ہاؤس میں مشغول رہے، اس کے بعد ہاؤس نواب حسنا کے گھرانے کے مقبرے میں تشریف فرما ہوئے، وہاں دیزنگ ہاؤس کی پھر جامع مسجد میں آئے۔ کئی روز کے بعد بانس بریلی سے اپنے وطن رائے بریلی کو روانہ ہوئے، میاں دین محمد کہتے ہیں کہ: ”راہ میں کئی جگہ کچھ کچھ حالات گزے، مگر وہ تمام وکمال یاد نہیں۔“

”ماہ رمضان کی چاند رات (۲۹ شعبان ۱۲۳۲ھ) کو حضرت مع انجیر تمام رفقہ کے ساتھ شہر رائے بریلی میں داخل ہوئے، فجر کو سب سے روزہ رکھا۔“

رائے بریلی کا قیام

جب آپ رائے بریلی پہنچے تو ستر سے اوپر آدمی آپ کے ساتھ تھے، قحط کا زمانہ تھا، تقریباً سو آدمیوں کی خورد و نوش کا بار آپ پر تھا، بڑی تنگی تھی، جس کی وجہ سے مسجد اور گھر میں چولہے نہیں جل سکتا تھا، بڑی اتبلا کا زمانہ تھا، لیکن سکینت الہی کی وجہ سے غم قحط تھا، اور جفا مسلمین تھی، کبھی اگر کسی عزیز نے بہت شکایت کی اور دعا کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً غیب سے انتظام فرادیا۔ اس موقع پر مولوی محمد علی صاحب ”مخزن احمدی“ نے اپنا چشم دید واقعہ لکھا ہے جس سے اس قیام کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، مولوی صاحب لکھتے ہیں:-

”مجھے خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ متواتر دو روز سے ایک آنہ میرے حلق سے نہ اترتا تھا اور یہ کڑھاکے کا فاقہ اُدھر مارش کا یہ حال کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب برس کر پھر نہ برسے گی، معلوم ہوتا تھا کہ آسمان کے دہانے کھل گئے ہیں، ہر طرف سے سیلاب منڈنا چلا آتا تھا، تمام دنیا

جل تھل ہو رہی تھی میں دو روز کے فائقے کا مارا بستر پر کھڑے رہا تھا نیند اس حالت میں کیا آتی؟ آخر پریشان ہو کر اٹھا اور مسجد میں آیا وہاں چہلچہلو نہ ہونے کی وجہ سے اندھیرا گھپ تھا، حضرت چند آدمیوں کے ساتھ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، میں جب مجلس کے قریب پہنچا تو میں نے کہا "دوستو تمہارا کیا حال ہے؟" مولانا محمد اسمعیل نے فرمایا کہ "آج تم بھی یہاں کی تجلی بے رنگی کا نشانہ دیکھو" حضرت نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھایا، میں نے مجلس کا عجیب حال پایا، سرور و نشاط دانی کے دروازے کھلے ہوئے تھے، غم و فکر ان سے کوسوں دور تھا میں نے روتے روتے حضرت کا دامن پکڑا اور عرض کیا کہ "گھر کے تمام مرد عورتوں اور بچے ایسی بھوک میں مبتلا ہیں جس کا اظہار زبان سے نہیں ہو سکتا، آپ تو صبر توکل اور قار و تحمل کا پہاڑ ہیں لیکن ہم تو اس درجے کے صابر و متوکل نہیں اپنی قرابت اور رشتے کا واسطہ دعا کا نیر کمان سے نکالنے اور قوتِ مالا موت کے لئے بارگاہِ خداوندی میں درخواست کیجئے" آپ نے سنتے ہوئے اہل مجلس سے فرمایا کہ "محمد علی بھوک کی تکلیف سے بہت از خود رفتہ ہو گئے ہیں مجیباً دعا کی بارگاہ میں دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کچھ انتظام فرمائے" اس کے بعد اپنے نہایت تضرع و زاری انکسار و خاکساری کے ساتھ دعا فرمائی "ایک گھڑی سے زیادہ نہیں گزری تھی کہ بادل چھٹ گیا اور چاند نکل آیا، حضرت تمام اہل مجلس کے ساتھ روتے ہوئے مسجد شکر میں گر گئے، ابھی آپ نے سجدے سے سر نہ ہٹایا تھا کہ عینی ندی جو تکیے کی مسجد کے نیچے ہی بہتی ہے اور اس وقت بڑی طغیانی پر تھی اس کے دوسرے کنارے سے مسافروں کی آواز آئی کہ "ملاح، کشنی لاؤ اور ہم کو پار اتارو" حضرت نے مسجد نکل کر پوچھا کہ "کہاں آتے ہو اور کون ہو؟" انھوں نے جواب دیا کہ "ہم لوگ حضرت کے مرید خاص ہیں محمد حسین داروغہ توپخانہ انگریزی کے بھیجے ہوئے آئے ہیں اور ارادت کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں" سیلاب کی وجہ سے دریا بڑے زور شور سے بہ رہا تھا، آپ نے ایک ہر کشنی ران کو

بھیجا وہ ان کو اتار کر لایا، انھوں نے کپڑے بدلے اور سید محمد حسین صفا کی بھیجی ہوئی چند اشرفیاں اور کچھ روپے اپنی طرف سے خدمت میں نذر کئے، آپ نے ان اشرفیوں کے کھانے کا انتظام کیا دوسرے وقت محبت سے میرے کان پکڑ کر کہا "کہو کچھ کھانے کی اشتہا باقی ہے" میں نے عرض کیا کہ ایک ہفتے کا تو سامان ہو گیا ہے اب میں بے فکر ہوں! فرمایا "ایک ہفتہ کیا چیز ہے؟ ہمیں رزاقِ مطلق کی رزاقی پر اعتماد ہے کہ اگر سندھ کے ریگستانوں میں یا عرب کے بادیں میں ہوں اور آب و آنا پیند ہو اور ہفت قلم کے باشندے ہمارے ساتھ ہوں تو ہم کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب سے سامان کے ساتھ

رائے بریلی کا یہ قیام عجایب و تربیت اور جسمانی و روحانی مسئولیتِ خدمت کا خاص دور تھا۔ سید صفا بھی عام لوگوں کے ساتھ مشقت کے کاموں میں شریک ہونے لگے لکڑیاں چیرنے بوجھ اٹھانے، یہ زمانہ بڑے روحانی و علمی فیوض و برکات کا زمانہ تھا، سید صفا کا وجود علماء و شائخ ہندوستان کا اجتماع کیسویں، یہ نعمتیں جمع تھیں جو کم جمع ہوتی ہیں ایک غیر معروف چھوٹا سا گاؤں کہکشاں بن گیا تھا، جس کی زمین پر چاند کے ساتھ سائے روشن سائے اتر آئے تھے، ہندوستان کے منتخب اور نامور علماء و شائخ، مولانا محمد اسماعیل، مولانا عبدالحی، مولانا محمد یوسف پھلتی لہاجی، عبدالرحیم ولایتی، شاہ ابوسعید تجزی (خلیفہ حضرت شاہ غلام علیؒ) ایک وقت میں جمع تھے۔

یہ قیام عجیب ذوق و شوق، لذت و صلاوت اور جفاکشی کا تھا اور رہا جوین کے قیام مدینہ منورہ سے بہت مشابہ تھا، سید صفا اور رفقا جن میں ہندوستان کے جلیل القدر علماء اور صلا سلسلہ شائخ تھے، بڑے ذوق سے اپنے ہاتھوں سے مشقت کے کام کرنے لگے لکڑیاں چیرتے، گھاس پھیلتے اینٹیں تھاپتے، مسجدیں تعمیر کرتے، فاتحے اور ہر حال میں خوش رہتے، ایک سوز و گداز ایک محویت و جذبہ کا عالم تھا، کسی کو نہ شکایت تھی نہ افسوس، ان میں اچھے اچھے عالی خاندان، خوش حال رئیس، ارباب

لہ "مخزن احمدی" ۲۲-۲۳ء "وقائع احمدی" اور منظومہ السعداء میں اس طرح کے متعدد واقعات درج ہیں۔

تھے بہت سے نازک طبع اور ناز پروردہ نوجوان تھے ان کے گھر میں کسی بات کی کمی نہ تھی،
بعضوں کے سیکڑوں ہزاروں معتقد و مرید تھے مگر گھر بار، عیش و آرام، شہت و مخدومیت
چھوڑ کر اس در پر پڑے ہوئے تھے اور ہزار درجے توش تھے۔

ایک تبلیغی دورہ

اسی زمانہ عقیام میں آپ نے ایک تبلیغی دورہ فرمایا، یہ دورہ رائے بریلی سے مشرق کی
جانب سلون، اہلاد گنج، الہ آباد، بنارس وغیرہ کی طرف تھا۔
رائے بریلی سے چل کر غالباً پہلی منزل سلون ہوئی، اسلون میں سلسلہ ہشتینہ نظامیہ کی ایک

لے اس زمانے کے حالات و واقعات اور دور و سیر کے سلسلے میں ہم نے "وقائع احمدیہ" اور "منظورۃ السعداء" کی ترتیب
کی پیروی کی ہے، دونوں کی ترتیب واقعات حسبِ میل ہے، مراجعتِ وطن از دہلی، تنگی معیشت و فاقہ و دعا، تعمیر
مسجد، سفر اصلاح و تبلیغ (سلون، اہلاد گنج، الہ آباد، بنارس — وغیرہ) سفر لکھنؤ، اس کے بعد و زون
میں یہ اختلاف ہوتا ہے کہ "وقائع احمدی" میں سفر لکھنؤ کے بعد نصیر آباد ہے، اس کے بعد خواب نکاح ثانی
کا واقعہ منظورہ "میں سفر لکھنؤ کے بعد خواب نکاح ثانی کا واقعہ ہے، پھر نصیر آباد کا سفر اور محرم کا واقعہ
"مخزن احمدی" میں واقعات کی ترتیب اس سے بہت مختلف ہے، اس کی ترتیب حسبِ میل ہے، مراجعتِ
رائے بریلی، تنگی و عسر و دعا، روایئے صادقہ و نکاح ثانی، واقعہ نصیر آباد، دورہ لکھنؤ، مراجعتِ تعمیر مسجد
دورہ تبلیغی اس ترتیب میں دورہ تبلیغی بہت آخو میں سفر لکھنؤ کے بھی بعد ہے، بہت سے وجوہ و اسباب کی بنا پر
"وقائع" اور "منظورہ" کو ترتیب واقعات تعیین نہیں، واقعہ کی جزئیات و تفصیلات میں "مخزن احمدی" پر
ترجیح حاصل ہے، خاص طور پر جبے دونوں مقدم الذکر کتابیں باہم متفق ہوں تو یقیناً "مخزن" کے نقلیے میں قابلِ ترجیح
ہیں البتہ ان تینوں کتابوں میں تعمیر مسجد کو حج سے پہلے جگہ دی گئی ہے، "وقائع" اور "منظورہ" میں تو دہلی سے واپسی
(۱۳۳۴ھ) کے بعد بالکل شروع کے واقعات میں درج کیا گیا ہے، لیکن خود مسجد کی تعمیر کے حسابات کے قدیم کاغذات سے
علوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں مسجدیں ۱۲۳۰ھ میں (حج کے بعد) تعمیر ہوئی ہیں، اس لئے اس کو ۱۲۳۰ھ کے واقعات میں
درج کیا جائے گا۔ لے سلون شہر رائے بریلی سے بیس میل پر ایک قدیم قصبہ ہے، آج کل ضلع رائے بریلی کی ایک تحصیل ہے۔

مشہور خانقاہ ہے یہاں گیارہویں صدی ہجری میں شاہ پیر محمد صنا (متوفی ۱۰۹۹ھ) نے
 جو شاہ عبدالکریم صنا انکیپوری کے ممتاز خلیفہ اور حضرت شاہ علم الشرح کے معاصر تھے، قیام
 اختیار کیا ان کی اولاد میں بڑے بڑے صاحب علم اور صاحب سلسلہ بزرگ گزرے ہیں
 جن میں شاہ محمد اشرف خاص طور پر نامور اور ممتاز تھے، سید صنا جب سلون تشریف
 لے گئے تو شاہ کریم عطا صنا سجادہ نشین تھے، اور اتفاق سے عرس کا زمانہ تھا، اس خان
 میں عرس کے موقع پر علاوہ دوسرے رسوم کے گا گراٹھانے کی رسم بدست چلی آرہی تھی، انکیپور
 اور سلون دونوں جگہ دستور تھا کہ سجادہ نشین کو راکھ اسر پڑھا کر لاتے اور ان کی تبعیت میں
 دوسرے مرید خدام بھی کوئے گھرے اٹھائے ہوئے چلتے اور قوالی ہوتی، سید صنا اور ان کے
 رفقاء نے یہ تمام رسوم اور مناظر دیکھے، شاہ پیر محمد صنا سلونی اور شاہ علم الشرح کے خاندانوں
 میں باہم احترام و اعتراف کا معاملہ رہا تھا اور دونوں ایک دوسرے سے خوب اہتمام سے
 سید صنا نے شاہ کریم عطا صاحب سے خود گفتگو فرمائی، آپ نے فرمایا کہ آپ لوگ درویش

۱۷ شاہ کریم عطا سجادہ نشین سلون شاہ محمد پناہ کے صاحبزادے اور شاہ محمد اشرف کے پوتے، اپنے پردادا شاہ پیر محمد کے
 سجادے کی زینت تھے، ۱۵ ربیع الاول ۱۱۶۷ھ میں پیدا ہوئے، قراءات سبعہ کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا اور اپنے والد سے
 علم و طریقت میں کسب نہیں کیا، سخاوت و ایثار تو واضح و حسن اخلاق میں اپنے آباء کے کرام کی یادگار تھے، ۱۲۲۸ھ میں
 وفات پائی۔ ۱۷ شاہ محمد اشرف کا عرس تھا جن کی وفات ۱۱۶۷ھ میں ہوئی۔

۱۸ گاگر کی رسم حضرت شاہ حسام اکن یا کیپوری کے شیخ حضرت شاہ نور اکن (نور الدین احمد بن عمر) پندوسی
 (۱۱۸۰ھ) کی یادگار ہے، روایت ہے کہ ایک بار حضرت شاہ نور اکن محفل سماع میں شریک تھے، خادم نے اطلاع دی
 پانی ختم ہو گیا ہے، اس وقت آپ پانی کی تلاش میں بذات خود اٹھے، آپ کے ساتھ ساری محفل اٹھی اور فریہ کے تالاب
 یا دریا سے گاگروں میں پانی بھر کر واپس آئے، حضرت شاہ حسام اکن نے اس واقعہ کی یادگار میں یہ رسم جاری کی، چنانچہ
 سلون و انکیپور کی خانقاہوں میں یہ رسم اب تک جاری ہے، گاگراٹھانے وقت قوالی ہوتی ہے، سلون کی خانقاہ سے
 چند فرلانگ پر ایک تالاب ہے، اس سے پانی بھرا جاتا ہے، تعظیماً گاگر کو سر پر رکھتے ہیں، وسط میں سجادہ نشین ہوتے ہیں،
 جن کے ارد گرد مستعدین گاگراٹھائے ہوئے ساتھ ہوتے ہیں۔

وہادی دین ہیں آپ کے اقوال و افعال عوام الناس کے نزدیک حجت اور دستاویز ہوتے ہیں یہ جو ہر سال آپ عرس کرتے ہیں اور اس کے اندر جو منہیات شرعیہ ہوتے ہیں ازراہ انصاف فرمایا جائے کہ یہ طریقہ سنتِ سنیت کے موافق ہے یا مخالف اگر موافق ہے، فہو المراد اور نہ اس کو ترک کرنا چاہیے۔
 شاہ حصّانے فرمایا کہ اس کا جواب پھر کسی وقت ملاقات کے موقع پر دیا جائے گا، دوسرے روز آپ نے مولانا عبدالحی حصّانے کو آپ کے پاس بھیجا، مولانا آپ کے پاس گئے اور اس مسئلے میں گفتگو کی، انہوں نے فرمایا کہ مزید گفتگو دوسرے موقع پر ہوگی اور سید حصّانے کو پیغام بھیجا کہ آپ سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔
 سید حصّانے پیغام پاتے ہی خود تشریف لے گئے، اس گفتگو میں شاہ حصّانے اعتراض فرمایا کہ ان اعمال و بدعات کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ان کا درجہ صرف رسومِ کلہ ہے، جو مشائخ کے زمانے سے سلسلہ پلسلہ چلی آرہی ہیں آپ عافرائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے ترک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔
 سلون میں شاہ حصّانے کے اہل تعلق میں سے کچھ لوگوں نے بیعت کی اور عرض کیا کہ آپ کل بھی یہاں قیام فرمائیں، اس قصبے کے اکثر لوگ مولانا عبدالحی حصّانے کے وعظ کے مشاق ہیں آپ نے فرمایا کہ کل ہم کو جانا ضرور ہے، اگر خیر سے اللہ تعالیٰ ہم کو پھیر لائے گا، تب مولانا حصّانے کا وعظ سن لیتا آج کی رات جس کو جو کچھ مسئلہ پوچھنا ہو، مولانا حصّانے سے پوچھ کر اپنی تسلی کرنے چنانچہ جس کو جو مسئلہ پوچھنا منظور تھا، اس نے اس رات آکر پوچھ لیا اور مولانا نے اس کی دلچسپی کر دی۔ اسی رات کو وہاں کے اکثر لوگوں نے اگر بیعت کی اور صبح کو آپ نے وہاں سے کوچ فرمایا۔

سلون سے روانہ ہو کر آپ نے اہلاد گنج میں قیام فرمایا، وہاں والی لکھنؤ کی طرف سے ایک عامل (حاکم) کاظم بیگ نام تھا، اس نے بھی آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور اس کے رفقاً اور ہمراہیوں نے بھی شرفِ بیعت حاصل کیا، دو یا تین روز آپ نے وہاں قیام بھی فرمایا۔

۱۲۳۳ھ "وقائع" ۲۶۳ ۱۲ ایضاً ۲۶۵ ۱۲ ایضاً ۲۶۶ ۱۲ اہلاد گنج پرتاب گڑھ سے جانچ جنوب مغرب
 لکھنؤ ۳۲ میل پر واقع ہے۔

اہلادگنج سے روانہ ہو کر الہ آباد قیام ہوا، الہ آباد میں بارہ دائرے مشہور تھے "وقائع احمدی" میں کہ آپ لوگوں کو صلحا پوچھا کہ کہاں تریں انھوں نے کہا کہ اب تو کسی سرے میں تریں جائیں پھر کوئی مکان تلاش کر لیں گے اس عرصے میں بارہوں دائروں کے پیرزادوں کو حضرت کے قدم مہینت لڑو کی خبر معلوم ہوئی انھوں نے اپنے اپنے دائروں میں تارنے کا ارادہ کیا آخر الام ایک بزرگ شاہ رحمن نام ان پیرزادوں میں سرگروہ تھے انھوں نے حضرت کو مع تمام رفقا کے اپنے دائرے میں انارہ "منظورہ" میں ہے کہ دائرہ شاہ اجمل میں قیام فرمایا۔

الہ آباد میں شیخ غلام علی صاحب جوجا اور دت نرائن کے عامل تھے ملاقات کو آئے اور شرف بیعت مشرف ہوئے بیعت ہونے ہی منہ پنا شرعیہ سے توبہ کی اور تمام ممنوعات سونے چاندی کے ظروف اور آلات لہو لعب کو توڑ پھوڑ ڈالا اور ان آلات لہو لعب کو دریا میں پھینکوا دیا، اور ان کے بیچے کو بھی پسند نہ کیا یہ صفا کا ایسا معتقد صادق مخلص لے رہا اور محب باقا دیکھنے میں پہلے آیا۔ شیخ صاحب کے علاوہ صدہا شرفا اور غربانے بیعت کی اور شرک بدعات سے نائے ہوئے، یہ حال دیکھ کر ایک شیعہ رئیس دھومن خان دو آدمی آپ کی خدمت میں بھیجے کہ وہ آپ سے گفتگو کریں خیال یہ تھا کہ اگر بات بڑھی اور جھگڑے کی صورت پیدا ہوئی تو الزام قائم کر کے حکومت کے ذریعے شہر سے اخراج کا حکم حاصل کر لیا جائے گا یہ دونوں آدمی سید صفا سے بیعت ہو گئے، شاہ اجمل صفا نے سید صفا کے

لے "وقائع" ۲۶۶ء شاہ اجمل الہ آبادی تیرہویں صدی میں شمال مغربی ہند کے مشہور شاعر تھے، شاہ محمد ناصر کے صاحبزادے اور مشہور محدث و صوفی مولانا محمد فاخر زائر الہ آبادی کے بھتیجے، ۱۲ شوال ۱۱۱۳ھ میں ولادت ہوئی، ابتدائی کتابیں مولانا محمد فصیح جو نیورنگی، منطق مولانا محمد اہلم سے نیز تاضی متعدد خاں و شاہ حسین سے علوم آلیہ کی تعلیم حاصل کی حدیث اپنے عم تاملہ کے شاگرد مفتی محمد صغیر مفتی شکر سے پڑھی طریقت کی تعلیم اپنے چچا زاد بھائی شاہ قطب الدین قانوی سے حاصل کی اور ان کے سفر حرمین کے بعد اپنے آبائی سجادے کو رونق بخشی حسن اخلاق، تواضع و انکسار اور علمیت و درویشی میں شہرہ آفاق تھے، یکم ذی الحجہ ۱۲۳۳ھ میں انتقال کیا (ترجمہ انخواطرح ۷) ۱۱۱۳ "وقائع" ۲۶۷-۲۶۸

آباء کے کرام کے فضائل و کمالات بیان کئے اور فرمایا کہ "بزرگوں کی اولاد بزرگ ہی ہوتی ہے یہ حدیثاً
نے الہ آباد میں زیادہ قیام مناسب نہیں سمجھا کہ "مبادا ہمارے رہنے سے مفسد لوگ کچھ شہر میں بٹوہ کر لیں"
اور بنارس کی طرف کوچ فرمایا۔

"وقائع احمدی" میں ہے "جاڑے کا موسم تھا، قطرہ افشانی ہو رہی تھی، جب شہر بنارس
کچھ دور رہا، تب حضرت نے فرمایا "اس شہر میں تاریکی بہت معلوم ہوتی ہے" لوگوں نے کہا
"کس چیز کی تاریکی ہے؟" آپ نے فرمایا "کفر و شرک کی تاریکی!"
بنارس میں کنڈی گروں کے محلے میں لہسہر کی مسجد کے قریب ایک بادشاہی مسجد تھی
ویران پڑی تھی، بہت کوزا اور گوبر جمع تھا، آپ نے اس کو صا کر دیا اور خوب دھلوا دیا اور
اسی میں اترے، اس محلے کے چند مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اس شہر میں ایک گشائیں بڑا نامی تھا اور اس کے بہت سے چیلے بھی تھے، وہ تمام ہندوؤں
کا گرو تھا، حضرت کے وہاں اترنے سے اس کے ذکر و فکر اور دھیان گیان میں خلل واقع ہوا،
اس نے اس بات کا تذکرہ اپنے چیلوں سے کیا اور کہا کہ "اس شہر میں کئی روز سے ایک بید اترے ہیں،
ان کی نسبت پرتو سے ہمارا کاروبار درہم برہم ہو گیا، حضرت نے بھی اپنے لوگوں سے فرمایا کہ "اس شہر
میں ہمارے آنے کے سبب گشائیوں کے سحر اور استدراج کے کاروبار معطل اور بیکار ہو گئے"
مولانا عبدالحی صاحب نے کئی روز اس مسجد میں وعظ فرمایا، بہت سے مسلمان خصوصاً
اس محلے کے مسلمان کنڈی گرو اور دھوبی و عظم سننے کو آئے، ان مسلمانوں کے وہاں ایک پیر تھے،
انھوں نے بید حدیثاً کے آنے اور لوگوں کے رنج ہونے کا حال سنا تو ایک نگین رومال اور کچھ
ٹھالی کے لاپٹی دانے اپنے خادم کے ہاتھ بید حدیثاً کو بھیجے اس خادم نے بید حدیثاً سے آکر کہا کہ

لہ "وقائع" ۲۶۸ ۲۵ ایضاً ۲۶۹ ایضاً ۲۵ ایضاً ۲۶ ایضاً

ہمارے فلانے پیر و مرشد نے یہ تبرک آپ کو بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ جو آپ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں، مفید نہ ہوگا، یہ تمام لوگ ہمارے مرید ہیں اور یہاں کا دستور آپ کو معلوم نہیں اگر آپ کچھ فتوحات حاصل کرنے کو آئے ہیں تو ہم سے آکر ملاقات کریں پھر جو ہم اس کی تدابیر بتائیں وہ آپ عمل میں لائیں تب تو کچھ حاصل ہوگا، ورنہ آپ مختار ہیں۔“

یہ سن کر مولوی وحید الدین حصّانے سید حصّانے سے اجازت لی کہ وہ پیر حصّانے کے پاس گیا۔ سید حصّانے اجازت دے دی، مولوی وحید الدین حصّانے نے غریبوں کا لباس پہن کر اور کئی آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر ان کے مکان پر گئے اور ان سے ملاقات کی انھوں نے پوچھا آپ ہی اس شہر میں تشریف لائے ہیں اور لوگوں سے بیعت لیتے ہیں؟ مولوی حصّانے نے کہا کہ وہ ہمارے پیر و مرشد ہیں ہم تو ان کے ادنیٰ مرید ہیں لوگوں کے آپ کے اخلاق حمید سن کر آپ کی ملاقات کو آئے ہیں۔ مولوی وحید الدین حصّانے کا کمال باطنی دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر پیر حصّانے کو سید حصّانے کی ملاقات کا اشتیاق ہوا اور اگلے روز صبح وہ سید حصّانے کی خدمت میں تشریف لائے، سید حصّانے ان کو بہت عزت و احترام سے بٹھایا اور عافیت مزاج پوچھی، انھوں نے کہا آپ کو اور آپ کے آدمیوں کو دیکھا اور ان کی گفتگو سنی تو مجھے کہ یہ لوگ تو اور ہی قسم کے ہیں، انھوں نے سید حصّانے سے کہا کہ حضرت سلامت ہمارا توجہ معاشیہ ہے کہ تمام مریدوں کے یہاں شمشاہی مقرر ہے، کوئی ایک روپیہ کوئی دو روپیہ کوئی کم زیادہ دیتا ہے، اور یہ لوگ پیشہ ور ہیں ان سے بچ وقتی نماز کہاں ہو سکتی ہے؟ اسی کی معافی میں یہ ہم کو چھٹے مہینے مقدور کے موافق کچھ زر نقد نذر کرتے ہیں، مگر رمضان کے روزوں کی ہم ان کو بہت تاکید کرتے ہیں اس میں جو کوئی عذر کرتا ہے کہ ہم حقہ پیتے ہیں یا کوئی نشہ کھاتے ہیں، ہم سے روزہ نہیں رہا جاتا تو ہم ان سے اس شمشاہی کے سوا کچھ اور نقدی یا دو چار دعوتیں وغیرہ ٹھہرا کر کے ان کو معاف کر دیتے ہیں، یہ ہم لوگوں کی گزران کی صورت ہے۔

اگر آپ کو کچھ فتوحات منظور ہو تو اس کی یہ راہ ہے جو ہم نے بیان کی اور آگے آگے اختیار کیا۔
 سیدنا نے یہ تمام داستان سن کر فرمایا کہ ”جو کچھ آپ فرماتے ہیں فی الحقیقت اس وقت کے
 پیروں کا یہی دستور ہے اور اسی آمدنی پر ان کی گزران ہے، مگر یہ طور قرآن و حدیث کے مخالف
 ہے، آپ بھی بغور اس کو دریافت کریں اور ہم مسلمانوں کا طریق تو خدا اور رسول کے فرمانے کے
 موافق ہونا چاہئے، جو قرآن و حدیث کے موافق ہو، اس کو ہم کبھی عمل میں لاویں اور آپ بھی
 اور جو کچھ خدا اور رسول کا طریق آپ کو معلوم ہو، وہ آپ ہم کو تعلیم فرمادیں، ہم سیکھیں اور
 جو ہم کو آتا ہے، وہ ہم آپ کو بتاویں، وہ آپ مانیں، ہمارا تو صرف مقصد یہ ہے اور
 روزی اور رزق تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔“

انہوں نے کہا ”بیشک یہی حق ہے، جو آپ نے فرمایا، اس عرصے میں انہوں نے سیدنا کی
 جماعت کے لوگوں کے باطنی کمالات اور روحانی ترقیات دیکھیں، اس سے ان کو بڑی
 حیرت ہوئی، اور انہوں نے کہا کہ ان میں سے گویا ہر ایک صاحبِ کمال ہے، پھر انہوں نے
 سیدنا سے رخصت چاہی کہ پھر میں کسی وقت آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوں گا، یہ کہہ کر
 وہ اپنے مکان کو گئے اور رات ہی کو اس شہر سے مع اہل و عیال کہیں کو چلے گئے اور کسی مرید سے
 مل کر بھی نہیں گئے، مریدوں کو اس قصے کی اطلاع ہوئی تو وہ سب ان سے بے اعتقاد ہو گئے اور سب نے
 سیدنا سے بیعت کی اور کہا کہ ”ہم تو آج تک کسی کو دین اسلام اور خدا کی راہ جانتے تھے جس پر وہ
 ہم کو چلاتے تھے، اب معلوم ہوا کہ ہم لوگ غلطی پر تھے، دین حق اور خدا کا طریق یہ ہے، جو آپ تعلیم
 فرماتے ہیں، اب ہم نے ان سب اگلی باتوں سے توبہ کی!“

نوربانوں نے خصوصیت کے ساتھ بیعت کی، مرزا کریم الشریک ٹبریں شہر اور شاہ عبداللہ

جن کا لباس شکر فی ہوا کرتا تھا، جو میاں صابر بخش دہلوی سے بیعت تھے، ارادت و بیعت میں داخل ہوئے، اہل شہر نے مولانا عبدالحی صاحب سے مسائل دریافت کر کے بہت فائدہ اٹھایا اور ہدایت پائی۔ بنارس سے کوچ فرما کر آپ نواح سلطانی پور وغیرہ میں رونق افروز ہوئے، غلام حسین خاں کے لشکر میں جو حکم لکھنؤ کی طرف سے وہاں کا ناظم تھا، دو ہفتے کے قریب رہے اور بہت لوگوں کو ہدایت ہوئی۔ مولوی سید محمد علی صاحب "مخزن" جو اس سفر میں غالباً ساتھ تھے بعض تفصیلاً واقعات کا اضافہ کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ "قصہ گنتی، مہرورہ، اہلاد گنج اور شہر الہ آباد وغیرہ اور اطراف نواح سے متعدد دعوت نامے اور تشریف آوری کے پیام آئے، چنانچہ آپ ایک سوستر کے قافلے کے ساتھ رائے بریلی سے روانہ ہوئے، چونکہ ایک روز پہلے سے لوگوں کو اس سفر کا علم تھا، آپ ایک میل بھی طے نہیں کرنے پائے تھے کہ چپ راستے معتقدین و مخلصین کا مجمع کثیر اکٹھا ہو گیا، اور لوگ اپنے نصیبات و مواضعات میں جو راتوں سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر واقع تھے، تشریف لے چلنے کے لئے منت سماجت کرنے لگے، آپ ان کی خاطر تشریف لے گئے اور ان کے متعلقین نے بیعت کی سعادت حاصل کی، انھوں نے دعوت قبول کرنے کے لئے کبھی درخواست کی اور ایک دو شب اصرار کر کے ٹھیرایا، قصہ کوتاہ رائے بریلی سے الہ آباد پہنچنے میں جو دو چار منزل سے زائد نہیں ہے، ایک مہینے سے اوپر کی مدت صرف ہو گئی۔

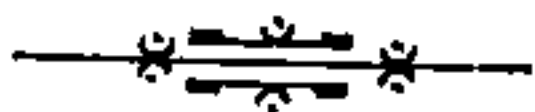
اسی سفر میں ایک روز مغرب و عشا کے درمیان ایک ایسے گاؤں میں پڑاؤ ہوا، جو ویران و بے چراغ تھا، بڑی تلاش و جستجو سے بعض کاشتکاروں کے یہاں سے دو من ال چاول ملے، دیگر وغیرہ وہاں کیا ملتی، کسی سکر کے یہاں شکل دس پارہ پیالے مل سکے، مجبوراً انھیں میں کھڑی پکی، قابیں اور پلٹیں کہاں پلٹیں؟ ایک کنویں کی گچ کو دھوا اور صاف کر کے اسی پر کھڑی انڈیل لی گئی اور آپ نے

لے "منظورہ" لے "قانع" و "منظورہ"

اور قافلے نے خدا کا شکر کر کے کھایا۔

دس پندرہ روز الہ آباد میں قیام رہا، فقرا و امرا میں سے ایک خلقت نے بیعت کا شرف حاصل کیا، اسی دوران میں بنارس سے بہت سے خطوط اور درخواستیں تشریف آوری کے لئے آئیں آپ نے بنارس کا عزم فرمایا اور سچد بہر میں قیام فرمایا، ایک مہینہ بنارس میں قیام رہا، تقریباً دس پندرہ ہزار مرد عورتیں بیعت کی، اس زمانہ میں آپ تمام رفقہ کو ذکر سیری و پھیری کی برابر تاکید فرماتے رہتے کہ یہ شہر کفر و شرک کی ظلمت سے بھرا ہوا ہے اس کو اپنے ذکر کے انوار سے منور کر دو ایک ہفتہ نہیں گزرا ہوگا کہ بہت سے گرو اور جوگی حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ آپ جلد اس شہر سے تشریف لے جائیں، کیونکہ ہمارے دھیان گیان میں بڑا فتور اور خلل واقع ہو رہا ہے آپ نے بڑی نرمی اور ملائمت سے ان کو نصیحت فرمائی اور ان کو دعوتِ اسلام دی لیکن انہوں نے اس کا اثر نہیں لیا۔

بنارس سے روانہ ہو کر سلطان پورا اور رسولی وغیرہ میں غلام حسین خاں کے لشکر میں جو والی لکھنؤ کی طرف سے اس علاقے کا ناظم تھا، قیام فرمایا، اکثر سپاہ پیشہ لوگوں اور محروموں نے جو قدیم زمانے سے معتقد تھے، بیعت کی اور آپ نے دو ہفتے اس لشکر میں قیام فرمایا، وہاں سے آپ رائے بریلی اپنے وطن واپس تشریف لائے۔



ساتواں باب

سفر لکھنؤ

لکھنؤ کا سفر

ایک سو ستر آدمیوں کے قافلے کے ساتھ آپ نے لکھنؤ کا سفر فرمایا، یہ لکھنؤ کا پہلا سفر تھا جو آپ نے اصلاح و تبلیغ کی نیت سے فرمایا۔

لکھنؤ کا نوابی عہد

یہ نواب غازی الدین حیدر (سن جلوس ۱۲۲۹ھ) کی بادشاہی اور معتمد الدولہ آغا میر کی وزارت کا آغاز تھا، لکھنؤ میں دولت تسانی، بد نظمی، حجت تلفی اور تشیش کا دور دورہ تھا۔ غازی الدین حیدر نے قسم کھائی تھی کہ وہ مسکرات کے فریب نہیں جائیں گے، چند روز ہوش گوش سے کام کرتے رہے، آغا میر کو جو بڑے جوڑ توڑ سے منصب معتمدی پر فائز ہوئے تھے، یہ کیوں کر گوارا ہو سکتا تھا؟ انھوں نے عرض کیا کہ "پیر و مرشد نے حضرت عباس کی قسم کھائی ہے"

لہ "وقائع احمدی" اور "منظورۃ السعدا" دونوں کی ترتیب میں لکھنؤ کا سفر تبلیغی دورے کے بعد ہی متصل پیش آیا، "وقائع" میں یہاں تک تصریح ہے کہ "جب سفر بنارس سے حضرت امیر المؤمنینؑ مع انجیر تکیے پر تشریف لائے، پھر بعد چند روز کے

الادہ سفر لکھنؤ کا کیا، "وقائع" ص ۲۸۳

اور غلام بنی قاطمہ ہے، اس کا منظر غلام کے ذمے ہے۔

تو مشق ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر

پھر تو ایسے بدست ہوئے کہ جس بد نصیب کو نواب نے داخل اموات کر دیا، اس کو اگر بادشاہ نے کہیں راہ میں دیکھ کر پہچانا اور نواب سے کہا کہ یہ تو جیتا ہے، عرض کرتے کہ اس کو غلام چشم شہزی نہیں دیکھ سکتا، پیر و مرشد کی چشم مبارک لبتہ عالم ارواح کو دیکھ سکتی ہے، حاضرین بھی نواب کے خوف سے یہی عرض کرتے، ہر شخص کی عاقبت تنگ تھی، جیل، فریب کا بازار گرم تھا، ملازمین و متوسلین کی تنخواہیں کئی کئی سال کی چڑھی ہوئی، جس طرح بن پڑتا، وہ لوٹ مار کر کے پیٹ پالتے تھے، سوداگروں سے مال و اسباب خرید کیا جاتا تھا، اور برسوں قیمت نہیں ملتی تھی، ریڈیو تک کوئی پہنچ گیا تو قیمت ملی، ورنہ جان کی بھی خیر نہیں، اپنے لئے مجلس راہنہ بنوائیں تو سیکڑوں کی خانہ ویرانی ہو گئی، ایک کروڑ سے کم عمارتوں پر خرچ نہیں ہوا۔

معتد الدولہ کی نیابت اور وزارت کے زمانے میں ایک کوڑی خزانے میں داخل نہیں ہوئی، ملک کی تمام آمدنی معتد الدولہ کی فرمائشوں میں آتی تھی، عالموں کی طرف سے خزانہ شاہی میں روپے کی ارسال آنا بند ہو گئی، عامل سے لے کر ایک دلی محرزنگ کسی کو اس بات کی پروا نہ تھی کہ کوئی شخص ہمارا گریباں گیر ہوگا، سب علاقوں کی آمدنی کے گلچرے اڑانے میں مصروف تھے، نواب سعادت علی خاں کے عہد میں گیارہویں ایک وپیکے میں سیر سے کم نہیں کیے اور اس عہد دولت میں ابتدائے جلوس سے آخر تک آٹھ دس سیر سے زیادہ فروخت نہیں ہوئے، شہر میں جیل فریب، جوڑ بندی کی کثرت اور کھل کر نفاق کی صورت تھی، ہر چھوٹی سرکار میں بھی یہ صورت ہونے لگی، بادشاہ کے بھائیوں کی جب

لے حاشیہ: گل رعنا، تذکرہ شیخ امام بخش ناسخ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، قیصر التواریخ جلد اول

ازید کمال الدین حیدر شاہدی، مؤرخ سید محمد میرزا، ۲۱۶-۲۵۷ء تا ۱۹۲۷ء، اودھ از مولوی نجم الغنی رامپوری، ۱۹۲۷ء

کئی برس تک تنخواہ نہ ملی بعض نے مفلسی کی مجبوری سے جلائے وطن اختیار کیا، نواب کے بعض بھائیوں نے مظلومان شہر پر ظلم و تعدی پر کربانڈھی تھی، جس کا چاہا مال لے لیا۔ عیش و عشرت اہو و لعب و منسی مذاق کا تمام گلزار لکھنؤ میں بہا رہا تھا، اہل لکھنؤ کی طبیعتیں عوام سے لے کر خواص تک عیش پر اہل تھیں، سید انشا (م ۱۲۳۳ھ) کی "دریائے لطافت" کی تالیف میں مرزا قیقل بھی شریک ہیں، اس کے مطالعے سے اس زمانے کے ادب کی بے ادبی، پست مذاقی، ادبی نسوانیت اور دائمی شہوانیت کا پورا پتہ چلتا ہے، دلی اور لکھنؤ کے روزمرہ اور سگیات کی زبان، حتیٰ کہ قواعدِ صرف و نحو، منطق اور بیان بدیع اور علمِ عروض کی تشریح کے لئے جو مثالیں اور عبارات پیش کی گئی ہیں ان سے اس زمانے کے اخلاقی انحطاط اور بے اعتدالیوں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، سعادت یار خاں رنگین کے حوالے سے سگیات کی زبان کے جو نمونے اور محاورات و اصطلاحات نقل کئے گئے ہیں ان سے اس وقت کی معاشرت کی پستی اور اخلاقی آلودگی کی تصویر سامنے آجاتی ہے، فنِ عروض کی اصطلاحات کا ترجمہ بھی اسی زبان میں کیا گیا ہے "زحاف" کا نام "سنگار" رکھا ہے، رکنِ سالم کا "صاحبِ طائف" "رقاص" و "خانگی" "فرع" کا "نوپ" "صاحبِ طائف" یا "کنیزان خانگی" نام مقرر کیا ہے "مفاعیلین" کو ہمیشہ "پری خانم" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

سلطنت کا مرکز ہونے کی وجہ سے لکھنؤ اودھ کے شرفا، اہل حرفہ اور ملازمت پیشہ لوگوں کا مرجع اور امیدواروں کا قبلاً حاجات ہو رہا تھا، قصبات کے صدہا شرفا اودھ کی سرکار کے متوسل اور صدہا ایدہ قسمت آزمائی کے لئے پڑے ہوئے تھے، جو لکھنؤ کے اثرات سے متاثر نہیں ہوئے تھے، قصبہ اور شریف خاندانوں کا جو بھی لکھنؤ آ رہا تھا، انسانوں کے اس ذخیرے میں

صدہا کا کے موتی تھے، جو گویا ایک نظر کیمیا اثر کے منظر تھے، مولوی امام الدین لکھنوی، شاہ نقین الشراور ان کے بیٹے مولوی عبدالوہاب، امان اللہ خاں اور سبحان اللہ خاں، غلام حیدر خاں، مرزا بہا یوں بیگ وغیرہ ہمیں سے ہاتھ آئے، جو بعد میں عجیب و غریب سیرت و اخلاق کے انسان ثابت ہوئے، ان اخلاقی کمزوریوں کے باوجود جو پندرہ عشرت زندگی اور ایرانی تہذیب کا نتیجہ تھیں، اہل لکھنویں بہت سی خوبیاں بھی تھیں، اثر پذیری کی صلاحیت تھی، دین کی عظمت و وقعت تھی، شرافت اور عالی جوصلگی تھی، جو امر دی اور سپہ گری تھی، اور قدیم مشرقی سیرت و اخلاق کی بہت سی ایسی خصوصیات پائی جاتی تھیں، جو اس دور میں مفقود ہیں۔

لکھنؤ کے لئے بید صبا اجنبی اور مانا نوس نہیں تھے، آپ کے خاندان کی عالی نسی، آپ کے بزرگوں کا تقدس و تقویٰ، استقامت اور اتباع شریعت دور دور مشہور اور ہر جگہ مسلم تھا، اور ہر جگہ ان کا عقیدت و عزت کے ساتھ نام لیا جاتا تھا، شاہ علم اللہ کے زہد و سادگی اور بدعات سے نفرت اور شریعت پر استقامت کے قصے ابھی لوگوں کو یاد تھے، اور ان کے پوتے حضرت شاہ لعل صبا کو تو ابھی کچھ زیادہ زمانہ نہیں ہوا تھا، اودھ کے بہت سے قصبات میں اور خود لکھنویں بہت سے لوگ ان سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے، فرنگی محل کے مولانا ازہار الحق صبا (ملک العلماء مولانا عبدالعلی بکر العلوم کے داماد) ان سے بیعت تھے، اور اسی سلسلے میں ملک العلماء مولانا عبدالعلی بکر العلوم بوجہ جاتے ہوئے شاہ لعل صبا کی خانقاہ میں ٹھہرتے ہوئے گئے تھے۔

قندھاریوں کی چھاؤنی میں اور دوسرے رسالے داروں کی چھاؤنی میں بہت سے لوگ پہلے سے آپ کے خاندان کے بزرگوں کے مرید اور آپ کے خاندانی معتقد تھے، عبدالباقی خاں قندھاری اور فقیر محمد خان بہادران میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ فقیر محمد خاں جن کا نام لکھنؤ کے سفر کے حالات میں بار بار آئے، گانگنشی محمود خاں آفریدی کے خاندان سے تھے، (پانی ص ۲۰۱ پر)

لکھنؤ گوروانگی

آپ رائے بریلی سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئے، آپ کی سواری میں بکری تھا اس پر آپ اور سید محمد صاحب سوار تھے، سید عبدالرحمن گھوڑے پر تھے، اس روز تکیے سے چل کر حسن گنج میں رہے، دوسرے روز شب کو بعد نماز عشاء سید عبدالرحمن سے فرمایا کہ کچھ رات رہے تم آگے چل کر قندھاریوں کی چھاؤنی میں اپنے مکان کو صاف کروا کر فرش بچھو اور کھو اور ٹھنڈے ہوئے چنے اور نمک مرچ پسا ہوا اور کچھ گڑ بھی تیار رکھنا، ہم فجر کی نماز پڑھ کر یہاں سے سوار ہوں گے۔“

سید عبدالرحمن کچھ رات رہے سوار ہوئے، سید صاحب نماز فجر کے بعد روانہ ہوئے اور پہلے چڑھے سید عبدالرحمن کے مکان پر پہنچے، سب سامان تیار تھا، انھوں نے گڑ اور چنے حاضر کئے، سب تھوڑے تھوڑے چابے اور کچھ دیر سو رہے، ظہر کے وقت سب نے وضو کر کے نماز پڑھی۔

(باقی ص ۲۰۱ کا) جو نواب قائم خاں بنگش والی فرخ آباد کے معتمد اور مدار المہام تھے، اور نواب صاحب موصوت کے ساتھ ۱۷۶۹ء میں حافظا رحمت خاں کے مقابلے میں مقتول ہوئے۔

فقیر محمد خاں نواب میر خاں کے شکر سے سید صاحب سے ارادت اور حین عقیدت رکھتے تھے، آپ نے اور فقیر محمد خاں نے نواب صاحب مدد و مدد کے شکر میں ساتھ زمانہ گزارا تھا، جب وہ کارخانہ درہم برہم ہوا تو فقیر محمد خاں لکھنؤ آگئے، معتمد الدولہ نے تین سو روپے کی اسامی میر علی پناہ بناری کی دے کر رسالہ لکھا، جب غازی الدین حیدر بادشاہ ہوئے اور میر نذر علی داماد معتمد الدولہ کو جرنیلی کا عہدہ ہوا تو فقیر محمد خاں نیابت پر مقرر ہوئے، سید صاحب کی لکھنؤ سے واپسی پر فقیر محمد خاں کو معتمد الدولہ کے یہاں سے خلعت ہوا، دس ہزار روپے نقد لے اور ہاتھی، پالکی، شکر، منڈیل، دو تالہ، سپر تلوار اور اس کے علاوہ بہت سامان ملا، ہزار روپے شاہرہ ہوا اور بندرہ سو سوار اور دو ہزار پیاسے رکھنے کا حکم او محمدی کا پرگنہ علاقہ ہوا، فقیر محمد خاں شجاع اور دلیر آدمی تھے، شعر و سخن سے بھی ذوق رکھتے تھے، گویا تخلص تھا، صاحب دیوان تھے، شیخ امام بخش ناسخ سے مشورہ تھا۔

اے سید محمد صاحب سید صاحب کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے، وہ آپ کے ماموں سید ابواللیث بن شاہ ابوسعید کے فرزند تھے۔ ۵۲ "وقائع" ۲۸۵-۲۸۶

پہلے ملاقاتی

اس عرصے میں عبدالباقی خاں قندھاری ملاقات کے لئے آئے پھر تمام چھاؤنی کے لوگ آنے لگے عصر کے وقت محمد حسن خاں اور خلیل اللہ خاں (عبدالرحمن خاں قندھاری کے بیٹے) اور مصطفیٰ خاں محمد حسن خاں کے بیٹے اور عبدالرحیم اور عبدالعبود خاں یہ سب حضرات ملنے کو آئے اور ہر ایک نے کچھ کچھ اشرفیاں نذر دیں اور کھانا عبدالباقی خاں کے یہاں سے آیا۔ دوسرے وقت مرزا اسد علی بیگ کیدان اور مرزا اشرف بیگ رسالدار کے بیٹے چند لوگوں کے ساتھ آپ کی ملاقات کو آئے اور عرض کی کہ آپ شہر میں تشریف لے چلیں یہ رضا نے فرمایا کہ انشاء اللہ کل شہر میں چلیں گے۔

لکھنؤ میں آپ کی قیام گاہ

مرزا صاحب مدد بہت خوش ہوئے آپ سے رخصت ہو کر اپنے مکان کو گئے، اکبری دروازے کے ایک سید مسکین شہور تھے ان کی جو پٹی خالی کر دالی، پھر اگلی صبح کو آکر سید رضا کو اور نماہراہوں کو اپنے ساتھ لے گئے اور اس جو پٹی میں اتارا۔

لے "تاریخ اودھ" سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیل اللہ خاں عبدالرحمن خاں کے پوتے اور خان مصطفیٰ خاں عبدالرحمن خاں کے نواسے تھے، عبدالرحمن خاں یوسف خاں قندھاری کے بیٹے تھے، جو شجاع الدولہ کے عہد میں رسالے دار تھے، نواب شجاع الدولہ ان کی بڑی عزت کرتے تھے، باپ کے بعد عبدالرحمن خاں قائم مقام ہوئے، شجاع الدولہ اور آصف الدولہ دونوں بڑی خاطر کرتے تھے، جب انھوں نے مرہٹوں کی لڑائی میں کارنایاں کئے تو رسالے نے ترقی پائی اور عبدالرحمن خاں سولہ سترہ سو سو روپے کے رسالے دار بن گئے، عبدالرحمن خاں عالی ہمتی اور وفاداری میں بے نظیر تھے۔ لے "وقائع" ۲۸۶-۲۸۷

پہلے روز ملک العلماء مولانا عبدالعلی بکر العلوم کے صاحبزادے مولوی عبدالرب ضلانی نے دعوت کی قیام گاہ کے قریب جو مسجد تھی اس میں سب آدمیوں کی گنجائش نہ تھی آپ نے مرزا اسد علی بیگ سے فرمایا کہ یہاں جہاں تک تکلیف ہے قیام کے لئے کوئی دوسری جگہ تجویز کرنی چاہئے، جہاں بڑی وسیع مسجد ہو، مرزا صاحب نے شیخ امام بخش سوداگر کے پاس گئے، سوداگر نے دریا کے گومتی کے کنارے ٹیلے والی عالمگیری مسجد (شاہ پیر محمد صاحب کی مسجد) کے قریب ایک نفیس حویلی تعمیر کی تھی، اس حویلی میں قافلے کا قیام ہوا، اس روز سے شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے کی مسجد میں نماز فراغت سے ہونے لگی۔

شہر میں شہرت اور مقبولیت

دوسرے روز شنبہ کو نماز ظہر کے بعد مولانا عبدالعلی ضلانی نے کچھ تھوڑی دیر وعظ فرمایا، شہر کے چند آدمی موجود تھے، وہ سن کر بہت خوش ہوئے اور شہر میں اپنے احباب سے تذکرہ کیا کہ آج تھوڑی دیر وعظ ہوا، یقین ہے کہ جمعے کے روز خوب وعظ ہوگا۔

یہ سنا کر لکھنؤ تشریف لائے ہی لوگوں کا رجوع اور حجوم شروع ہو گیا تھا، شیخ امام بخش سوداگر کی کوٹھی میں بیعت کے لئے صبح سے پہر رات گئے، تک لگ جمع رہتے تھے، آپ کو اتنی فرصت نہیں ملتی تھی کہ کوئی گھڑی دو گھڑی تنہا بیٹھ کر اپنا حال عرض کرے۔

چوتھے روز جمعے کے دن لوگ نماز پڑھنے اور وعظ سننے کے لئے بکثرت آئے، مولانا عبدالعلی

۱۔ مولانا عبدالرب ملک العلماء مولانا عبدالعلی بکر العلوم کے صاحبزادے تھے، والد نامہ دار سے درسی کتابیں ختم کیں اور عرصہ تک لکھنؤ میں درس دیا، دوبارہ مدرس کا سفر کیا، نواب عظیم الدولہ نے سلطان العلماء کا خطاب یا اور ان کے والد کا مدرسہ لائسن بیٹے کے سپرد کیا، مولانا عبدالرب مدرسہ اپنے بھتیجے مولوی عبدالواحد بن مولوی عبدالاعلیٰ صاحب کے سپرد کر کے لکھنؤ واپس آگئے، دہلی میں شاہ عبدالعزیز صاحب کی ملاقات و ضیافت سے مخلوفا ہوئے،

صاحب نے سورہ انبیاء کا وعظ شروع کیا، یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا، حاضرین مجلس، کیا عامی، کیا عالم، سب فریفتہ ہو گئے اور کہتے تھے، کہ ہم نے اپنی تمام عمر میں اس خوش تقریری کا وعظ نہیں سنا، اہل سنت اور شیعہ علماء سب لانا مدوح کے علم و فضل، تبحر اور ذہانت کے معترف تھے، ہزاروں شخصوں نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔

شنبہ کو پھر مولانا عبدالحی صفاؒ نے کچھ دیر وعظ فرمایا، اہل شہر بہت متعقد اور متاثر ہوئے۔

مزید قیام

آپ کا جلد واپسی کا قصد تھا، لیکن لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے تشریف لانے سے نو دس ہزار آدمی راہِ راست پر آگئے ہیں مولانا عبدالحی صفاؒ کو بھی اس کا صدمہ تھا کہ اتنے بڑے شہر اور مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی میں جو تغیر و اصلاح ہونی چاہئے، پختی، اس کی نسبت ابھی کچھ نہیں ہوا، لیکن شہر بہت بڑا ہے، زیادہ قیام سے توقع ہے کہ لاکھوں آدمی ہدایت پائیں، آپ نے یہ سن کر مولانا عبدالحی صفاؒ سے فرمایا کہ "مولانا، کس لیجئے، آپ کو محنت بہت کرنی ہوگی، نہ دن کو چین ملے گا، نہ رات کو آج سے کئی دن جمعے کے باقی ہیں، اگر خدا نے چاہا تو دیکھئے گا کہ لوگوں کو کیسی ہدایت ہوتی ہے، اور انشاء اللہ تعالیٰ روز بروز وہ ہدایت بڑھتی جاگی، اب ہم نے بھی نیت قیام کی کر لی ہے، جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، تب مکان کو چلیں گے، پورے نکلے جمعے کو چار ہزار آدمیوں کے قریب مجمع تھا، نماز کے بعد مولانا عبدالحی صفاؒ نے کچھ دیر وعظ فرمایا، پھر لوگ مسائل پوچھنے لگے، آپ نے ہر ایک کو جواب دیا، سید صفاؒ کے گرد اس وقت بیعت کرنے والوں کا ہجوم بکثرت تھا، عصر کی نماز کے بعد مولانا عبدالحی صفاؒ مسجد کے صحن میں لوگوں کے سوال کا

جواب دیتے رہے، عثمانک لوگ آپ کو گھیرے رہے اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔

شہر کی دعوتیں

ہفتے کی صبح کو شہر کے ایک معزز بزرگ مرزا حسن علی بیگ کی طرف سے مولانا عبدالحی صاحب اور ان کے بیٹے رفقا کی دعوت تھی صبح کو صاحب دعوت کا آدمی سواری لے کر حاضر ہوا اور باتوں باتوں میں کہنے لگا کہ آج وہاں فلاں فلاں عالم اپنی اپنی کتابیں لے بیٹھے ہیں، چنانچہ مرزا حسن علی صاحب بھی وہیں ہیں، مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب آپ سے مناظرہ کریں گے، مولانا عبدالحی صاحب نے کہا، "ہاں میرا بھی یہی خیال ہے کہ عجیب نہیں کہ آج وہاں کچھ مناظرہ و مباحثہ ہو" مولانا نے سید صاحب سے اس کا تذکرہ کیا اور کہا کہ "صاحب دعوت کے آدمی کی زبانی معلوم ہوا کہ وہاں کچھ علما مناظرے کے واسطے جمع ہیں، دعا فرمائیں کہ وہاں کوئی شر و فساد نہ ہو، مولانا محمد اسماعیل صاحب کا بھی وہاں جانا کچھ ضرور نہیں، وہ طبیعت کے تیز اور صفا گو ہیں، کسی کا پاس نہ کریں گے، جو بات ہوگی، صاف صاف کہہ دیں گے۔"

سید صاحب نے فرمایا کہ "انشاء اللہ سب طرح خیر ہوگی، شر و فساد کچھ نہ ہوگا، کوئی کچھ سوال کرے تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے موافق جواب دیجئے گا، مناظرے اور مباحثے سے کچھ غرض نہ رکھئے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے یہ امید ہے کہ وہ صاحب کچھ دور آپ کا استقبال کریں گے اور جیسی علما کی تعظیم و توقیر ہوتی ہے، اسی طرح کریں گے۔"

مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب اور مولوی وحید الدین صاحب اور میرا آدمی مرزا رضا کے یہاں تشریف لے گئے، انھوں نے جوان صاحبوں کے آنے کو سنا تو چند قدم مکان سے نکل کر بڑی تعظیم و توقیر

سے لگے اور بہت عزت و حرمت کے ساتھ بٹھایا اور کچھ مسائل بطور استفادے کے پوچھے ہو لانا
عبدالحی صاحب نے ہر مسئلے کا معقول جواب دیا پھر انھوں نے ہاتھ دھلائے اور کھانا کھلایا
کھانا کھلانے کے بعد کچھ دیر اور بیٹھ کر یہ حضرات چلے آئے۔

دوسرے روز اس محلے کے کئی آدمی آئے اور سید صاحب سے بیان کیا کہ وہاں کے لوگوں نے
آپ کے بلانے کا ارادہ کیا ہے اور ان کی نیت یہ ہے کہ تم کو جو کچھ گفتگو کرنی ہے سید صاحب سے کریں گے،
اس واسطے کہ ان کو زیادہ علم نہیں ہے اگر ہم نے ان کو مغلوب کر دیا تو ان کے سب نفع اور مرید
مغلوب اور لاجواب ہو جائیں گے آپ نے فرمایا کہ ہم حاضر ہیں وہ جب چاہیں ہم کو بلا لیں۔
ایک روز ان کا آدمی سید صاحب کے پاس آیا اور کہا صبح کو فلاں محلے میں فلاں صاحب کے
یہاں آپ کی اور آپ کے تمام لوگوں کی دعوت ہے آپ نے فرمایا بہتر صبح کو صاحب دعوت سواریاں
بھیجیں آپ نے چلنے کی تیاری کی، شہر والوں کو خبر ہوئی کہ آج وہاں مناظرہ ہوگا لوگ ہاں جمع ہونا
شروع ہوئے اور سید صاحب کے رفقا اور وہ ملا کر قریب چار سو آدمیوں ہو گئے، آپ نے فرمایا کہ وہاں
فقط ہمارے لوگوں کی دعوت ہے اور ان کو صاحب دعوت کی اجازت کے بغیر جانا مناسب نہیں ہے یہ سن کر
لوگ متفرق ہو کر اپنی اپنی طرف چلے گئے لیکن جب آپ اپنے لوگوں کو لے کر وہاں پہنچے تو وہ بھی وہاں
آمو جو دہوئے، صاحب دعوت نے سب کو فرش پر بٹھایا سب آدمی چار سو کے قریب تھے صاحب دعوت نے
کھانے کا جو انتظام کیا تھا، اس کا خیال کر کے فکر مند ہوئے کہ کھانا کم ہے اور کھانے والے بہت ہیں،
سید صاحب مرزا صاحب کو متزدد دیکھ کر سمجھ گئے، کہا مرزا صاحب ذرا یہاں تشریف لائیے وہ اس وقت اپنے
لوگوں کے کھانے کی کمی کی شکایت کر رہے تھے ہوا بے یا حاضر ہوتا ہوں آپ نے فرمایا ابھی تشریف لائیے
وہ آئے آپ نے فرمایا آپ کیوں متزدد ہیں؟ مرزا صاحب نے بے تکلف کہا کہ حضرت سلامت کھانا تھوڑا
ہے اور آدمی بہت ہیں اس وقت مجھ کو یہی ترزدہ ہے آپ نے پوچھا آپ نے کھانا کس قدر رکھوایا؟

کہا "تین سو آدمیوں کا سو آدمی میری طرف کے کھانے والے ہیں اور دو سو آدمیوں کا کھانا آپ کے ہمراہیوں کے خیال سے پکوا یا، مگر اس وقت جانبین کے آدمی کم و بیش چھ سو معلوم ہوتے ہیں" آپ نے فرمایا "جو کھانا ہمارے لوگوں کے لئے ہے، اس کو جدا کر کے ہمارے آدمیوں کے حوالے کر دیجئے، ہم جانیں اور ہمارے آدمی باقی اپنے لوگوں کا کھانا علیحدہ کر لیجئے، دوسری بات یہ ہے کہ اپنے جوڑکابیاں منگائی ہیں، ان کو رہنے دیجئے، ہمارے آدمیوں کے واسطے لگنیں اور کونڈے منگا دیجئے اور اپنے آدمیوں کو ہمارے کھانے کے پاس بلا لیجئے، ہمارے لوگ اپنے کھانے کا انتظام آپ کر لیں گے" مرزا نے ایسا ہی کیا، دو حصے کھانا تو بیدھتے لوگوں کے لئے جدا کر دیا اور ایک حصہ اپنے لوگوں کے لئے الگ لکھ لیا، بیدھتے مولوی محمد یوسف صاحب، میاں عبداللہ، میاں دین محمد اور ایک ورثہ کو کھلانے کے واسطے مقرر کیا اور میاں عبداللہ صاحب سے کہا کہ تھوڑا سا کھانا کفگیر میں لاؤ دیکھیں کیا کھانا مرزا نے پکوا یا ہے، انھوں نے کہا "پلاؤ ہے" اور کفگیر میں تھوڑے سے چاول لے کر آئے، اپنے دو چار چاول کفگیر سے اٹھا کر کھاؤں کہا کہ باقی چاول جا کر دیگ میں ڈال دو اور چاولوں کی تعریف کرنے لگے کہ "واہ سبحان اللہ! مرزا نے خوب ہی باریک و عمدہ چاول پکوائے ہیں، ہم لوگ تو موٹے چاول اور کچھڑی کے کھانے والے ہیں، خدا ان کے کھانے میں برکت کرے! اور اپنے لوگوں سے فرمایا کہ کھانا شروع کرو، وہ لوگ انھیں لگنوں اور کونڈوں میں نکال کر کھانے لگے، فضل الہی سے سب آسودہ اور سیر ہو گئے اور لگن اور کونڈے میں تھوڑا تھوڑا بچ رہا اور کچھ دیگ میں بچ رہا، جوان چاول کھلانے والوں کو کھایا۔

عجیب و غریب حال دیکھ کر مرزا صاحب و ران کی طرف کے تمام لوگ متحیر ہو گئے کہ یہ کیا معاملہ ہوا پھر مرزا نے اپنے لوگوں کے کھلانے کی تیاری کرنے لگے، وہاں بھی قریب دو سو آدمیوں کے جمع ہو گئے، اور یہ بھی کہ سب کو خبر تھی کہ آج بیدھتے سے اور یہاں کے علماء سے مناظرہ و مباحثہ ہوگا، اکثر آدمی تماشہ دیکھنے آئے تھے اور کھانا وہاں سو آدمیوں کا تھا، مرزا صاحب کو بڑا تر دو تھا، پھر بیدھتے

سے انھوں نے اگر تذکرہ کیا اپنے فرمایا کہ "جن لگنوں اور کونڈوں میں ہمارے لوگوں نے کھایا ہے اور کچھ کچھ کھانا ان برتنوں میں بچا ہے وہ انھیں برتنوں میں رہنے دو اور اس سے نکال نکال کر کھلانا شروع کرو، اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے گا" مرزا صاحب نے ایسا ہی کیا، سب لوگوں نے کھایا اور دو چار سیر پلاؤ بچ رہا، جو حضرات مناظرے اور مباحثے کی نیت سے جمع تھے، عالم حیرت میں رہ گئے ہر شخص سید صاحب اور آپ کے بزرگوں کی تعریف کرنے لگا کہ آپ ایسے ہیں اور آپ کے بزرگوں اور اس عالی مرتبہ کے تھے، مرزا حسن علی صاحب محدث نے جو شریک محفل تھے، دو تھان شروع کے اور دو تھان چکن کے اور ایک چھوٹا سا پانڈان سفید الائچیوں سے بھرا ہوا، اس میں ایک عطر کی شیشی رکھی ہوئی، سید صاحب کو ہدیہ کیا، آپ نے رفقا میں سے ایک شخص سے کہا کہ یہ سامان لے لو، میرا صاحب کا تبرک ہے یہ الائچیاں ہم کھائیں گے۔

اس کے بعد لوگوں نے بیعت کرنی شروع کی، عورت اور مرد ملا کر کوئی تین سو آدمیوں نے بیعت کی، پہلے مردوں نے بیعت کی، پھر لوگ آپ کو اپنے اپنے گھر لے گئے، وہاں عورتوں نے بیعت کی وہاں سے آپ تشریف لائے اور عصر کی نماز شاہ پیر محمد صاحب کی مسجد میں پڑھی۔
اگلے روز ہفتے کو شہر کے بے شمار لوگوں نے اگر بیعت کی، ان میں اہل سنت تو تھے ہی شیعہ اصحاب بھی بہت تھے، پہلے بھی بہت سے شیعہ اصحاب بیعت کر چکے تھے۔

۱۔ مرزا حسن علی محدث لکھتے ہیں کہ ان فضلاء میں سے تھے جنھوں نے تیرہویں صدی میں اپنے علم و فضل اور شایستگی کی نسبت شہرت حاصل کی، والد کا نام عبدالعلی تھا، خاندانی تعلق خاندان بنی ہاشم سے بتلاتے ہیں، بعض لوگ مغل کہتے ہیں، کتابیں مولانا احمد اللہ سندیلوی مشہور محققوں استاد کے شاگرد رشید و فرزند مولانا حیدر علی سے پڑھیں، پھر دہلی جا کر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہما سے استفادہ کیا اور شاہ عبدالعزیز، علیا رحمۃ سے نیز حدیث حاصل کی اور اپنی تحقیق سے مذہب ثنائی اختیار کیا، حدیث و علوم حدیث سے اشتغال تھا، اور ان علوم میں ان کا بظہر تسلیم تھا، تصنیفات میں ۲۶ صفر ۱۲۵۵ھ کو وفات پائی۔ (نزہۃ النواظر - جلد ۷)

۲۔ "وقائع" ص ۳۱۳-۳۲۱ ۳۔ ایضاً ص ۳۲۱

عمائد شہر کی آمد

ایک روز شہر کے ایک شیعہ رئیس تاج الدین خاں حسنا کا چوبدار آیا اور سید حسنا سے عرض کیا کہ خاں حسنا تاج الدین خاں نے آپ کو سلام اور آداب عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم آپ کی ملاقات کو صبح حاضر ہوں گے۔

دوسرے دن صبح کو آپ نے مسجد کی چھت پر سترنگی بچھوائی اور فرمایا کہ وہ جب آئیں تو اسی پر بٹھانا، دوسرے دن تاج الدین حسین خاں سبحان علی خاں اور مرزا تقو آئے، لوگوں نے وہیں چھت پر انھیں بٹھایا، سید صاحب نے وہیں تشریف لے گئے اور کئی گھنٹے وہاں ان باتیں ہوا کیں پھر وہ تینوں آپ سے رخصت ہوئے۔

جمعے میں نمازیوں کا ازدھام

جمعے کے روز نماز سے پہلے ہی اس کثرت آدمی مسجد میں جمع ہو گئے کہ نماز پڑھنے کے لئے جگہ مشکل سے ہوئی بعض لوگوں نے سید حسنا سے عرض کیا کہ آج نمازیوں کی اتنی کثرت ہے کہ

لے تاج الدین حسین خاں سبحان علی خاں کنبوہ اول سرکار انگریزی میں تحصیلدار تھے ان کی لیاقت کی وجہ سے نواب سعاد علی خاں ان کی قدر دانی اور فرمازی کی اور اس عہدے ان کی ثروت و دولت کی بنیاد پڑی۔ جب غازی الدین حیدر بادشاہ ہوئے اور معتد الدولہ آغا میر وزیر اعظم تو ان کی نیابت کا خلعت سجا علی خاں کو ملا سبحان علی خاں علاء عصر بہ صفت موصوف، تشاربے نظیر عالی فکر، خوش ذہیر تھے، معتد الدولہ ان کے شورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے، اسکے پر جو شعر تھا، وہ بھی سبحان علی خاں کا موزوں کیا ہوا تھا۔

تاج الدین حسین خاں ذی عقل، ارسطوے عہد تھے، کنبوہوں کی قوم میں ایسا آدمی کم گزرا ہے، علاقہ سلطانپور کہ چوبیس لاکھ روپے کا تھا تاج الدین خاں کے پاس تھا (تاریخ اودھ) سبحان علی خاں صاحب تصنیف بھی میں ابیقا الصالحات اور شمس الضحیٰ ان کی تصنیفات میں سے ہیں۔ لے وقائع احمدی ص ۳۳۰-۳۳۱

مسجد میں ان کی گنجائش نظر نہیں آتی، اس کی کیا تدبیر کی جائے؟“ آپ نے فرمایا کہ نماز کے وقت دیکھا جائے گا، انھوں نے کہا کہ ہم کو معلوم ہے کہ مسجد میں اتنے لوگوں کی گنجائش نہیں ہے جو کچھ انتظام کرنا ہو ابھی سے آپ فرمادیں آپ نے کہا کہ دو چار صفیں قریب قریب کھڑی ہوں، اس میں گنجائش ہو جائے گی اور پیچھے والے لوگ آگے والے لوگوں کی پیٹھ پر سجدہ کریں، ضرورت کے وقت یہ درست ہے، مگر مولانا عبدالحی صاحب سے بھی اس کو پوچھ لو، مولانا سے پوچھا، آپ نے کہا ”ہاں یہی مسئلہ ہے، خطبے سے پہلے دو تین آدمی سب لوگوں سے پکار کر کہیں کہ صفیں قریب قریب کھڑی ہوں اور پیچھے والے آگے کے لوگوں کی پشت پر سجدہ کریں تنگی کے وقت یہ درست ہے“ چنانچہ ایسا ہی ہوا، سبحوں نے اگلوں کی پشت پر سجدہ کیا، کئی صفوں میں یہی حال تھا۔

مولانا عبدالحی کا وعظ دلپذیر

نماز کے بعد مولانا عبدالحی صاحب نے سورہ ”الانبیاء“ کے اس کوع سے وعظ کہنا شروع کیا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدًا مِن قَبْلِهِ
 وَكُنَّا بِهٖ عَلِيمِينَ ۝ اذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ
 مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا
 عَٰكِفُونَ ۝ (۲۱: ۵۱، ۵۲)

اور ہم نے پہلے ہی سے ابراہیم کو نیک راہ دی تھی
 اور ہمیں ان کی خبر تھی جب انھوں نے اپنے والد اور
 اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیسی صورتیں ہیں، جن پر تم
 مجاور بنے بیٹھے ہو؟

اس کے ضمن میں تعزیرِ اریغوس، محفلِ سرود، قبرِ پستی اور پیرِ پستی وغیرہ کو کھول کھول کر بیان کیا اور اس کا کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا، ہزاروں سنٹی اور شیعہ سنتے تھے اور سیکڑوں آدمی زار و قطار روتے تھے اور آپس میں کہتے تھے ”سبحان اللہ! اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

گویا آج ہی قرآن مجید نازل ہوا ہے، افسوس کہ ہم لوگ آج تک گمراہی میں مبتلا رہے، کسی عالم و فاضل نے ہم کو متنبہ نہ کیا، بیان کرتے ہوئے اس رکوع میں جیسا آیت پر پہنچے۔

وَلَوْ طَآءِيبَةٌ مِّمَّا وَعَلِمَا وَتَجِيئَةٌ مِّنَ
الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْدِلُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ
كَأَنَّهُمْ سَوَاءٌ فِيقَيْنِ ۝ (۲۱:۴۴)

اور لو ط کو ہم نے حکم دیا اور سمجھ، اور اسے اس سبتی
سے بچا لکالا، جو گندے کام کرتے تھے، وہ لوگ
بڑے نافرمان تھے۔

تو پوری قوم لوٹ کے اخلاق و عادات اور ان کے افعال و تشبیہ کی پوری تفصیل و تطبیق کی اور اس سلسلے میں ان کے خصائل و عادات میں سے خلاصہ فطرت فعل، گالی دے کر پکارتے، مرد و عورت کو کنکری مار کر منہ پھیر لینے، اتالی پٹینے، سیٹی بجانے، محفل میں خلاصہ تہذیب فعل کرنے، راستے میں گندگی ڈالنے اور ان کے مشاغل اور دھچپیوں میں سے کبوتر اڑانے، مرغ اڑانے، پتنگ اڑانے کا ذکر کیا، وضع و عادات و لباس میں ڈاڑھی منڈانے، پس بڑھانے، پٹے رکھنے، ہسی لگانے، ٹخنوں کے نیچے پا جاہ پہننے، زعفرانی یا کسومی لباس پہننے کا تذکرہ کیا، تمام حاضرین محفل سکتے کے عالم میں تھے، مولانا عبدالحی صاحب نے سب کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "صاحبو! تم سب سے ایک عرض کرتا ہوں، اس کو منوجہ ہو کر سنا اور اس کا جواب دو، وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی اتنی بڑی تھی کہ نماز سینہ چھپا لیا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ڈاڑھی بھی ایسی ہی تھی، اہل سنت و جماعت محبت چار بار کا دعویٰ رکھتے ہیں اور حضراتِ شیعہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا دعویٰ ہے محبت کے معنی ہیں اس چیز کی طرف میل اور رغبت کرنا، جو مرضی محبوب کے موافق ہو، نہ یہ کہ اپنے محبوب کی رضا کے خلاف چلے، بڑا تعجب ہے کہ دونوں فرقہ ڈاڑھیاں منڈاتے ہیں اور منہ سے صحابہ اور اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کئے جاتے ہیں۔"

یہ سن کر جن صاحبوں کی ڈاڑھیاں منڈی تھیں، انھوں نے منہ پر رومال باندھ لئے اور

جن صاحبوں کے پانچے ٹخنوں سے نیچے تھے، انھوں نے اسی دم پھاڑ ڈالے، کبوتر اڑانے والوں میں
 اڑانے والوں اور ننگ بازوں نے توبہ کی اور اسی روز سے لوگوں کو ہدایت ہونا شروع ہو گئی۔
 اس وعظ میں علمائے فرنگی محل اور مولوی دلدار علی صاحب مجتہد لکھنؤ کے اکثر شاگرد، نیز
 مفتی غلام حضرت صاحب جو بڑے صاحبِ اخلاق، متقی و پرہیزگار عالم تھے، تشریف رکھتے تھے۔
 چھ سات ہندو بہا جن بھی لباسِ فاخرہ پہنے و وعظ سن رہے تھے، اس عرصے میں عصر کی اذان ہوئی
 مولانا نے وعظ بند کیا، ان ہندوؤں نے مولانا سے کہا ”آپے جو کچھ فرمایا سب حق ہے، اور آپ کا دین سچا ہے“
 نماز عصر کے بعد یہ صفا کے گرد کئی ہزار آدمی سنی اور شیعہ جمع ہو گئے اور لوگوں نے بیعت
 کرنی شروع کی آپ نے اپنا دوپٹہ پھیلا دیا، اور فرمایا کہ ”جو کوئی اس کو پکڑے وہ ہمارا مرید ہے“
 کھانے کا طور

میاں دین محمد کہتے ہیں کہ جس روز ہم لوگوں کی کہیں دعوت نہیں ہوتی تھی، ایک دیکھا چاول

لے مولوی دلدار علی صاحب مجتہد برہنہ الدین ہزارہی کی اولاد میں سے ہیں ۱۱۶۶ھ کے قریب نصیر آباد میں ولادت ہوئی، از آباد
 و سندیلہ میں مختلف علمائے درسیہ کی تحصیل کی ۱۱۹۳ھ میں عراق کا سفر کیا اور وہاں کے علمائے کبار سے علوم کی تکمیل کی،
 لکھنؤ میں حسن رضا خاں آصف الدولہ کے وزیر تھے، انھوں نے اپنے بیٹوں کا تالیق مقرر کیا، اس وقت تک اہل تشیع
 میں جو جماعت کا کوئی نظام نہ تھا اور شیعہ ملک میں متفرق اور منتشر تھے، مولوی محمد علی کشمیری نے فیض آباد میں اس بات
 کی تحریک کی کہ شیعہ بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کریں، حضرت شاہ علی اکبر دودی فیض آبادی نے بھی حکم کو اس قدر
 متوجہ کیا اور نواب آصف الدولہ نے اس کو پسند کیا اور مولانا سید دلدار علی کی امامت میں ۱۳ رجب ۱۲۳۵ھ میں پہلی جماعت ہوئی۔
 مولوی سید دلدار علی صاحب نے مذہب تشیع کی اشاعت میں بڑا حصہ لیا اور ان کے عہد میں اس مذہب کی بڑی
 ترویج ہوئی، وہ اودھ میں شیعوں کے پہلے مجتہد تھے اور آج تک غفران آباد کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں تصنیفاً
 میں ”عماد الاسلام“ ”منہی الافکار“ ”مواظفہ حنیفیہ“ اور ”تحفہ اشاعریہ“ کی ترویج میں متعدد رسائل ہیں۔
 ۱۹ رجب ۱۲۳۵ھ کو انتقال کیا اور اپنے امام باڑے میں دفن ہوئے۔

۵۲۔ وقائع احمدی، ص ۳۳۱-۳۳۵۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صفا کا سفر لکھنؤ ۱۲۳۵ھ میں ہوا
 اس لئے کہ مفتی غلام حضرت کا انتقال ۱۲۳۵ھ میں ہوا ہے، تاریخ نے ان کی تاریخ وفات کہی ہے۔

مردہ مفتی غلام حضرت ہوس کو بود بپہر لکھنؤ حاکم شرع

سال تاریخ رحلت آن مرحوم فرمود خسرو کہ بود او خادم شرع

۳۹۳۔ کلیات تاریخ

۱۲۳۲ھ

پکالتے اور دال دوسرے برتن میں اور پیمانے کے طور پر ایک چوبیس پیالہ تھا، اس میں چاول بھر کر ہم نکالتے تھے، ہر آدمی کو دو پیالے بھر چاول تقسیم کرتے تھے، اور وہی ابالی دال بے گھی اور بے مصالحہ کی مگر ان چاولوں اور اس دال کا مزہ ایسا ہوتا تھا کہ امیروں کے کھانے میں ہرگز نہ تھا، اس بات میں ذرا مبالغہ نہیں، جو لوگ موجود تھے، وہ سب اس کے گواہ ہیں۔

اسی ایک دیگ چاولوں میں کوئی پونے دو سو آدمی ہمارے اور پچیس پچیس آدمی شہر کے ہر روز کھاتے تھے، لوگوں نے جوتنا کہ یہ حدیث کے یہاں دال چاول اس مزے کے پکتے ہیں کہ امیروں کے زردے سفیدے میں ایسا مزہ نہیں ہوتا تو ایک روز سو آدمی ادھر ادھر سے کھانے کے وقت آگئے، ان کو دیکھ کر یہ حدیث نے مولوی محمد یوسف صاحب سے کہا کہ ”ان بھائیوں کو بھی کھانے میں شریک کر لو“ مولوی صاحب نے ان کو بھی ڈوڑو کر لی چاول اور اسی کے موافق دال دی، وہی ایک دیگ چاول تھے، کہ کچھ اور تین سو آدمیوں نے کھائے اور کوئی بھوکا نہ رہا۔

علم و مشائخ لکھنؤ کی بیعت

ایک جمعے کو مجلس وعظ میں مولانا محمد اشرف ^{رحمۃ اللہ علیہ}، مولانا مخدوم صاحب مولوی امام الدین ^{رحمۃ اللہ علیہ}

۱۰۰۰ وقائع احمدیہ ص ۳۳۸ ۱۲ مولانا محمد اشرف صاحب اساتذہ لکھنؤ میں سے تھے، والد کا نام نعمت اللہ خانہ ان صدیقی اور ابالی وطن کشمیر تھا، عرصے سے خاندان لکھنؤ میں منتقل ہو گیا تھا، درسی کتابیں کچھ مولانا مخدوم حسین لکھنوی سے پڑھیں اور زیادہ علامہ نور الحق فرنگی محلی سے پڑھیں پھر سند درس آبادی کی بہت سے علما ان سے تلمذ کی نسبت رکھتے ہیں۔

تصنیفات میں ”الاصول الراضیة“ اور اس کی شرح ”الدوۃ الشافیة“ ”قسطاس الصغر“ تفسیر

القرآن اور علماء ہند کا ایک تمام عربی تذکرہ یادگار ہے، (صفر ۱۲۴۴ھ کو وقایع) (نہجہ الخواطر جلد ۷)

بنگالی، مولوی امام الدین صاحب لکھنوی (برادر مولوی نصیر الدین بازار خانم) مولوی عبدالباسط
شاگرد مولوی محمد اشرف صاحب مولوی ابوالحسن صاحب نصیر آبادی، فرنگی محل کے مولوی عبدالشکر
و مولوی رحیم اللہ مولوی نجیب اللہ بنگالی، شاہ نقین اللہ صاحب اور ان کے صاحبزادے مولوی
عبدالوہاب اور میرا مید علی جو لکھنوی میں صاحب خدمت مشہور تھے یہ سب حضرات موجود تھے، وعظ
کے بعد سب بیعت مشرف ہوئے اکثر نے تو وہیں مسجد میں بیعت کی اور مولوی محمد اشرف صاحب
و مولوی مخدوم صاحب اور مولوی ابوالحسن صاحب وغیرہ نے اسی روز مکان پر لے جا کر بیعت کی۔

دونوں مسلم بھائی

دو بھائی بوہری ہندو لکھنوی کے رہنے والے ایک سو لہ سترہ برس کا، اور دوسرا تیس چوبیس
برس کا ہر جمعے کو درس میں آتے تھے اور وعظ سن کر سب مسلمانوں کے ساتھ چلے جاتے تھے، ان کا ارادہ
مسلمان ہونے کا تھا کسی جمعے کو شیخ صلاح الدین انھوں نے بیان کیا کہ ہماری نیت یوں کہی بار
شیخ صاحب ان کے مکان پر بھی گئے، ایک روز شیخ صاحب نے یہ حال سید صاحب سے بھی بیان کیا آپ نے
فرمایا کہ "ہاں ہم ان کو جانتے ہیں وہ درس میں آیا کرتے ہیں تم ان کو ہمارے پاس لاؤ ہم ان کو
اپنا بھائی بنائیں" شیخ صاحب ان کے یہاں گئے اور کہا "چلو حضرت تم کو بلاتے ہیں" انھوں
نے کہا "آج ہی چلیں یا جمعے کو؟ جو مناسب ہو بتاؤ" شیخ صاحب نے آکر کہا آپ نے فرمایا جمعے
پر موقوف نہیں جب بیان لائیں تب ہی بہتر ہے تم ان کو لاؤ شیخ صاحب دوسرے دن را
کو ان کے پاس لائے آپ نے دیر تک نظر بدایت اثر سے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا کیا
ارادہ ہے؟ انھوں نے کہا کہ "آپ اپنے دین حق میں داخل کریں" آپ نے فرمایا کہ "تم کو اپنے

انشاء دونوں صاحبوں کا مفصل حال خلفا و مریدین کے تذکرے میں ملاحظہ ہو ۳۱۵ "وقائع احمدی" ص ۳۱۵

گھر کا کچھ اور کام ہو تو اس سے فراغت کر آؤ تاکہ پھر وہاں سے کوئی غرض نہ رہے۔ انھوں نے کہا، ہم وہاں سے قایم البال ہو کر آئے ہیں اب ہم کو وہاں جانے کی کچھ حاجت نہیں۔ آپ نے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ، ہمارے یہاں سے دو جوڑے کپڑے لے جاؤ اور ان کو گومتی میں نہلا کر کپڑے پہنا کر ہمارے پاس لاؤ۔ اسی وقت ان کو نہلا کر پوشاک پہنا کر لائے آپ نے ان کو مسلمان کیا، اس کے بعد انھوں نے کہا کہ، حضرت ہم اپنی رضا و رغبت سے مسلمان ہوئے ہیں کسی کے جبر و اکراہ سے نہیں، مگر پھر بھی ہمارے عزیزوں کو اطلاع نہ ہو تو بہتر ہے، مبادا کچھ شر و فساد برپا کر دیں، چند روز آپ ہم کو پوشیدہ رکھیں۔ آپ نے فرمایا، کیا مضائقہ ہے؟ تم ہمارے لوگوں میں رہو، چند روز کہیں ادھر ادھر نہ جاؤ، انشاء اللہ کچھ شر و فساد اس امر میں نہ ہوگا۔ بڑے کا نام آپ نے عبد الہادی رکھا اور چھوٹے کا عبد الرحمن، یہ بھی فرمایا کہ یہ دو خٹکے آگے، ابھی تین اور باقی ہیں جب وہ بھی آجائیں تب بیکارگی سب ختم کر دیں۔ کئی روز کے بعد ایک ہندو آیا اور حضرت سے کہا کہ، میں مسلمان ہوں گا۔ آپ نے کہا، بہتر۔ اس کو غسل دلوا، پوشاک بدلوا، کلمہ طیبہ پڑھوایا اور احمد الشہنام رکھا، پھر کئی روز کے بعد دوسرا آیا اور مسلمان ہوا، پھر ایک روز تیسرا آیا اور وہ بھی مسلمان ہوا، آپ نے فرمایا، ان کا ختمہ کر دینا ضروری ہے، مگر اب آٹھ دس دن میں ہمارا بریلی کا ارادہ ہے، وہیں ان کا ختمہ کرایا جائے گا۔ اور یہ اپنے لوگوں سے فرمادیا کہ، ان تینوں کی امانت داری میں مجھ کو شک ہے، اپنا اپنا اسباب ان سے بچائے رہنا۔

۱۔ "وقائع احمدی" ۳۴۵-۳۵۱۔ چنانچہ رائے بریلی پہنچ کر ایسا ہی پیش آیا، سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تین چیزوں کی ایسی شناخت عطا فرمائی ہے کہ بہت کم مجھ سے ان کے بارے میں خطا ہوتی ہے، ایک گھوٹا دوسرے آدمی تیسرے تلوار۔

دعا کی شرط

مینڈو خاں رسالے دار کے سواروں کی وردی بانا تھی ٹوپی بانا تھی کرتی اور پاجامہ تھا، اور وہ لوگو کے سوار کہلاتے تھے، اور اس لقب سے ان کو کمال عار معلوم ہوتا تھا، زبانِ خلق کو کون بند کرے؟ مولوی نور احمد صاحب نگرامی (مصنف "نور احمد") ان دنوں رسالے دار صاحب کے پاس نوکر تھے، وہاں رسالے کے اکثر سواروں نے پیشورہ کیا کہ اگر کسی روز حضرت یہ صفا^{رحمۃ} ہماری لین میں تشریف لاتے تو بہت لوگوں کو ہدایت ہوتی، شاہ پیر محمد صفا^{رحمۃ} کے ٹیلے پر سب لوگ جا نہیں سکتے، کئی افسروں نے کہا کہ "بات تو بہت خوب ہے، اگر یہ صفا^{رحمۃ} یہاں آجائیں تو ہم ان کی دعوت بھی کریں، مگر کسی کو بھیجنا چاہئے، جو آپ کو لائے" پھر مولوی نور احمد کو اور ایک دفعہ ارٹھے، ان کو بھیجا، ان دونوں صاحبوں نے یہ تمام کیفیت اگر سب حضرت سے عرض کی آپ نے فرمایا "بہت خوب، ہم ضرور چلیں گے، مگر جس دن بلانا منظور ہو، اس دن کوئی اپنا آدمی بھیج دیں اور کھانا ہماری اطلاع کے بغیر ہرگز نہ پکوانا" انھوں نے قبول کیا اور یہ کہا کہ "وہاں بیعت کرنے کے علاوہ بعض صاحب اور بھی کسی مطلب کے لئے عرض کریں گے" آپ نے فرمایا "کیا مضائقہ؟" دونوں صاحب رخصت ہو کر اپنی لین میں آئے، تین دن کے بعد ہی دونوں صفا^{رحمۃ} آدیوں سے آپ کو لینے آئے، آپ کوئی دو سو آدمیوں کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے، ان لوگوں نے بڑی تعظیم و تکریم سے آپ کو فرش پر بٹھایا اور تین چار سو سواروں نے بیعت کی۔ اس عرصے میں مینڈو خاں کے بھائی محمد اللہ خاں آپ کی ملاقات کو آئے اور عرض کیا کہ

لے مینڈو خاں بدل خاں رئیس دہلی کے خاندان سے تھے، قوم کے مثل تھے اور قبیلہ ترک جیک سے تعلق تھا، "سوزی" کا بدولت انھوں نے بڑی دولت پیدا کی تھی، اول رسالے داری، پھر خیر آباد اور بہرائچ کی علاقہ داری ملی۔

”آپ یہاں سے فارغ ہو کر میرے عزیز خانے پر بھی قدم رنجہ فرمائیں“ آپ نے فرمایا ”بہتر ہم آئیں گے“
 عبدالرشخاں اپنے مکان کو گئے مولوی نور احمد نے حضرت سے کہا کہ میں نے ٹیلے پر عرض کیا تھا کہ بیعت کے
 علاوہ وہاں کچھ اور بھی درخواست کی جائے گی، سو رسالے دار صاحب کا مکان پر لے جانے سے یہی مطلب ہے ان کی
 ایک عرض یہ ہے کہ تمام شہر میں ہم لوگوں کا لقب ”لوہے کے سوار“ ہے، اس لقب کے رسالے دار صاحب کے
 بہت عار اور ندامت معلوم ہوتی ہے، اس لقب کے چھوٹنے کے لئے وہ آپ سے دعا کر آئیں گے، دوسرے
 یہ عرض کریں گے کہ حضور سے رسالے داروں کی لاکھوں روپے کی بڑی بڑی علاقے داریاں ہیں،
 لیکن ہم جس دن اس سرکار دو لہزار میں نوکر ہوئے ہیں، اس نوکری کے سوا آج تک ہمارے واسطے
 کسی نوع کی ترقی کی صورت نہیں ہوئی، اس کے لئے بھی وہ آپ سے دعا کی درخواست کریں گے،
 اور ایک ہماری آپ سے گزارش ہے کہ اکثر اوقات ہماری اس لین میں مہمان اور مسافر اترتے ہیں،
 ہم لوگوں میں اتنی وسعت نہیں کہ کھانا کھلانے سے ان کی خبر لیں، وہ بیچارے بھوکے سو رہتے
 ہیں، رسالے دار کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ یہاں کے مہمان مسافر کچھ کھاتے ہیں، یا نہیں، آپ اگر
 اس بات کا انتظام ان کے ذمے کر دیں تو یہ بڑے ثواب کا کام ہے۔“

یہ سنا کر فرمایا کہ مولوی صاحب آپ نے یہ بات بڑے کام کی کہی انشاء اللہ ہم اس کی تدبیر کر دیں گے۔
 پھر آپ مینڈو خاں کے مکان پر گئے، وہاں مینڈو خاں اور عبدالرشخاں نے بیعت کی اور انھیں
 دونوں باتوں کے متعلق عرض کیا، جن کی اطلاع آپ کو مولوی نور احمد سے پہلے مل چکی تھی، آپ نے فرمایا
 ”ہم اس معاملے میں دعا کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے امید قوی ہے کہ تمہاری دونوں حاجتیں لو
 فرمائے گا، مگر اس کے ساتھ شرفی الشراک اور بھی کام ہے کہ جس قدر اس کا التزام اپنے اوپر مضبوط رکھو گے، اسی قدر
 تمہاری ترقی انشاء اللہ تعالیٰ روز بروز زیادہ ہوگی اور جتنا اس میں قصور کرو گے، اتنا اس میں فتور واقع ہوگا۔“
 انھوں نے عرض کیا کہ وہ کیا بات ہے، آپ نے فرمایا کہ ”ہم نے سنا ہے کہ تمہاری لین میں جو مہمان اور

سافر اتر کرتے ہیں، فاقے سے سو رہتے ہیں ان کا خیر گھر کوئی نہیں ہوتا، یہ ایک صورت غضبِ الہی کے نزول کی ہے، تم کو اللہ تعالیٰ نے زمین نامدار بنایا ہے تم اپنے مقدر کے موافق ان کی خیر لینا، جب تک اس کا التزام اپنے ذمے رکھو گے تمہارے اقبال و دولت جاہ و ثروت کی ترقی لے ہے گی اور جس قدر اس میں قصور واقع ہوگا، اسی قدر اس میں فتور پڑے گا۔“

انہوں نے کہا کہ ”جو کچھ مجھ کو میسر ہوگا اور میں کھاؤں گا، ان کو بھی کھاؤں گا یہاں تک کہ اگر میں پلاؤ کھاؤں گا تو انھیں بھی پلاؤ کھاؤں گا اور جو میں چنے چا پوں گا، انھیں بھی چواؤں گا۔“ آپ نے فرمایا ”واہ اٹھان بھائی، اگر یہ نیت تمہاری ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ تمہارا سب مطلب بخوبی پورا ہوگا اور ہم تمہارے واسطے ضرور دعا کریں گے“ پھر حضرت وہاں سے ٹیلے پر تشریف لائے اور چند روز میں بریلی روانہ ہو گئے، وہاں عبداللہ شاہ نے اپنے رسالے کو حکم سنا دیا کہ جو بہان مسافر بیکس و محتاج ہماری لین میں اتر کرے، ہم کو اطلاع کیا کرو اور مولوی نور احمد کو اس کام کا داروغہ مقرر کیا کہ جو بہان و مسافر یہاں اترے اس کو نقد پیسے یا جنس ہماری طرف دلوایا کرو۔ دو ڈھائی مہینے کے بعد مینڈو خاں نے اپنی ترقی اور بہبودی کا حال سید صاحب کو لکھ کر بھیجا کہ جب آپ لکھنؤ سے بریلی تشریف لے گئے، حضور (بادشاہ غازی الدین حیدر) نے ہمارے رسالے کا جائزہ لیا، نواب فتح علی خاں کپتان حاضر تھے، جناب عالی نے اپنے پستول کی جوڑی دکھائی کہ ایسی ایک ہزار جوڑی پستول ہوتے تو ان سواروں کو دینے، کپتان صاحب نے عرض کیا کہ جناب عالی کے اسلحہ خانے میں اس قسم کی کئی ہزار جوڑیاں ہیں، فرمایا ”حاضر کرو“

دوسرے دن کپتان صاحب موصوف نے ہزار جوڑی پستول حاضر کئے، جناب عالی نے ہمارے رسالے کے سواروں کو عنایت فرمائے اور وردی بھی بدلوادی اور لوگوں کو القاب بھی موقوف کروایا اور خیر آباد کا علاقہ بھی ہم کو ہوا اور پیرایچ کا علاقہ ہونے کی امید ہے۔

کچھ دنوں میں جیان کو بہرائچ کا علاقہ ہوا تب تو مسکینوں اور مسافروں کی اطلاع کو صبح و شام کھانے کے وقت نرم بچوانا شروع کیا کہ جو مسکین و مسافر لین میں اترا ہو آئے اور ہمارے دسترخوان پر ہمارے ساتھ کھائے اکثر کھانے کے وقت ہر محفل کہتے کہ ”بھائیو! یہ سب جناب سید رضا کی دعا کا نتیجہ ہے“

جب تک مینڈو خاں جیے، مسافر پروری کا یہی حال رہا، ان کے انتقال کے بعد چند روزان بیٹوں نے بھی یہ کارخانہ جاری رکھا، پھر اس کا التزام نہ ہو سکا، عبداللہ خاں نے بارہا اپنے بھتیجوں سے تاکید کر کہا کہ ”دیکھو مسافروں کا دسترخوان موقوف نہ ہونے پائے، تمہارے والد کا یہ جاہ و جلال سید احمد رضا کی دعا سے اسی شرط کے ساتھ تھا کہ جس قدر محتاج پروری میں کوشش کرو گے اسی قدر اللہ تعالیٰ دولت و اقبال میں ترقی رکھے گا اور جو اس میں قصور کرو گے تو اس میں فتور واقع ہوگا“ مگر منظور الہی نہ تھا، انھوں نے اس نصیحت پر کچھ خیال نہ کیا، چند سال میں وہ کارخانہ جاتا رہا۔

جہاد کی نیت

لکھنؤ میں ایک مرتبہ کچھ لوگ بیعت ہوئے اور آپسے تبرک کی درخواست کی آپ نے ان کو کچھ روپے برکت کے لئے عطا فرمائے اور نصیحت فرمائی کہ ”اپنے اپنے گھر کی عورتوں کو ہمیشہ تاکید کرتے رہو کہ کسی طور کا شرک نہ کریں اور جو اللہ تعالیٰ تم کو روزی کی فراغت دے تو نیت خالص جہاد فی سبیل اللہ رکھنا خواہ جان سے، خواہ مال سے اور جو نیت خالص نہ ہوگی تو تمہارے حق میں نقصان ہوگا اس بات کو خوب سمجھ لو“

انھوں نے عذر کیا کہ ”اگر ہم اپنی جان سے جہاد کی نیت کریں اور جائیں تو یہاں ہمارا اہل و عیال کی کون خیر لے گا اور کون کھانا کپڑا دے گا؟ اور جو جہاد مالی کی نیت کریں تو ہمارے پاس مال کہاں؟“ فرمایا ”جب اللہ تعالیٰ تمہیں مال و دولت دے تب تم پر حکم ہے اس کے بغیر نہیں“ سب نے اس کا عہد کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی کریں گے، آپ نے میرا مید علی کو تاکید مزید فرمائی کہ تم ان عورتوں کو نماز روزے کی تعلیم کیا کرنا۔

نشاناتِ شرک کا ابطال

گو متنی کے راج گھاٹ پر خدا بخش نام ایک شخص لکڑی کی دوکان کرتے تھے اکثر انھیں کی دوکان سے لکڑی جاتی تھی، انھوں نے بھی سید صنا کے ہاتھ پر بیعت کی اور چند دنوں میں ان کی حالت کچھ سے کچھ ہو گئی ان کی دوکان کے آس پاس بانس والوں کی کئی دوکانیں تھیں انھوں نے جو میاں خدا بخش کا یہ حال و قال دیکھا سنا کہ یہ تو بڑے عابد زاہد صاحب متقی ہو گئے، ان کو بھی اشتیاق ہوا اور سنا کہ آٹھ شخص بیعت ہوئے دوسرے روز اپنے اور آٹھ دس بھائی بندے کر آئے، انھوں نے بھی بیعت کی اور توبہ کی اور حضرت سے عرض کیا کہ "ہمارے لوگوں کے کوئی تیس چالیس گھر ہوں گے سب کو اشتیاق ہے کہ بیعت کریں اگر کسی روز آپ اُدھر قدم رنجہ فرمائیں تو عین سرفرازی ہو" آپ نے قبول کیا پھر ایک معین کر کے دو سو آدمیوں کے حضرت کی دعوت کر گئے، آپ نے کتنا ہی عذر کیا کہ تم غریب لوگ ہو، دعوت کی تکلیف نہ کرو، انھوں نے کہا کہ "ایک دن آپ کی دعوت کرنی ہم پر ہرگز ہرگز گراں نہ ہوگی" اس روز آپ ان کے یہاں گئے کھانے کے بعد سب نے بیعت کی اور مقدر کے موافق ان میں سے اکثر نے نذر دی، پھر اپنے اپنے گھر لے گئے، عورتوں، لڑکوں بالوں کو مرید کرایا۔

ایک صنا کے یہاں طاق میں مٹی کے کئی کھلونے رکھے تھے آپ کی نظر پڑ گئی فرمایا بیعت ہیں ان کو شرک رکھتے ہیں ان کو توڑ ڈالو، گھر سے دور کرو، خبردار پھر کبھی نہ لینا" پھر دیر تک شرک کی طرح کی برائی اور توحید کی خوبی بیان فرماتے رہے، صاحب خانہ نے اسی وقت وہ کھلونے توڑ کر گھر سے باہر پھینک دیئے، ان کا یہ حال دیکھ کر جس جس کے یہاں مٹی کی مورتیاں اور کھلونے تھے سب نے توڑ کر پھینک دیئے، ٹوٹے ہوئے صد ہا کھلونے اس وقت دروازوں پر پڑے تھے۔ آپ نے ان میں سے دو شخصوں کو اپنا خلیفہ کیا اور ایک ایک ٹوپی اور کرتا ان کو دیا، آپ کے ہمراہیوں

میں سے کسی نے کہا کہ ان کا خلیفہ کسی پڑھے لکھے قابل آدمی کو کیا ہوتا، جو ان کو وعظ و نصیحت کیا کرتا یہ سچا ہے آپ ہی کچھ نہیں جانتے اور کو کیا تعلیم کریں گے؟ آپ نے فرمایا "ہاں تم بھی اچھا کہتے ہو، مگر یہ ان کی برادری کے چودھری ہیں جو کچھ ان کا کہنا ان پر اثر کرے گا، اگرچہ ناخواندہ ہیں ایسا دوسرے کا کارگر نہ ہوگا، اگر ان کا کہنا کوئی نہ مانے تو یہ اس کو اپنی برادری سے باہر نکال سکتے ہیں، دوسرے غیر برادری عالم سے یہ بات نہ ہوگی اور انشاء اللہ ان کو چند روز کے بعد دیکھنا کہ خدا کی عنایت سے کس طرح کے ہوں گے؟"

اصلاح رسوم

آپ نے ان چودھری صاحبان کو تعلیم کی کہ بیاہ برات نشادی غمی میں خدا و رسول کے خلاف شرک و بدعت کے رسوم کوئی نہ کرنے پائے، ہر امر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر نگاہ رہے، اس میں کوئی خوش ہو یا ناخوش، اللہ تعالیٰ تمہارے یہاں برکت کرے گا اور تم کو خوش اور محفوظ رکھے گا، پھر آپ ٹیلے پر تشریف لائے۔

میاں دین محمد صاحب کہتے ہیں کہ جب سید صاحبؒ جہاد کو تشریف لے گئے تو میرا ہندوستان آنا ہوا، اور لکھنؤ بھی جانا ہوا تو ان بالنسب الوں کے بھی ملاقات ہوئی، ان کی دینداری اور پرہیزگاری کا حال معلوم ہوا اور ان کا روبرو پہلے کے مقالے میں چار گنا، بلکہ بعضوں کا زیادہ دیکھنے میں آیا، وہ کہتے تھے کہ حضرت کی دعا سے ہمارا یہ حال ہے کہ جس مال تجارت میں ہم ہاتھ لگاتے ہیں اگر وہ مال مٹی کا ہو تو سونا ہو جاتا ہے۔

یہ بھی کہتے تھے کہ نشادی بیاہ میں ہم نے اپنے یہاں یہ دستور رکھا ہے کہ دھلے ہوئے کپڑوں کے

لہ سید صاحبؒ کی حالت تھی کہ کسی کی بات کی بر ملا تردید نہیں کرتے تھے، جب تک کہ وہ خلاف شرع نہ ہو، البتہ اپنی بات کی کوئی معقول توجیہ یا وجہ ترجیح بیان فرادیتے تھے جس سے عقل مند آدمی سمجھ جاتا تھا۔ ۲۷۰۴-۳۹۴۴-۲۰۱

سواد و لہا دلہن کے لئے نیا کپڑا بھی نہیں بنوائے اگرچہ بنانا درست ہے اور ویسے اور عقیدے کے کھانے کے سوانہ کھاتے ہیں نہ کھلاتے ہیں اور جو خرافات اور رسوم بدعا لوگ اپنے یہاں شادی بیاہ میں کرتے ہیں جیسے سہرا، کنگنا باندھنا، رت جگا کرنا، گیت گوانا، طوائف کا تاج کرانا اور اسی طرح کی کوئی بات ہم نہیں کہتے اور جو کہتے ہیں ان کے بیاہ شادی میں ہم لوگ شریک نہیں ہوتے۔ اور پہلے ہم لوگ جیب لڑکوں کے چچک نکلتی تھی تو کیا کیا شرک بدعا کی خرافا کرتے تھے، اور کسی کو اس کے پاس نہیں جانے دیتے تھے، اور اکثر لڑکے مر جاتے تھے، اب ہم خدا پر لڑکے کو چھوڑ دیتے ہیں کسی بات کا پرہیز نہیں کرتے اور خدا کے سوا کسی کی نذر و نیاز بھی نہیں مانتے، اول کے نسبت اب لڑکے کم مرتے ہیں۔“

جب میں ہندوستان سے سرحد گیا میں نے حضرت سے ان بانس والوں کی دینداری پر پرہیزگاری کا سب حال بیان کیا، آپ نے خوش ہو کر ان کے واسطے دعا کی۔

جرائم پیشہ قساق کی توبہ و اصلاح

میاں دین محمد کہتے ہیں کہ امان اللہ خاں ان کے بھائی سبحان خاں اور کئی شخص جو کچھ نام یاد نہیں، چوری اور جرائم پیشگی میں طاق اور شہرہ آفاق تھے، ایک دن لکھنؤ میں سید صاحب کی ملاقات کو شاہ پر محمد صاحب کے ٹیلے پر آئے، لوگوں نے ان کو آتے دیکھ کر حضرت سے اطلاع کیا کہ یہ لوگ بڑے بدعاش، چورا اور جرائم کار ہیں آپ نے فرمایا کہ خبردار ان کے سامنے اس کا کوئی تذکرہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ بڑے کام چھڑا کر ان کو نیک کاموں کی توفیق دے اور موت بھی ان کی اچھی ہو۔ انھوں نے اگر آپ سے مصافحہ و معائنہ کیا، آپ نے ان کو بڑے اخلاق و احترام کے ساتھ

بٹھایا اور دیر تک متوجہ ہو کر ان کی طرف دیکھا، کچھ دیر کے بعد انھوں نے رخصت چاہی فرمایا بہتر مگر تم کیا پیشہ کرتے ہو؟ انھوں نے بہت عذر کیا کہ آپس میں باکونہ پوچھیں اسی طرح رہنے دیں ان کے واقف رو میں سے کسی نے کہا کہ "بتا دو کیا مضائقہ ہے؟ بلکہ تمہارے لئے بہتر ہے" آپ نے بھی فرمایا کہ بیان کرو انھوں نے اپنی چوری اور جرائم کاری کا تمام حال صاف صاف بیان کیا کہ اب تک ہمارا پیشہ یہ تھا مگر اب سے آپ کے دست مبارک پر توجہ کرتے ہیں ہم کل جیسا کہ آپ کے پاس آئے تھے اس وقت ہمارا کچھ خیال نہ تھا صرف سیر تماشے کی غرض سے آئے تھے مرید ہونے کا مطلق ارادہ نہ تھا، مگر جب ہم آپ کے پاس بیٹھے اور آپ کا اخلاق دیکھا تو ہمارے دل کا عجیب حال ہو گیا کہ اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتے، بیکار یہی دل میں سما یا کہ سب گھرباز بیوی بچے چھوڑ کر آپ ہی کے پاس رہیں اسی واسطے آج ہم آئے ہیں" آپ نے فرمایا کہ آج موقوف رکھو، جمعے کو انشاء اللہ تم کو مرید کریں گے، یہ سن کر وہ چلے گئے۔ جمعے کو کچھ دن چڑھے وہ آئے، آپ نے فرمایا کہ جمعے کی نماز کے بعد بیعت کرنا، نماز کے بعد جمعیت ہوئے اور کچھ زر نقد آپ کے نذر کیا آپ نے لے کر پھر ان کے حوالے کیا اور فرمایا کہ ہماری طرف سے اپنے لڑکوں بالوں کو دیتا، انھوں نے کہا کہ اپنے اہل و عیال کو کیوں کر آپ سے بیعت کر اویں فرمایا کسی روز اس طرف جانا ہوگا تو مرید کریں گے۔

ایک روز آپ گولہ گنج کی چڑھائی پر جاتے تھے، امان اللہ خاں نے عرض کیا کہ میرا غریب خانہ قریب ہے اگر حضرت وہاں قدم رنجہ فرمائیں تو عین عنایت ہو، ہم اہی وہیں کھڑے رہے آپ ان کے یہاں تشریف لے گئے اور ان کے گھر والوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ امان اللہ خاں، سبحان خاں اور مرزا ہالیوں بیگ تو سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، ان کے زمرے کے نمین آدمی غلام رسول خاں، غلام حیدر خاں اور صدر خاں اور تھے، ان کو یہ حال معلوم نہ تھا، ایک روز یہ تینوں صاحب امان اللہ خاں کے پاس آئے اور کہا کہ "ان دنوں

خرچ کی تنگی ہے اس کی تذبذب کرنی چاہئے یعنی کہیں چل کر چوری کریں انھوں نے جواب دیا کہ اب ہم سے کچھ نہ ہوگا کہا کیا سبب ہے؟ آج کل نہ چلو گے یا کبھی نہیں؟ قصہ کیا ہے؟

مرزا ہاپوں بیگ نے کہا کہ بات یوں ہے کہ ہم اور یہ اس بات کو بہ کر چکے ہیں اب نشاء اللہ ہم سے یہ کام نہ ہوگا انھوں نے کہا کہ تم نے توبہ کی؟ کہا شاہ سپر محمد رضا کے ٹیلے پر ریلی کے جو سیدنا اترے ہیں ان کے ہم اور یہ مرید ہو گئے ہیں اور کچھ آپ کے فضائل و کمالات بیان کئے کہ ایک روز ہم پانچ چار آدمی بطور سیر تماشہ ان کے پاس گئے کہ دیکھیں تو کیا حال ہے ملاقات ہوئی تو جیسا سنا تھا، ویسا ہی پایا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی انھوں نے ہم کو توجہ دلائی اس کے ہم کو بہت فائدہ ہوا۔

یہ حقیقت سن کر ان تینوں ساتھیوں نے کہا کہ اگر یہی حال ہمارا بھی ہو تو ہم بھی چل کر بیعت کریں انھوں نے کہا کہ اس سے کیا بہتر مگر ہم پہلے ان سے یہ حال بیان کریں جو وہ فرمائیں تو پھر ہم تم سے کیا انھوں نے سیدنا سے یہ حال آکر عرض کیا، آپ نے فرمایا کہ تمہارے گروہ کے جو جو لوگ ہیں، ان سب کو ہمارے پاس لاؤ، ان نشاء اللہ ان کو تم سے زیادہ فائدہ ہوگا۔

دوسرے روز غلام رسول خاں، غلام حیدر خاں اور صدر خاں کو وہ لے کر آپ کے پاس آئے آپ نے ان کو بڑے اخلاق اور بڑی خاطر داری سے بٹھایا اور مزاج کی عافیت پوچھی، پھر عصر کی نماز کے بعد ان کو مرید بنایا اور امان اللہ خاں سے کہا کہ تم ان کو توجہ دو، وہ عذر کرنے لگے کہ مجھ کو اس کا کیا سلیقہ؟ آپ نے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے؟ تم جا کر ان کو توجہ دو اب کی جو کوئی مرید ہوگا تو ہم اسی طرح ان سے توجہ دلائیں گے امان اللہ خاں نے ان کو توجہ دی، غلام رسول خاں بہوش ہو کر لوٹنے لگے اور غلام حیدر خاں اور صدر خاں کا ایک سکنے کا سا حال ہو گیا کہ لوگ مونڈھا بکڑ کر ملانے تھے، او وہ ہوش میں نہیں آتے تھے، پھر کچھ دیر میں قدم سے افاقہ ہوا، آپ کے پاس لائے گئے، آپ نے حال پوچھا، اس بجانہ تھے ان سے بات نہ کی گئی، آپ نے امان اللہ خاں سے کہا کہ ان کو گھر لے جاؤ کل پھر لاتا۔

امان الشرحاں نے کہا کہ ”حضرت میں نے ان کو توجہ دی، ان کا یہ حال ہوا اور مجھ کو آپ کے لوگوں نے توجہ دی میرا یہ حال نہ ہوا، اس کا کیا سبب؟“ آپ نے فرمایا کہ ”تم کو ان کے زیادہ فائدہ ہو گا اور تم تمہارے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمہارا خاتمہ بخیر کرے اور تم سے اللہ تعالیٰ بہت کام لے گا انھوں نے کہا کہ ”بس میں یہی چاہتا ہوں۔“

امان الشرحاں تینوں صاحبوں کو مکان پر لے گئے، دوسرے دن جب ان کو بخوبی ہوش آگیا، امان الشرحاں ان کو پھر لائے، اس دن سے وہ خود ہی سید صاحب کے پاس آنے لگے۔

جب سید صاحب نے رائے بریلی والیسی کا ارادہ فرمایا، امان الشرحاں اور مرزا ہالیوں بیگ آپ کے ہمراہ ہوئے، غلام رسول خاں، غلام حیدر خاں اور صدر خاں بھی چلنے کے لئے تیار ہوئے، آپ نے فرمایا کہ تم ابھی مکان پر رہو، جب ہم ہجرت کریں گے، تب تم کو ضرور ساتھ لیں گے۔

مالِ حرام سے نائیبوں کی نفرت

غلام رسول خاں نے عرض کیا کہ ہمارا دل تو آپ کے ساتھ ہی چلنے کو چاہتا ہے، مگر آپ کا فرمانا ہم کو منظور ہے لیکن ہم اپنے گھر میں تو نہ رہیں گے، اس لئے کہ ہمارے یہاں مالِ حرام ہے، اگر رہیں گے تو کھانا پڑے گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات تو تم نے بڑے کام کی کہی، فی الحقیقت یہی بات ہے کہ تم اگر کچھ مالِ حرام کھاؤ گے تو تمہارا یہ حال نہ رہے گا، خیر تمہاری تو یہ نیت ہے، بھائی غلام حیدر خاں تم اپنا حال کہو۔

غلام حیدر خاں نے کہا کہ میرے گھر کا بھی یہی حال ہے، مگر آم کا باغ بھائیوں کی شرکت میں ہے، فی الحال اس کا تقسیم ہونا دشوار ہے۔

پھر آپ نے صدر خاں سے کہا کہ تم اپنا حال بیان کرو، کہا ”میرا بھی بیعتہ ایسا ہی حال ہے کہ گھر میں کسی قسم کا مال ہے، لیکن ایک باغ آم کا سو سو سو روپے کی آمدنی کا ہے، اس میں شرکت بھی نہیں ہے، میرا گزر اس میں اللہ کے فضل سے بخوبی ہو جائے گا۔“

آپنے حافظ بچو خاں سے فرمایا کہ غلام رسول خاں اور غلام حیدر خاں کو اپنے ساتھ فقیر محمد خاں کے پاس لے جاؤ اور ہماری طرف سے کہو کہ ان صاحبوں کے کھانے کی پڑے کے لئے شرفی اللہ گز کے موافق مشاہرہ مقرر کر دیجئے، اس شرط سے کہ اگر یہ چاہیں تمہارے پاس رہیں چاہیں اپنے گھر، حافظ صاحب ان کو فقیر محمد خاں صاحب کے پاس لے گئے اور یہ صاحب کا پیغام پہنچایا، خاں صاحب نے پوچھا کہ حضرت نے اپنی زبان مبارک سے ان کے واسطے کچھ مشاہرہ فرمایا ہے، کہا یہ تو مجھے کچھ نہیں کہا، خاں صاحب نے حافظ صاحب کے ذریعے یہ صاحب سے کہلوایا کہ میری طرف سے عرض کرنا کہ یا تو دس روپے ماہوار نقد لیں یا پانچ روپے اور دونوں وقت کھانا، آپ نے کہلا بھیجا کہ آپ دس روپے ہر ایک کو دیں چاہیں وہ اپنے گھر میں رہیں چاہیں آپ کی سرکار میں حاضر رہیں انھوں نے ایسا ہی کیا۔

زنانوں کی توبہ و اصلاح

ایک روز ایک نیک مرد ایک زنانے کو لے کر شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلے پر آئے اور آپ سے عرض کیا کہ میرے اور ان کے درمیان لٹری فی اللہ دوستی ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ آپ کے دست مبارک پر بیت کریں اور ان کو ہدایت نصیب ہو، آپ نے فرمایا بہت خوب بات ہے، اس کو پوچھا تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میرا ارادہ یہی ہے، جو یہ کہتے ہیں مگر میرے یہاں دس بارہ آدمی ہیں ان میں سے کئی آدمی ایسے ہیں جن کو اطلاع کرنی ضروری ہے، آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو کبھی ہدایت نصیب کرے اور ان کو کبھی آپ نے فرمایا تم اس امر میں کوشش کرو، ہم بھی دعا کریں گے، خدا چاہے گا تو وہ تمہارے ساتھ آئیں گے، تیسرے روز تین زنانے، چوتھا وہ خود پانچویں وہ صاحبین کے ساتھ وہ پہلے دن آیا تھا، آئے ان تینوں میں ان کا ایک سردار تھا، آپ نے دیکھا ان کی طرف نگاہ توجہ سے دیکھا اور پوچھا کہ تمہاری کیا نیت ہے؟ انھوں نے کہا نیت تو یہی ہے کہ آپ کے ہاتھ پر توبہ کریں، مگر اس بات کا اندیشہ ہے کہ باقی لوگ کچھ فساد

برپا نہ کریں اور ہم کو پکڑ لے جائیں“ آپ نے فرمایا کہ تم خالص دل سے توبہ کرو اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے گا کوئی تمہارا مزاحم نہ ہوگا“ انھوں نے کہا کہ ہم حاضر ہیں“ آپ نے فرمایا“ ان کو نہلا دھلا کر کپڑے پہناؤ، لوگ گو متی سے نہلا لائے، کسی نے ہم لوگوں میں سچا دردی کسی نے پا جا کر کسی نے انگر کھا، کسی نے ٹوپی اسب کو مردانے کپڑے پہنائے پھر آپ نے ان سے بیعت لی اور دعا کی اور فرمایا کہ“ جو ان میں ستر لہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اس حال میں بھی ستر رکھا ہے، یعنی ان تینوں کے خدا کے نزدیک مرتبہ میں زیادہ ہے“ پھر ان کو توجہ دلائی اور مولوی محمد یوسف صاحب سے فرمایا کہ“ ان کو اپنے پاس رکھئے، کسی شاکی تکلیف نہ پائیں، اپنے ساتھ نماز میں لے جایا کیجئے اور اپنے ساتھ لایا کیجئے اور نماز روزے کے مسائل ان کو سکھائیے“ دو تین روز میں ان کے باقی لوگوں کو خبر ہوئی کہ چار شخص تم سے جا کر سید صاحب کے مرید ہوئے ہیں لوگوں سے اس کا مشورہ کیا کہ وہاں سے ان کو کیوں کر لائیں انھوں نے کہا“ وہاں کا توبہ حال ہے کہ جو کوئی ان کے پاس جاتا ہے، خدا جانے ان کے پاس کیا سحر ہے کہ وہ انھیں میں بل جاتا ہے، اور انھیں کا طریقہ اختیار کرتا ہے، اگر تم جاؤ گے تو کچھ عجیب نہیں کہ تمہارا بھی وہی حال ہو، اس سے یہی بہتر ہے کہ ان سے صبر کرو اور باز آ جاؤ، مگر یہ بات ہے کہ جب سید صاحب اپنے مکان بریلی کو جائیں تب تم اس شاکی خبر دیدار بخش کر دو، اگر موقع ملے تو وہ ان کو سمجھا کر بلا لیں“ اس مشورے کا حال اس شخص سے معلوم ہوا، جو ان کو لے کر آیا تھا۔ لکھنؤ سے روانگی کے وقت آپ نے ان چاروں کو فقیر محمد صاحب رسالے دار صفا کے پاس بھیج دیا اور کہلوا دیا کہ ان چاروں نے اپنے پیشے سے توبہ کی ہے، آپ کھانے کپڑے سے ان کی خبر لیا کریں، اللہ تعالیٰ اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں گے، ان کا مفصل حال ہم ملاقات کے وقت بیان کریں گے۔

اہل حکومت کو تشویش

مولانا عبدالحی صاحب کے ہر درس میں دو چار اہل تشیع ضرور توبہ کر کے اہل سنت و اجماعت

میں داخل ہو جاتے اس اطلاع سے تاج الدین حسین خاں اور سبحان علی خاں کو بڑی فکر پیدا ہوئی، انھوں نے نواب معتمد الدولہ سے اس کی شکایت کی، نواب حسنانے چوہدری کھنچ کر سید حسنانے سے کہلوایا کہ وعظ و نصیحت میں کوئی حرج نہیں، یہاں حکومت اہل تشیع کی ہے، تبدیلی مذہب سے فساد کا اندیشہ ہے، سید حسنانے جواب دیا کہ ہم کلمہ حق بیان کرتے ہیں، جو طالب حق آئے گا اور متاثر ہوگا، ہم اس کو ہرگز نہ روکیں گے، ہم آپ کے حکم کی تعمیل سے قاصر ہیں، نواب معتمد الدولہ نے دوبارہ پیغام بھیجا اور کہا کہ ایسی صورت حال میں اگر کوئی نقصان پہنچا تو ہم پرتے داری نہیں، سید حسنانے اس کا بھی کوئی اثر نہیں لیا، آخر میں نواب حسنانے فقیر محمد خاں رسالے دار سے کہا کہ سید حسنانے تمہارے پیرو مشد بھی ہیں، اور آشنا بھی، ہماری طرف سے تم جا کر سمجھاؤ کہ حاکم وقت کا مقابلہ اچھا نہیں، اگر شاہ پیر محمد حسنانے کے ٹیلے کے گرد دو چار توپیں لگا کر اڑانے تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟ فقیر محمد خاں حسنانے یہ پیغام پہنچا دیا، آپ نے فرمایا، "فقیر محمد خاں تم مجھ سے مدت واقف ہو اور میرے حالات کو خوب جانتے ہو، یہ مجھ سے ہرگز نہ ہوگا کہ کلمہ انجیر کہنے سے باز رہوں، معتمد الدولہ دو چار توپوں سے کیا اڑاتے ہیں؟ اگر توپیں لگا دیں گے تو کیا پڑا؟ خدا میرا مددگار ہے، ان کے نقصان پہنچانے سے کچھ نہ ہوگا!"

فقیر محمد خاں کے واسطے سے آپ کے اور معتمد الدولہ کے درمیان کئی روز تک گفتگو رہی، شکر میں جو لوگ آپ کے مرید تھے، انھوں نے سنا اور سب نے خفیہ کہا، بھیجا کہ "حضرت ہم لوگ تیار ہیں، جو ارشاد ہو، بجا آئیں، آپ کسی بات کا اندیشہ نہ فرمائیں، آپ نے کہا، بھیجا، "تم خاطر جمع رکھو، اللہ تعالیٰ کافی ہے، کچھ فتنہ و فساد نہ ہوگا!"

آخر میں فقیر محمد خاں نے سید حسنانے کا پیغام معتمد الدولہ کو پہنچا دیا اور یہ کہا کہ سید حسنانے فرمایا ہے کہ منع کرنے کا طریقہ اور تھا، اگر یہ کہا جاتا کہ تم ہماری رعیت ہو، ہمارے شہر سے چلے جاؤ، اس میں ہیں

کچھ عذر حیلہ نہ تھا، لیکن کلمۃ الخیر لوگوں کو تعلیم نہ کرو، یہ بات اہل اسلام کے خلاف تھا، لہذا کاٹا گیا تھا۔
 یا شیعہ جو سہا ریاں آئے گا، ہم اس کو سکھائیں گے، یہ بھی فرمایا کہ تم نواب معتمد الدولہ کے نوکر ہو اور میرے برادر تم کو
 میری طرف سے اجازت ہے کہ فساد کے وقت تم میرے ساتھ نہ ہو، انھیں کی طرف ہو یا کسی کی طرف نہ ہو، الگ ہو۔
 یہ تمام گفتگو سن کر نواب معتمد الدولہ نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے سید صاحب اور ان کے ساتھ
 کے علماء بڑے حقانی اور خاندانی لوگ ہیں، فقیر محمد خاں نے اس وقت سید صاحب کے آبا و اجداد کے
 فضائل و کمالات بیان کئے اور مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب کے بزرگوں کے اوصاف
 و اخلاق کا تذکرہ کیا، نواب معتمد الدولہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور کہا کہ اگر وہ قبول کریں
 تو ان کی دعوت کرنی چاہئے، لیکن ان کے لوگ ہمارے یہاں ہتھیار باندھ کر نہ آئیں، خاں صاحب
 نے کہا "کیا مضائقہ ہے؟ کوئی ہتھیار لے کر نہ آئے گا، اگر لائیں گے تو باہر ڈیوڑھی پر رکھوا دیں گے۔"
 فقیر محمد خاں سید صاحب کے پاس آئے دعوت کا پیام لائے، آپ نے یہ سن کر تبسم کیا اور فرمایا کہ
 "دعوت کا تکلف کرنا کیا ضرور ہے؟ انھوں نے کہا کہ "اب تو آپ قبول کر لیں" فرمایا "بہتر چلیں گے۔"

نواب معتمد الدولہ کی دعوت

دوسرے دن نواب صاحب نے سواریاں بھجیں، ہاتھی بھی اور گھوڑے اور پالکیاں بھی، سید صاحب
 اپنے لوگوں کے ساتھ تشریف لے گئے اور ڈیوڑھی پر پیرے والوں کے پاس ہتھیار رکھ دیے، اندر
 چبوترے پر ایک فرش بچھا تھا، وہاں جا کر سب بیٹھے، نواب معتمد الدولہ کے پاس تلج الدین حسین خاں
 سبحان علی خاں، فقیر محمد خاں رسالے دار، مینڈو خاں رسالے دار وغیرہ حاضر تھے، اور بہادر خاں
 اور خدمت گزار میاں مستعد تھے۔

۱۳۳۳-۱۳۱۷ باختصار۔ ۱۵ ایضاً ص ۱۵۱

مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ اور مکالمہ

مولانا عبدالحی صاحب نے نواب معتمد الدولہ کی مجلس میں وعظ فرمایا، مولانا محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ ایسا وعظ ہم نے نہیں سنا، وعظ اس طرح شروع کیا کہ اے مومنو! معلوم ہونا چاہئے کہ ایمان کا نشان کیا ہے اور کفر کا نشان کیا ہے، پھر اس دعوے پر عقلی و نقلی دلائل پیش کئے، ایک گروہ کے نشان ایمان اور دوسرے گروہ کے نشان کفر کو بڑی خوش بیانی سے واضح کیا اور بڑی خوبی سے ان کو ہر گروہ پر منطبق کیا۔ معتمد الدولہ نے بڑی تحسین و آفرین کی اور کہا کہ آپ کے اوصاف حمید جیسے سنئے تھے، اس سے زیادہ پایا۔ سبحان علی خاں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باب میں کچھ سوال کیا، مولانا نے بڑے سکوت میں رہے، اکثر لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید مولانا کو جواب نہ آیا، اس کے بعد سرائٹھا کر فرمایا کہ "سبحان علی خاں صاحب! آپ کیا دریافت فرماتے ہیں؟ انھوں نے پھر وہی سوال کیا، اس پر مولانا نے ایک عالمانہ تقریر کی، لوگوں کی زبان پر آمتا و سلمنا تھا، معتمد الدولہ نے کہا کہ "اب گفتگو موقوف کیجئے اور ہاتھ دھو لائیے"۔

جماعت کی تربیت اور بلند جوصلگی

مہمان ہاتھ دھو کر بیٹھے تو مختلف اقسام کے نفیس و لذیذ کھانے ان کے سامنے چنے گئے، کھانا بڑی مقدار میں ایک ایک کے سامنے رکھا گیا اور کہہ دیا گیا کہ جس کے سامنے جو کھانا ہے، وہ اس کی ملک ہے، چاہے یہاں کھائے، چاہے اپنے ساتھ لے جائے، لیکن یہ دیکھنا کہ ہمراہیوں میں سے جن میں بہت سے عام لوگ اور غریب آدمی تھے، ہر ایک آسودہ ہو کر اٹھ گیا، اور کسی نے کھانا اپنے ساتھ نہیں باندھا، کھلانے والوں میں کسی نے بعض کھانے والوں سے کہا کہ یہ تمہارا حصہ ہے، ساتھ لیتے جاؤ، اس طرف سے کسی نے

جوابے یا کہ یہ ہمارا دستور نہیں جس نے ہم کو شام کا کھانا عطا فرمایا ہے، وہ صبح کو بھی ہم کو رزق پہنچائے گا۔
مجلس برخواست ہوئی تو نواب معتمد الدولہ نے پانچ ہزار روپے پیش کئے، آپ نے ہر چند عذر
کیا لیکن معتمد الدولہ نے قبول نہیں کیا۔

رخصت ہونے کے بعد معتمد الدولہ نے فقیر محمد خاں سے کہا کہ یہ عجیب و غریب لوگ ہیں،
میں نے آج سے پہلے ایسے آدمی نہیں دیکھے تھے، انھوں نے خواہش کی کہ میں تنہائی میں ملنا چاہتا
ہوں، سیدضآنے فرمایا "اس وقت بڑی دیر ہو گئی ہے، یہاں سے جاتے وقت ملاقات کر کے جاؤں گا"۔

روانگی اور معتمد الدولہ سے ملاقات

جب سیدضآنے لکھنؤ سے رائے بریلی کوچ فرمایا آپ نے اکثر لوگوں کو روانہ کر دیا کہ قزہا رو
کی چھاؤنی میں چل کر ٹھہریں، آپ چند لوگوں کے ساتھ نواب معتمد الدولہ کی ملاقات کو گئے، لوگوں کو ڈیورھی
پر چھوڑ کر آپ فقیر محمد خاں ریلے دار کے ساتھ اندر گئے، نواب مدوح سے ملاقات ہوئی، دو گھنٹے گفتگو
رہی، نواب معتمد الدولہ نے کہا کہ "حضرت میں آپ کے سامنے بے کاموں کی توبہ کرتا ہوں" آپ نے فرمایا کہ
"توبہ سب بڑے کاموں بہتر ہے، مگر جو آپ بیچاے غریبوں، محتاجوں کے گھر زبردستی کھدوا
ڈالتے ہیں، سب سے پہلے اس سے توبہ کرنی چاہئے، یہ مردم آزاری سب سے بڑا کام ہے، نواب نے
اقرار کیا کہ انشاء اللہ کسی کامکان اس کو راضی کئے بغیر اور واجبی قیمت دیئے بغیر
نہ کھدے گا بلکہ چند مکانات کی پیمائش ہو چکی تھی، ان کو موقوف رکھا۔"

نواب صاحب کو تحفہ

رخصت کے وقت سیدضآنے ایک عمدہ گھوڑی، جو بہت بلند اور قد آور تھی، جس پر

آپ اس وقت سوار تھے، بچے سمیت نواب صاحب موصوف کو تحفے کے طور پر دی نواب صاحب نے بہت عذر کیا اور کہا کہ ”تین چار گھوڑے خود ہمارے اصل میں سے پسند فرما کر ہماری طرف سے قبول کیجئے“ آپ نے فرمایا کہ ”نہیں یہ گھوڑی تو آپ کو قبول کرنی ہوگی“

لکھنؤ کے قیام کے دوران میں فقیر محمد خاں نے بڑی رفاقت اور محبت کا ثبوت دیا اور بڑی دعائیں لیں۔

فقیر محمد خاں کی ترقی

لکھنؤ سے واپسی میں مولوی سید محمد حسرتا نصیر آبادی لکھنؤ سے فقیر محمد خاں کا خط لائے جس میں لکھا تھا کہ کل رات، جب آپ قندھاریوں کی چھاوٹی میں تھے، نواب محمد الدولہ کے یہاں سے اس فقیر کو خلعت ہوا، دس ہزار روپے نقد ملے اور ہاتھی، پالکی، شملہ، مندیل، دو شالہ، سپر، تلوار اور اس کے علاوہ بہت سامان ملا، پہلے تین سو روپے کا مشاہرہ تھا، اب ہزار روپے کا ہوا اور پندرہ سو سوار اور دو ہزار پیادے کا حکم دیا کہ نوکر رکھ لو اور محمدی کا پرگنہ علاقہ ہوا۔

سید صاحبؒ یہ حال سن کر بہت خوش ہوئے، فرمایا کہ ”ابھی تو ابتدا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ آگے دیکھنا کہ ان کے واسطے کیسی ترقی ہوگی“

بادشاہ کی آرزوئے ملاقات

راعے بریلی تشریف لے آنے کے کچھ دن بعد ایک روز آپ رفیق کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نواب محمد الدولہ کا ایک قاصد آیا اور نواب مدوح اور فقیر محمد خاں بہادر کا خط لایا، خط پڑھے گئے

۱۔ ”وقائع“ ص ۲۲۵۔ سید صاحبؒ کی عادت تھی کہ ان کے ساتھ اگر کوئی سلوک کرتا تو وہ نمایاں شان لوک

کرتے اور اپنا ہاتھ اونچا رکھنے کی کوشش کرتے۔ ۲۔ ”وقائع“ ص ۲۳۔

دونوں کا مضمون یہ تھا کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد بادشاہ غازی الدین حیدر نے فرمایا کہ ہمارے شہر میں ایسے صاحب کمال بزرگ اتنے دن بے ہزاروں آدمی ان کے مرید اور ان کی ذات سے مستفید ہوئے افسوس کی بات ہے کہ تم نے مجھ کو اطلاع نہ دی اب جو صورت ممکن ہو ان کو بلاؤ اور ہم سے ملاؤ۔ آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ میرے توجہ لے کی کوئی صورت نہیں وہاں جانے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا، باقی جیسا آپ لوگوں کا مشورہ ہو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ نہ تشریف لے جائیں تو مولانا عبدالحی اور مولانا اسماعیل کو بھیج دیں وہ حاکم وقت ہیں ان کے جانے سے شاید اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نصیب کرے نہیں تو کوئی حرج نہیں چند روزہ کر تشریف لے آئیں گے فرمایا یہ خبریں ہی ہی مگر وہاں کچھ ہونا نہیں چنانچہ یہی جواب دیا گیا کہ بالفعل ہمارا آنا تو ممکن نہیں مگر انشاء اللہ دس پندرہ روز میں مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا محمد اسماعیل کو بھیجیں گے۔

چند دنوں کے بعد مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا محمد اسماعیل چھپس چھپس کے ساتھ لکھنؤ روانہ ہوئے تو اب معتدل دلہ کو خبر ہوئی، ایک مکان میں تارا پھر بادشاہ کو اطلاع کی کہ جہاں پناہ نے جو بریلی کے بیٹھنا کو یاد فرمایا تھا، وہ تو کسی عذر سے تشریف نہیں لاسکے، مگر مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا محمد اسماعیل کو اپنی طرف سے بھیجا ہے وہ شہر میں آئے ہیں بادشاہ نے چھپس چھپس پورے روز کا کھانا مقرر کر دیا، دونوں وقت پکا ہوا کھانا خواہوں میں لگا ہوا لگا بعض شخصوں نے مولوی عبدالحی صاحب سے کہا کہ اس کھانے سے تو آپ نقد کر لیں تو بہتر ہے مولانا نے فرمایا کہ ہم کو اس بات سے کچھ غرض نہیں چاہیں کھانا بھیجیں چاہیں نقد پندرہ سولہ روزانہ حضرات کا لکھنؤ میں قیام رہا، مگر والی لکھنؤ سے ملاقات نہ ہوئی، اہل دیار نے اس کا اہتمام رکھا کہ اس عرصے میں بادشاہ کسی وقت ہوش میں نہ آنے پائیں فقیر محمد خاں بہادر اور مینڈو خاں نے دونوں صاحبوں کے یہ حال بیان کیا اور کہا کہ آپ کو رہنے، جانے کا اختیار ہے انھوں نے کہا کہ ہمارا رہنا بے کار ہے صبح کو معتدل دلہ سے لے ملے اور بے خبر کئے بریلی روانہ ہو گئے۔

آٹھواں باب

رائے بریلی کا قیام اور بعض اہم اصلاحی کام

رائے بریلی کا قیام اور اس کے اہم واقعات
لکھنؤ سے واپسی پر سید صاحب کا تقریباً ایک سال رائے بریلی میں قیام رہا، مولوی سید
جعفر علی صاحب "منظورۃ السعدا" میں لکھتے ہیں:-

بعد تشریف آوری از لکھنؤ حضرت امیر المومنین لکھنؤ سے تشریف آوری کے بعد حضرت امیر المومنین

قریب ایک سال بردولت خانہ رونق افروز ہوئے تقریباً ایک سال دولت خانے پر رونق افروز ہے

"وقائع احمدی" میں ہے کہ حضرت امیر المومنین امام المجاہدین علیہ الرحمہ، سفر باظفر

لکھنؤ سے مراجعت فرما کر تکیے پر تشریف لائے اور کچھ یا زیادہ ایک سال وہاں رونق افروز ہے

اس قیام کے اہم واقعات میں سے جہاد کے لئے مشق و تربیت کا اہتمام، نکاح

بیوگان کی سنت کا اجبا اور نصیر آباد کی مہم ہے۔

جہاد کا شوق اور اس کی تیاری

یوں تو عبادت و سلوک کے ساتھ جہاد کی تیاری آپ ہمیشہ کرتے رہتے تھے لیکن اس قیام میں

لہ "وقائع" ص ۶۳۲ ۲۳۵ "منظورۃ السعدا" اور "وقائع احمدی" دونوں میں واقعات کی ترتیب یہی ہے۔

اس طرف سب سے زیادہ توجہ تھی، جہاد کی ضرورت کا احساس روز بروز بڑھتا جاتا تھا اور یہ کاٹھان تھا جو آپ کو برابر بے چین رکھتا تھا، دن رات اسی کا خیال رہتا تھا، زیادہ تر یہی مشاغل بھی رہتے آپ کے اکثر اسلو گلے تاکہ دوسروں کو اس کی اہمیت معلوم ہو اور شوق ہو، دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے لکھنؤ میں آپ نے ایک مرید کو ایک تفنگ لے دیا اور کہا کہ "جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے ہتھیار رکھو اور تم سیر ہو کر کھاؤ انشاء اللہ کفار کے ساتھ جہاد کریں گے تم بھی مشق میں مشغول رہو اس سے بہتر کوئی فقیر ہی اور درویشی نہیں ہے۔"

قدستی سے بہت مسلمان ان چیزوں کو تقدس و شجاعت کے خلاف سمجھتے تھے، لکھنؤ میں ایک مرتبہ جب آپ قندھار یوں کی چھاؤنی میں تشریف لے جا رہے تھے، آپ بھی ہتھیار باندھے ہوئے تھے، اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ تھے، بعد الباقی خاں صنانے یہ دیکھ کر کہا کہ "حضرت آپ کی سب باتیں تو بہتر ہیں، مگر ایک بات مجھ کو ناپسند ہے، اور وہ آپ کے خاندان و الاثنان کے خلاف ہے، آج تک یہ طریقہ کسی نے اختیار نہیں کیا، آپ کو وہی کام زیبا ہے، جو آپ کے حضرات آبا و اجداد کرتے آئے" آپ نے فرمایا کہ "وہ کون سی بات ہے؟" کہا "یہ سپر تلوار، بنڈوق وغیرہ کا باندھنا یہ سب اسباب جہالت ہیں، آپ کو نہ کرنا چاہئے" یہ سنتے ہی حضرت کا چہرہ غصے کے مارے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ "خاں صنا! اس بات کا آپ کو کیا جواب دوں؟ اگر سمجھتے تو یہی کافی ہے کہ یہ وہ اسباب خیر و برکت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عنایت فرمائے تھے تاکہ کفار و مشرکین سے جہاد کریں اور خصوصاً ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سامان سے تمام کفار و اشرار کو زیر کر کے جہان میں دین حق کو روشنی بخشی، اگر یہ سامان نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے اور اگر ہوتے تو خدا جانے کس دین و ملت میں ہوتے" آپ کو سب سے زیادہ خیال جہاد کا رہتا تھا جس کو مضبوط و توانا دیکھنے فرماتے کہ یہ ہمارے کا اکا ہے، مورائیں (ضلع اناؤ) کے شمشیر خاں، الابخش، شیخ رمضان اور مہربان خاں ملاقات کے

۱۔ "منظورۃ السعداء" ص ۳۰۱-۳۰۲

واسطے آئے، چاروں بڑے لمبے لمبے جوان تھے، آپ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا
 ”ایسے جوان ہمارے کام کے ہیں، پیرا دے لوگ ہمارے کام کے نہیں“ اور بہت تعریف کی، وہ آپ کا
 اخلاق دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ ہم غریب آدمی چار روپے کے سپاہی آپ ہماری اس طرح
 تعریف کرتے ہیں، بعد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جہاد میں اپنا کام تم سے بہت لے گا، پھر
 مہربان خاں سے کہا کہ ”اللہ تعالیٰ تم سے اور کام لے گا، ان تینوں سے اور کام لے گا،
 اور وہ دونوں کام خدا کی مرضی کے ہوں گے“

رفقا کی سیدھ سے گفتگو، جہاد کی ضرورت پر آپ کی تقریر

جب فنونِ حرب کی مشق و تعلیم میں زیادہ انہماک ہوا اور زیادہ ترقی ہوئی
 صرف ہونے لگا، یہاں تک کہ سلوک کے کاموں میں کمی ہونے لگی تو رفقا نے آپ سے گفتگو کرنی
 شروع کی اور مشورہ کیا کہ مولانا محمد یوسف ^{رحمۃ اللہ علیہ} پھلتی اس بابے میں سیدھ سے گفتگو کریں اور حجاب
 کے ان خیالات کی اطلاع دیں، مولانا نے سیدھ سے عرض کیا، سیدھ نے آپ کو جواب دیا کہ ”ان
 دنوں اس سے افضل کام ہم کو درپیش ہے، اسی میں ہمارا دل مشغول ہے، وہ جہاد فی سبیل اللہ
 کے لئے تیار ہے، اس کے سامنے اس حال کی کچھ حقیقت نہیں، وہ کام یعنی تحصیل علم سلوک
 اس کام کے تابع ہے، اگر کوئی تمام دن روزہ رکھے، تمام رات عبادت و ریاضت گزارے اور نوافل
 پڑھتے پڑھتے پیڑیں میں ورم آجائے اور دوسرا شخص جہاد کی نیت سے ایک گھڑی بھی بارود اٹائے
 تاکہ کفار کے مقابلے میں بندوق لگائے، آنکھ نہ پھیکے تو وہ عابد اس مجاہد کے رتبے کو ہرگز نہیں

لے“ ”وقائع“ ص ۲۲۱-۲۲۲ چنانچہ مہربان خاں حضرت کے متعلقین کی خدمت کے لئے سندھ میں

ہے، پھر وہاں سے ان کے ساتھ ٹونک گئے اور باقی اکوڑہ کے پہلے ہی چھاپے میں شہید ہو گئے۔

پہنچ سکتا، اور وہ کام (سلوک و تصوف) اس وقت کا ہے، جب اس کام (تیساری جہاد) سے فارغ
 ابال ہو، اب جو پندرہ سولہ روز سے نماز پانچواں فیہ میں دوسرے اوار کی ترقی معلوم ہوتی ہے، وہ
 اسی کاروبار کے طفیل سے ہے، کوئی بھائی جہاد کی نیت سے تیر اندازی کرتا ہے، کوئی بندوق لگاتا ہے،
 کوئی پھری گد کا کھیلتا ہے، کوئی ڈنڈ پلٹتا ہے، اگر ہم اس کام کی اس وقت تعلیم کریں، تو ہمارے یہ بھائی
 اس کام سے جاتے رہیں، یوسف جی انم خود اپنا حال دیکھو، کہ گردن ڈالے ہوئے، ایک عالم سکوت میں
 رہتے ہو، اسی طرح اور لوگ بھی، کوئی گبل اور مٹھے مسجد کے کونے میں بیٹھا ہے، کوئی چادر پیٹے حجرے
 میں بیٹھا ہے، کوئی جنگل جا کر مراقبہ کرتا ہے، کوئی ندی کنارے گڑھا کھود کر بیٹھا رہتا ہے، ان
 صاحبوں کو جہاد کا کام ہونا مشکل ہے، تم ہمارے بھائیوں کو سمجھاؤ، کہ اب اسی کام میں دل لگائیں،
 یہی بہتر ہے، حاجی عبدالرحیم صاحب سے مشورہ کر کے جواب دو۔“

ایک عارف کی زبان سے سید صاحب کی عظمت کا اعتراف

حاجی عبدالرحیم صاحب نے جب یہ سنا تو پہلے اپنا حال بیان کیا کہ جب مجھ کو حضرت سے بیعت
 نہ تھی، اپنے مشائخ کے طور و طریق پر تھا، چلنے کی کرتا تھا، جو کی روٹی کھاتا تھا، موٹے کپڑے پہنتا تھا،
 صد ہا میرے مرید تھے، اور جو درویشی کا طالب میرے پاس آتا، اس کو تعلیم کرتا تھا، اور کسی سے کچھ
 غرض نہیں رکھتا تھا، جو کوئی مطلب کے لئے دو چار کوس یا ایک دو منزل لے جانے کی درخواست کرتا،
 فی الشرح جاتا تھا، اور میری نسبت کا یہ طور تھا، کہ آدھ کوس یا کوس بھر سے کسی پر توجہ کی نظر ڈالتا
 تو اسی جگہ اس کو حال آجاتا تھا، اور بعض بعض باتیں مجھ میں ان سے بڑھ کر تھیں، اور میں اس حال میں
 بہت خوش تھا، اور میرے مریدوں میں بعض بعض صاحب تاثیر تھے، باوجود ان سب باتوں کے
 جب اللہ تعالیٰ نے ان سید صاحب کو سہاڑ پور پہنچایا، اور مجھ سے ملا، اور مجھ کو توفیق دی کہ میں آپ کے

دست مبارک پر بیعت کی اور آپ کا طریقہ دیکھا، اس وقت اپنے نزدیک مجھ کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو میری بڑی موت ہوتی، میں نے اپنے سب مریدوں کو کہا کہ اگر تم اپنی عاقبت بخیر چاہتے ہو تو ان سید صنا کے ہاتھ پر بیعت یا اس عقیدے سے میری ہی بیعت کرو اور جو نہ کرے گا وہ جلنے میں آگاہ کر دیا ہے، اس کا مواخذہ قیامت کے روز مجھ سے نہیں پھر سب نے دوبارہ بیعت کی، سو میں نے تمام عیش و آرام اور ناموس نام چھوڑ کر سید صنا کے یہاں کی محنت و مشقت اور تنگی و کلفت اختیار کی، اینٹیں بھی بنانا ہوں، دیوار بھی اٹھانا ہوں، گھاس بھی پھیلتا ہوں، لکڑی بھی چیرنا ہوں، اور ہر طرح کے کام کرنا ہوں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کا روبرو کی بڈلت جو نعمت دی اور خیر و برکت عطا کی، اس کے دسویں حصے کے برابر اول معاملات کی تمام خیر و برکت کو نہیں پاتا ہوں، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس راحت کو چھوڑ کر یہ محنت کیوں اختیار کی؟ سو میری صلاح اس بارے میں یہی ہے کہ تم اپنا سارا کاروبار حضرت پر چھوڑ دو، وہی جو کچھ بہتر جان کر تم کو فرمائیں، اسی کو مانو اور اپنی بہتری اسی میں سمجھو اور اپنی ناقص رائے کو اس میں دخل نہ دو۔

حاجی صاحب چونکہ فن سلوک اور قوت نسبت میں مسلم تھے، اور مشہور شیخ اور عارف تھے، اس لئے ان کی تقریریں کرسب لوگ خاموش ہو گئے اور مقدمات بہاد میں دل و جان سے مشغول ہو گئے، دن رات یہی مشغلہ تھا، بھر ماری تیرا انداز می کرتے، چورنگ لگانے اور فنون سپہ گری کی پوری مشق کرتے تھے۔

بیوہ کا نکاح

بیوہ کا نکاح ثانی مسلمانوں کے اس دینی اور اخلاقی انحطاط کے دور میں جس میں مسلمان شرفاً ہند نہ رسم و رواج سے پورے طور پر متاثر ہو چکے تھے، اور بہت جگہ شریعت کے بجائے نفس و

عرف و عادات کا دور دورہ تھا، بڑے سنگ و عار کی بات اور خلافِ دُاِبِ شرفاً سمجھا جاتا تھا، خانی خاں نے اپنے زمانہء عہدِ محمد شاہی کے متعلق شہادت دی ہے کہ ”دہندستان میانِ شرفائے اسلام کہ مراد از اصل شارحِ عرب است، اس عمل (عقدِ بیوگان) دہندستان قلع و عیب دانستہ ترک رویہ آباء و اجداد را کہ موافق حکم خدا و مطابق شرعِ محمدی است، نمودہ اند“ تیرہویں صدی کی ابتدا تک یہ کراہت و حقارتِ قلوب میں اس طرح جاگزیں ہو چکی تھی کہ یہ مسلمانانِ ہند کا ایک عُرف اور دلچ بن چکا تھا۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے کہ اس مسئلے نے کتنی اہمیت اختیار کر لی تھی اور اس کی مخالفت کتنی دشوار تھی اور یہ کہ بعض علما اس رواج کی حمایت میں تھے اور اس کے ثبوت میں فقہی دلائل اور نظائر پیش کرتے تھے، یہاں نکاحِ بیوگان کے سلسلے میں ایک استفتاء اور تیرہویں صدی کے ایک عالم کے قلم سے اس کا جواب نقل کیا جاتا ہے۔

”سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ بعض

امور ہندستان میں اس دیار کے شرفائے اہل اسلام میں ابتدا سے آج تک برابر مروج ہیں اور ظاہراً شرع کے خلاف ہیں مگر رسم و رواج کے موافق کہ ہر تہذیب کے لوگوں میں وہ امور بطور رسم و رواج قرار پائے ہیں لوگ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں اور رسم و رواج کو شرع پر مقدم جانتے ہیں، چنانچہ منجملہ ان امور کے ایک امر یہ ہے کہ بیوہ عورت کا نکاح ثانی کرنا قبیح جانتے ہیں اس کا نکاح ثانی کرنے سے پرہیز رکھتے ہیں حتیٰ کہ اگر بیوہ عورت نکاحِ ثانی پر راضی ہو جائے تو اس کے ولی شرف کی غیرت پر گزراں کرنا اور جو جائز نہ رکھیں گے“ اَجِيبًا، رَحِمَكُمُ اللهُ تَعَالَى“

اس استفتاء کا جواب خاصاً طویل ہے، یہاں اس کا اختصار اور انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

یہ استفتاء اور اس کا جواب ”فتاویٰ عزیز“ میں درج ہے (ملاحظہ ہو ”فتاویٰ عزیز“ فارسی جلد دوم

۱۲۸ تا ۱۳۱) افسوس ہے کہ ان مفتی صاحب کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

جواب: "الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ" میں لکھا ہے کہ چھٹا قاعدہ ہے کہ عادت حکم ہے یعنی اس کے اعتبار پر شرعاً حکم کیا جاتا ہے یعنی عادت کا اعتبار کرنا احکام شرعیہ میں شرعاً ثابت ہے اور یہ قاعدہ اس صل سے ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ مَخَافَهُ وَعِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ" یعنی جس امر کو اہل اسلام بہتر جانیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی وہ امر بہتر ہوگا اور ہم نے "شرح معنی" میں لکھا ہے کہ عادت سے مراد وہ امر ہے کہ اس کا استقرار نفوس میں ہو جائے اور وہ ان امور سے ہو کہ ان کا اعتبار چند مرتبہ سلیم طبائع کے نزدیک کیا گیا ہو۔

جب اس مقدمے کی تہید بیان کی گئی اور عرف اور عادت کے معنی ظاہر ہوئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اکثر مسائل اس بنا پر استخراج کئے گئے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عرف شرع پر مقدم ہے بشرطیکہ عرف نص کی تصریح کے خلاف نہ ہو تو جو جاننا چاہئے کہ پہلی صورت کے بارے میں جواب یہ ہے کہ بیوہ عورتیں بیان کی قوت سے اس قدر صابر اور اپنے نفس پر جاہر ہو جائیں کہ غیرت کی وجہ سے نکاح ثانی سے پرہیز کریں اور اپنے لئے نکاح ثانی کو روانہ نہ کریں اس واسطے کہ کفار اس بارے میں طعن کرتے ہیں کہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا جائے اور اس کو زینل اور بیس قوم کی خصوصیت جانتے ہیں اور شرافت کے خلاف سمجھتے ہیں تو ایسی حالت میں ان بیوہ عورتوں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ درجہ اور بلند مرتبہ ہوگا اور فی الجملہ ایسی بیوہ عورتوں کو حضرت سرور کائنات کی ازواج مطہرات کے حال کے ساتھ مشابہت اور ان کی پیروی حاصل ہو سکتی ہے البتہ اتناء کی علت میں فرق ہے۔ اور بالفرض اگر وہ نکاح ثانی پر راضی بھی ہو جائیں اور ان کے ولی کی جائز سے نعت

۱۔ اس موقع پر مفتی صاحب نے ان جزئیات کا تذکرہ کیا ہے جن میں فقہائے عرف کو معیار قرار دیا ہے اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

ظہور میں آئے تو اس میں بھی شرع کی مخالفت لازم نہیں آتی ہے اس واسطے کہ بعض مقام اور بعض امور میں اس کا طے ہے کہ اس میں کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے میں غیرت ہوتی ہو اور شرافت میں خلل آتا ہو اور اپنی طرف ایسی صفت کی نسبت ہونے کا خوف ہو کہ باعتبار عرف نہایت مذہوم ہو تو ایسی صورت میں شرع سے تجاوز کرنے کو علمائے سخن جانتے، چنانچہ یہ امر اس صحیح حدیث سے کہ مسلم میں ہے، مشنبط اور مستفاد ہوتا ہے اور وہ حدیث یہ ہے:-

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ سَعِدُ بْنُ عِبَادَةَ: وَكُوِّبَتْ

مَعَ أَهْلِ رَجُلًا، لَمَّا امْتَسَرَتْ حَتَّى اتَى بِأَسْرٍ بَعَثَ شُهَدَاءَهُ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، تَعَمَّرَ قَالَ، كَلَّا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ أَنْ كُنْتُ أَعَاهِلُهُ

بِالسَّيْفِ قَبْلَ ذَلِكَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اسْمَعُوا إِلَى مَا يَقُولُ

سَيِّدُكُمْ إِنَّهُ لَغَيُورٌ وَأَنَا أَخَيْرُ مِنْهُ وَاللَّهُ أَحَبُّرُ مِنِّْي“ یعنی ابو ہریرہ سے

روایت ہے کہ سعد بن عبادہ نے کہا کہ اگر میں اپنے اہل کے ساتھ کسی مرد کو پاؤں تو کیا

اس مرد سے تعرض نہ کروں حتیٰ کہ چار گواہ لے آؤں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”ہاں“ سعد بن عبادہ نے کہا کہ ”ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی کہ اس نے آپ کو سخن پر

مبعوث فرمایا ہے کہ میں اس قبیل اس کا علاج تلوار سے کروں گا یعنی اس کو قتل کر ڈالوں گا“

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”سنو وہ باجوہ تمہارے سردار کہتے ہیں یہ نہایت

صاحب غیرت ہیں اور میں ان سے بھی زیادہ صاحب غیرت ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے

بھی زیادہ صاحب غیرت ہے“ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث کچھ کم تفاوت کے ساتھ وارد

ہے تو اس مقام میں سعد بن عبادہ نے غیرت کی نہایت زیادتی کی وجہ سے قتل کرنے کو

اختیار کیا اور اس مقام میں قتل کرنے کو اختیار کرنا شرع کی حد سے تجاوز کرنا ہے، مگر

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ سعد ایک صاحبِ غیرت شخص ہیں اور میں ان سے بھی زیادہ صاحبِ غیرت ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ صاحبِ غیرت ہے اور دوسری حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "مِنْ غَيْرَتِهِ مَرَّامُ الْفَوَاحِشِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ" یعنی اللہ تعالیٰ کی غیرت سے ہے کہ اس نے ظاہر و باطن ہر طرح کے فواحش امور کو حرام فرمایا تو جس صورت میں کہ بیوہ عورت کا نکاح صرف مباح ہو کر بنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہوں ایسا نہ ہو کہ اس کی خواہش کے لحاظ یا زمانے کی حالت کے اعتبار سے ضروری ہو تو ایسی صورت میں اگر ولی کی طرف سے ممانعت و قوع میں آئے تو حد شرعی سے تجاوز کرنے میں یہ اس قتل کرنے سے زیادہ نہ ہوگا کہ سعد بن عبادہ نے اختیار کیا تھا۔

علمائے مصلحین نے اس ذہنیت اور اس جاہلی حمیت کے خلاف اپنی زبان اور قلم سے تبلیغ کی خود حضرت شاہ عبدالعزیز نے مذکورہ بالا فتویٰ کا مدلل جواب لکھا اور اس کی عالمانہ تردید کی، اپنے فارسی میں نکاح بیوگان کے ثبوت و فضیلت اور اس کو فعل قبیح سمجھنے والوں کی مذمت و تردید میں ایک مؤثر رسالہ فارسی میں لکھا ہے، خود حضرت سید صفحہ نے "صراطِ مستقیم" میں اس مردہ سنت کو زندہ کرنے اور اس کی ترویج پر زور دیا ہے اور بیوہ کے نکاح ثانی کو قبیح سمجھنے کو ہندوؤں کی صحبت و اختلاط کا نتیجہ قرار دیا ہے، لیکن بدلتوں کی اس متروک سنت کے اچھا ترویج اور صدیوں کے اس جاہلی خیال کے استیصال کے لئے یہ تحریریں اصلاحی رسالے اور تقریریں کافی نہ تھیں، ضرورت اس کی تھی کہ کوئی عظیم شخصیت اور مقتدائے زمانہ اپنے عمل سے اس سنت کے اچھا اور اس جاہلی خیال کا ابطال کرتا اور

۱۔ ترجمہ ماخوذ از "سرور عزیزی" مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ ۱۳۲۲ھ ۳۰۲-۳۰۸ ۲۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ عربیہ

(فارسی) ۱۳۲۸-۱۳۲۸ ۳۔ مجموعہ رسائل قلمی کتب خانہ ندوۃ العلماء ۲۰۰۰ ملاحظہ ہو "صراطِ مستقیم" مجتبیٰ ص ۶۵

اس کی ایسی پر زور دعوت دینا کہ اس کی قباحت دلوں سے بالکل نکل جاتی اور اس کا عمومی رولج ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے اور دوسرے عظیم الشان اصلاحی و تجدیدی کاموں کے ساتھ یہ عظیم الشان اصلاحی خدمت بھی جس کا اثر سیکڑوں خاندانوں اور ہزاروں زندہ درگور عورتوں کی زندگی پر پڑتا ہے، یہ صاحب سے لی اور غیب سے اس کا سامان پیدا ہوا۔

مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ

ایک مرتبہ مولانا عبدالحی صاحب نے شاہ علم الشریعہ کی مسجد میں اس آیت پر وعظ فرمایا،
 "لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
 وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ"۔ (۲۲:۵۸)

یہ وعظ اس خطابت و فصاحت فرمایا کہ لوگ دنگ تھے آپ نے ہندوستان کے تمام علماء و شایخ کے اعمال اس میزانِ عدل میں تولے اور سب کی کمزوریاں صاف صاف ظاہر کر دیں یہاں تک کہ خاندانِ عزیزی تک نوبت پہنچی اور جو کمزوریاں اس خاندان میں تھیں آپ نے وہ ظاہر کر دیں یہاں تک کہ نوبت خاندانِ شاہ علم الشریعہ (سید صاحب کے خاندان) تک پہنچی اور آپ نے اس خاندان کے جو اعمال آیت کے خلاف تھے بیان کئے اور حضرت سید صاحب نے اس کی تصدیق کی اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ "حضرت اگر آپ اپنے خاندان سے ایک با دو فرما دیں تو اس آیت پر پورا عمل ہو جائے" سید صاحب یہ بتا سکتے ہی تے تاب ہو کر اپنی جگہ سے اٹھے اور آپ کے سامنے دوڑا لہو ہو کر بیٹھ گئے اور کہا کہ "میں خدا کا بندہ ہوں اس کا اور اس کے رسول کا تابع ہوں اس کے پہلے سہارنپور وغیرہ میں نہیں

لے جو لوگ الشریعہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں، گو وہ ان کے باپ یا بیٹے بھائی یا کنینہ ہی کیونہ ہو۔

مولانا سے کہا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں عزیزوں رشتے داروں اور امیر و غریب کسی کا پاس نہیں اس کا حکم بے کم و کاست ادا کروں گا اور کسی کی خوشی اور ناخوشی کا خیال نہیں کروں گا۔ اس وقت مجھے سب سے زیادہ محمد یعقوب (برادر زادہ) عزیز میں دنیا کی چیزوں میں جو چاہیں لیں، لیکن اللہ کی اطاعت میں ان کی رعایت نہیں کروں گا میرے تمام رشتے دار صاحبان میں کہ جو اللہ و رسول کی اطاعت میں میرے شریک حال ہوں ادائے اوامر و اجتناب تو ابھی میں کسی کی طعن و ملامت کا خیال نہ کریں وہ میرے عزیز اور مجھے محبوب ہیں اور جو اس کے لئے تیار نہ ہوں ان کو میری طرف سے جو آپس اور مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں بنا سکتا ہوں کہ جو اللہ کے راستے میں مستعد ہو میرا شریک ہو اور جو چاہے مجھ سے جدا ہو جائے، مولانا عبدالحی صاحب نے فرمایا کہ ”حضرت اسی کی امید تھی اور اسی لئے تمام شاخ کو چھوڑ کر حضرت کا دامن بکڑا ہے مولانا اسماعیل صاحب اور شاہ ابوسعید صاحب خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحب نے فرمایا کہ ہم بھی حضرت کے ساتھ ہیں، میں کہ مسجد میں غلغلہ بلند ہوا اور لوگوں پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ زبان باہر نہیں نکلتی تھی۔“

بید صاحب کا خواب

اس عرصے میں بید صاحب نے خواب دیکھا کہ لکڑیوں کا ایک بڑا بھاری گٹھا ہے بہت سی آدمی مل کر اسے اٹھانا چاہتے ہیں مگر کوئی اٹھا نہیں سکتا، آپ کی بھانج (بید صاحب صاحبہ) کی پوجا بھی موجود ہے بید صاحب بے عزت و انکسار اسے کہتے ہیں کہ اگر آپ بھی ہاتھ لگائیے تو اس کو گھر پہنچا دیں، اول تو بوجھل ہونے کی وجہ سے انھوں نے عذر کیا مگر آپ کے اصرار سے انھوں نے منظور کیا اور دونوں نے مل کر اسے گھر پہنچا دیا۔

”ابن منظور السعدا“

آپ کا معمول تھا کہ روزانہ نماز فجر کے بعد حلقے میں توبہ دیتے تھے اس روز آپ نے اس کو ملتوی رکھا اور مولانا عبدالحی اور مولانا اسماعیل سے فرمایا کہ آج مراقبہ نہیں ہوگا آج میں نے عجیب خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر دیجیے۔

ان حضرات نے خواب سن کر فرمایا کہ آپ ہی تعبیر بھی دیجیے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس کی تعبیر یہ ڈالی ہے کہ ایندھن جو کھانا پکنے کا ذریعہ ہے انسان کی زندگی کا سبب ہے زندگی دو طرح کی ہے دنیوی زندگی اور اخروی زندگی، اتباع سنت ایسا طعام روحانی ہے جس سے جیسا اخروی وابستہ ہے، آپ کو معلوم ہے کہ بعض احکام شریعت جو قرآن میں منصوص اور دیار عرب اور مرکز اسلام میں رائج ہیں، ہمارے ملک میں خصوصاً شرفا اور خاندانی لوگوں میں بالکل متروک بلکہ سخت محبوب ہیں اور لوگ ان کے منافع و برکات کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے اور ہندوستانی رسم و رواج کے پابند ہیں انھیں شرعی احکام میں سے ایک اہم حکم سوہ کا نکاح ثانی ہے، جس کے متعلق قرآن شریف میں صاف صاف موجود ہے "وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ" (۲۴: ۳۲) انشاء اللہ اس سنت کا اجرا اولیٰ اپنی ذات اور اپنے خاندان سے کروں گا جب اپنے یہاں سے اس کی ابتدا ہو جائے گی تو پھر اپنے دوستوں اور اہل تعلق سے اس کا مطالبہ کروں گا، قرآن شریف میں آتا ہے "آتَاهُمُ الرِّزْقَ أَلَّا يَكْفُرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ إِنَّا فَاعِلُونَ" (۲۴: ۲)

یہ فرما کر آپ گھر تشریف لے گئے اور ان سب عزیز عورتوں اور ستورا کو جمع کرایا جن کا آپ سے بیعت ارادت کا تعلق تھا اور صبح سے زوال تک ان کے سامنے تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

اے اور تم میں جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہو اس کا بھی۔ اے کیا غضب ہے کہ اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خیر نہیں لیتے۔

”اسلام یہ نہیں ہے کہ زبان سے کہے کہ میں مسلمان ہوں یا گائے کا گوشت کھائے یا
 ختنہ کرائے یا مسلمانوں کے مراسم میں شریک ہو اور ان کی مجلسوں میں بیٹھے، اسلام یہ ہے
 کہ اس کے تمام احکام کی تعمیل کرے یہاں تک کہ وہ اپنے محبوب بچے کو حضرت ابراہیمؑ
 کی طرح خوشی خوشی اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور نہیات سے لے کر
 مکروہات تک اس طرح اجتناب و احتراز کرے کہ اگر ان کا خیال بھی دل میں پیدا ہو تو چالیس
 روز تک استغفار کرے، انھیں چیزوں میں بیواؤں کا دوسرا نکاح نہ کرنا ہے خصوصاً
 وہ بیوہ کہ جو ان ہو، اس کا نکاح ثانی کرنا ایسا بڑا گناہ سمجھنا جیسا خدا کے یہاں کفر
 و شرک ہے اور جو بیوہ اپنا نکاح کر لے اس کو بازاری عورت اور بے جیا سمجھنا اور قحجہ کا خطاب
 دینا اور اس کو مطعون بدنام کرنا اور ساری عمر بیوہ کو زندہ زور کو رکھ دینا اسی قبیل سے ہے
 یہ نہیں سمجھتے کہ یہ بات کہاں تک پہنچتی ہے ان کو نہیں معلوم کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے سوا تمام

اہل بیت المؤمنین بیوہ تھیں!

آپ نے یہ وعظ ایسے جوش و اثر سے کہا کہ اہل مجلس میں سے اکثر دم بوش ہو گئے اور زار و قطار
 روئے اور ایک ن اور آپ نے اسی طرح تقریر کی اپنی خالہ صاحبہ سے (جو مولانا سید محمد اسحاق صاحب کی بیوہ کی پھوپھی
 تھیں) خاص طور پر بڑی منت سماجت کی کہ آپ کی طرح والدہ اسمعیل کو اس سنت اچھا اور نکاح ثانی
 کے لئے آمادہ فرمائیں آپ کو خوب معلوم ہے کہ یہ رشتہ میں خطا نفس کے لئے نہیں کرتا، مہن سنت کے جاری کرنے اور
 ہندوستان کی ایک رسم جاہلیت کو مٹانے کے لئے کرنا چاہتا ہوں، غرض دو تین مہینے اسی کوشش میں صرف
 ہو گئے آخر کار اعزاز اور خود بخود مدد راضی ہو گئیں اور ایک مدت دراز کے بعد ہندوستان میں شرفا کے
 خاندان میں یہ مبارک تقریب ہوئی۔

سید صاحب نے اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ شاہ عبدالعزیز صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے خلیفہ کے نام شاہ اسماعیل صاحب سے خط لکھوائے جس میں اس واقعے کی اطلاع اور سنت کی ترغیب دی، چنانچہ جو اب میں خطوط آئے کہ اس پر عمل کیا گیا اور یہ سنت جاری ہو گئی۔

نصیر آباد کا ہنگامہ

قصبہ نصیر آباد رائے بریلی سے دس کوس کے فاصلے پر واقع ہے یہ سید صاحب کے اجداد کا وطن اور آپ کے خاندان کا ایک مسکن ہے مولوی دلدار علی صاحب پہلے شیعہ مجتہد ہیں کے رہنے والے تھے، ۶ محرم کو نصیر آباد کا ایک دی خط لے کر آیا، اس میں لکھا تھا کہ اس سال نصیر آباد کے اکثر شیخی سادات و شرفا اپنی ملازمتوں اور ضروری کاموں پر گئے ہوئے ہیں، قصبے میں بہت کم اہل سنت رہ گئے ہیں، قصبے میں شیعہ حضرات کی بڑی آبادی ہے اور خاص طور پر محرم میں جو لوگ باہر ہوتے ہیں وہ بھی گھر آ کر محرم کرتے ہیں، مجتہد صاحب کے وطنی تعلق اور سلطنت کی سرپرستی اور حمایت کی وجہ سے یوں بھی ان کو قوت حاصل تھی، اس سال سب نے اتفاق کیا کہ تبراً علانیہ کہا جائے، ہنیوں سے انہوں نے کہہ دیا ہے کہ اگر آپ کی دل آزاری ہو تو ایک روز کے لئے اہل و عیال کو لے کر قصبے سے باہر چلے جائیں، یہ اطلاع پا کر مشورہ کیا گیا کہ کیا کرنا چاہئے، نصیر آباد کے بھائیوں نے بڑی منت کے ساتھ استدعا کی تھی کہ آپ اس موقع پر تشریف لے آئیں تاکہ یہ قصبہ دفع ہو، بعض لوگوں کی رائے تھی کہ اپنے بھائیوں کی ضرورت دکر فی چاہئے بعض کہتے تھے کہ یہ سلطنت سے براہ راست ٹکر ہے، اس موقع پر خاموش ہی رہنا چاہئے، لیکن سید صاحب نے چلنے کا فیصلہ فرمایا اور اہل قصبہ کو اطلاع بھیج دی کہ آپ سب مطمئن رہئے، ہم سب آتے ہیں۔

۱۵ "مخزن احمدی" ص ۲۵

نصیر آباد کو روانگی

میاں دین محمد کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ ہم نماز عصر راستے میں پڑھیں گے تم جلد اپنے لوگوں کو گولی بارود تقسیم کر دو اور کچھ گولیاں اور بھی بنا لو اور بریلی اور جہان آباد والوں کو کہلا بھیجو کہ کس کس کو نصیر آباد چلنے کی تیاری کریں اور ایک مزدور کے سر پر دیگ رکھو اگر آگے روانہ کر دو، غصہ کے قبل حضرت گھوڑے پر سوار ہو کر اور لوگوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے، کوئی چند قدم چل کر ٹھہر گئے اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرماتے لگے کہ کچھ خرچ تمہارے پاس ہے؟ میں عرض کیا کہ کچھ نہیں، آپ نے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، مگر نیسے کہتے چلو کہ دو روپے کے چاول ہمارے یہاں پہنچائے یہ کہہ کر آپ روانہ ہوئے، اس عرصے میں آپ کے دولت خانے سے مجھ کو ایک ملازم نے آواز دی کہ ذرا پہا کھڑکی کے پاس آؤ، اس وقت بی بی سارا کی والدہ صاحبہ نے پیروں کے دو تقری کٹے مجھ کو دیے کہ ان کو بیچ کر خرچ کرنا میں تمھیلے میں ڈال لئے، اس طرح میں سید محمد اسمعیل صاحب کی والدہ آ کر فرماتے لگیں کہ کڑوں کی وہ جوڑی ان کو پھیر دو میں روپے لائی ہوں، وہ لے جاؤ، میں نے وہ کڑے ان کے حوالے کر دیے، انھوں نے مجھے پچیس روپے دیے۔

عصر کی نماز پڑھ کر آپ رات بریلی سے روانہ ہوئے، آگے چل کر مغرب کی نماز پڑھی پھر وہاں آگے عشا کے وقت ایک چھوٹے سے تالا کے کنارے اترے، نماز عشا ادا کی اور فرمایا کہ اب اس وقت رات کی ستر چھینا آدمی ہیں چلنا کچھ ضرور نہیں ہے، ہمیں لیٹ بیٹھ رہو، فجر کی نماز پڑھ کر چلیں گے، پھر سب شاہ کو وہاں پہلے اول فجر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے، کوئی دو تین گھنٹی دن چڑھا ہو گا کہ آواز بلند کی کہتے ہوئے نصیر آباد میں داخل ہوئے، دیوان جی کی مسجد میں چوتھے پر سید محمد مستقیم صاحب سیر تلوار باندھے ہوئے کھڑے تھے، حضرت کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور لوگوں کو پکار کر کہنے لگے، "سید صاحب بریلی سے آہنچے" پھر سب سے بولنے لگے، دلوں میں مایوس اور شرمندہ تھے، گویا زندہ ہو گئے، اور اپنے اپنے گھروں سے نکل کر آپ کے پاس حاضر ہوئے۔

نصیر آباد میں

سیدنا سید دیوان جی کی مسجد میں اترے اور اپنے لوگوں سے بتا کید مزید فرمایا کہ خبردار کوئی یہاں سے نہ جائے اور فرقہ ثانی میں کسی سے پھیر چھاڑ نہ کرے، اُدھر شیعوں کہلا بھیجا کہ ہمارے آدمی آپ کی طرف نہ آئیں گے اور آپ کی طرف جو آدمی ہماری طرف آئیں گے ہمارے آدمی ان کو جگمگ نہ ہوں، محرم کی تعزیر داری اور گریز داری وغیرہ جس طرح آپ کرتے آئے ہیں کریں، ہمیں کچھ دوسرے کار نہیں، مگر سابق دستور سے کوئی نئی بات نہ کریں۔ اس کے جواب میں انھوں نے کہلا بھیجا کہ اب کی سال ہم تمہارے سب سے تعزیر داری موقوف کریں گے اور آج اپنے علم و نشان نہ نکالیں گے، آپ نے کہلا بھیجا کہ اس کا آپ کو اختیار ہے، چاہے کریں، چاہے نہ کریں، اس میں ہماری طرف سے کچھ نہیں ہے۔

ادھر اطراف و جوانب سے اہل سنت کی آمد جاری تھی، دو چار دن میں بہت بڑی تعداد میں اطراف کے مسلمان جمع ہو گئے، حضرات شیعہ حاکم نصیر آباد کے پاس وفد لے کر گئے اور کہا کہ "ہائے بریلی کے سید صاحب نے اگر ہمارے تمام علم اور اسیم محرم کو زبردستی روک دیا ہے اور ہمارے مذہبی فرائض میں مداخلت کرتے ہیں" حاکم اس بیان بہت متاثر ہوا، لیکن قصے کے دوسرے سادا و شرف نے اس کی تردید کی اور کہا کہ وہ ہرگز مذہبی امور میں مداخلت نہیں کرتے اور تم علم و سینہ کوبی سے مانع نہیں، اس لئے یہ استغناء صحیح نہیں، دستور قدیم سے زائد کوئی چیز نہیں ہونی چاہئے، یہیم سب کا بھی متفقہ مطالبہ ہے، ہم سیدنا کے بھائی اور مرید اور ان کے جان مال سے شریک ہیں، ان سے علیٰ ہر نہیں، عامل کے لشکر میں جتنے اہل سنت تھے ان میں سے بھی اس کی تائید حمایت کی، حاکم نے حال کی نزاکت کو محسوس کیا اور حکم دیا کہ دستور کے خلاف کچھ نہیں ہونا چاہئے۔

لہ دیوان سید خواجہ احمد رضا جو شاہ علم الشریعہ کے حقیقی چچا زاد بھائی اور اتاد تھے، اپنے زمانے کے نامور علماء و صلحا میں تھے، حضرت سید آدم بنوری سے بیعت کا تعلق تھا، ۱۰۸۸ھ میں وفات پائی اور اپنی مسجد کے دروازے کے قریب مدفون ہوئے۔

اہل تشیع نے اس روز احتجاجاً اپنے علم نہیں اٹھائے اور خاموش ہو کر بیٹھ رہے،
 قصبہ میں امن و سکون رہا اور محرم کی وہ تاریخیں گزر گئیں جن میں فساد کا اندیشہ تھا۔
 اس عرصے میں ایک روز اہل قصبہ نے سید صاحب کے رفقاً اور باہر کے آنے والوں کی
 ضیافت کی، دوسرے روز سید صاحب کی طرف سے سب کے کھانے کا اہتمام رہا، دو روز میں ار
 اور پیادے سب ملا کر دو سو آدمی کے قریب ہو گئے تھے، سب آسودہ ہو کر کھاتے رہے۔
 ۱۳ محرم کو سید صاحب اپنے رفقاً کے ساتھ رائے بریلی واپس تشریف لے آئے۔

نصرت و برکت

میاں دین محمد کہتے ہیں، آپ کوئی دو ڈھائی کو س آئے ہوں گے، وہاں میرے کانڈھے پر اپنا
 ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے کہ ہو کیا حال ہے؟ میں نے کہا: الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان فرمایا کہ خیر کے ساتھ
 لے چلا اور فساد کے فساد سے محفوظ رکھا، فرمایا: بے شک اس کا احسان ہے ہر شے و شے سے مامون رکھا،
 تھوڑی دیر چل کر پھر فرمانے لگے کہ ہو کیا حال ہے؟ میں نے کہا: جو آپ فرمائیں عرض کروں، فرمایا: تم پر قرض
 کس قدر ہوا ہو گا؟ میں نے کہا کہ اس حال کی مجھ کو خبر نہیں، اللہ کو معلوم ہے یا آپ جانیں، فرمایا: سچ ہے
 اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے، ہم نہ کہیں گے، حکم نہ ہمارے پاس کوئی ملک نہ کہیں خزانہ، ایک عاجز فقیر
 ہیں وہ مجھ اپنے فضل و احسان سے ہماری پرورش کرتا ہے!

تکبے واپس آ کر کھانا پکے اور کھانے والوں کا وہی طور رہا کہ دونوں میں کوئی نسبت نہ تھی جو لوگ
 ہمراہ تھے، اگر مبارک باد اور ملاقات کے لئے آئے تھے وہ آسودہ ہو کر کھاتے، ایک روز اپنے فرمایا: الحمد للہ، اللہ تعالیٰ
 کا فضل ہے اور کھانا کھانے سے کسی کا پیٹ نہیں بھرتا، صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بھرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا

خیر برکت ہمارے شامل حال ہے نہ ہمارے پاس ملک نہ خزانہ ہم نریو محتاجوں کی وہ اپنے فضل و کرم سے پرورش کرتا ہے!

دوبارہ نصیر آباد کو

چہلم (۲۰ صفر) کے قریب پھر نصیر آباد کے اہل سنت نے آپ کو اطلاع کھینچی کہ پھر لوگے کا اندیشہ ہے^۲ اہل تشیع نے طے کیا کہ اس چہلم میں ضرورتاً کہتے ہوئے تعزیر اور علم لے کر سینوں کے محلے سے گزریں گے اور جو سنی اس میں مزاحم ہوگا، اس کو زد و کوب کریں گے، اگرچہ اس مرتبہ سنی بھی خیر سن کر اپنی اپنی نوکری رخصت لے کر آئے ہیں مگر اہل سنت کی نسبت اہل تشیع کی جماعت بہت ہے اور آپ سے درخواست کی کہ اس موقع پر نصیر آباد ضرور شریف لائیں آپ نے ان کو جواب دیا کہ پریشان نہ ہوں ہم انشاء اللہ تعالیٰ ضرور آئیں گے۔

نصیر آباد پہنچ کر آپ نے اپنے ہمراہیوں سے تاکید فرمائی کہ خبردار کوئی شیعوں کے محلے میں سیر اور تماشے کے لئے بھی نہ جائے نہیں تو ہم اس کو سزا دے کر اپنے یہاں سے نکال دیں اور ان کے یہاں جو لوگ ہماری طرف آئیں ان سے کوئی مزاحم نہ ہو بلکہ محبت اور خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے اور جس کے یہ یا منظور نہ ہو وہ اپنی جگہ پر خاموش ٹھہرایے۔ اسی طرح قصبے کے سینوں کہہ دیا تھا کہ تمہارا کوئی آدمی ہماری اجازت کے بغیر کہیں چھپر چھاڑ اور جھگڑا نہ کرے، بلکہ ان میں سے اگر کوئی سخت سست کہے تو سن کر خاموش رہے اور کوئی لالیعی بات زبان سے نہ نکالے، آپ لوگوں نے جب ہم کو بلایا ہے تو ہماری رائے سے کام ہونا چاہئے۔

اُدھر آپ نے شیعوں معززین اور قصبے کے سربراہ اور وہ اہل تشیع کے پاس ایک عمر اور مقبول شخص کی زبانی پیغام بھیجا کہ میں یہاں ہوں اور آپ کا بھائی، اہر محلے کے بڑے آدمیوں میں ایک ایک جگہ یہاں آنے کی زحمت گوارا فرمائیں!

۲ "وقائع احمدی" ص ۵۰۵ میں صراحتاً مذکور ہے کہ محرم کے بعد چہلم کے موقع پر اہل نصیر آباد نے پھر بدعتاً کو زحمت

دی منظورہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور وہیں چہلم عاشورہ محرم سے کم اہم نہیں اور اسی اہتمام اور دھوم دھام سے

یابھے اجازت دیں کہ میں اپنے رشتے داروں کی بھی لوں، چنانچہ بعض بعض معززین ایک ایک کر کے آگے
پاس آئے لگے آپ ہمیشہ کی طرح ہر ایک سے خوش اخلاقی اور محبت سے پیش آئے اور ان اچھی اچھی صحبت کی باتیں
اہل تشیع کے جو بااثر اور سربراہ اور وہ اصحاب آپ کے پاس آئے تھے آپ ان کو سمجھاتے تھے کہ ہماری
آپ کی قدیم زمانے سے ایک سنی میں بود و باش ہے، ایسے شر و فساد سے اجتناب کرنا چاہئے، جس سے خودی کی
نوبت آئے جس طرح آپ ہمیشہ محرم اور تعزیر اری کرتے آئے ہیں اسی طرح کرتے ہیں زیادتی نہ کریں وہ کہتے
تھے "آپ بجا فرماتے ہیں ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح کافرانہ ہو، ہماری طرف چند مفسد ہیں وہی شرارت
کرتے ہیں" لیکن معلوم ہوا کہ یہ باصرف سید صاحب سے کہتے تھے، ورنہ تمام اہل تشیع کے جذبات متعل تھے اور ان کا وہ
اس موقع پر بالکل غیر صالحانہ تھا اور وہ اس بات پر مصر تھے کہ اس حکم میں وہ آزادی ساتھ کارروائی کر سکیں۔

تائید غیبی

شعبہ اہل قصبہ نے مقامی حاکم کے یہاں کامیابی نہ دیکھ کر ایک سو گوار اور عزادار وفد مای لباس میں کھنڈ
روانہ کیا اور اس سال محرم کی سب سے موافق کر دی گئیں، اس وقت نصیر آباد سلوٹ کے علاقے میں تھا اور یہ علاقہ
بادشاہ سلیم کی جاگیر میں تھا، وفد نے بادشاہ سلیم کی سرکار میں استغاثہ دائر کیا وہاں سے حاکم نصیر آباد کے نام سینوں
کی سرزنش اور ان کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا فرمان صادر ہو گیا، یہ اطلاع پا کر فقیر محمد خاں ریلے دار
اپنے چند دوسرے دوستوں کے ساتھ معتمد الدولہ کی سرکار میں پہنچے اور ان تمام حالات کی اطلاع دی، تو اب اس وقت
بادشاہ کی خدمت میں جا رہے تھے، ان کے اور سلیم صاحب کے درمیان پہلے سے سخت اختلاف اور دشمنی
اور وہ عرصے سے اس بات کے متمنی تھے کہ کوئی تقریب پیدا ہو تو یہ عظیم الشان جاگیر ضبط ہو جا، انھوں نے

۱۷ "ذائق احمدی" ۵۰۵-۵۱۳ ۱۷ بادشاہ سلیم اور خود غازی الدین حیدر شاہ اودھ کے تعلقات حدود

کثیر تھے اس کثرت کی اور بادشاہ سلیم اور معتمد الدولہ کی باہمی مخالفت اور آؤریش کی پوری تفصیل اور بادشاہ سلیم کے
(باقی صفحہ ۲۵۴ پر)

بادشاہ سے جا کر عرض کیا کہ یہ صاحبِ جو اس شہر میں قیام فرما چکے ہیں اور چھاؤنی اور شہر کے ہزاروں ہزار مسلمان ان کے مرید ہوئے ہیں اور جن کے وعظ و نصیحت کا شہرہ تمام ہندوستان میں ہے یہاں تک کہ حضور پرنو نے بھی ان سے ملاقات کا شوق ظاہر فرمایا تھا، معلوم نہیں سگم صاحب نے کیا سمجھ کر اپنے عامل کو ان کے اور ان کی پوری برادری کے قلع قمع کرنے کا حکم دے دیا ہے، میں تو بیگمات کے معاملے میں کچھ نہ بولتا، مگر کیا کروں کہ خاموش رہنا بھی مصلحت نہیں ایک بڑا ہنگامہ اور ایک زبردست فتنہ کھڑا ہو گا، تمام شکر یہ صاحب کا حلقہ بگوش اور فدائی ہے، سرکار کی سٹی رعایا بھی ان کی معتقد ہے، عامل غریب کو اتنی طاقت کہاں کہ وہ اتنی بڑی قوت اور جمعیت کے خلاف کوئی کارروائی کر سکے اس کو تو اپنی جان بچانا ہی مشکل ہے اور خدا کرے کہ یہ فتنہ محض مقامی حکام و غیرہ پر ختم ہو جائے، مجھے تو ڈر ہے کہ اس گگ کے شعلے کہیں لکھنؤ تک نہ پہنچیں، اس وقت اس گگ کا بھجانا ہم خدام کے بس کی بات نہیں، یوں حضور سلطنت کے مالک ہیں جو مناسب سمجھیں حکم فرمائیں، بادشاہ نے سب سن کر فرمایا کہ جو کارروائی تم مناسب سمجھو وہ بلا تاخیر کرو اور کسی نہ کسی طرح اس فتنے کو فرو کرو۔

نواب محمد الدولہ نے مکان پہنچتے ہی فقیر محمد خاں کو طلب کیا اور حکم دیا کہ انہوں نے کو پانچ سو سوار اور پیادہ فوج کے ساتھ نصیر آباد روانہ کرو کہ سگم صاحب کا عامل کوئی احمقانہ کارروائی اور اہل سنت کے خلاف کوئی اشتعال انگیز بات نہ کرنے پائے، روانگی کے وقت نواب خاں نے دو ہزار روپے اور فقیر محمد خاں نے دو ہزار روپے انہوں نے کو دیے کہ یہ صاحب کی خدمت میں ضروری فوجی مصارف کے لئے پیش کئے جائیں۔

اس واقعے کی تمام لکھنؤ میں شہرت ہو گئی، مجتہد صاحب نے خفیہ پیغام بھیجا کہ اس وقت یہ صاحب سے مقابلہ اور مخالفت بالکل خلاف مصلحت ہے، حالات نہایت دگرگوں ہیں، مناسب یہ ہے کہ اس وقت

(باقی صفحہ ۲۵۳ کا) مفصل حالات شیخ عبداللہ صاحب راجا ابن مولوی محمد خاں نے جو عہدِ غازی الدین مجدد میں رینڈیلسی سے متعلق تھے، اپنی فارسی تاریخ "وقائع دلیہ" میں قلمی محفوظہ رضالاشیرینی (رام لید) میں قلمبند کئے ہیں، اس نایاب کتاب کا ترجمہ انگریزی میں پروفیسر تقی احمد کاوڑی نے "تاریخ بادشاہ سگم" کے نام سے کیا ہے۔ اے اس گگ سے اور بعض دوسری جباروں کی ثابت ہوتا ہے کہ نصیر آباد کی ہم نقیہ سفر لکھنؤ کے بعد پیش آئی، "وقائع" میں بھی ایسے اشارے موجود ہیں۔ اے "منظورۃ السعد"

کسی نہ کسی طرح مصالحت کر لی جائے، چنانچہ حضراتِ شیعہ نے صلح کی پیشکش کی، سید صاحب نے اسے منظور کیا اور تجویز کیا کہ وہ اس قرار اور وعدے کا ایک محضر لکھ دیں کہ آئندہ وہ احتیاط کریں اور اشتعال انگیز باتوں سے محتنب رہیں گے، چنانچہ اس مضمون کے دو محضرتیار کئے گئے، قاضی شہر اور مفتی نے اس پر دستخط کئے ایک محضر لکھنؤ روانہ کر دیا گیا اور ایک سید صاحب کے پاس محفوظ رہا۔

اخونزادہ نصیر آباد کے قریب پہنچا تو سید صاحب نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا، اخونزادہ کو یا شمشیر بہمنہ تھا، عرض کیا کہ "ہمیں معتز الدولہ نے آپ کی خدمت میں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کے حکم کے مطابق فتنہ انگیزوں کا قلع قمع کیا جائے، ہمیں آپ کے حکم کا انتظار ہے" سید صاحب نے فرمایا کہ مقصد حاصل ہو گیا ہے، خوزیری و فساد کا اندیشہ نہیں رہا اور فریقین میں مصالحت ہو گئی ہے، اخونزادے نے چند روز قیام کیا، جس میں اس کو اور اہل لشکر کو دینی و باطنی استفادے کا موقع ملا۔

اخونزادے اور اس کے لشکر کی آمد کی خبر سن کر سید صاحب کے پاس شیعوہ معززین آئے اور کہا کہ قبضے کے باہر ہمارے موٹھ، جوار وغیرہ کے کھیت ہیں، ہم کو اندیشہ ہے کہ وہ سارے کھیت ان کے گھوڑوں کے پامال ہو جائیں گے اور سارا غلہ ان کے گھوڑے کھا کر اور سپروں کو روند کر برباد کر دیں گے اور ہمارا سخت مالی نقصان ہوگا، آپ نے ان کو اطمینان دلایا اور اخونزادے کو کہلا بھیجا کہ ہمارے ایشیوں کے درمیان صلح ہو گئی ہے، ان کے جوار اور موٹھ وغیرہ کے کھیت میں تم میں کسی کا گھوڑا ٹٹونہ جانے پائے۔

لشکر لکھنؤ کی آمد کی اطلاع سن کر قرب جوار کے مسلمانوں اور مختلف فوجی عہدیداروں نے مینا آ بھیجے کہ ہم بھی سامان جنگ و توپ خانے کے ساتھ پہنچ کر آپ کی امداد کریں گے، آپ نے ان کو تاکید کہلا بھیجا کہ آپ کے زحمت فرمانے کی بالکل ضرورت نہیں، ہماری خوشی اسی میں ہے کہ آپ اپنی جگہ رہیں۔

اس عرصے میں تمام ہمراہیوں اور وارد و صادر کی ضیافت سید صاحب ہی کی طرف سے ہوتی رہی،

۱۔ "منظورۃ السعدا" ۲۷، "منظورۃ السعدا" و "وقائع احمدی" ۵۲۰-۵۲۳، ۵۳، "وقائع احمدی" ۵۱۸، ۵۱۹، "منظورۃ"

”وقائع“ میں ہے کہ کسی روز چھ سو آدمی کھاتے تھے، ایک روز نو سو آدمیوں نے کھانا کھایا۔

کھانے کی جو مقدار بکتی تھی، اس کو کھانے والوں کی تعداد سے کوئی تناسب نہ تھی لیکن لوگ شکم سیر ہو جاتے اور کھانا بچ جاتا، انہوں نے زیادہ آیا تو وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ ان فقرا کا بہانہ ہوا، انہوں نے اس منظر کو دیکھ کر تعجب کیا تو سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے محتاج بندے ہیں نہ کہیں کے حاکم نہ مالک، اتنا کھانا کہاں سے لاتے جو اتنے لوگوں کو کھلاتے؟ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کے کھانے میں اپنے فضل و کرم سے اسی طرح برکت کرتا ہے۔^{۵۲}

انہوں نے اور اس کے لشکر کے سواروں نے سید صاحبؒ سے بیعت کی اور کھنوا واپس گیا، مغذ اللہ اور فقیر محمد خاں کی رقمیں آپس واپس کر دیں، فرمایا، ہم ان کے حق میں دعا کریں گے، ان رقموں کی ضرورت نہیں۔^{۵۳}

اس موقع پر لوگوں نے سید صاحبؒ کے حزم، تدبیر، معاملہ فہمی، ضبط و اعتدال اور فوجی تنظیم اور قابلیت کا نمونہ دیکھا اور اس طرح لوگوں کو سید صاحبؒ کے حلقہء اثر کی وسعت اور ان کے رسوخ اور اعزاز کا اندازہ ہوا، نصیر آباد پہنچ کر آپ نے قصبے میں مورچال قائم کر دی اور پورے شہر پر ایسا فوجی ضبط و نظام قائم رکھا، جو آرمودہ کار فوجی تربیت یافتہ اشخاص ہی کر سکتے ہیں، پھر انہی طرف سے اشتعال انگیز اور بے جا کارروائی نہیں ہونے دی۔

مولانا اسماعیل شہید فرماتے تھے کہ نصیر آباد کا واقعہ جہاد کا مقدر تھا، جس میں لوگوں نے سید صاحبؒ کی قیادت اور انتظامی صلاحیت کے سب سے پہلے جوہر دیکھے، تاہم غلبی اور سید صاحبؒ کی مقبولیت کے کھلے واقعات بھی اس قیام کے زمانے میں بکثرت پیش آئے جن سے لوگوں کو سید صاحبؒ کی وجاہت و مقبولیت کا پورا اندازہ ہوا۔^{۵۴}

۵۲ ”وقائع“ ۵۵۲ ۵۳ ایضاً ۵۲۳ ۵۴ ”منظورۃ السعدا“

نوائے باب

حج کا عزم اور اس کی تبلیغ

حج کا شوق و ولولہ

محبت و شوق و جذبہ الہی کا جس کی تربیت چوبیس گھنٹے ہوتی تھی، اب شدید تقاضا تھا کہ حج کو چلیے، صبر کی طاقت نہیں، کانوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت و اعلان کی آوازیں آ رہی تھیں، "برون در" بھی اتنا کیا جا رہا تھا کہ "درون در" آنے کی اجازت ہو سکتی تھی۔

حج کی عدم فرضیت کا فتنہ

حج علما کی تاویلوں اور اس فقہی عذر کی وجہ سے کہ راستے میں امن نہیں ہے اور سمندر بھی مانع شرعی اور "مِنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا" کے منافی ہے، اس لئے فرض نہیں ہے اور اس حالت میں حج کرنا فرمانِ خداوندی "وَلَا تَلْقُوا أَيُّدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ" کی مخالفت ہے کچھ مدت سے بالکل متروک یا بہت ہی کم ہو گیا تھا، یہ ایک بہت بڑی دینی تحریف اور ایک بڑا فتنہ تھا، جس کا اگر بروقت استیصال نہ کیا جاتا تو اس کا استیصال شکل تھا، اور اسلام کے اس عظیم الشان فریضے اور دین کے اس رکن کو دوبارہ زندہ کرنے میں مستقل تجدیدِ جہاد کی ضرورت پیش آتی

۱۔ بطوانِ کعبہ، فتنہ، بحرمِ منہ، نہادند کہ برون در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی؟

بعض علمائے جن کو علوم عقلیہ میں زیادہ علو اور انہماک تھا، حج کی عدم فرضیت اور ہندوستان کے مسلمانوں کے ذمے سے اس کے ساقط ہوجانے کا باضابطہ فتویٰ دے دیا تھا لکھنؤ کے ایک دیندار مسلمان منشی خیر الدین حسنا (سوائے معالی خاں) نے اس بارے میں ایک استفتاء مرتب کیا چند علما نے حج کی عدم فرضیت کا فتویٰ دیا، مولانا عبدالحی حسنا اور مولانا اسماعیل حسنا نے مدلل اور پرزور طریقے پر اس فتویٰ کی مخالفت کی اور حج کی فرضیت کا فتویٰ لکھا، منشی حسنا نے فتویٰ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہلی بھیجے، شاہ صاحب نے اس کا جو جواب دیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس فتنے نے کتنی قوت حاصل کر لی تھی۔

شاہ حسنا نے منشی حسنا کو لکھا کہ جن لوگوں نے حج کی عدم فرضیت کا فتویٰ دیا ہے، ان کی نظر دینیات فقہ و اصول پر نہیں ہے، ان کو صرف معقولوں میں غلو ہے، چند مشہور اور غیر معتبر فتاویٰ پر ان کے علم کی بنیاد ہے، اگر ان کے افتاء پر اعتماد کیا اور عمل شروع کر دیا جائے تو گمراہی کا دروازہ کھل جائے اور احکام و فرائض دین اور ارکان اسلام معطل ہو جائیں، آج حج ساقط ہوتا ہے، کل روزہ پر سوں نماز کی باری ہے، اور زکوٰۃ تو اس سے زیادہ خطرے میں ہے۔

اس کے بالمقابل آپ نے مولانا عبدالحی اور مولانا اسماعیل کے جو آبا کی بڑی قوت سے تائید فرمائی

لے معلوم ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی کے آخر تک بعض علما کو اس مسئلے میں شبہ رہا، مولانا خرم علی حسنا بلہوری "غایۃ الاوطار" اردو ترجمہ "در مختار" جلد اول (تصنیف ۱۲۷۱ھ) میں شرائط حج کے باب میں لکھتے ہیں:-

"اور جس ملک سے جہاز کی سواری کے بغیر حج نہ ہو سکتا ہو، مثلاً ہندوستان سے تو ایسے ملک کے سقوط حج میں اختلاف ہے، کراچی نے کہا کہ اگر سمندر میں سلامتی غالب ہو اور اس بندے سے جہاز کی سواری مروج ہو تو حج واجب ہے اور اگر سلامتی کا غلبہ نہیں تو حج بھی واجب نہیں اور یہی قول آج ہے، کذا فی شرح الغفار" بالفعل ہندوستان میں خشکی اور تری میں امن راہ بخوبی حاصل ہے، اور جہاز رانی کی مشق نصاریٰ کے اختلافاً کے باعث جواب حاصل ہے، کبھی نہ تھی، اب اہل ہند پر وجوب حج میں مرکز تردد نہیں ہزاروں شخص ہر سال ہند سے جاتے ہیں اور حج کر کے باسلامت پھر آتے ہیں، ص ۵۵

اور ان کی مدح و توصیف کی اور فرمایا کہ ان کے دستخط اور فتوے کی صورت میں مجھ سے رجوع کرنا کچھ ضروری نہ تھا ان کے دستخط کو یا اس فقیر کے دستخط میں، علوم دینیہ و عقلیہ میں ان دونوں کا پارہ فقیر سے کم نہیں ہے، اگرچہ بظاہر اس سے اپنی تعریف نکلتی ہے، لیکن امر حق کا اظہار واقعہ حال کے لئے ضروری ہے۔

شاہ عبدالعزیز کی تصریح و اعلان

شاہ صاحب اس خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

شفیق من از فوجائے مضامین جو اب اول چنان	شفیق من جو اب اول کے مضامین سے ایسا پتہ چلتا
مستنبط شود کہ بزرگان مذکور بجز دو چار فقاہدے	ہے کہ یہ حضرات دو چار شہور فتاویٰ کی کتابوں کے سوا
معروفہ نہ اندازہ پیش افغان این فن ظاہر ہواست	جن کی سند اور پایہ اعتبار فن فقہ کے واقفوں کے نزدیک
از ادراک کتب دینیہ معتبرہ کہ مدار دین متین بر آن مست	کچھ بلند نہیں معتبر کتب دینیہ کے علم سے جن پر دین کا
بہرہ وافی نمی دارند و از تحصیل علوم فقہ و اصول فقہ	دار مدار ہے بہرہ وافر نہیں رکھتے اور علم فقہ و اصول فقہ
وافی نیند و ختم اندر محض صرف اوقات دریل تحصیل	کی انھوں نے کافی تحصیل نہیں کی ہے صرف منطلق کی تحصیل
نمودہ درستی این ہمہ در مواجہہ ناقدان فن مذکور	میل وفاقا گزاری کی ہے ان چیزوں کی توثیق ناقدان
محال و انکال است. دریں صورت سند احوال مبینہ	فن کے نزدیک محال اور نہایت دشوار ہے اس صورت
ایشان ساقط از پایہ اعتبار تصور تو ان کردہ بر احکام	میں ان کے بیان کردہ حالات کی سند درجہ اعتبار سے گری
آہنا عمل نمودن ہر اسر راہ و ضلالت و بطالت	ہوئی سمجھنی چاہئے اور ان کے احکام پر عمل کرنا سراسر
پیمودن است. ازین عقائد شنیعہ حق سبحانہ و تعالیٰ	مگراہی اور بے عملی ہے حق تعالیٰ ایسے بڑے عقائد و
جمیع مومنین را مومن و محفوظ دارد و توفیق طاہر	خیالات سے تمام مسلمانوں کو مومن محفوظ رکھے اور اپنی
خود روزی کند.	طاعت کی توفیق عطا فرمائے.

و مضمون جواب ثانی تاج المفسرین، فخر المحدثین
سرآید علماء محققین مولوین موصوفین مطابق
و موافق احادیث قویہ و کتب اصول فقہ معتبرہ
چنانچہ مقابل دستخط ایشان تصحیح و مہر خود ثبت
نمودہ شد، ملاحظہ فرمائید تاکہ اطمینان کلی
خواہد گردید۔

و فرستادن استغنائے مذکور نزد فقیر در صورت بود
مہر و دستخط خورداران مدد و عین احتیاج نہ داشت
چرا کہ ایشان در علم تفسیر حدیث و فقہ و اصول منطق
و غیرہ از فقیر کمتر نیستند۔ مہر و دستخط ایشان گواید دستخط
فقیر است عنایت جناب باری عزاسمہ کہ شامل حال
مولوین موصوفین است، شکر این نعمت عظمیٰ ادا کرد
نمی توانم، حق جل و علیٰ زیادہ ازین بر مراتب عالی
فائز گرداند و برائے اشخاص این اصل شریعت جمیع
نعمتین در جناب الہی ہمین عا خاستن موجب نجات
انروی است مخلصین، مولوین مدد و عین را یکے از علماء
ربانی تصورید، احتکالے کہ افتتاح آن مجال باشد،
رو بروے ایشان پیش خواہند کرد، عنایت فرمائے من اگرچہ
این کلمات را بظاہر تعریف و توصیف خود تصور توں

دوسرے جواب کا مضمون تاج المفسرین فخر المحدثین
سرآید علماء محققین مولوی عبدالحی حسنا و مولوی اسماعیل
صبا کا لکھا ہوا ہے اور احادیث قویہ اور اصول فقہ کی
معتبر کتابوں کے موافق ہے، چنانچہ ان کی مہر اور دستخط کے
مقابل میں نے بھی اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے ملاحظہ
فرمائیں تاکہ اطمینان کلی ہو جائے۔

ایسی صورت میں کہ عزیزان موصوف کی مہر اور دستخط موجود
تھے، اس استغنائے میرے پاس بھیجے کی ضرورت نہ تھی
اس لئے کہ یہ دونوں علم تفسیر حدیث و فقہ و اصول و
منطق میں مجھ سے کم نہیں ان کی مہر اور دستخط گویا میری
مہر اور دستخط ہیں، الشربارک و تعالیٰ کی جو عنایت ان
دونوں عزیز قاضیوں کے شامل حال ہے، اس نعمت عظمیٰ
کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا، حق تعالیٰ ان کو اس
بھی بلند مراتب پر فائز فرمائے، ان لوگوں کے حق میں، جو
اصل شریعت کے واضح کرنے والے ہیں، تمام مومنین کا حق تعالیٰ
کی بارگاہ میں عا کرنا خود ان کے لئے نجات انروی کا باعث
ہے، میرے دوست مولوی عبدالحی اور مولوی اسماعیل کو علماء
ربانی میں شمار کرنا چاہئے، میرے کرم فرمایا اگرچہ ان کلمات
سے بظاہر اپنی تعریف نکلتی ہے، لیکن امر حق کا اظہار

کرد لیکن اظہارِ امرِ حق ہم پر واجب ہے اور ان کا واجب لازم
 است لہذا چشم پوشی در حق مناسب نہیں و ہر وقت
 کبھی قیمت ہدای رسیدار و رسیدن مطلع باید نمود۔ اس
 وقت بسبب ضعفِ طبیعت ہمیں قدر کثیف گر دیدہ
 وَالْإِجْمَالُ عِنْدَهُمْ مُخْتَلِفٌ عَنِ الْتَفْصِيلِ
 وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ
 وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَبَارَكَ اللَّهُ فِي مَعَاشِكُمْ وَمَعَادِكُمْ
 (مکرر) آئندہ انتظار یا بد کشید کہ اشخاصِ معلوم
 در عرصہ قریب فتوے معافی صوم و صلوٰۃ برائے
 ہندوستانیوں خواہند نوشت بدلیل اس کہ پیغمبر
 صلے اللہ علیہ وسلم در ہند تشریف فرما نہ شدہ اند
 برائے زکوٰۃ بدرجہ اولیٰ۔

واقفوں پر واجب لازم ہے لہذا حق کے معاملے میں
 چشم پوشی مناسب معلوم نہ ہوئی، دونوں استفتا اس
 خط کے ساتھ پہنچیں گے ان کی رسید سے مطلع فرمایا جائے
 اس وقت صنعت کی وجہ سے اتنے ہی پر کثیف لگے۔
 اور دونوں کے محل کلام کی موجودگی میں میری تفصیل
 کی چنداں ضرورت بھی نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے معاشی
 و معاد میں برکت عطا فرمائے۔
 (مزید) منتظر رہنا چاہئے کہ جیسے حضرات جنہوں نے آج
 حج کی عدم فرضیت کا فتویٰ دیا ہے، کل ہندوستانیوں
 کے لئے نماز روزے کی معافی کا فتویٰ لکھ دیں اس دلیل
 سے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ہندوستان میں بعثت
 نہیں ہوئی اور زکوٰۃ کو بدرجہ اولیٰ ساقط کر دیں گے۔

فرضیہ حج کی ہندوستان میں تجدید

ان حالات میں سید صاحب کا علما و شاہسیر کی ایک بہت بڑی جماعت اور صد ہا مسلمانوں کے
 ساتھ حج کرنا اولیٰ فرض کے علاوہ حج کی فرضیت کا بہت بڑا اعلان اور اس کی زبردست اشاعت
 تبلیغ تھی جن کی ان حالات میں سخت ضرورت تھی یہ ضرورت آپ کے سفر سے پوری ہوئی، ہندوستان کی ہزار ہا
 سو برس کی تاریخ میں اس کی قطعاً نظیر نہیں ہے کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت نے اس ذوق و شوق
 اور جوش و خروش اور اس باہمی الفت و محبت اور اس متحرک اسلامی ماحول کے ساتھ جو اس قافلے کے ساتھ

چلتا تھا، حج کا سفر کیا ہو، ہندوستان میں صد ہا مسلمان سلاطین گزے ہیں، جن پر حج فرض تھا اور جو ہزاروں مسلمانوں کو اپنے ساتھ حج میں لے جانے کی قدرت رکھتے تھے، اور ہزار ہا مشائخ، جن کے دامن سے لاکھوں مسلمان وابستہ تھے، لیکن اس شان کا حج نہ سلاطین کے ترک و قائلے میں ملتا ہے، نہ مشائخ کے سیرتِ اجماع میں، جب تک یہ قافلہ سفر میں تھا، ہندوستان کا وہ خطہ جو اس کی گزرگاہ تھا، اپہم جنبش میں تھا، پھر اس کے جلو میں دینی اصلاح و تبلیغ کا ایک عظیم سیلاب تھا، جس میں شرک و بدعت، فسق و فجور اور جاہلیت کے روم و شعائر خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے تھے، ہندوستان کا پورا شمالی مشرقی علاقہ جو تین وسیع صوبوں (صوبہ متحدہ، بہار، بنگال) پر پھیلا ہوا ہے، اس کے فیض سے گلزار بن گیا۔

حج کی ترغیب و تبلیغ

یہ صاحب نے حج کا قصد فرمایا اور اہل تعلق کو اس کی اطلاع دی اور دہلی اور ٹھٹھلی اور بہار، پورا اور جہاں جہاں حضرت کے متعلقین تھے، خطوط لکھوائے کہ ”ہماری نیت پہلے سفرِ ہجرت کی تھی، مگر اب مرضی الہی یہی ہے کہ پہلے حج کو جائیں، سو جن بھائیوں کا ارادہ ادا ہے حج کے واسطے ہمارے ساتھ چلنے کا ہو، یہاں آکر حاضر ہوں!“

یہ خطوط بڑی تعداد میں سید احمد علی کے نو عمر صاحبزادے سید زین العابدین لکھے، ان خطوط کا مضمون یہ تھا:۔

”ہم ادائے حج کے واسطے بیت الشرف کو جاتے ہیں، جن صاحبوں کو حج کرنا منظور ہو، ان کو اپنے ہمراہ لائیے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ ہمارے پاس نہ کچھ مال ہے، نہ خزانہ، محض اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے جاتے ہیں، اور ہم کو اس کی ذاتِ پاک سے امید قوی ہے کہ وہ اپنے کرم و فضل سے ہماری مراد پوری کرے گا اور جہاں کہیں رستے میں حاجت ضروری کی واسطے خرچ نہ ہوگا“

وہاں ٹھہر کر ہم لوگ محنت مزدوری کریں گے، جب بخوبی خرچ جمع ہوگا، تب ہاں آگے کو روانہ ہوں گے، اور جو ضعیف عورتیں اور مرد مزدور کی قابل نہ ہوں گے وہ اپنے ڈیروں کی نگہبانی پر رہیں گے اور اس خرچ میں کمانے والے اور ڈیروں میں رہنے والے سب شریک ہوں گے۔

اسی مضمون کے خطوط مولانا عبدالحی حسنا کو قصبہ بڑھانہ میں مولانا اسماعیل حسنا کو دہلی اور کھپلت میں مولانا وحید الدین ان کے بھائی حافظ قطب الدین ان کے والد حافظ سعید الدین مولوی وجیہ الدین، حکیم معیت الدین اور ان کے بھانجے شہاب الدین وغیرہ کو لکھے۔

اس عرصے میں خاندان والوں کو آپ برابر ترغیب دیتے رہے کہ وہ بھی ہمراہ ہوں، وہ چونکہ اس قافلے کی بے سرو سامانی اور ظاہری تہی دستی سے زیادہ واقف تھے، ان کو اسل و لوا العزمی پر اور زیادہ حیرت اور اس عظیم الشان سفر کے بارے میں زیادہ اشکال تھا، آپ نے ان کو اس سفر پر آمادہ کیا تو وہ کہنے لگے۔

”ہو لوگ ہندوستان میں مال دار اور صاحب مقدر ہیں اور حج کا ادا کرنا ان پر فرض ہے“

بعض علما انہیں پر حج فرض ہونے میں اختلاف کرتے ہیں کہ جیسے ادائے حج کے واسطے زاد و راحلہ

شرط ہے، ایسے ہی امن راہ بھی شرط ہے، سو امن کا یہ حال ہے کہ جہاز کی سواری بغیر وہاں

جانا محال ہے اور دنیا میں تلف جان مال دونوں کا خوف متصور ہے، اس لئے اہل ہند پر ادائے

حج فرض نہیں ہے، اگرچہ کیسا ہی زردار ہو اور آپ کے پاس تو ایک وز کا بھی خرچ موجود نہیں ہے

اس بے سرو سامانی کے باوجود آپ خطوط بھیج بھیج کر دور دور سے لوگوں کو سفر حج کے واسطے بلاتے

ہیں اور ہم سے بھی فرماتے ہیں، شاید کہ اپنے ساتھ ان کو بھی خواب اور حیران کریں گے؟

آپ ان سے کہتے تھے کہ ”انشاء اللہ تعالیٰ ہم اور آپ ساتھ ہی ہوں گے، رستے میں چل کر دیکھئے گا کہ

اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو کس طرح اپنی قدرت اور عنایت سے کھانا پینا پہنچاتا ہے اور اپنی طرح طرح کی

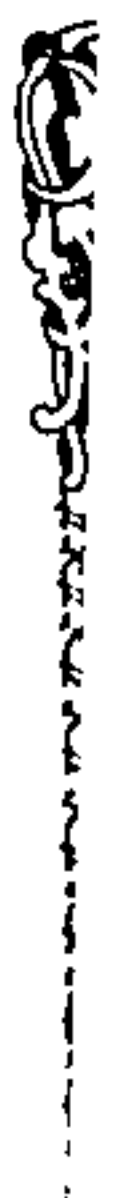
نعمتوں سے پرورش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے یقین کامل ہے کہ ہم سب اپنے عاجز و محتاج بندوں

کو یہاں سے حرمین شریفین کو با آرام تمام پہنچانے کا اور پھر وہاں سے خیر و عافیت کے ساتھ یہاں لائے گا۔
 خاندان میں آپ کے بھتیجے سید محمد یعقوب ان کی والدہ ماجدہ آپ کے چاروں بھانجے مولوی سید محمد علی سید
 احمد علی سید حمید الدین سید عبدالرحمن اپنی والدہ اور اہل عیال کے ساتھ آپ کے ماموں زاد بھائی حافظ سید محمد
 مولوی سید محمد ظاہر سید عمر نصیر آبادی میاں محمد قائم جاسی اول روز سے آپ کی ہمراہی لئے مستعد اور تیار تھے۔
 آپ کے بھانجے مولوی سید محمد علی ابتدا میں تین دن تنہا سفر کے لئے تیار تھے، اہل عیال کو لے جانے کا ارادہ
 نہ تھا سید صاحب نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارے غنیموں بھائی اپنے بچوں اور اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ عازم سفر
 ہیں تو تم تنہا اپنے بچوں اور متعلقین کو کیوں چھوڑے جاتے ہو؟ مولوی محمد علی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ برتا
 کا موسم اور سمندر کے طوفان کا زمانہ ہے اس سے اندیشہ معلوم ہوتا ہے، فرمایا بھائی اگر موت کا اندیشہ
 ہے تو تم نے پیش نہیں سنی کہ مرگ انبوہ جسٹے وارد ہا اگر بالفرض اس سفر میں موت آ بھی گئی تو ہر سال حج و عمرہ
 کا ثواب تمہارے اعمال نامے میں لکھا جائے گا اور شہادت کی وہ دولت جس کا ہر مسلمان متمنی رہتا ہے
 نصیب ہوگی اس مکالمے کے بعد سید محمد علی صاحب نے بھی اپنے متعلقین کو ہمراہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔
 اس دعوت و تبلیغ اور خط و کتابت سے سارے ہندوستان میں شہرت عام ہو گئی کہ سید صاحب
 حج کو جاتے ہیں اور سب کو دعوت دیتے ہیں۔

اس تحریک و ترغیب سے محبت کی دلی ہوئی چنگاریاں ابھر س اور تجھی ہوئی آتش شوق بھر کی
 سید صاحب کی طویل معیت، صلحا و اولیا کی رفاقت، حج مقبول، اس سے بڑھ کر کیا سعادت، ہر برس کے ارمان نکلنے
 کا وقت آ گیا لوگوں نے اپنی اپنی زمین اور جائیداد بیچ کر تیاری کی، عازمین حج کے خطوط اور ذود آنے شروع ہو گئے
 حج سے پہلے ایک تبلیغی دورہ

اسی اثنا میں کانپور، کوڑہ جہان آباد، بھوہ، فتحپور اور قصبہ ڈلوہ کے باشندوں نے تشریف آوری کی

درخواست کی، حضرت رائے بریلی سے روانہ ہو کر قصبہ مورالواں (ضلع اناؤ) ٹھہرتے ہوئے جہاں ہزاروں آدمیوں نے بیعت کی رنجیت پوروا بھڑا ہوتے ہوئے کانپور تشریف لائے، سید محمد حسین صفا کے یہاں قیام فرمایا، یہاں ہزاروں اشخاص بیعت مشرف ہوئے، منجملہ ان کے منڈرو فرنگی کی بیوی بھی بیعت مشرف ہوئی، ایک وڈا نے چار ہزار روپے کے قریب پیش کئے، اور کہا کہ "آپ کی مندر میں" آپ نے فرمایا کہ "ابھی ہم کو روپے کی کچھ ضرورت نہیں، انشاء اللہ تعالیٰ حج سے آکر جب جہاد کو جائیں گے، اس وقت دیکھا جائے گا" اس نے کہا کہ "یہ مکان جو میری ملکیت ہے، آپ کی مندر کیا" مکان بڑا وسیع، عالی شان تیس چالیس ہزار کی مالیت کا ہوگا، آپ نے فرمایا کہ "ہم مکان لے کر کیا کریں گے؟ ہم تو حج کو جاتے ہیں اپنے ہی مکان چھوڑ جائیں گے، اس نے کہا کہ "اب تو میں آپ کے مندر چکی ہوں، جو چاہیں آپ کریں" آپ نے فرمایا کہ "اگر یہی بات ہے تو یہ مکان ہماری طرف سے اپنے داماد مرزا عبدالقدوس کو دے دو" کانپور میں جن جن مسجدوں میں گنتی کے لوگ نماز پڑھتے تھے، ان میں بکثرت بڑی بڑی جماعتیں ہونے لگیں، اور کتنی نئی مسجدیں بن گئیں، صدہا آدمیوں کے تعزینہ اری چھوڑ دی اور کچھ مسلمان موحد بن گئے، کانپور سے آپ کوڑہ جہان آباد تشریف لے گئے، اور ہزاروں آدمی بیعت میں داخل ہوئے، وہاں قصبہ مجھاؤن کے قاضی صاحب چند شرفا و معززین سمیت آئے، بیعت کی اور حضرت سے قصبے میں چلنے کی بڑی منت سماجت سے درخواست کی، آپ نے قبول فرمائی، مجھاؤن میں آپ کے قاضی کی مسجد میں قیام فرمایا اور اس قصبے کے تمام مسلمان باشندے بیعت مشرف ہوئے، مجھاؤن کے آپ کبچوہ تشریف لائے، ایک شب وہاں قیام فرمایا، بستی کے شرفا اور مہتر یکساں آپ کے فیضیاب ہوئے، صبح فتحپور تشریف لائے، دو تین روز قیام فرمایا اس عرصے میں اکثر اہل شہر بیعت سے مشرف ہوئے، فتحپور سے رائے بریلی کی طرف واپسی ہوئی۔



عازمین حج کی آمد

مولانا عبدالحی صاحب ایک قافلے کے ساتھ فتحپور اور ڈلمٹو کے درمیان سفر کا نیورہی میں شامل ہو گئے تھے، اسی عرصے میں مولانا محمد اسماعیل صاحب کا خط آیا کہ یہاں ہمارے ہمراہ سہارنپور کے حکیم مغیث الدین صاحب، مولوی وجیہ الدین صاحب وغیرہ اور قصبہ بھلیت کے مولوی وحید الدین اور حافظ قطب الدین وغیرہ اور ان میں سے اکثر صحابہ اپنے اہل و عیال مرد اور عورتیں ملا کر قریب چھائی سو آدمیوں کے ہیں اور ہم سب گڑھ مکتیسر کے گھاٹ سے کشتیوں پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے ہیں۔ نواح راء بریلی، ڈلمٹو، نصیر آباد، جالس وغیرہ کے سو آدمی سفر حج کے ارادے سے مجتمع ہو گئے تھے اور تقریباً چالیس آدمی آپ کے اعزاء و اقربا ہیں (بعض بذات خود بعض متعلقین کے ساتھ) آمادہ سفر تھے۔ آپ اہل خاندان کے فرماتے تھے کہ "جب تک میں اس بریلی کے علاقے میں ہوں تب ہی مکان سب پرنگی و افلاس کے حرمِ قوت میں ان کو ساتھ لے کر اس علاقے سے باہر ہوا تب ان کا حال دیکھنے والے دیکھیں گے کہ پروردگارِ عالم بے سان گمان اپنے بندوں ہاتھوں کیونکر پہنچاتا ہے اور خدمت کرانا ہے۔ روانگی سے پہلے اور روانگی کے وقت جو بزرگانِ خاندان بیعت کے مشرف نہیں ہوئے تھے اور بعض بعض اس متوکلانہ سفر پر معترض تھے حاضر ہو کر اپنی تقصیر کے معترف اور بیعت کے مشرف ہوئے ان آنے والوں میں مولانا سید محمد اصبح کے تینوں صاحبزادے سید محمد جامع صاحب، سید غلام جیلانی اور سید صاحب کے بہنوئی سید معصوم احمد صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں سید صاحب بہت مسرور ہوئے اور بڑے الحاح و زاری سے ان حضرات کے لئے دعا کی۔

۱۔ "وقائع" ص ۵۸۹۔ قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قافلہ ۲۲ صفر کو کلکتے میں سید صاحب

کے قافلے میں شامل ہوا۔ ۲۔ "مخزن احمدی" ص ۶۱۔ ۳۔ "وقائع احمدی" ص ۵۹۱۔

دسواں باب

رائے بریلی سے مرزا پورنگ

روانگی

سوال کی آخری تاریخ دو شنبہ ۱۲۳۶ھ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ آپ تکیے سے روانہ ہوئے۔ سارے قافلے کا کل خرچ آپ کے ذمے تھا، ندی کو پار کر کے دوسرے کنارے پر ان لوگوں کو رخصت کرنے کے لئے جو جمع ہو گئے تھے، اور ان سے بیعت لینے کے لئے کچھ دیر توقف فرمایا، مولوی محمد یوسف حسنا کی تحویل میں جو آپ کے خازن تھے، اس وقت کچھ اوپر سو رہے تھے، آپ نے اپنے ہاتھ سے وہ سب روپے رائے بریلی کے غریب بھنگی، دھوبلی، حجام اور شاگرد پیشہ لوگوں کو تقسیم کر دیے اور ڈلسو کی طرف روانہ ہوئے۔

ایک میل چل کر ایک باغ میں آرام فرمایا کہ پیچھے سے آنے والے لوگ آئیں، اس وقت حاضرین مجلس میں سے ایک بزرگ نے کہا کہ "اگر فقائے سفر کو شمار کر لیا جائے تو بہت اچھا" آپ نے فرمایا "مضائقہ نہیں جس کا جی چاہے، شمار کر لے، چنانچہ اہل قافلہ کو شمار کیا گیا اور چار سو پانچ یا چار سو سات آدمی شمار میں نکلے، ان کے علاوہ اسی کہاں تھے، آپ نے مولوی محمد یوسف صاحب سے دریافت فرمایا کہ "اس وقت آپ کی تحویل میں کیا ہے؟" مولوی حسنا نے

۱۷ "مخزن احمدی" ص ۶۲

فرمایا کہ "سات روپوں کے علاوہ ایک پیسہ نہیں ہے" آپ نے سر ہمو کر فرمایا کہ "اس سات روپے میں تو قافلے کا ایک دن کا بھی خرچ نہیں نکل سکتا، رائے بریلی کے غرابوں سے جو موبوں میں اور جن کو پہلی تقسیم میں کچھ نہیں ملا ان کو دے دیجیے کہ آپس میں بانٹ لیں" مولوی محمد یوسف حسنانے اس کی تعمیل کی اس وقت آپ نے برہنہ سر ہمو کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور کہا کہ "اے کریم کار ساز! تم نے اپنی اتنی مخلوق کو اپنے اس ذلیل بندے کے سپرد کر رکھا ہے! آپ ہی سچا رہ سازی فرمائیے اور اپنی مہربانی سے بھر موبوںی اس روپے قافلے کو منزل مقصود پر پہنچائیے!"

اہل قافلہ کی کیفیت

راستے میں ایک ہمراہی دوسرے سے اپنی بے ماگگی اور بے سروسامانی کا تذکرہ کرتا تو معلوم ہوتا کہ اس کا ساتھی اس سے بھی زیادہ بے سروسامانی کے ساتھ سفر کے لئے نکلا ہے اس وقت ایک دوسرے کو تسکین ہوتی بعض لوگ جن کو سید حسنا کی صحبت کا شرف حاصل تھا، اس فکر و تردد پر پلامت کرتے اور توکل کی تلقین کرتے۔

قافلے کے ہمراہی راستے کے سرد و گرم برداشت کرنے کے لئے تیار اور تنگی و ترشی میں خدا کے ذکر و فکر کے ساتھ رطب اللسان رہتے تھے کبھی سخت باتیں ہوتی کبھی کراہ کے کی دھوپ، دلدل اور کھیر، ندی نالے راستے میں ملنے اگر کسی کا پاؤں پھسلتا تو وہ سنسن سنسن کر خدا کا شکر ادا کرتا اور کہتا کہ "تیرے احسان کے قربان کہ تیرے راستے میں گرا ہوں بچھلی تمام لغزشوں اور ہرزہ گردی کی تلافی یہی ہے" کوئی خواجہ حافظ کا یہ شعر اپنے حسب حال پڑھتا۔

دریا بیاں گرز شوق کعبہ خواہی زرقم سر ز شہاگر کند خار مغیلاں، غم مخور

لہ "مخزن احمدی" ص ۶۳-۶۴ لہ ایضاً ص ۶۳

دو بھائیوں کا جھگڑا

جب ٹیٹو ڈوسیل رہ گیا تو آپ راستے کے قریب ایک باغ میں آرا کے لئے تشریف فرما ہوئے، لوگوں نے دیکھا کہ دو سوار تقریباً پچاس آدمیوں کے ساتھ آ رہے ہیں انھوں نے پہنچ کر پہلے بیعت کی پھر عرض کیا کہ ”ہمارے جھگڑے کا فیصلہ فرمائیے، ہم دونوں حقیقی چھوٹے بھائی ہیں بڑا ہوں جسے جناب کی آمد کی اطلاع ہوئی ہے، دعوت کی تیاری میں مشغول ہو گیا، میرا ارادہ تھا کہ میں کھانا تیار کر کے اس مبارک سفر کی پہلی منزل میں پیش کروں گا، آج میں اس کی تیاری شروع کی تو پیرے چھوٹے بھائی میرے پاس آئے اور منع ہوئے اور کہا کہ ”میں تو تم سے پہلے سے سامان دعوت تیار کر چکا ہوں، آج میں حضرت کی ضیافت کروں گا، کل تمہاری باری ہے تم ضیافت کر لینا، میرے اور ان کے درمیان اس پر سوال و جواب ہوا اور بات کچھ بڑھی، قصے کے معززین جمع ہو گئے اور انھوں نے کہا کہ اس کا فیصلہ خود سید صاحب کی رائے پر چھوڑ دو، تم دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ اور اپنا معاملہ پیش کر دو، آپ جو فیصلہ کریں اس پر عمل کرو، اب ہم آپ کے فیصلے کے منتظر ہیں“

آپ نے ان کو ایک دوسرے کے حق میں ایشار کرنے اور دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دینے کی ترغیب دی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مقلدے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ایشار کی ایک روایت سنائی جس سے وہ متاثر ہوئے اور واپس چلے گئے۔

ٹھنڈے وقت آپ قصبے میں تشریف لے گئے، مغرب اور عشا کی نماز پڑھی، بڑی خلقت نے بیعت کی رات کو بڑے بھائی نے تمام اہل قافلہ کی ضیافت کی دوسرے روز چھوٹے بھائی کی طرف سے تمام اہل قافلہ کی دعوت ہوئی، جب تک اس قصبے میں قیام رہا، برابر قافلے کی دعوت رہی کہی کو کسی وقت کھانا پکانے کی ضرورت پیش نہیں آئی، اس دوران میں ہزاروں اشخاص نے اطراف و جوانب سے

اگر بیعت کی اور بہت سے سفر میں ساتھ ہو گئے۔

سید صاحب کا وعظ

چار روز مولانا عبدالحی صاحب نے وعظ فرمایا اور اس میں شرک و بدعت کی برائی اور توحید و سنت کی خوبی اوج و مگرہ کے فضائل بیان کئے۔
رات کو بعد نماز عشاء سید صاحب نے فرمایا: بھائیو، تم نے کئی روز مولانا کا وعظ سنا، اب چند باتیں ہماری بھی انشاء اللہ تعالیٰ نماز صبح کے بعد سن لینا۔
سب لوگ نماز پڑھ کر آپ کے پاس حاضر رہے، آپ نے فرمایا:-

حقیقی بھائیوں کے اخلاق

بھائیو! اگر تم سب اپنے گھر بار چھوڑ کر حج و عمرہ ادا کرنے اس نیت سے جاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے نافرمانی ہو تو تم کو لازم ہے کہ آپس میں سب مل کر ایسا اتفاق اور خلق رکھو جیسے ایک ماں باپ کے نیک بخت بیٹے ہوتے ہیں، ہر ایک کی راحت کو اپنی راحت اور ہر کسی کے رنج کو اپنا رنج سمجھو اور ہر ایک کے کاروبار میں بلا انکار حامی و مددگار ہو اور ایک دوسرے کی خدمت کو ننگ و عار نہ جانو بلکہ عزت و افتخار سمجھو یہی کام اللہ کی رضا مندی کے ہیں، جب ایسے اخلاق تم میں ہوں گے تو لوگوں کو شوق ہوگا کہ یہ عیب تم کے لوگ ہیں، ان میں شریک ہونا چاہئے۔

خدا کی پرورش پر کھروسہ

اللہ پر کمال توکل کرو، کسی مخلوق سے کسی چیز کی آرزو نہ رکھو، رزاق مطلق اور

حاجت روائے برحق وہی پروردگارِ عالم ہے، اس کے حکم کے بغیر کوئی کسی کو کچھ نہیں دیتا، دیکھو تو جس وقت بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون اسے روزی پہنچاتا ہے پھر وہی بچہ کو آسانی سے باہر لاتا ہے اور باہر لانے سے پہلے ماں کے پستان میں روزی تیار رکھتا ہے پھر وہ لڑکا اسی کی تعلیم سے دودھ پیتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اتنا ہی پی لیتا ہے باقی کھئی، بال، گردوغبار سے محفوظ، تازہ بہ تازہ ماں کے پستان میں رہتا ہے پھر دوسرے وقت پیتا ہے یہی پروردگار کی روزی رسانی ہے پھر چند مدت میں دودھ چھڑا کر اور غذا کھانے کی تعلیم فرماتا ہے اسی طور سے پرورش کر کے جوان اور جوان سے بوڑھا کرتا ہے اور روزی اس نے جس کی تقدیر میں جو کچھ لکھی ہے وہ بہر صورت اس کو بلا شک و بلا شبہ پہنچے گی۔

خدا کا وعدہ برحق ہے

یہاں ایک دنی آدمی جو ہم لوگوں کی دعوت کو جانتا ہے چاہے جھوٹ ہی کر جائے ہم لوگ اس کے اعتماد پر اپنے گھر میں منع کر دیتے ہیں کہ ہمارے واسطے کھانا نہ پکانا، فلاں کے یہاں ہماری دعوت ہے، یا مثلاً غازی الدین حیدر والی لکھنؤ اگر اس بات کا وعدہ کر لے کہ میرے فلاں امیر کے ہمراہ کہ بیت اللہ شریف کو جانا ہے جو کوئی جائے زاد و راحلہ میں دوں گا تو ہزاروں آدمی خوشی خوشی جانے پر مستعد ہو جائیں کچھ بھی اس کی وعدہ خلافی کا شک و شبہ دل میں نہ لائیں مجھ سے تو اس شاہنشاہِ دو عالم پناہ قادرِ برحق رزاقِ مطلق نے وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ تیرے ساتھ اس سفر میں ہیں ان کے کھانے کی پڑے کا کچھ اندیشہ نہ کرو وہ سب میرے ہمان ہیں اور وہ اپنے وعدے کا سچا ہے کہ جس میں وعدہ خلافی کا احتمال کسی صورت بھی نہیں ہے پھر میں کیونکر سچ نہ جانوں اور کس بات کا اندیشہ کروں؟ وہ آپ سب بھائیوں کی پرورش کرے گا۔

مذہبین کے لئے اب بھی واپسی کا موقع ہے

سو کلام کا حال یہ ہے کہ جن بھائیوں کو یہ سب باتیں منظور ہیں اور میرے کہنے کو سچ جانتے ہیں وہ تو میرے ساتھ چلیں، میں ان کے رنج و راحت کا شریک ہوں اور میری یہی باتیں اپنی عورتوں کو بھجا کر کہہ دیں، واللہ اب بھی مکان نزدیک ہے، سفر کی تکلیف اٹھانے کو موقوف کریں، سفر میں ہر طرح کی تکلیف و مصیبت ہوتی ہے اور راحت بھی ہوتی ہے، پھر کوئی بھائی کسی باکا گلہ شکوہ زبا پر نہ لائیں۔

ہدایت عام

مجھ کو عنایت الہی سے قوی امید ہے کہ اس سفر میں اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں سے لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کرے گا اور ہزاروں ایسے لوگ کہ دریا سے شرک بدرعت میں درتق و فوج میں ڈوبے ہوئے ہیں اور شعائر اسلام سے مطلق ناواقف ہیں، وہ بچے موحدا و رستقی ہوں گے۔

حج کے اجراء کی پیش گوئی

اور جناب الہی میں میں نے اہل ہند کے لئے بہت دعا کی کہ الہی ہندستان سے تیرے کہنے کی راہ سنبھلے، ہزاروں مالدار صاحبِ زکوٰۃ مر گئے اور نفس و شیطان کے بہکانے سے کہ راستے میں نہیں آئے، حج سے محروم ہے، اور ہزاروں صاحبِ ثروت اب جیتے ہیں اور اسی وسوسے سے نہیں جاتے، سو اپنی رحمت سے ایسا راستہ کھول دے کہ جو ارادہ کرے، بے وغیرہ چلا جائے اور اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم نہ رہے، میری یہ دعا اس ذاتِ پاک نے مستجاب کی اور ارشاد ہوا کہ حج سے آنے کے بعد یہ راستہ علی العموم کھول دیں گے، سو انشاء اللہ جو مسلمان بھائی زندہ رہیں گے، وہ یہ حال بکشم خود دیکھیں گے، آمین

ڈلمو میں قلعے کے اندر بارہ دریا بارہ دری میں قیام تھا، بکثرت مردوں اور عورتوں کی بیعت کا شرف حاصل کیا، بہت سے مشرقی مسزوات بارہ دری میں قافلے کی مسزوات کے ملنے آئیں اور بعض مسزوات کی بیعت کے لئے بعض بعض لوگوں کے مکان پر ان کی درخواست پر خود بھی تشریف لے گئے۔

سفر کا آغاز

پنجشنبہ ۳۰ رزی قعد کو سامان و اسباب کشتیوں پر بار کیا گیا، جمعے کے دن صبح کے وقت یرھنا نے قافلے کے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے ہر چند آدمیوں پر ایک شخص کو امیر اور ڈٹے دار اور نگران مقرر کر دیا اور پورے سفر کے لئے امارت اور جماعت کا نظام قائم کر دیا۔

دوپہر کے وقت گلی کوچوں میں مردوں کی آمد و رفت بند کر دی گئی اور پردہ نشین عورتیں بارہ دری کے کنارے تک پیدل گئیں، پہلی کشتی میں تکیہ نصیر آباد کی مسزوات سوار ہوئیں دوسری کشتی میں پھلت کی مسزوات اور تیسری میں لکھنؤ وغیرہ کی بیبیاں سوار ہوئیں چوتھی کشتی میں قافلے کے ضعیف و معذور اشخاص سوار ہوئے، پانچ سو روپے پر کشتیاں کرائے پر لی گئیں۔

جمعے کی نماز ایک جماعت کثیر کے ساتھ قلعے کے اندر والی مسجد میں پڑھی گئی اور انتہائے تصریح و زاری کے ساتھ جوہن کی بخیریت آمد و رفت کی اور استقامت اور خاطر جمعی اور قبولیت سرج وغیرہ کی دعا کے لوگوں سے رخصت ہو کر کشتی پر سوار ہوئے، اتنے میں مولوی محمد صفر صاحب نے مرحوم کی صاحبزادی

۱۔ مکتوب یرحمید الدین بنام یر احمد علی از بنا میں مندرج "منظورۃ السعد" ۲۷ مکتوب یرحمید الدین۔
۲۔ مخزن احمدی ص ۶۵ ۳۔ مولوی محمد صفر صاحب کا شمار وقت کے صلحا و اتقیاء میں تھا، ڈلمو ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے اکثر ذری کتابیں مولانا تیز اضع سے دارۃ شاہ علم الشریعہ میں پڑھیں، مقولات و حکمت کی تعلیم مولانا فضل امام خیر آبادی حاصل کی، ڈلمو میں افادہ مصلحت اور عبادت حق میں مگر سبر کر کے ۱۲۳۲ھ میں وفات پائی۔

مولوی محمد صفر صاحب نے زندگی بڑے زہد و قناعت میں گزاری، تقویٰ اور احتیاط مزاج میں غالب تھے،
(پائی ص ۲۷۲ پر)

جو پہلے پر سوار ہو کر دریا کے کنارے پہنچیں اور شرفِ بیعت حاصل کیا۔^۱

کشتی میں آپ نے تمام قافلے کو جمع کر کے وعظ فرمایا، مضمون یہ تھا کہ ”تمام بھائی کان کھول کر سن لیں اور یاد رکھیں کہ ہم فقرا اپنے گھروں سے محض اللہ کے بھروسے پر ادائے حج کے لئے نکلے ہیں حج بڑی عظیم الشان عبادت ہے، ہر شخص کو تقویٰ کو اپنا شعار بنانا چاہئے، کوئی شخص کسی شخص سے چھوٹی سی چھوٹی چیز کا سائل نہ ہو، ہم کسی سے زائد راہ کا ہرگز سوال نہیں کریں گے، اگر ضرورت پڑی تو مزدوری کریں گے، آدھا کھائیں گے اور آدھا جہاز کے کرائے کے لئے رکھیں گے، میں اپنے حج کو بھی اپنے ساتھیوں کے حج پر مقدم نہیں رکھوں گا، اگر زائد راہ کم ہو جائے گا تو ہم تھوڑے تھوڑے آدمیوں کو کلکتے سے بھیج کر حج کرائیں گے، اس کے بعد خود جائیں گے، لیکن اللہ کی ذات کے مجھے یہی امید ہے کہ وہ ساز و سامان درست فرمائے گا“ اس کے بعد بید زین العابدین صاحب فرمایا کہ ”جو کچھ باقی ہو لے آؤ“ وہ پانچ روپے لائے کہ بس یہی باقی ہیں، آپ نے وہ بھی محتاجوں کو دے دیے اور ارہونے کے وقت آپ کے خزانے میں ایک پیسہ بھی باقی نہیں رہا، فرمایا ”پروردگار کا خزانہ بھرا ہوا ہے“ کشتیوں پر سوار ہوتے وقت موضع دھئی کے کچھ لوگوں نے اور شیخ منظر علی صنانے آکر عرض کیا کہ دور دور سے لوگ آکر بیعت کے لئے ہمارے مکان پر جمع ہیں اور ہم نے دعوت کا سامان بھی کر لیا ہے، اسی راستے سے تشریف لے چلیں، آپ نے مولانا عبدالحی صنانے فرمایا کہ ”جن لوگوں کے متعلقین نہیں ہیں ان کو اپنے ساتھ دریا کے کنارے کنارے چلیں اور اس موضع میں بیعت کرو، وعظ و نصائح کا سلسلہ شروع فرمائیں، ہم کشتی سے آتے ہیں“ اس کے بعد کشتی پر سب کی جگہ نہ تھی، اس لئے شہزاد میوں کو حکم ہوا کہ مولوی محمد یوسف صنانے کے ساتھ خشکی کے راستے سے روانہ ہو جائیں۔

(باقی صفحہ ۲۷۸ کا) نواب سعادت علی خاں والی اودھ نے عہدہ قضا پیش کیا، لیکن قبول نہیں فرمایا۔

صاحبِ نذرہ الخواطر“ راوی ہیں کہ مولانا فضل امام خیر آبادی اور ان کے بھانجے کے درمیان کچھ نزاع تھی، مولانا فضل امام نے سواری بھیج کر مولوی محمد صفر صاحب کو بلایا، وہ اس پر سوار نہیں ہوئے اور بڑی مشقت کے ساتھ خیر آباد پہنچے، اور باؤں کی ایک مسجد میں قیام فرمایا اور مقدمے کا فیصلہ اپنے اتارِ محرم کے خلاف کیا اور کسی فریق کی صیافت قبول کئے بغیر وطن تشریف لے آئے (نذرہ ج ۱) لہ ”کتوب سید حمید الدین“ ۲۷ ”منظورۃ السعدا“ ۳۷۱ ایضاً

باقی تمام مرد چاروں کشتیوں کی چھتوں پر سوار ہوئے خود حضرت اپنے متعلقین کی کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔
 شام کو مغرب کی نماز اپنے کشتی پر پڑھی، نماز کے بعد اپنے سورہ فاتحہ پر وعظ فرمایا کشتیاں جب
 دھئی کے سامنے پہنچیں تو دریا کا اتنا زور تھا کہ وہ ٹھہرنہ سکیں اور آگے بڑھ گئیں، جو لوگ منظر کھڑے تھے انھوں نے
 آواز دی اور ملاہوں نے رسوں سے کھینچ کر تہائی شب گزر جانے کے بعد موضع کے سامنے ٹھہرایا، شیخ منظر علی
 صابز نکلے کھانا پکوا کر پالکیوں پر رکھ کر لائے تھے، جو قافلے کو تقسیم ہوا، ہر ایک نے سیر ہو کر کھایا اور باقی
 ناشتے کے لئے رکھ لیا گیا، مولوی محمد یوسف صاحب بھی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خشکی کے راستے سے آ کر قافلے
 سے مل گئے، اہل قصبہ صبح کے وقت سواری لے کر آئے اور حضرت کو اپنے مقام پر لے گئے اور وہاں کی گل
 مسلمان آبادی سلسلہ بیعت میں داخل ہو گئی، مردوں اور عورتوں میں سے کوئی باقی نہیں بچا۔

مشرکانہ رسوم و نشانات کا عملی ابطال

بہت لوگوں نے رات ہی کو حضرت کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، پھر اگلے دن صبح
 ڈیڑھ پہر دن پڑھے تک بیعت کی دھوم رہی، شیخ منظر علی صاحب کے دو تین سو آدمی جمع تھے، سب نے بیعت
 کی اپنے تمام بیعت کرنے والوں کے فرمایا کہ "بھائیو! بیعت کرنے کا حال یہ ہے کہ تم جو کچھ شرک و بدعت
 کرتے ہو، تعزیر بناتے ہو، نشان کھڑے کرتے ہو، پیروں اور شہیدوں کی قبریں پوجتے ہو، ان کی نذر و نیاز
 ماننے ہو، ان سب کاموں کو چھوڑ دو اور سوائے خدا کے کسی کو اپنے نفع و ضرر کا مالک نہ جانو اور اپنا حاتم
 نہ مانو، اگر یہ شرک و بدعت کرو گے تو فقط بیعت کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔"

یہ سن کر بہت لوگوں نے اسی وقت اپنے اپنے تعزیروں کے چوتھے کھوڑ ڈالے اور نشانوں
 اور پنجوں کی جو کچھ چاندی تھی، لاکر آپ کے نذر کی کہ آپ اسے اپنے مصروف میں لائیں۔

۱۷ کتب سید حمید الدین ۱۷۵ ایضاً ۱۷۵ "وقائع احمدی" ص ۶۰۲-۶۰۵

آپ نے مولانا عبدالحی صفا کو درسِ قرآن و حدیث اور وعظ و ارشاد کے لئے ایک تہ کیلئے وہاں
 اٹھرنے کے لئے فرمایا اور آپ سے مولانا محمد یوسف صفا اور ان کے ہمراہیوں کے کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔
 موضع ڈگڈگی کے متصل شیخ محمد پناہ سے اپنے فرزند محمد کفاح کنارے پر کھڑے ملا سوں کو آواز
 دے رہے تھے کہ کشتیوں کو کنارے لاؤ، حضرت کی اجازت سے ملا سوں نے کشتیاں کنارے لگائیں، باب بیٹے
 کشتی پر آئے اور مصافحہ و معانقہ کے بعد عرض کیا کہ "بڑی تمنا اور آرزو سے بد توں سامانِ ضیافت
 تیار کر رکھا ہے، اور دو سو آدمیوں کے قریب موضع کے اطراف و جوانب سے آکر بیعت کے ارادے سے
 غریب خانے پر جمع ہیں اور دو تین روز سے انتظار کر رہے ہیں اور میرے مہمان ہیں"۔
 حضرت نے کشتیوں کے باندھنے کا حکم دیا، سب مرد خشکی پر اترا آئے اور عورتیں کشتی پر ہیں،
 چار گھڑی دن لپے سے ایک گھڑی رات تک بیعت کرتے رہے۔

موضع ڈگڈگی میں بھی تعزیوں کے چوتڑے بہت تھے، یہاں کے لوگوں نے رات اندھیرے
 ہی میں پھاوٹے اور گدالیں لے کر تمام چوتڑے کھوڑنے اور پنجوں اور نشانوں کی چاندی جو دو سو
 روپے کے وزن کی تھی، لا کر آپ کے نذر کی کہ آپ اس کو خرچ میں لائیں۔

ایک شخص جو بہت پرانا تعزیہ اڑھاتا تھا، ہوا اور اس نے اپنے تعزیے کے چوتڑے کو جس پر اس نے
 ساٹھ روپے خرچ کر کے بڑا پختہ اور سنگین بنایا تھا، منہدم کرنے کی اجازت دے دی، حضرت نے اپنے دست مبارک
 سے اس پر پھاوٹا چلایا اور حاضرین نے اس کا خیر میں شرکت کی اس کی بنیاد بالکل گرا کر اس کو زمین کے برابر
 کر دیا اور اس پر مسجد کی بنیاد رکھی، دو روپے آپ نے اپنے پاس سے اس مسجد کی تعمیر کے لئے دیے اور تمام اہل قصبہ
 اس مسجد کی تعمیر کے لئے مستعد ہوئے، آپ نے دو رکعت نماز اس نئی مسجد کی بنیاد پر پڑھی اور بڑی طویل
 دعا فرمائی، حاضرین آمین کہہ رہے تھے، اور عجیب و غریب اثر اور دعا کی قبولیت کے آثار نظر آ رہے تھے۔

۱۔ "کتوب سید حمید الدین" ۲۔ "مخزن احمدی" ص ۶۶ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ۵۔ "کتوب سید حمید الدین"

دو پہر کو مولانا عبدالحی صاحب بھی قصیدہ دھٹی سے تشریف لاکر قافلے سے مل گئے اور کشتیاں روانہ ہوئیں۔

غیبی انتظام

ایک شام کشتیاں ایسے مقام پر پہنچیں جہاں آبادی کا کوئی نشان نہ تھا، آپ نے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا ملازمین نے عذر کیا کہ دریا کے کنارے سے پاؤ گوسن تک سخت کبیر اور دلہل ہے اور قطرہ افشانی بھی ہو رہی ہے، کھانا پکانے کی کوئی صورت نہیں آپ نے لوگوں سے کہا کہ اپنے چھوٹے بچوں کے لئے خود ہی کچھ کھانے کا انتظام کر لیں لوگوں نے کہا "اندھیرا ہو رہا ہے، ابر محیط ہے، ہو ابھی تیز ہے، اس وقت کھانا پکانے کا انتظام بہت دشوار ہے" اس وقت سب کو یقین ہوا کہ آج قاقہ ہے۔

ناگہاں دور سے کچھ مشعلیں نظر آئیں لوگوں نے قیاس آرائیاں شروع کیں کسی نے کہا "شاید اس فوج کے لوگ بیعت کے ارادے سے آتے ہیں" دوسرے نے کہا "یہ عورتیں معلوم ہوتی ہیں برسا میں ان کا دستوڑ ہے کہ حضرت خضرؑ کی نیاز دریا پر لا کر کرتا ہیں" کسی نے کہا کسی کی شادی ہوگی، بارات جا رہی ہوگی، ابھی یہ روشنی بند ہوئی جاتی ہے" کچھ دیر کے بعد دید بانوں نے عرض کیا کہ "مشعلیں قریب آگئیں" اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز گھوڑے پر سوار چند بالکیوں پر کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں؟ حضرت نے کشتی پر سے جواب دیا کہ "میں یہاں ہوں" انگریز گھوڑے سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لئے کشتی پر پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ "تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کر دیئے تھے کہ آپ کی آمد کی اطلاع کریں، آج انھوں نے اطلاع کی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت قافلے کے ساتھ آج تمہارے مکان کے سامنے پہنچیں، اطلاع پا کر غروب آفتاب تک میں کھانے کی تیاری میں مشغول رہا، تیار کرانے کے بعد لایا ہوں"۔

یہ صاحب نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے، کھانے کے قافلے میں تقسیم کر دیا گیا اور انگریز دو تین گھنٹے ٹھہر کر چلا گیا۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ انگریز کمپنی کے ملازمین میں سے نہیں تھا، بلکہ نسیل کا ایک تاجر تھا۔
 شام کو موضع پیرنگر میں کشتیوں کے لنگر ڈالا اور آپ کی طرف سے تمام قافلے کے لئے کھانا تیار ہوا۔
 صبح کو شاہ کریم عطا صاحب سجادہ نشین خانقاہ سلون کے خدام میں سے ایک شخص نے خیرنی پیش کی۔
 دوپہر کے وقت کشتیاں قصبر گتھی کے سامنے لنگر انداز ہوئیں اس وقت اور دو ستر روزہاں چھاڑوں
 کی طرف مضافت رہی زمانہ سواریاں شاہ زمان صاحب کے مکان میں گئیں اور تمام دن رہ کر پیدیا خیموں میں
 والیں آئیں پٹھان شرفا کی دستور آرات کو پیادہ چل کر ملاقات و صحبت کے لئے غصے میں آئیں اور عیسائی مشرف ہوئے۔

ایک عالم کی مخالفت حج

قصبر گتھی میں سا گیا کہ گڑھ کے رہنے والے مولوی یاد علی صاحب کہتے ہیں کہ ہندوستانیوں کے لئے
 سفر حج حرام ہے اس لئے کہ درمیان میں سمندر حائل ہے اگر جہاز ٹوٹ گیا تو نجات شکل ہے حضرت نے
 مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا امیل صاحب سے فرمایا کہ چالیس دیوں کے ساتھ قصبر گڑھ تشریف لے جائیں
 اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے ہندوستان اور تمام اسلامی ملکوں کے مسلمانوں پر قرآن و حدیث کے روئے
 حج کی فرضیت اور فضیلت بیان کریں اور وہاں کے لوگوں کو وعظ و ارشاد کر کے واپس تشریف لائیں،
 چنانچہ دونوں حضرات چالیس دیوں کے ساتھ گنگاپار کے قصبر میں تشریف لے گئے اور شاہ ابراہیم علی کی
 مسجد میں ہاں کے تمام رؤسا اور بااثر لوگ سامنے قرآن و حدیث کے قوی اور واضح دلائل کے ساتھ ہندوستان
 کے مسلمانوں کے لئے حج کی فرضیت اور فضیلت ثابت کی وہاں اٹھ کر شاہ منظر علی کے مکان پر آکر کھانا
 کھایا، کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر واپس آ ہی رہے تھے کہ مولوی یاد علی کا بھیجا ہوا آدمی ہندوستانیوں کے لئے
 سفر حج کی حرمیت کے بارے میں چند ضعیف ضعیف روایتیں جو بعض فتاویٰ کی کتابوں سے نقل کی گئی تھیں، کر آیا

اس پر فریقین کے درمیان کچھ بحث و مباحثہ ہوا اور باہر طہمی کچھ لوگوں نے بیچ میں بڑکڑکے اور رفع دفع کیا دونوں حضرات اپنے ہمراہیوں کے ساتھ وہاں چل کر دریا کے کنارے عصر کی نماز پڑھی اور دریا پار کر کے قافلے سے جا ملے۔ دوسرے روز وہاں کوچ ہوا، دوپہر کے وقت موضع جہان آباد کے نیچے، جو اودھ کی نوبلی کی مشرقی سرحد ہے، موضع کیمہ کے متصل رام پورہ کے گھاٹ پر کشتیاں لگیں شیخ حسن علی صاحب جو سفر حج سے ایک سال پہلے اپنے بھائیوں اور متعلقین کے ساتھ بیعت مشرق ہو چکے تھے، اپنے موضع کیمہ سے چل کر گھاٹ پر منتظر کھڑے تھے، انھوں نے پورے تین روز قافلے کی ضیافت کی اور اپنے چار بھائیوں اور اپنے گھر کی تمام مستورات کے ساتھ اپنے گھر کا سب سامان لے کر قافلے میں شریک ہو گئے۔ اہل قافلہ کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ سب دریا کے راستے سے سفر کرنا مناسب نہ معلوم ہوا، مولانا عبدالحی صاحب کو ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ خشکی کے راستے الہ آباد روانہ کر دیا گیا، حضرت خود باقی قافلے کے ساتھ کشتی پر روانہ ہو گئے۔

ہندووانہ وضع و معاشرت کی اصلاح اور دینی تعلیم و تربیت

اوجھنی میں شیخ لعل محمد صاحب جو حضرت کے بہت قدیمی مخلص مرید تھے، تشریف آوری کے منتظر کھڑے تھے، کشتیاں موضع اوجھنی کے نیچے نگر انداز ہوئیں شیخ لعل محمد صاحب نے عرض کیا کہ ہمارے مکار پروردگار چار چار کوس کی کشتیوں کے ڈھائی تین ہو مسلمان آپ کی آمد کی خبر سن کر بیعت کرنے کے واسطے جمع ہیں اور ہمارے یہاں ہیں۔

شیخ لعل محمد صاحب آپ کو لے گئے اور جو مسلمان ہاں جمع تھے، ان کو مرید کرایا اور حضرت کے ان کا حال بیان کیا کہ ”ان لوگوں کی چورائی بستیاں، نام کو تو مسلمان ہیں مگر سب کام ہندوں کے

۱۰ مکتوب سید حمید الدین ۱۰ ایضاً ۱۰ ایضاً

کرتے ہیں بہت بھی پوچھتے ہیں، ہولی دلوالی بھی کرتے ہیں اقلی کے پھول کے پتیل کے ترن میں کھانا پکاتے ہیں اور طریقہ اسلام سے محض بے خبر ہیں اپنے مرید تو کیا ہے، مگر کچھ دین اسلام کی تعلیم بھی ان کو کریں۔“
 آپ نے ان سے فرمایا کہ ”بھائیو! مرید تو ہم نے تم کو کیا مگر دس پانچ روز یہاں رہنے کی فرصت ہم کو نہیں جو ہم تم کو دینی تعلیم کریں سو اس کے لئے شیخ لعل محمد کو ہم اپنا خلیفہ کرتے ہیں جو کچھ نصیحت تم کو کریں، اس پر تم عمل کرنا تم ہمارے مرید ہو، تم ہمارے پیرو ہیں اور جو نہ مانو گے تو نہ ہم تمہارے پرزہ تم ہمارے مرید اس بنا کو خوب یاد رکھنا انھوں نے کہا ”آپ کا فرمانا ہم کو قبول ہے“ پھر مولانا عبدالحی صاحب نے دعا فرمایا اور جہنمی میں اور کشتیاں روانہ کر دی گئیں آپ کی کشتی اور ایک اور کشتی باقی رہی۔

ایک انگریز کی طرف سے دعوت

حضرت کے پاس ایک انگریز کی ہندوستانی بی بی آئی اور کہا کہ ”آج میرے یہاں آپ کی دعوت ہے“ آپ نے کہا ”ہماری کشتیاں آگے جاتی ہیں“ اس نے کہا کہ ”دعوت قبول کرنا تو سنت ہے“ آپ نے فرمایا ”تمہاری دعوت قبول کرنا سنت نہیں“ اس نے کہا کہ ”میری دعوت تو بڑے بڑے درویش اور مشائخ پیر زادے قبول کرتے ہیں اور اپنی عزت و بزرگی سمجھ کر کھاتے ہیں اور اس بات کی تمنا رکھتے ہیں اور جو کچھ نقد روپے دیتی ہوں وہ لیتے ہیں“ آپ نے کہا ”تمہارے یہاں کا کھانا اور نقد سب حرام اور نازا ہے اس نے کہا کہ ”پھر وہ لوگ کیوں کھاتے اور لیتے ہیں؟“ آپ نے فرمایا ”یہ مسئلہ ان کو معلوم نہ ہوگا“ وہ عورت اپنے گھر چلی گئی اور انگریز سے یہ حال کہا وہ اس مسئلے سے واقف تھا کہا ”وہ پادری صاحب کہتے ہیں“ پھر وہ فرنگی آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ”ہماری بی بی صاحب آپ کی دعوت کرنے آئی تھی“ آپ نے قبول نہ فرمائی، جو کچھ آپ نے اس امر میں سنا کہا، ہم نے اس کی زبانی سنا

لے ”واقع احمدی“ ص ۶۹۔ اس لئے کہ وہ انگریز کے پاس تھی تعلق نا جا رہا تھا، اور اس سلسلے کا سبب مال حرام اور نازا تھا۔

آپ نے بجا فرمایا، لیکن اگر ہم دعوت کریں، وہ تو آپ قبول کریں گے؟ آپ نے فرمایا، کیوں نہ قبول کریں گے؟ مگر ہماری کئی کشتیاں جا چکیں اور ہم بھی تیار نہیں، دعوت نہ کھانے کا یہ عذر ہے، اس نے کہا، ابھی آندھی چلتی ہے، دیکھا جا رہے، اب تک موقوف ہوئیں، آپ کی ضیافت ضرور کروں گا۔ آپ نے اس کا کہنا قبول فرمایا، اس دن اس کی دعوت کھائی، صبح کو بستی والوں میں سے کسی نے دعوت کی، دعوت کے بعد دوپہر کے قریب آپ سوار ہوئے، کشتیاں کھلیں۔

وہاں سے کوئی چار کوس موضع السرولی ہو گا، وہاں کا زمیندار شیخ وزیر نام آپ کو لینے وہاں آیا تھا عرض کی کہ حکم ہو تو میں آگے چل کر آپ کی دعوت کی تیاری کروں، آپ نے فرمایا، جب تک ہماری کشتیاں وہاں نہ پہنچیں، کھانا نہ پکانا، ان کو ادھر رخصت کیا، ادھر آپ روانہ ہوئے، آگے چل کر کئی کوس پر وہ تینوں کشتیاں بھی مل گئیں۔

جس گھاٹ پر شیخ وزیر نے کشتیاں ٹھہرانے کو کہا تھا، دریا کی طغیانی کے سبب اس گھاٹ سے کشتیاں کوس سوا کوس آگے نکل گئیں، شیخ وزیر لوگوں کو پکارتے رہے، ملاحوں نے نہ سنا، شیخ وزیر سواری لے کر وہیں پہنچے، کوئی ڈیڑھ سوا دیسوں کے ساتھ آپ ان کے مکان پر گئے، بہت لوگ بیٹھ ہوئے، رات پھر آپ وہیں رہے۔

اصلاح و تبلیغ

موضع السرولی میں سب لوگ ہندوؤں کی سی پوشاک پہنتے تھے، اور ویسے ہی ان کے تمام برتن تھے، آپ نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ ان بھائیوں کو کچھ وعظ و نصیحت کرو کہ شرک و بدعت کے جو کام کرتے ہیں، ان کو چھوڑ دیں، نماز روزے پر مستعد ہوں۔

اس نواح کی بستنیوں کے ہزار آدمیوں کے قریب اور بھی آئے تھے، ان کو بھی آپ نے مرید کیا اور

اپنے ہمراہیوں کو کہا کہ بھائیوں کو توجہ دو اور اللہ تعالیٰ کا نام بتاؤ، پھر کسی نے پندرہ پندرہ، پندرہ پندرہ
 آدمیوں کو بٹھا کر توجہ دی اور ایک ہی توجہ میں اسی وقت ان لوگوں کے لطائفِ ربّہ جاری ہو گئے
 اور بعضوں کا سلطان الذکر جاری ہو گیا۔

مولانا عبدالحی صمد نے وعظ کہا اور شرکِ بدعت کی قبا تعزیرِ جاری، قبر پرستی اور پیروں اور
 بزرگوں کی نذر و منت کی برائی کا بیان کیا، یہ سن کر اس لہتی والوں نے اسی وقت تعزیوں کے چوتھے
 کھوکھو کر برابر کر دیے اور علم اور پختہ توڑتا کر بانس تو جلا دیے اور ان کے کپڑے اور چاندی لاکر حضرت کے
 نذر کی کہ اپنے قافلے کے صرف میں لائیں اور اطراف کی لہتی والوں کو کہا کہ ہم بھی مکان پر جا کر یہی کام کریں گے۔
 گنگا کے دوسرے کنارے موضع پھیری ہے، اس توجہ کی لہتیوں کے کوئی تین ہزار آدمی بیعت
 کے لئے جمع تھے، انھوں نے بیعت کی اور وہ تمام لوگ محض حامی اور شاعر اسلام سے مطلق رہے، خبر تھے ہندوؤں
 میں اور ان میں بظاہر اصلاً امتیاز نہ تھا، تعزیرِ جاری، گور پرستی اور بت پرستی کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے،
 حضرت نے ان کو ان سب باتوں کی برائی سمجھائی، نماز روزے وغیرہ کی تاکید فرمائی، وہاں بھی تعزیوں
 کے چوتھے اور امام بالٹے تھے، اسی روز سب کھوکھو کر برابر کر دیے اور شڈوں اور شانوں کو توڑ کر بانس
 تو جلا دیے اور ان کا کپڑا اور چاندی سونا لاکر آپ کے آگے رکھ دیا، پھر مولانا عبدالحی صمد نے کچھ دیر وعظ فرمایا
 شام کے وقت قصبہ موستریاں کے نیچے جہاں شرفا کی بہت بڑی آبادی ہے، ادب دریا
 بڑی خوش قطع مسجد بنی ہوئی ہے، یہاں سے الہ آباد خشکی کے راستے سے ڈیڑھ کوس اور دریا کے راستے
 سے ڈھائی کوس ہے، کشتیاں نگر انداز ہوئیں، قافلے کے بہت سے لوگ خشکی کے راستے سے شہر کو روانہ ہوئے
 آپ کشتی پیدا نہ ہوئے، شہر الہ آباد میں شیخ غلام علی صمد کی توجہ کے مطابق بلوہ گھاٹ کشتیاں کیں، دریا
 راجہ اودت نرائن سنگھ کی سنگین بارہ دری میں سارے قافلے کا قیام ہوا، کشتیاں بارہ دری کے پائیں بانڈ

دی گئیں، اوپر کی منزل میں آگیا اور ستورا کا قیام تھا اور نیچے کی منزل پر تمام اہل قافلہ کا ہولنا عبدالحی صاحب اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تین روز پیشتر پہنچ کر اسی بارہ دی میں مقیم اور شیخ غلام رضا کے یہاں تھے۔

شیخ غلام علی صاحب

شیخ غلام علی صاحب الہ آباد کے رئیسِ عظم تھے، شاہانہ کارخانہ اور امیرانہ ٹھاٹ تھے، شو تو فقط خدمتِ کار تھے، جو اپنی نوکری پر حاضر ہوتے، وہ دونوں وقت شیخ صاحب کے دسترخوان پر کھانا بھی کھاتے کئی طبیب ملازم تھے اور الگ و خانہ تھا، یہ اذن عام تھا کہ غریب محتاج جس دوکے لئے آئے رہے جائے، شیخ صاحب کے مطبخ کا یہ بند و بست تھا کہ جب یہ قافلہ ٹھہرائے، تو سب ملاکر دونوں وقت ڈیڑھ دو ہزار آدمیوں کا کھانا پکاتا تھا۔

شیخ غلام علی کی عاشقانہ کیفیت اور شاہانہ ضیافتیں

شیخ صاحب نے کمال مسرت اور کشادہ پیشانی کے ساتھ پورے بارہ روز تک قافلے کی ضیافت کی دونوں وقت روزانہ قورمہ، پلاؤ، زردہ اور تازی مٹھائی بڑی افراط کے ساتھ دسترخوان پر تھی۔ پونے روز شیخ صاحب بڑی عقیدت مندی کے ساتھ بیعت کے لئے حاضر خدمت ہوئے، ایک کشتیوں میں کم خواب، شروع کے تھان اور کئی جوڑو شالے، تینوں ہل اور خاکے تھا اور ستورہ ایسے خوبصورت اور نادر ہتھیار، جو امیروں کے سلاح خانوں کے سوا کہیں نہیں مل سکتے، اور پانچ سو روپے نقد تقریباً تین ہزار مالیت کی نذر پیش کی اور بیٹوں، پوتوں اور ستورا اور اپنے عملے اور ملازمین کے ساتھ بیعت ہو گئے۔ دوسرے روز فی تھان پانچ چھ روپے کی قیمت کے ایک سو بیس تھان حجاج کے جامعہ احوال

۱۷ "مکتوب سید سعید الدین" ۱۷ "ذوالحجہ احمدی" ۱۷۳۶-۲۳۷

کے لئے اور دو سو چالیس گاڑھ کے تھان جن میں سے ہر تھان میں دو پتے قیمت کا ہو گا تمام اہل قافلہ کی پوشاک کے لئے اور پانچ سو روپے نقد ضروری اخراجات کے لئے اور بہت سے تحائف اور نفیس چیزیں جن کا ذکر موجب تطویل ہے، پیش کش کریں۔

اس کے علاوہ اللہ آباد کے قیام میں روزانہ اپنے گھر کی نفیس گراں بہا اور نادرا الوجود چیزیں اور تحائف نذر کرتے قافلے کی روانگی کے قریب شیخ صفی نے قافلے کے تمام لوگوں چھوٹوں، بڑوں مردوں و عورتوں کو شمار کرایا اور فی کس ایک روپے کے حساب کچھ اوپر چار سو روپے حضرت کی خدمت میں پیش کئے کہ مساوی طور پر قافلے میں تقسیم کر دیئے جائیں اچنانچہ یہ رقم اسی وقت اہل قافلہ کو تقسیم کر دی گئی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ سرکار سے قافلے کے کھانے پر شیخ صاحب کے روزانہ ایک سو چالیس روپے صرف ہوتے تھے، تمام ہدایا و تحائف اور روزانہ مصارف کا تخمینہ اہل نظر نے دس ہزار روپے لگایا۔ شاہانہ اولوالعزمی اور دیادلی کے باوجود شیخ صاحب ہر مرتبہ اپنی بے لگائی اور ہیبتی کا عذر کرتے ایک وزیر شیخ صاحب کے گھر کی بیدیاں حضرت کے زنان خانے میں آئیں اور والد صاحب سے سید محمد اسماعیل اور والدہ صاحبہ بی بی سارہ کی خدمت میں انسی انسی روپیہ پیش کئے۔ قافلے کے علاوہ قریب ہزار کے صد ہا ارادت مند اور فقرا اور غریب جمع ہو گئے تھے اور دو وقتہ شیخ صاحب کے یہاں کھانا کھاتے تھے اور بہت سے باندھ کر لے جاتے تھے۔

شیخ صاحب نے ایک بڑا خیمہ جس میں دو خیمے شامل تھے اور دس بارہ چھوٹے خیمے چابک دست خیمہ فزوں سے تیار کرا کر نذر کئے اور چار ہزار پانچ سو روپے مصارف سفر کے لئے پیش کئے بعض لوگوں کا تخمینہ ہے کہ بیس ہزار روپے شیخ صاحب نے مجموعی طور پر صرف کئے ہوں گے۔

شیخ صاحب کا یہ معمول تھا کہ جتنی مرتبہ آپ کی خدمت میں آتے کوئی عمدہ پیش قیمت ہتھیار

ضرورتاً دن میں ایک بار بھی دو بار بھی، حضرت نے فرمایا کہ "ابھی تو ہم حج کو جاتے ہیں وہاں ہتھیار لے جانے کی کچھ ضرورت نہیں، آپ ہر وقت اور ہر روز یہ تکلیف کیوں کرتے ہیں وہاں سے جب اللہ تعالیٰ ہم کو معاف کرے گا، لائے گا، تب ہم آپ سے لے لیں گے" شیخ صاحب نے جواب دیا کہ اول تو مجھ کو یہ معلوم نہیں کہ آپ کہاں جہاد کریں گے، اس ملک میں یا کسی اور ملک میں پھر مجھ کو خود اپنی زندگی کا بھروسہ بھی نہیں، اگر میں مر گیا تو میری آرزو باقی رہ جائے گی، آپ اس کو لے جائیں، پھر آپ کو اختیار ہے، جہاں چاہیں وہاں رکھ دیں۔

الہ آباد اور اس کے نواح میں اصلاح و تبلیغ

الہ آباد میں شہر اور بیرون نجات کے ہزاروں ہزار مرد اور عورتوں نے بیعت کی، بعض لوگوں کا اندازہ تھا کہ شاید شہر میں کوئی مسلمان باقی نہیں رہا، جس نے بیعت نہ کی ہو۔

شہر اور باہر کے بکثرت زمیندار جمع تھے، حضرت نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا "ان زمیندار بھائیوں کو نماز روزے، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے ضروری مسائل کی تعلیم کر کے ہمارے پاس لاؤ، پھر جو ہم کو کہتا ہو گا، ہم کہہ دیں گے" مولانا نے وہیں کوٹھی کے ایک مکان پر بٹھا کر ان کو ضروری مسائل تعلیم کئے اور آپ کی خدمت بابرکت میں لے گئے، آپ نے شیخ نعل محمد شیخ وزیر اور ان کے بیٹوں کو، چھری کے دونوں بھائی زمینداروں کو خلافت نامہ دیا اور اپنا خلیفہ کیا اور جن کو انھوں نے اپنے اپنے آدمیوں کے لائق جانا ان کے لئے کہا، آپ نے ان کو بھی اپنا خلیفہ کیا اور کسی کو کرتہ اور کسی کو عمامہ کسی کو تاج عطا فرمایا اور سب کے لئے دعا کی، شیخ وزیر کو برکت کا ایک پیر عطا فرمایا اور سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "کچھ مدت آپ بھائیو! شرفی اللہ اپنے نواح و اطراف کی بیٹیوں میں دورہ کرو اور مسلمانوں کو توحید اور اسلام کا طریق سکھاؤ اور شرک، بدعت، بچاؤ، اللہ تعالیٰ تم کو اجر عظیم عطا فرمائے گا" یہ سن کر لوگوں نے عرض کیا کہ "آپ کا فرمانا بجا اور درست، مگر ہم کو عذریہ ہے کہ اول تو ہم اقسام

شُرکِ بدعت سے واقف نہیں کہ کن کاموں کو شرک کہتے ہیں اور کن کو بدعت اور دوسرے یہ کہ تمام لوگ عوام
 کالائعاً شعارِ اسلام سے محض ناواقف ہیں ان کو یہ باتیں سکھانا اور راہِ راست پر لانا تو ہم لوگوں کی بہت ذمہ داری
 آپ نے فرمایا ان کی ہدایت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے یہ نہ میرے اختیار میں نہ تمہارے تم جو جو
 اسلام میں بشری الشریعت کو شش کر کے تو اس کا اجر عظیم خدا سے پاؤ گے اور مفت میں جنت کماؤ گے۔
 پھر آپ نے شیخ غلام علی صائیس سے کہا شیخ بھائی، تمہارے علاقے کی بستوں میں جو مسلمان بستے ہیں
 ان کی تعلیم و تلقین کے لئے ہم نے تم کو مقرر کیا، ان زمیندار لوگوں کا اکثر کاروبار سرکار سے تعلق رکھتا ہے
 تم ان کے حامی کار اور مددگار ہو اور وہ تمہارے سرکار کے مالگزار ہیں قدر تم سے ہو سکے ہر ایک کی ایفیت کے
 موافق روپیہ لینے میں تخفیف کرو، جہاں پر تمہارا احسان ہو گا تب جو کچھ تم ان سے کہو گے، بے انکار سنا لیں گے۔
 شیخ صاحب نے اسی وقت اپنے چہرے سے کہا کہ ہمارے گوشے خالی کے داروغہ نصر کو بلاؤ شیخ صاحب
 نے تاکید ان سے کہا کہ جو زمیندار ہماری بستوں کے یہاں تحصیل کا روپیہ لے کر آئیں وہ ہم سے بے ملے جانے پائیے۔
 پھر آپ نے حافظ اکرام الدین دہلوی کو جو وہاں بوتوں کی دوکان کرتے تھے بلایا اور ان سے
 فرمایا کہ ہم تم کو اپنا خلیفہ بنا دیں گے اور اوجھنی اور اسرولی وغیرہ کے جو بھائی یہاں ہیں ان کو تمہارا
 تابع کریں گے تم الہ آباد کے اطراف نواح کی بستوں میں لوگوں کی ہدایت کے واسطے دورہ بھی کرنا
 اور ہر جگہ کو شیخ صاحب کے اس ننگلے پر وعظ بھی، ان کے لئے آپ نے دعا کی۔

الہ آباد سے کلکتے تک تمام شہروں اور بستوں کے لوگوں میں کیا شرفا اور کیا غریبا علی العموم
 برسوں سے یہ رسم تھی کہ شادی عجمی کی دعوت وغیرہ میں جو لوگوں کو کھانا کھلاتے تو ہنڈوں کی طرح
 دیہاتی لوگ پتروں میں کھلاتے اور اکثر شہر والے مٹی کی رکابیوں میں اور کھانا کھانے کے بعد جو کچھ بچتا
 اس کو پتروں اور رکابیوں سمیت گھولے پر پھینک دیتے، جب آپ نے لوگوں کا یہ حال سنا اور دیکھا،

آپ کو یہ عادت نہایت بُری اور ناپسند معلوم ہوئی، اول تو اس عادتِ بد سے شیخ غلام علی صاحب کو منع کیا اور فرمایا کہ یہ کھانا نعمتِ الہی ہے اور جنابِ سروردو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کے جھوٹے میں ثقاہے، سو اس کو اس طرح ذلتِ خواری کے ساتھ پھینکنا جیسے کوئی گندگی کو پھینکنا ہے، کمال ہے ادبی اور نہایت بُری رسم ہے۔“

یہ بات سن کر شیخ صاحب نے تو اس فعل سے توبہ کی اور جن لوگوں نے سنا وہ بھی تائب ہو گئے، آپ نے حافظ اکرام الدین صاحب سے فرمایا کہ ”جہاں کہیں تم وعظ کہتا اور شرکِ بدعت کی برائی بیان کرنا، وہاں اس رسمِ بد کی بھی برائی ضرور بیان کرنا اور یہ بری عادت لوگوں سے چھڑانا۔“

قلعے کے مسلمان سپاہیوں کی عقیدت

قلعہ الہ آباد میں جو مسلمان سپاہی مختلف خدمات پر تعین تھے، اور جن کی تعداد میں تھے انھوں نے انگریز قلعے دار کی اجازت سے حضرت کو قلعے میں تشریف لانے کی زحمت دی، شہ نشین پر جو سلاطین سابق کی تخت گاہ تھی، آپ کو بٹھایا اور بڑے خلوص و اعتقاد کے ساتھ بیعت کی اور قدیم مریدین کی توجہاتِ باطنی سے بڑے بڑے فیوض اور برکات حاصل کئے، پچاس روپے نقد ایک پتول، ایک انگریزی گرج اور ایک قرڈناٹ پیش کیا، دوسرے روز پورے قافلے کی پرکلف ضیافت کی۔

الہ آباد کے دوسرے مخلصین

الہ آباد میں شیخ غلام علی صاحب کے علاوہ جو یہ سنا اور قافلے کے مستقل میزبان تھے، جن لوگوں کو خدمت کی سعادت حاصل ہوئی، ان میں شیخ محمد تقی ایسی میاں نجیب خاں میواتی،

رنجیت خاں جوتے کے سوداگر، حافظ نجابت علی محمد حسین، عبدالقادر قابل ذکر ہیں۔

رؤسائے الہ آباد میں سے مولوی کرامت علی صاحب نے بھی بیعت کی، سفیدے اور شہینے کے تھان جن کی قیمت کا اندازہ دو سو روپے لگایا جاتا ہے، نذر کئے، ایک روز پورے قافلے کی پرکلفت دعوت کی اور چالیس روپے نقد پیش کئے۔

دوروز آپ کا قیام شاہ اجمل صاحب کے مکان پر رہا، شاہ صاحب نے آخری مرض میں مبتلا تھے، شاہ صاحب نے چالیس روپے بہ تقریب صیانت اور دو خوشنما رضائیاں ہدیہ پیش کیں۔

الہ آباد سے روانگی سے پہلے آپ نے مولوی وحید الدین صاحب کے حقیقی چچا حافظ احمد الدین صاحب کو اہل الہ آباد کی تعلیم و تلقین کو اور حافظ صاحب موصوف کے صاحبزادے سعد الدین کو اہل قلعہ کی تعلیم کے لئے چند دن ٹھہرنے کا حکم دیا۔

مولانا محمد اسمعیل صاحب کو ایک سو پندرہ آدمیوں کے ساتھ خشکی کے راستے سے مرزا پور روانہ فرمایا تیرہویں دن مستورات کو نماز صبح سے پہلے بارہ دری سے پیادہ پاكشتی تک پہنچا کر باشندگان الہ آباد سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے اور الہ آباد سے دوسری منزل مرزا پور ہوئی۔

مرزا پور

مولانا محمد اسمعیل صاحب اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خشکی کے راستے سے چار گھنٹے پیشتر شہر پہنچ چکے تھے، اور شیخ شاہ محمد صاحب سوداگر کے مکان پر مقیم تھے، سوداگر صاحب قافلے کے منتظر اور کھانے کی تیاری میں مشغول تھے، تھوڑی دیر میں دونوں قافلے یکجا ہوئے اور سوداگر صاحب کے مکان پر سب کے لئے کھانا

۱۵۰۰ وقائع ص ۶۲۱ ۱۵۰۰ مکتوب بیہمد الدین ۱۵۰۰ یکم ذی الحجہ ۱۲۳۶ھ کو شاہ صاحب نے انتقال کیا (زہرہ الخواجا)

۱۵۰۰ مکتوب بیہمد الدین ۱۵۰۰ ایضاً ۱۵۰۰ شیخ عبداللطیف سوداگر (وقائع احمدی)

تیار ہو کر آیا، دوسرے روز سوداگر صاحب نے ایک بڑا خمیہ لب دریا نصب کیا اور قافلے کی تمام ضرورتیں
 یہاں لیں اور تمام اہل قافلہ کے لئے اپنے یہاں سے کھانے کا انتظام کیا، مستورات کے لئے حسب دستور
 قافلے کا خمیہ لگا گیا، شیخ صاحب کی درخواست پر ایک ہفتہ قیام کا ارادہ کر لیا گیا۔

تیسرے روز شیخ صاحب اپنے تمام بھائیوں، بچوں اور مستورات سمیت بیعت میں داخل ہوئے
 اور پانچ سو روپے نقد اور ایک بوڑھی پستول، تقریباً بیس تھان ملل، مینوں اور شروع وغیرہ کے
 اٹھارہ تھان گاڑھے کے، قافلے کی پوشاک کے لئے پیش کئے۔

دوسرے روز مرزا پور کے تمام مسلمان باشندے بیعت میں داخل ہو گئے، مرزا پور کے پٹھان
 شرفا جو وہاں کے قدیمی زمیندار ہیں اپنے متعلقین کے ساتھ بیعت ہوئے، ایک شرفی نذر گزرائی او
 ایک روز اپنی طرف سے قافلے کا کھانا کیا، مولوی فرزند علی صتانے گاڑھے کے چالیس تھان اہل قافلہ
 کی پوشاک کے لئے اور اسی روپے مولانا عبدالحی صتا و مولانا محمد اسماعیل صتا کی خدمت میں پیش کئے،
 حضرت سے بیعت کی اور بتا دیا کہ بیعت کرنا قافلہ ہونے کا وعدہ کیا۔

دوسرے حضرات کی دعوتوں اور ضیافتوں کے علاوہ مرزا پور کے زمانہ قیام میں روزانہ
 کھانا سوداگر صاحب کے گھر سے آتا رہا۔

انصاف و ایثار

قافلے کی کشتیوں کے گرد و پیش سوداگروں کے مال و اسباب کی کچھ کشتیاں پہلے سے کھڑی
 تھیں مرزا پور کے سوداگر جو لینے آئے تھے، ملاحوں سے کہنے لگے کہ ان کشتیوں کو یہاں سے ہٹا کر اور
 جگہ لے جاؤ، حضرت نے فرمایا کہ "نہیں یہ کیا بات ہے؟ ہماری کشتیاں رات کو آئی ہیں اور یہ پہلے سے

۱۰ "مکتوب سید حمید الدین" ۱۰ ایضاً

یہاں کھڑی تھیں ان کو جہاں میں وہیں رہنے دو انھوں نے عرض کیا کہ "حضرت یہاں کا یہی قانون ہے کہ کسی معزز شخص کی ناؤ آتی ہے تو سوداگروں کے مال کی کشتیاں ہٹادی جاتی ہیں" آپ نے فرمایا کہ "ہم کو تمہارے یہاں کا یہ قانون پسند نہیں ہے کہ اپنے کو آرام، دوسرے کو ایذا دیں"۔

خدمت اور عام نفع رسائی

گھاٹ پر روئی سے لدی ہوئی ایک ناؤ کھڑی تھی، روئی کا مالک مزدوروں کا منتظر تھا کہ اس روئی کو لاد کر گودام لے جائیں، آپ نے اپنے ساتھ بیوی لے کر گھٹے اتار لوٹا دیا آدمی اس کشتی میں لپٹ گئے، اور دو گھڑی کے عرصے میں ناؤ خالی کر کے روئی گودام کے دروازے پر پہنچادی، لوگ یہ حال دیکھ کر متحیر ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ لوگ تو عجیب طرح کے ہیں کہ روئی والے سے نہ جان نہ پہچان، بے مزدوری بشرقی الشرا سے ان کا کام کر دیا، بے شک، یہ اللہ والے لوگ ہیں۔

گدھے والوں کی دعوت میں شرکت

مرزا پور میں سات گھر مسلمان خشت پزروں (اینٹ پکانے والوں) کے تھے، وہ بڑے دولت مند تھے، ہر کسی کے یہاں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ گدھے، بچر تھے، جو ان سے اینٹیں ہول لیتا اور بار بار درباری کی مزدوری دیتا، وہ ان گدھوں، بچروں پر لاد کر بھجوا دیتے، شہر میں وہ گدھے والے کر کے مشہور تھے، اگرچہ قوم کے وہ شریف تھے، مگر اس نام اور پیشے کی حقارت و کراہت کے سبب سے مرزا پور کے مسلمان شرقاً و غرباً ان کے گھر کا کھانا پانی کھاتے پیتے نہ تھے، ان لوگوں نے حضرت سے عرض کی کہ غریب خانے پر شریف لائیں اور سب سے مشرف کریں، آپ نے منظور فرمایا، وہاں کے مسلمانوں نے عرض کیا کہ "آپ ان کے یہاں

نہ جائیں یہ لوگ گدھے والے ہیں، شہر کا کوئی مسلمان ان کے گھر کا کھانا پانی نہیں کھاتا پیتا“ آپ نے فرمایا ”یہ کیا بات ہے؟ یہ بھی تو مسلمان بھائی ہیں، حلال پیشہ کرتے ہیں اس پیشے میں کوئی برائی عیب نہیں، اس کو معیوب جاننا بہت معیوب ہے، اس لئے کہ گدھے، خچر پالنا، ان پر سوار ہونا سنت ہے انبیاء اور اولیائے گدھے، خچر پالے ہیں اور ان پر سوار ہوئے ہیں اب تک حرمین شریفین کا یہی دستور ہے“ آپ نے ان کو نصیحت اور فہمائش کی اور خشتِ پیروں کو تسلی دی کہ ہم ضرور تمہارے یہاں آئیں گے اور دعوت کھائیں گے، چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور کھانا تناول فرمایا۔

کھانے کے بعد ان لوگوں نے ایک تھالی میں تین ہویا چار سو روپے پیش کئے اور بہت سے کم خواب گلبدن، مشروع، جامدانی، محمودی نمل وغیرہ کے تھان حاضر کئے، آپ نے کچھ نہ لیا، انھوں نے بہت اصرار کیا آپ نے کسی طور نہ مانا، جب وہ دلگیر ہوئے تو آپ نے بعد میں فرمایا کہ ”ہمارے نہ لینے کا سبب یہ ہے کہ اگر ہم لینے تو تمہارے شہر کے لوگ یہ جانتے کہ سید صاحب نے فقط روپوں کے لالچ سے ان کی دعوت کھائی اور نہ کبھی نہ کھاتے! اب انشاء اللہ تعالیٰ وہ بھی تمہارے کھانے پینے کو مکروہ نہ جانیں گے اور کھائیں پیں گے“

مرزا پور میں پہلے دن نماز کا وقت ہوا، آپ نے مسجد دریافت فرمائی، شیخ عبداللطیف صاحب نے عرض کیا کہ ”ایک مسجد میری تعمیر کی ہوئی ہے، اور ایک مسجد شیخ محمد رضا رئیس مرزا پور کی ہے، ان کی بہت بڑی برادری ہے، لیکن ابھی تک ان کو بدعات اور منکرات سے اجتناب نہیں، اگر اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے دے تو ان کی وجہ سے بہت لوگوں کو ہدایت ہو جائے گی“ آپ محمد رضا صاحب کی مسجد میں نماز کے لئے تشریف لے گئے، ان صاحب نے خود مسجد کا اہتمام کیا اور اہل برادری کو جمع کیا اور نماز کے بعد اپنی کوتاہی کی معافی چاہی اور متعلقین خاندان و برادری سمیت بیعت ہو گئے۔

گرد و نواح کے بھی ہزاروں آدمیوں نے بیعت کی اور شرک، بدعت وغیرہ سے نائز و مجتنب ہوئے۔

ان دنوں ایک بڑی خراب ہوا چلی، شہر کے بہت آدمی بیمار ہوئے اور کئی موتیں ہوئیں، شاہ حسن علی کیمہ کے رہنے والے، جو شریک سفر تھے، ان کی ایک ہی بیٹی چودہ برس کی عمر کی تھی، وہ بھی اسی بیماری میں گئی، محمد ہاشم باشندہ لکھنؤ بھی بیمار ہو کر جہاں بچن ہوئے اور پٹھانوں کے قبرستان میں دونوں بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ دفن کئے گئے، شاہ حسن علی کے ایک بھائی بھی بیمار ہوئے اور زندگی کی امید نہ رہی، اسی اثنا میں قافلے کا کوچ ہو گیا، بنا برس پہنچ کر الشرنے ان کو شفا دیا۔

اسلامی معاشرت و مساوات

مولانا عبدالحی حسنانے کے وعظ سے ایک بازاری عورت تائب ہوئی، حضرت سید عبدالرحمن حسنانے سے فرمایا کہ اس کو کشتی پر بٹھا دو، وہ عورتوں کی کشتی پر لے گئے، ان عورتیں چھینے لگیں کہ یہاں کوئی جگہ خالی نہیں ہے، دوسری ناؤ پر بٹھاؤ، سید عبدالرحمن حسنانے حضرت سے ذکر کیا، آپ نے مولوی وحید الدین صاحب سے فرمایا کہ اس نیک بخت کو کسی جگہ لے جا کر بٹھا دو، انھوں نے عورتوں سے کہا، انھوں نے کہا کہ بازاری عورت ہے، ہم تو اپنی ناؤ پر نہیں بٹھائیں گے، سید عبدالرحمن حسنانے سید حسنانے سے ذکر کیا، مولانا عبدالحی حسنانے یہ بات سنی اور وہاں سے اٹھ کر کشتی کے قریب ہو گئے، اور سب عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم اس نیک بخت کو اپنی ناؤ پر کیوں نہیں بٹھاتیں؟ آج اس نیک بخت نے سب مجھے کاموں سے توبہ کی ہے، اس وقت تم سب سے افضل ہے، اور جو کچھ خدا اور رسول کا شرعی حکم تم پر ہے، وہی اس پر ہے، ان سب نے کہا، اگر یہ بات ہے، تو اس کو پردہ کر اگر چھت پر الگ بٹھا دو، مولانا نے کہا کہ چھت پر کیا تم میں کوئی نہیں بیٹھ سکتی؟ وہی کیوں جا کر بیٹھے؟ اس میں کچھ اور زیادہ گفتگو ہوئی، مولانا نے خفا ہو کر فرمایا کہ اس میں عبدالحی کی جو بیوی ہو،

۱۷۰ مکتوب سید حمید الدین

وہ چادر اوڑھ کر کشتی پر سے اتر آئے تین بار یہی حکم فرمایا، دو بار کہنے سے تو وہ نہیں اتریں، تیسری بار جب مولانا نے فرمایا کہ ”جس طور سے شرعی پردہ تم کو بتایا ہے اسی طور چادر اوڑھ کر چلی آؤ، پھر اسی طرح سر سے پاؤں تک چادر اوڑھ کر مولانا صاحب کی بیوی ناؤ سے اتر کر خشکی میں کھڑی ہو گئیں، مولانا کچھ دور کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ ”کیا گھر میں ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اس سفر میں تم کو چکی بھی پسینی پڑے گی، روٹی بھی پکانی پڑے گی، جو ضروری کام ہیں سب کرنے پڑیں گے، پیروں بھی چلنا ہو گا؟ جب تم نے یہ سب قبول کیا تب ہم نے تم کو سا تھو لیا۔“ اس عرصے میں دور سے سید صاحب نے یہ معاملہ دیکھا وہیں سے پکار کر کہا ”ہاں، ہاں مولانا صاحب! تم نے کیا حرکت کی؟ یہاں تشریف لاؤ“ مولانا نے کہا ”حضرت آتا ہوں“ یہ جواب دے کر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر آواز دی کہ دیکھو، عبدالحی کی بیوی کھڑی ہے اور شرعی پردہ خدا اور رسول کے حکم کے موافق اس کو کہتے ہیں اور یہ بات تین بار فرما کر اپنی بی بی سے کہا کہ اب میں ناؤ پر جا کر بیٹھو اور آپ سید صاحب کے پاس حاضر ہوئے۔

پھر وہاں سے مولانا محمد اسماعیل صاحب اسی ناؤ کے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور مولوی وحید الدین صاحب سے کہا ”ہماری بہن بی بی رقیہ سے کہہ دو کہ اس عورت کو اپنے پاس بلا کر بٹھالیں اور اس کو نیک باتیں نصیحت کریں اور دین اسلام کی باتیں سکھائیں“ بی بی رقیہ بھی یہ باتیں سنتی تھیں، مولوی صاحب سے کہا کہ ”بھیا سے کہہ دو کہ اس کو یہاں بھیج دیں“

سفر میں عورتوں کی نماز

ایک مقام پر مولانا عبدالحی صاحب نے پردے کا انتظام کر کے اپنی بیوی کو اتارا اور

لہ ”وقائع احمدی“ ۶۲۹-۶۵۱

ان سے نماز پڑھوائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ ”صاحبو! دیکھ لو عبادِ اِچھی کی بیوی نماز پڑھ رہی ہے“
اس پر اور لوگوں نے بھی اپنی اپنی بیویوں سے نماز پڑھوائی۔

بدعات پر برادری کی سزائیں

مرزا پور میں محمد خاں نے اپنی برادری میں یہ قانون جاری کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کے تعزیے میں شریک ہو اور تحقیق ہو جائے تو برادری کی دعوت کے واسطے پچیس روپے جرمانہ اور جو عشرہ محرم کے اندر کھچڑہ پکائے یا شربت کمرے اس سے گیارہ روپے جرمانہ اور جو کسی کا تعزیہ دیکھنے جائے اس کے جرمانے میں ایک طالب علم کو ایک مہینہ اپنے گھر کھانا کھلائے اور جس کی ایک وقت نماز فرض قضا ہو جائے اس کے تیس زیر بند لگائے جائیں۔

مرزا پور سے چلتے وقت آپ نے حافظ قطب الدین اور قادر شاہ کو اہل مرزا پور کی تعلیم و ترقی کے لئے چند دن بھر کر آنے کی اجازت دی ڈیڑھ سو آدمیوں کو آپ نے مولانا محمد اسماعیل صاحب کی معیت میں خشکی کے رستے سے بنا میں روانہ فرمایا اور خود مرزا پور سے روانہ ہو کر ظہر کی نماز ایک بڑی جماعت کے ساتھ چنار گڑھ کے قلعے کے نیچے پڑھیں، یہیں شیخ عبداللطیف اپنی والدہ اور ایک دوسرے شخص کے ہمراہ اور مال تجارت کے ساتھ کرائے کی ایک دوسری کشتی لے کر شریک سفر ہوئے۔ چنار گڑھ میں بھی بہت لوگوں کو ہدایت ہوئی، آپ نے جس کو خلافت عطا فرمائی وہ شیخ کامل ہو گیا، بہت لوگ اس کے مرید بن گئے، اور ہر ایک کو نسبت باطنی حاصل تھی اور سب موجود تھے۔ سنت تھے، شریعت کے موافق اپنی شادی غمی کا کاروبار کرتے تھے اور شریک بدعت کی کوئی رسم اور چال نہیں ہوتے پاتی تھی۔

لے امیر الروایات لے وقائع احمدی ص ۶۵۶ لے مکتوب میر حمید الدین لے وقائع احمدی ص ۶۶۱
ہے ایضاً ص ۶۶۱-۶۶۲

گیارہواں باب

بنارس ناکلکتہ

بنارس میں آپ کی قیام گاہ

۸ رذی الحجہ کو بنارس کے جلسا میں گھاٹ پر کشتیاں لنگر انداز ہوئیں، حضرت چند آدمیوں کے ساتھ محلہ کنڈی گراں میں شاہ ابراہیم شرقی کی مسجد میں تشریف لے گئے، رؤساء شہر نے قافلے کی سکونت کے لئے دو بے کی جویلی تجویز کر رکھی تھی، وہ حضرت کو آکر جائے قیام پر لے گئے، مکانات متعدد اور کشادہ تھے، اہل قافلہ کو جبکہ فراغت سے ملی۔

بارش کا موسم تھا اور یہاں آپ کے صدمہ مرید تھے، اس لئے ایک مہینہ قیام کا ارادہ فرمایا اور صاحب عیال اشخاص کے لئے کرائے پر اور کچھ مستعار مکانات لئے۔

رؤساء شہر کا رجوع اور استفادہ

مرزا بلاتی شہزادہ اپنی والدہ اہل خانہ متعلقین اور ملازمین کے ساتھ بیعت ہوئے، اور تین روز تک عوت کی اور برکاتِ صحبت حاصل کئے، حیات النساء بیگم نے جنھوں نے بیعت کے دن اگسٹ بروک فرنگی سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، اور تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا، دل کھول کر تواضع

۱۹۱۰ء "مکتوب بیہمدالدین" ص ۱۹۱ "مخزن احمدی" ص ۱۹۱

وضیافت کی مولوی عبدالشکر بھولا چاکہ وارا اور نور پافوں کے تقریباً دو ہزار آدمیوں نے بیعت کی، میرا
 الشکر بھولا، محمد دین محمد وغیرہ کے درمیان جو اپنی برادری کے سرگروہ تھے، ساہا سال سے نزاع اور اختلاف تھا۔
 آپ کی کوششوں سے ان میں ملاپ ہو گیا، اور ان سب کے گورپستی اور تعزیری سے توبہ کی۔
 عبدالاصحی بنارس ہی میں ہوئی، سو جانور آپ نے اپنے ہاتھ سے ذبح کئے۔

بنارس میں مصروفیت

بنارس میں پندرہ سولہ روز تک پانی کی چھڑی لگی رہی، اس بارش میں ہاں کے لوگ اپنے
 گھروں میں حضرت کو بیعت کے واسطے جاتے، بعض دفعہ آدھی رات گئے مکان پر تشریف لاتے کھچڑ اور
 سیلاب کے باوجود آپ آنے جانے میں کسی سے عذر و حیلہ نہ کرتے، میا دین محمد کہتے ہیں کہ "بنارس میں جس وقت لوگ
 آپ کو لینے آتے، اسی وقت آپ کے ساتھ چلے جاتے، اندھیری رات بجلی حکمتی ہوئی، مینہ برتا ہوا، لاشیں
 روشن آپ لے گوں کے ہمراہ گھر گھر بھرتے اور لوگ بیعت ہوتے، بعض وقت رات بہت ہو جاتی تو لوگوں سے
 فرماتے "بھائیو! اب تم کو چھوڑ دو، انشاء اللہ تعالیٰ اور وقت آئیں گے" کبھی کوئی کہتا کہ "حضرت
 میرا مکان قریب تشریف لے چلے، کسی اور وقت خدا جانے آپ کے آنے کا اتفاق ہو یا نہ ہو" پھر اس کی
 خاطر بھی آپ اس کے مکان میں جاتے وہاں سے نکلتے تو دوسرا چالوسی کی یہی تقریر کر کے اپنے گھر لے جاتا وہاں
 سے نکلتے تیسرا لے جاتا یہی تار تھا، آپ کہتے "بھائیو! رات بہت گئی، ہمارے آدمیوں کو پانی کی چھڑ میں تکلیف
 ہوتی ہے" مگر کون سنتا تھا، بعضے وقت لوگوں سے فرماتے کہ "بھائیو! یہ پانی کی چھڑ میں تمہارا پھرنا محض اللہ تعالیٰ
 کے لئے ہے، اگر وہ پروردگار تمہارے اس پھرنے کو پسند کرے، اپنے غلاموں، تابعداروں میں شامل کرنے تو کیا
 عجب ہے، یہ بات سن کر ہم لوگ خوش ہو جاتے اور اس وقت کی تکلیف کو عین راحت جانتے اور ہرگز نہ گھبراتے۔"

۱۔ "منظورۃ السعداء" ۲۔ یادداشت قلمی، سفر حج ۳۔ "وقائع احمدی" ص ۶۶۲-۶۶۵

بعض مرتبہ کسی کسی محلے میں کئی کئی ہزار آدمیوں نے آپ سے بیعت کی، ایک موقع پر پوربافوں میں کوئی دو ہزار شخصوں نے بیعت کی ایک دوسرے موقع پر اس برادری کے کئی ہزار آدمیوں نے بیعت کی اور بنارس کے راج گھاٹ پر مولوی عبدالشہر اور بھولا چاک سوار نے ذی عزت اور نامدار اور وہاں کے تمام اہل بدعت کے سرگروہ اور سردار تھے، ایک بار انھوں نے بیسر کی مسجد میں بیعت کو بدعویا اور مولانا عبدالحی صفا کا وعظ سنا، وعظ کے بعد بیعت سے عرض کی کہ ہم اور ہمارے محلے والے شکر بدعت میں گرفتار ہیں اگر آپ ہمارے محلے میں تشریف فرما ہوں تو امید ہے کہ بے شمار لوگ پیغمبر کا اور دیندار ہو جائیں اور شکر بدعت چھوڑ کر توحید سنت کے طریقے پر آجائیں، آپ نے فرمایا کہ ہم کئی بار مرزا بلاقی کے مکان پر گئے، وہاں تم نے ہم سے کیوں نہ کہا؟ وہیں تمہارے ساتھ چلنے، انھوں نے عرض کیا کہ یہ تو ہم سے بڑا قصود ہوا، مگر اب ہم کو سرفراز فرمائیں، آپ نے کہا، بہتر جب کہو انشاء اللہ تعالیٰ ہم چلیں گے، اگلے روز وہ سنس لے کر آئے، دو ڈھائی سو آدمیوں کے ساتھ حضرت ان کے مکان پر تشریف لے گئے، انھوں نے سب کی ضیافت کی اور ان دونوں صاحبوں نے اور اس محلے کے کئی ہزار آدمیوں نے بیعت کی، صبح سے عصر تک بیعت کرنے والوں کا ہجوم رہا، آپ نے فرمایا کہ بھائیو، بیعت لیتے لیتے اب ہم تھک گئے ہیں، اب ہم کو فرصت دو، انشاء اللہ تعالیٰ کسی دن موقع ہوگا تو پھر آئیں گے، جو لوگ باقی ہیں، ان سے بھی بیعت لے لیں گے،

دعوت کا ابتدہن

دوسرے یا تیسرے دن پھر اس محلے کے لوگ آپ کو لے گئے اور کہا کہ آج دونوں وقت آپ کی ضیافت ہے، انھوں نے کئی سو تعزیے نوٹ کر ان کے کاغذ اور لکڑیوں کے انبار لگائے تھے، آپ کو

وہاں لے جا کر دکھایا اور عرض کیا کہ "یہ آپ کی دعوت کھانے پکانے کا ایندھن ہے، دونوں وقت یہی لکڑیاں جلائی جائیں گی" پھر دونوں وقت انھیں لکڑیوں سے انھوں نے پلاؤ پکایا اور تمام قافلے کو کھلایا اور بے شمار آدمی جو بیعت کرنے سے باقی رہے تھے، انھوں نے بیعت کی لے۔

ہسپتال میں مریضوں کی بیعت

بنارس میں جو پرانی ٹکسال مشہور تھی، اس میں انگریزوں نے ہسپتال بنایا تھا، ہسپتال میں پچاس ساٹھ مسلمان مریض تھے، انھوں نے حضرت کے پاس اپنا آدمی بھیج کر درخواست کی کہ ہم لوگ تو معذور ہیں، وہاں تک ہمارا آنا دشوار ہے، مگر آپ لٹرنی اللٹریاں تشریف ارزانی فرمائیں تو ہم بیعت کریں، آپ ایک روز چند آدمیوں کے ہمراہ تشریف لے گئے، اور ان مریضوں سے بیعت لی لے۔

تلو کا چمار

بنارس میں راج گھاٹ پر تلو کا نام، ایک چار رہتا تھا، مولوی عبداللہ اور بھولا جاک سوار نے اس کا کہا کہ تلو کا تو ہمارا بار ہے، ایک باہم تجھ سے کہتے ہیں کہ یہ جو سید صاحب کو تشریف لے جاتے ہیں، اس شہر میں ہزاروں شخصوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، چنانچہ ہم نے بھی کی ہے، اگر تو بھی کر لے تو اچھا ہے، اس نے پوچھا، بیعت کرنا کس کو کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ "بڑی باتوں سے توبہ کرنا، اس کو بیعت کہتے ہیں" اس نے کہا کہ "بڑی بات سے توبہ اگر کہو تو تمہارے روبرو کروں، یہ تو بہت اچھی بات ہے" انھوں نے کہا کہ "یوں نہیں، انھیں کے ہاتھ پر کر" اس نے کہا "کچھ مضائقہ نہیں، یہ سنا کو میرے عزیز خانے پر لاؤ، میں تو کچھ تمہاری باتیں سمجھتا نہیں ہوں، پھر اس وقت جو کہو گے کروں گا" انھوں نے آکر حضرت کے عرض کیا، آپ نے فرمایا "بہت خوب تم کو لے چلو" لے۔

پھر وہ دونوں حضرات کو اس مکان پر لے گئے، اس کا وہ مکان چھوٹا سا چوترا تھا اس میں وہ
 دنوں بمبائی بی رہتے تھے حضرت جاگر وہیں ٹھہرے اور اس بیعت لی اس کے بعد اس مولوی عبدالشکر سے پوچھا کہ
 "اب میاں صفا کو کچھ دیا بھی چاہئے؟" حضرت نے فرمایا کہ "اس میں دینے کی کچھ حاجت نہیں" اس نے عرض کیا کہ
 "کچھ تو نذرانہ ضرور چاہئے، میں لوگوں کو دیکھا ہے کہ دیتے ہیں" وہ فقط ایک کھٹی ہوئی دھوئی اور ایک
 پھٹا کپڑا سر پر باندھے تھا، آپ نے فرمایا کہ "تم خود محتاج اور غریب دی ہو، ہم کو چاہئے کہ کچھ تم کو دیں" اس نے
 نہ مانا اور اپنی عورت کے کہا کہ "کچھ مزدوری پیسے دھرے ہیں، وہ لا کر میاں صفا کو دے" اس نے پانچ یا سات
 ٹکے لا کر آپ کے سامنے حاضر کئے، آپ نے نہایت خوش ہو کر لئے اور اپنے کسی آدمی دیے اور فرمایا کہ "یہ پیسے علیحدہ
 رکھنا" پھر آپ نے اس کے لئے دعا کی اور مولوی عبدالشکر صفا سے فرمایا "انشاء اللہ تعالیٰ کچھ دنوں میں تم
 دیکھو گے کہ اس دعا کی کیسی خیر و برکت ہوگی" اور فرمایا کہ "مولوی اس کی تعلیم تمہارے فمے ہے، روزے، نماز
 کے مسائل سکھاؤ اور نماز پڑھاؤ" مولوی صفا مدوح نے قبول کیا اور اس سے کہا کہ "تلو کا اس وقت
 موقع ہے، بوتیری برادری والے لوگ ہیں ان کو بھی لا کر مدیکرا، وہ بھی اس کا خیر میں شریک ہو جائیں تو
 خوب ہو" یہ سن کر وہ گیا اور چپیس تیس آدمیوں کو لا کر حاضر کیا، حضرت نے ان سے بھی بیعت لی اور ان سب کے
 لئے دعا کی اور ان کو بھی مولوی عبدالشکر کے سپرد کیا کہ ان کو بھی تم ہی نماز پڑھانا اور مسائل ضروری سکھانا
 اس تلو کا نام آپ نے بدل کر الہی بخش رکھا اور جو اس کی برادری والے تھے ان میں اکثروں کے نام ایوں ہی
 ہندوؤں کے سے تھے ان کے لئے مولوی عبدالشکر کو اجازت دی کہ جو نام مناسب جاننا، بدل دینا۔
 پھر ان لوگوں نے عرض کیا کہ "ہم کو تو دین اسلام کی بانوں کی خبر نہیں، تمام دن مزدوری کرتے
 ہیں، فنام کو جو کچھ اللہ تعالیٰ دیتا ہے، کھانا کھا کر گھر میں سو رہتے ہیں، آپ یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو
 اپنی بانوں کی سمجھ دے" حضرت نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تم کو سمجھ بھی دے گا اور تمہاری مفلسی اور محتاجی بھی
 دور کر دے گا" پھر آپ وہاں سے اپنی جائے اقامت پر تشریف لائے۔

میاں الہی بخش

یہ صاحب کے خادم میاں دین محمد اس قصے کے راوی ہیں کہ جب میں سرحد سید رضا کا
 فرستادہ نگرہ منڈستان آیا تو بنارس بھی میرا جانا ہوا، مولوی عبدالشکر نے مجھ سے کہا کہ "تم الہی بخش سے بھی
 ملے؟" میں نے کہا "کون الہی بخش؟" کہا "وہی تلو کا چھار جس کو بھولا اور میں نے سید رضا سے مرید کرایا
 تھا" میں نے کہا کہ "مجھ سے تو ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی" مولوی صاحب مجھ کو ایک مسجد میں لے گئے، وہاں
 کچھ لڑکے پڑھتے تھے، ان سے کہا کہ "الہی بخش کہاں ہیں؟ جا کر بلا لاؤ" ان میں سے ایک لڑکا جا کر
 بلا آیا، وہ غرائے دار پانچ ماہ عمدہ کرتے پہنے سر پر سفید عامہ باندھے، پہرے پر لمبی سی داڑھی آئے
 اور اسلام علیکم کہا میں نے جواب دیا اور جانا کہ کوئی مولوی ہے، مجھ سے مولوی عبدالشکر نے کہا کہ "ان سے
 ملو، میاں الہی بخش یہی ہیں" میں نے اٹھ کر مصافحہ اور معائنہ کیا، کئی آدمی ان کے ساتھ اور بھی تھے، میں نے
 ان سے بھی مصافحہ اور معائنہ کیا پھر سب بیٹھے، مولوی عبدالشکر نے کہا کہ "میاں الہی بخش تم نے ان کو پہچانا؟
 یہ سید رضا کے پاس آئے ہیں، ان کا نام دین محمد ہے" وہ اور ان کے ہمراہی کھڑے ہو گئے اور بڑے اشتیاق سے ملے
 اور حضرت کی خیر و عافیت پوچھی، میں نے بیان کی، وہ حضرت کی مفارقت یاد کر کے آبدیدہ ہوئے۔
 پھر مولوی عبدالشکر صاحب ان کا حال مجھ سے بیان کرنے لگے کہ یہ سید میاں الہی بخش ہی کی بنوائی
 ہوئی ہے، اور ایک بہت عمدہ خوش قطع بختہ محل اس کے قریب تھا، اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ
 یہ مکان بھی انھیں کا بنوایا ہوا ہے، دو حافظ قرآن پڑھانے کو اس مسجد میں انھیں کے نوکر ہیں، اور
 ۲۵، ۳۰ طالب علم یہاں پڑھتے ہیں، ان کا بھی کھانا کپڑا انھیں کے ذمے تھا، پھر ان کے بھائی بندوں نے کہا کہ
 تمہارے ساتھ ہم نے بھی سید رضا کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، ان کے طفیل سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت نصیب
 کی، تم نے مسجد بنوائی، مدرسہ جاری کیا، اس کا خیر میں ہم کو بھی شریک کر لو، یہ تو نہیں مانتے تھے، پر ہم نے

اور بھولانے ان کو سمجھا کر مسجد کے پورے بدھنے، چراغ بنی اور طالب علموں کے کھانے کپڑے کا خرچ ان کے ذمے کیا اور دونوں حافظوں کو ان کے ذمے اور جو بہانے مسافر اس مسجد میں آئے ان کو بھی یہی کھلائیں اور مسجد کے متصل دریا کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ احاطہ بھی میاں الہی بخش کی برادری والوں نے کھینچ کر اس میں چند حجرے طالب علموں کے رہنے کو بنوائے۔

مسلمانوں کے درمیان اتفاق و مصالحت

ایک جمعے کو بسیر کی مسجد میں غرباء کے علاوہ بہت امر ابھی نماز کو آئے، مرزا بلاتی مرزا صاحبی شاہزاد اور مرزا کریم الشریگ، مولوی غلام بھائی اور حکیم سلامت علی خاں وغیرہ سب تھے، نماز کے بعد مولانا عبدالحی صنانے وعظ فرمایا یہاں تک کہ عصر کی اذان ہوئی، نماز عصر کے بعد سب معزز لوگ بید صبا کی خدمت میں آئے اور آپس میں مشورہ کر کے عرض کیا کہ حضرت ہمارے اس شہر میں ہر قوم کے مقابلے میں نور بانوں کی بڑی جماعت ہے، کوئی سات آٹھ ہزار گھر ہوں گے، اور ان میں بڑے بڑے مالدار اور تونگر ہیں، اور ان میں اکثر کے درمیان آپس میں مخالفت اور نا اتفاق ہے، خصوصاً ان سب میں دین محمد اور اللہ رکھو بڑے نامی زردار اور جھٹھے والے ہیں، ان میں بھی مخالفت ہے، اور اکثر شرک بدعت کے افعال یہی لوگ کرتے ہیں، تعزیری اری، گورپتی، نوچندی جمعرات کا میلہ، غازی میاں کا میلہ اور اسی طرح کی دوسری باتوں میں یہ شامل ہیں، اگر کسی طرح دین محمد اور اللہ رکھو کا آپس میں ملاپ ہو جائے اور وہ آپ کے دست مبارک پر بیعت کر لیں تو سب کے درمیان ملاپ ہو جائے اور گویا اس شہر کا تمام شرک بدعت دفع ہو جائے اور سب طریق ہدایت پر آجائیں،

آپ نے فرمایا کہ ہاں، ہم اس حال سے واقف ہیں، دین محمد نے ہم سے کہا تھا بلکہ اس میں

ہم سے دعا بھی کرائی تھی، اب اس گفتگو سے آپ بھائیوں کی کیا مرضی ہے؟

انہوں نے عرض کیا کہ ہماری مرضی یہی ہے کہ مسلمانوں کا آپس میں اتفاق اور ملاپ ہو جائے اور اس کے سبب سے دین اسلام کی ترقی ہو اور شرک بدعت دور ہو جائے تو بہت خوب بات ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بغض و عداوت ان میں برسوں ہے اور بڑے بڑے لوگوں درمیان ہے، یہ کسی بند کے قابو کی بات نہیں، اگر اللہ تعالیٰ اس میں مدد کرے تو سب کچھ ہو جائے گا ہم پھر کسی وقت دعا کریں گے آپ دین محمد اور اللہ رکھو کے پاس خبر کرنے کے لئے کسی کو جوڑ دیجیے، انشاء اللہ تعالیٰ ہم برسوں کیشنبہ کے دن وہاں چلیں گے۔

تیسرے روز سویرے ہو لیج نکلے، آپ دو سو آدمیوں کے ہمراہ تشریف لے گئے اور ان کے محلے کی مسجد میں آئے، آپ کے وہاں آنے کا حال سن کر ہزاروں آدمی کیا ہنڈ کیا مسلمان سب اکٹھے ہو گئے کہ دیکھیں تو سید صاحب کی زبان کو ملاتے ہیں، لوگوں کے ازدحام کی خبر آیا کہ وہاں کا ایک انگریزی تھانیدار اور ناظر بھی چند برقعہ داروں کو لے کر حاضر ہوا کہ ہمیں کسی سے لڑائی بکھیرنا نہ ہونے پائے۔ سید صاحب نے دین محمد اللہ رکھو اور بارو کو بلوایا، وہ آکر حاضر ہوئے اور کچھ شربت بنانے کی تدبیر کرنے لگے، آپ کو اس کی خبر ہوئی، آپ نے فرمایا یہ تکلیف ہرگز نہ کرو، تمہارے فیصلے کے بغیر تمہارے یہاں کا پان تک ہم نہ کھائیں گے، انہوں نے شربت موقوف کیا، آپ نے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور ان سے فرمایا کہ ہم نے اکثر لوگوں سے سنا ہے کہ بہت برسوں تمہاری آپس میں خصومت اور نا اتفاق ہے اور کسی طور سے دفع نہیں ہوتی، یہ سب فریب شیطانی ہے، اس میں طرح طرح کے نقصان ہیں، دین کے بھی اور دنیا کے بھی، اور سب سے بڑھ کر نقصان قطع رحمی کا ہے کہ نہ تم ان کی شادی غمی میں شریک ہوتے ہو نہ وہ تمہاری اللہ تعالیٰ نے تم کو مالدار کیا، اور ہر طرح کا ہنر دیا ہے، اس کو دنیا کے کام میں جس طرح چاہتے ہو صرف کرتے ہو اور اپنی ناموری پر مرتے ہو، تم کو لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرو اور اس کے کفران نہ مت ڈرو اور اس لایعنی آپس کے

بھگڑے کو دور کرو اور آپس میں مل جاؤ، طح طح کی مثالوں سے ان کو سمجھانا شروع کیا، جو لوگ وہاں حاضر تھے، سب پر ایک حال سا طاری تھا۔

جب وعظ و نصیحت سے آپ نے ان کو خوب سمجھایا اور وہ راضی ہو گئے، تب آپ نے اٹھ کر دین محمد اور اللہ رکھو اور لعل محمد اور یار محمد کو ملا دیا، ان چاروں نے آپس میں مصافحہ اور معاف کیا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ”بھائیو، جن کو ہم جانتے تھے کہ ان کا آپس میں نزاع ہے، ان کو تو ملا دیا باقی اور صاحبوں کو ہم پہنچتے نہیں، وہ صاف آپ اٹھ کر ایک دوسرے سے مصافحہ اور معاف کر لیں، پھر تو صد ہا آدمی“

جن کی ایک دوسرے سے نزاع تھی، آپس میں ملنے لگے، اور ان کی برادری والوں کے علاوہ جتنے ہندو مسلمان ہاں موجود تھے، یہ حال دیکھ کر عالم حیرت میں تھے، اور کہتے تھے کہ ”برسوں یہاں کے سیٹھ سا ہو کارا اور شرفاء، امراء“

اس امر کی کوشش کرتے رہے اور کسی سے کچھ نہ ہو سکا، سب عاجز ہو کر بیٹھ گئے اور یہ دیکھتے ہی جیسے میں برسوں کا بیٹھنے والے کے ملا دیا، کسی نے کچھ بھی چون چرانہ کیا، ہنسنا، یہ سید صاحب مقبول خدا اور صاحب کرامات ہیں“

شکر و بدعات سے توبہ

دین محمد نے عرض کیا کہ کل آپ کی اور آپ کے تمام قافلے کی میرے یہاں دعوت ہے، آپ نے قبول کی، اگلے روز کوئی دو سو آدمیوں سمیت آپ دین محمد کے یہاں تشریف لے گئے اور وہاں دعوت میں اللہ رکھو اور یار محمد کو بھی دین محمد سے کہہ کر بلوایا۔

کھانے کے بعد دین محمد اور ان کے اعرہ و اقربائے بیعت کی پھر زمانے مکان میں عورتوں کو ایک دو سو بی بیوں کر کے آپ کو اور ہمراہیوں کو لے گئے، اس مکان کے طاقتور ہیں طح طح کے صد ہا کھلونے رکھے تھے، ہمیں آدمیوں کی صورت تھی، ہمیں جانوروں کی آپ نے ان کو دیکھ کر بہت ناخوش ہوئے، مگر زبان سے

کچھ نہ کہا، ایک پختہ اینٹوں کا چوتڑہ تھا، دین محمد نے حضرت سیدے عرض کی کہ یہ چوتڑہ عورتوں کے تعزیر رکھنے کے لئے بنوایا ہے اور ایک چوتڑہ باہر امام باٹے میں مردوں کے بنوایا ہے آپ نے فرمایا کہ یہ تو بہت بُری بات ہے ان تمام تصویروں کو جو طاق میں ہیں توڑ ڈالو اور چوتڑوں کو کھود کر برابر کر دو انھوں نے عرض کی کہ حضرت اسی واسطے میرا آپ کو اس مکان میں لایا ہوں کہ یہاں کا حال آپ ملاحظہ فرما کر کچھ ارشاد کریں میں اگر ان خرافات کو دور کروں گا تو عورتیں برائیاں نہیں گی اور لڑکے کو موجود ہوں گی آپ بیعت لینے کے بعد ان کو نصیحت اور فہمائش فرمائیں تب بات درست ہوگی۔

آپ نے ان کی عورتوں سے بیعت لی اور تعزیر داری اور تصویروں کی برائی ان کے سامنے بیان کی اور فرمایا کہ بیعت کرنا اسی کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب پاک میں آدمی سچے دل کے ساتھ سب بڑی باتوں سے توبہ کرے اور ان کو چھوڑ دے، نہیں تو بیعت کرنا نہ کرنا برابر ہے ان عورتوں نے عرض کی کہ جو بہتر ہو، وہ آپ کریں ہم راضی ہیں۔

آپ نے دین محمد سے فرمایا کہ اپنے یہاں کے دونوں چوتڑے کھود ڈالو اور تعزیر داری کا جو اسباب ہو سب دفع کرو اور ان طاقتوں کے بتوں کو توڑ ڈالو انھوں نے اول اندر کے چوتڑے کو کھود کر اور اسی کی اینٹوں سے ان تمام تصویروں کو توڑ پھوڑ کر اتنا رنگا دیا، اس کے بعد کچھ علم نیچے اور تعزیرے تھے، وہ توڑے باہر کا چوتڑہ کھودا۔

پھر آپ نے ان گھر والوں کے واسطے جناب الہی میں دعا کی کہ یا اللہ تو ان سب لے لوں کو ہدایت نصیب کر اور اپنی راہ مستقیم پر ثابت قدم رکھ پھر آپ نے ہاں سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی اور مولانا عبدالحی صاحب سے وعظ کے لئے ارشاد فرمایا وہ وعظ فرمانے لگے اور آپ نے کچھ آدمی چھوڑ کر چلنے کی تیاری کی اور دین محمد نے دوسرے روز کی دعوت کے لئے اصرار کیا اور آپ نے بڑے عزم کے بعد منظور فرمایا۔ دوسرے روز آپ نے محمد کے مکان پر تشریف لے گئے، کوئی چار ہزار آدمی ان کی برادری کے

تھے، کھانے کے بعد کئی ہزار آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی مولانا عبدالحی صاحب نے وعظ فرمایا۔

بدرعات و رسوم کی اصلاح اور بیعت کا مقصد

اگلے روز اللہ رکھونے دعوت کی اور ان کے خویش و اقربا نے بیعت کی اور اپنی عورتوں سے بیعت کرائی۔ اللہ رکھونے عرض کیا کہ حضرت بیعت تو ہم سب نے آپ کے ہاتھ پر کر لی مگر کئی باتیں ہمارے یہاں ہیں، جب وہ دور ہوں تب ہم لوگ پورے مسلمان ہوں، آپ نے فرمایا کہ وہ کیا باتیں ہیں؟ کہا ایک تو ہم لوگ اپنے گھرانے میں بیاہ شادی نہیں کرتے، ہندوؤں کی طرح عیب جانتے ہیں، دوسرے عورتیں پردہ نہیں کرتیں، تیسرے ہمارے شہر میں نوچندی جمعرات کا میلہ ہوتا ہے، تمام عورت مرد، ہندو مسلمان ہزاروں جمع ہوتے ہیں اور خوشی کرتے ہیں، اس نوچندی میں لباس و پوشاک کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ عیدین میں اس کا پوتھالی گھصہ بھی نہیں ہوتا، یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ نعوذ باللہ من ذالک، یہ تو بہت بڑی باتیں ہیں، ان کو ضرور ترک کرنا چاہئے اور ان باتوں کی برائیاں خوب بیان کیں۔

اور فرمایا کہ اکثر عوام الناس بلکہ بعض بعض خواص جو کہ نام کو عالم اور درویش کہلاتے ہیں، ان کے دلوں میں یہ بات سمائی ہے کہ جہاں ہم نے کسی بزرگِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کر لی، پھر ہم کو کوئی بڑا چھوٹا گناہ نقصان نہیں کہے گا، ہمارے پیر صفا اللہ تعالیٰ سے ہم کو بخشوا لیں گے اور بہشت میں لے جائیں گے یہ محض ان کا خام خیال اور وہم ہے، پیر صفا خود اپنے ہی آل کار سے بے خبر ہیں، کچھ نہیں جانتے کہ قیامت کے دن ہمارا کیا حال ہوگا اور وہاں کا تو حال دریافت کرنا امر محال ہے، یہاں دنیا میں جن کاموں کے دن رات عادی اور شوگر میں ان کا حال نہیں جانتے،

چنانچہ بھوک پیاس، سونا، جاگنا، پاخانہ، پشیا، وغیرہ خود میں پناہ حال کہتا ہوں کہ مجھ کو نہیں معلوم کہ کس وقت مجھ کو بھوک پیاس لگے گی یا کب نذیر کا غلبہ ہوگا یا کس وقت پاخانہ پشیا کی ضرورت ہوگی یوں ہی اور بہت کام ہیں جہاں ادنیٰ باتوں کو بالیقین نہیں جانتے ہیں تو اور بڑے بڑے کاموں کی ہم کو کیا خبر؟ یہاں ہم کسی کی مصیبت دور نہیں کر سکتے، وہاں کسی کی مصیبت دور کر سکیں گے؟ مگر ہاں پر خدا و رسول کے موافق جو طریقہ مرید کو بتا دے، مرید کو لازم ہے کہ اس کو نہ چھوڑے، اسی پر چلا جائے، وہی اس کی نجات کا وسیلہ ہے اور اس کے بغیر یہ تمام نفس کا قریب او شیطاں کا کرہ ہے، خدا کی مخالفت کو نہ کوئی پرہیزا سکے گا نہ کوئی پیغمبر جن صاحبوں کے سیرا تھوڑے بیعت کی ہے، ان سے تم سمجھا کر کہہ دو کہ جو کام خدا و رسول کے حکم کے خلاف ہیں، سب کو ترک کر دو تب اس بیعت کرنے کا تم کو فائدہ ہوگا، نہیں تو محض لاجل ہے، نہ میں ان کا پیروں نہ وہ میرے مرید۔

اللہ رکھو نے عرض کی کہ ”جو بھائی یہاں حاضر نہیں ہیں ان کو میں سمجھا دوں گا اور جو موجود ہیں وہ خود سنتے ہیں“ سب حاضرین بولے کہ ”حضرت آپ حق فرماتے ہیں بات یہی ہے، مگر کیا کریں؟ ہم لوگ ان بلاؤں میں مبتلا ہیں، اے انشاء اللہ ان سب باتوں کو چھوڑ دیں گے“ وہ سب آپ کو نذر دینے لگے آپ نے فرمایا کہ ”ہم تمہاری نذیریں تہیں گے، جب تم ان سب بڑی باتوں کے چھوڑنے کا عہد کرو اس کے بغیر ہم کسی کی نذر نہیں لیں گے اور تعزلیے کے جو چوتھے تمہارے گھروں اندر ہوں ان کو کھو کر مسجد بنا لو کہ تمہاری عورتیں ان میں نماز پڑھا کریں“ جب سب نے اس کا عہد پیمان کیا، آپ نے ان کی نذیریں قبول کیں۔

بنارس سے عظیم آباد تک

بنارس سے چار کشتیاں اور ایک بھرا کر لے پریا گیا، محرم جمعے کے روز بنارس سے روانگی ہوئی

شام کو قصیہ زانیہ کے سامنے کشتیاں لنگر انداز ہوئی، زانیہ سے ۱۱ محرم سنہ ۱۰۰۰ کو غازی پور منزل ہوئی،
 غازی پور کے رؤسا شاہ منصور عالم شیخ غلام ضامن اور قاضی محمد حسن وغیرہ نے دعویٰ بیعت کی شہر اظہار
 سے بے شمار خلقت نے آکر بیعت کی، وعظ و نصائح سے اور شرک و بدعت کی تمام باتوں سے توبہ کی۔
 ۱۲ محرم جمعے کو غازی پور سے روانہ ہو کر ہلدیہ ٹھہرنا ہوا، وہاں بھی بہت لوگوں نے بیعت کی آپ نے
 تیغ علی خاں صفا کو اپنا خلیفہ بنایا، وہاں سے روانہ ہو کر کسیر بلیا مقام ہوا، بہت لوگوں نے بیعت کی۔
 ۱۶ محرم یکشنبہ کو چھپرہ پہنچے بہت لوگ زیارت کے لئے آئے اور آپ کو دریا کنارے سے
 شہر لے گئے، فرحت علی صاحب کے مکان پر بہت لوگوں نے بیعت کی اور آپ نے ان کو خلیفہ بنایا
 اور ان کی ذات سے لوگوں کو بہت ہدایت ہوئی۔

وہاں سے روانہ ہو کر ۱۸ محرم سنہ ۱۰۰۰ کو دانا پور قیام ہوا، دانا پور کے لوگ بنا برین تک پیشواؤں
 کے لئے آئے تھے اور بہت مشتاق تھے، شیخ علی جان ساکن موضع ڈنگھا آپ کو اپنے مکان لے گئے اور
 اپنے تمام اعزاء و متعلقین کے ساتھ داخل بیعت ہوئے، صدر الدین نے بھی دعویٰ اور مع خاندان بیعت ہوئے
 علی جان کے مکان کے قریب ان کا ایک تعزیہ رکھنے کا چوتڑہ اور امام باڑہ تھا لوگوں نے
 حضرت کو اطلاع کی آپ نے علی جان سے فرمایا کہ "اس چوتڑے کو کھو دو کہ یہاں مسجد بناؤ کہ محلے کے
 لوگ اس میں نماز پڑھا کریں، امام باڑہ رہنے دو، جہانوں اور مسافروں کے رہنے کے کام آئے گا"
 شیخ علی جان نے اسی وقت چوتڑہ کھو ڈالا اور عرض کی کہ "حضرت اپنے ہی دست مبارک سے
 مسجد کی بنیاد لیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو نمازیوں سے آباد رکھے" پھر آپ نے مسجد کی بنیاد لی اور
 پلاؤ پکوا کر تمام قافلے کی دعوت کی اور پی علی جان کی خلاف شریعت بیعت تھی، ویسی ہی صدر الدین کی تھی
 پھر انھوں نے اپنے اہل و عیال عزیز و اقربا کو مرید کروایا، پھر ان کا ایک حاطہ تھا، جہاں ان کے جانور ذبح

لے یادداشت قلمی سفر ج

ہوتے تھے، اس میں فرشتے بچھوایا اور حضرت کو لے جا کر بٹھایا اور وہیں بیعت کی، ایک پانچ چھبریں کا لڑکا عبدالرحیم نامی ان کے پاس تھا، عرض کی کہ میرے تو کوئی لڑکا بالائے نہیں، یہ میرا بھتیجا ہے، اور تم ہے حضرت نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ ”بھائی صدرالدین تم بشرقی الشراں اپنے بھتیجے کو بیٹے کے بجائے پرورش کرو، انشاء اللہ تعالیٰ دنیا میں بیٹے کے بجائے یہی تمہارے کام آئے گا“ پھر آپ صدرالدین کے لئے او جہاں بیٹھے تھے، اس مکان کے لئے دعا کرنے لگے کہ الہی تو اپنے فضل و کرم سے ان کو خوش و خرم رکھ او شرک و بدعت سے ان کو بچا اور توحید و سنت پر ثابت قدم کر اور اس سرزمین کو سرسبز اور آباد کر، یہاں مسافر آتے آئیں اور یہ شرفی الشراں کی خدمت کیا کریں اور دنیا و آخرت میں ان کو عزت و عرس ساتھ رکھ“

دانا پور میں پانچ سات روز قیام رہا، انگریزی عملے کے لوگ اور عام اہل شہر بکثرت مستفید ہوئے، مولانا عبدالحی صفا و مولانا اسماعیل صفا روزانہ جا بجا وعظ فرماتے تھے، ہزاروں شرک و بدعت سے تائب ہوئے، بکثرت پتھر و رگورتوں نے توبہ کی، تاجاڑ مال و دولت چھوڑ کر دینداری اور پاکبازی کی زندگی اختیار کی، بہت سے امام باڑے کھد کر مسجدیں بنی اور شہر میں خیر و برکت پھیلی۔

عظیم آباد پٹنہ میں

دانا پور سے روانہ ہو کر ۱۹ محرم چہار شنبہ کو آپ عظیم آباد پٹنہ میں داخل ہوئے، مدرسے کے متصل کشتیاں باندھ دی گئیں، دو ہفتے اس شہر میں قیام رہا، ہزار ہا بندگانِ خدا نے فائدہ اٹھایا۔

عظیم آباد کے مخلصین

مولوی سید مظہر علی اپنے اہل و عیال کے ساتھ متعدد کشمیری شرفاء مثلاً خواجہ قمر الدین او

۱۰۰ "وقائع احمدی" ۱۰۰ ایضاً ۱۰۰ "منظورۃ السعدا"

ان کے اہل خانہ بیعت سے مشرف ہوئے، مولوی سید ظہر علی صنا کو آپ نے خلافت عطا فرمائی۔

مولوی الہی بخش صاحب نے اپنا آدمی بھیجا، وہ آکر حضرت سے کہہ گیا کہ صبح کو مولوی الہی بخش صاحب کے یہاں آپ سب لوگوں کی مہمانی ہے، اگلے روز کئی گھڑی دن چڑھے ڈھالی نین سو آدمیوں کے ساتھ حضرت ان مکان پر تشریف لے گئے، وہاں جوان خانے میں فرشتہ کیا گیا تھا، وہ مکان بہت وسیع تھا، لیکن وہاں آدمیوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ آٹھ نو سو آدمیوں کے قریب ہوں گے، وہ مکان بھر گیا اور جگہ نہ رہی مولوی الہی بخش صاحب نے مزہ دیکھا کہ آدمی بہت ہیں، کھانا تھوڑا، آپ نے ان سے فرمایا کہ "ہمارے حصے کا کھانا ہم کو دے دیجئے اور کسی بات کا اندیشہ نہ کیجئے، انشاء اللہ تعالیٰ اور کھانا پکانا نہ پڑے گا، اس میں اللہ تعالیٰ برکت کرے گا اور سب لوگ بفرمانت کھالیں گے" مولوی صاحب نے فرمایا کہ "بہت خوب کھانا حاضر ہے" آپ نے فرمایا کہ "کھانے کے تین ڈھکے رہنے دینا اس کے بعد بسم اللہ الرحمن الرحیم کر کے رکابوں میں نکالنا، ہمارے آدمی بھی نکالیں، آپ کے آدمی بھی چنانچہ ایسا ہی ہوا، سب لوگ کھا کر آسودہ ہوئے اور جو لوگ کشتیوں میں تھے ان کو بھی پہنچ گیا اور کھانا بچ رہا۔

آپ نے مولوی فتح علی صاحب، شاہ محمد حسین صاحب اور مولوی الہی بخش صاحب کو خلافت نامہ دیا اور اپنا خلیفہ کیا، انھوں نے عذر کیا کہ "ہم خلافت کے لائق نہیں ہیں، ہم سے یہ بار گراں کب اٹھے گا کہ یہاں سے کہیں جائیں اور خلق اللہ کو خدا و رسول کا حکم سنائیں اور ان کو راہ ہدایت پر لائیں؟" آپ نے فرمایا کہ "آپ س بات میں پس و پیش نہ کیجئے، دیکھیے اللہ تعالیٰ ہمیں سے کچھ کیسی راہ ہدایت نکالتا ہے کہ آپ کو کہیں جانے کی حاجت نہ پڑے گی"۔

انگریز حاکم کے یہاں شکایت

عظیم آباد میں بعض شیعوہ صاحبان نے انگریز حاکم سے جا کر کہا کہ یہ سید صاحب جو یہاں

۱۔ "منظورۃ السدا" ۲۔ صادق پور پٹنہ کے مشہور ذی علم اور ذی وجاہت رئیس جن کے صاحبزادے مولانا احمد اللہ صاحب اور

مولانا یحییٰ علی صاحب دہلوی کے جماعت کے رہنما اور پوری دعوت و تحریک کا مرکز تھے۔ ۳۔ "ذوالحجہ احمدی" ۴۶۵-۴۶۶

۱۵۲ ایضاً ۶۸

اتنے آدمیوں کے ساتھ آئے ہیں ہم نے سنا ہے کہ ان کی نیت جہاد کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں کے جہاد کریں گے، حاکم نے اس کو تعصب اور حسد پر محمول کیا اور ان کو تشبیہ کی کہ آئندہ ایسی مفسدانہ بات نہ کہی جائے، شیعوں نے تعزیری کے چوتروں کے کھودنے کی بھی شکایت کی لیکن تحقیق سے ثابت ہوا کہ جو لوگ تائب ہوتے ہیں اور سنت کی پیروی اختیار کرتے ہیں وہ اپنی خوشی سے ایسا کرتے ہیں اس پر حکام نے کہا کہ اس میں سیدھنا کا کوئی قصور نہیں اور ان پر کوئی الزام نہیں اگر وہ زور اور زیادتی سے یہ کام کرتے تو ہم اس کا تدارک کرتے اور ان کو روکتے، وہ تو اپنے دین کے موافق لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں اور سمجھاتے ہیں اس میں جس کا جی چاہے وہ مانے اور اس پر عمل کرے اور جس کے دل میں نہ آئے نہ مانے مختار ہے۔

تبلیغی وفد تبت کو

عظیم آباد میں ایک گھر میں چند تبتیوں سے ملاقات ہوئی، ہوجج کے ارادے سے ٹھہرے ہوئے تھے، سیدھنا نے ان سے ان کے ملک اور مسلمانوں کا حال پوچھا، انھوں نے کہا کہ دوسرے اور تیسرے تبت تک تو مسلمان بستنیوں میں زیادہ ہیں اور کفار کم اور باقی چار تبتوں میں مسلمان کم اور کافر زیادہ ہیں، کوئی کوئی لوگ نماز اور روزے سے واقف ہیں اور باقی لوگ صرف نام کے مسلمان ہیں، گورپستی اور پیرپستی میں مبتلا ہیں۔

حضرت نے ان سے پوچھا کہ تم جو بیت اللہ شریف جانے کا ارادہ کرتے ہو کس قدر زادراہ تمہارے ساتھ ہے؟ اگر اس قدر ہے کہ کھاتے جاؤ اور کھاتے آؤ تو خیر جاؤ۔ انھوں نے عرض کیا کہ اتنا خرچ تو ہمارے پاس نہیں ہے، مگر ہم نے سنا ہے کہ اپنے اذن عام دے دیا ہے کہ جو چاہے چلے، ہم اس کو اپنے ساتھ لے چلیں گے، سو ہم بھی امیدوار ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ ”یہ بات تو سچ ہے کہ جن شرطوں کے ساتھ ہم نے اذنِ عام سے دیا ہے ان شرطوں کے ساتھ جو چاہے چلے، مگر چونکہ زادِ راہ تمہارے ساتھ کم ہے اس لئے حج تم پر فرض بھی نہیں ہے اور بیت اللہ شریف جانے سے مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو اب اگر تم سب صحت مانو تو ایک بات ہم کہیں کہ اس طرح کے حج کرنے سے ثواب دو چند بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو“

انہوں نے عرض کیا کہ ”اس سے بہتر کیا؟ ہم حاضر ہیں“

آپ نے فرمایا کہ ”آؤ، بسم اللہ کر کے ہمارے ہاتھ پر بیعت کر لو، پھر ہم وہ بات بتائیں“ پھر ان سب نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، پھر آپ نے فرمایا کہ ”ہم تم سب کو خلافت نامہ دے کر اپنا خلیفہ کریں گے اور جہاں ہم تم کو بھیجیں وہاں جاؤ“ انہوں نے عرض کیا کہ ”ہم حاضر ہیں“ فرمایا کہ ”ہم تم کو تمہارے ہی ملک رخصت کریں گے اور اعلام نامہ لکھ دیں گے وہاں جا کر مسلمانوں کو احکامِ توحید و سنت سکھاؤ اور شرک و بدعت سے بچاؤ، مگر ایک بات ضرور کرنا کہ کوئی تم کو لکڑی، پتھریاں، گھونٹہ کتنا ہی مالے تم اس پر صبر کرنا اور ان کو کچھ نہ کہتا، اسی طور پر تعلیم و تلقین کرتے رہنا پھر عنایتِ الہی سے دیکھنا کہ تھوڑی ہی مدت میں دینِ اسلام کی کیسی ترقی ہوگی اور وہ سالے ایذا دینے والے خود اگر تم سے خطا معاف کرائیں گے“

یہ تمام گفتگو سن کر انہوں نے اپنا عذر بیان کیا کہ ہم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور وعظ و نصیحت کے لئے علم کی ضرورت ہے، آپ نے فرمایا ”اندیشہ نہ کرو، اسلام اللہ کا ہے وہ آپ ہی مدد کرے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ ہزاروں آدمی تمہارے ہاتھ سے ہدایت پائیں گے“ کہی و رقوں میں توحید و سنت کی تاکید اور شرک و بدعت کے رد کی آیتیں اور حدیثیں لکھوا کر دے دیں اور بنام خدا ان کو روانہ کر دیا۔

وفد کی کامیابی اور اثرات

سفر حج سے واپسی پر کھٹکتے میں کچھ لوگ تبت اور چین کے ملے حضرت نے ان کے ملک اور وہاں کی دینداری کا حال پوچھا، انھوں نے کہا کہ دین اسلام کا جو کچھ طریق آپ لوگوں کو بتاتے ہیں اور توحید و سنت کی خوبی اور شرک و بدعت کی برائی بیان کرتے ہیں اسی طرح کئی آدمی ہمارے ملک میں بھی جا بجا بیان کرتے پھرتے ہیں ان میں سے بھی تین شخصوں کو دیکھا ہے بہت لوگ ان کے مرید بھی ہوئے ہیں اور بہت لوگ ان کو ایذا بھی دیتے ہیں اور برا بھلا بھی کہتے ہیں مگر وہ صبر کرتے ہیں اور لوگوں کو نیک راہ بتاتے ہیں یہ نہیں معلوم کہ انھوں نے یہ طریقہ کس سے سیکھا ہے۔ یہ بات سن کر حضرت نے فرمایا کہ تبت کے لو آدمی ہمارے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت نامہ لے گئے ہیں ان میں تین عورتیں بھی ہیں اور ان کا نشان اور پتہ بھی بیان کیا تب انھوں نے عرض کی کہ بیشک وہی لوگ ہیں۔

میاں دین محمد کہتے ہیں کہ میں سرحد سے کسی کام سے ہندوستان آیا لکھنؤ میں خیالی گنج میں ٹھہرا امام بخش جو راج نے جو اسی محلے میں رہتے تھے اور حضرت سے بیعت رکھتے تھے کہا کہ تین شخص تبت کے جن میں دو مرد ہیں ایک عورت اس شہر میں چند روز ہوئے آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم سید صاحب کے مرید ہیں اور ہم کو سید صاحب نے خلیفہ کر کے وعظ و نصیحت کے لئے ہمارے ملک کو بھیجا تھا تیسرے روز وہ تینوں شخص جو راج مذکور کے پاس آئے میں نے انھیں دیکھا اور پہچانا وہ بہت خوشحال معلوم ہوتے تھے انھوں نے اپنا حال سنایا کہ جب ہم نے حضرت پیر و مرشد کے ارشاد کے مطابق لوگوں میں توحید و سنت کی خوبی اور شرک و بدعت کی برائی کا بیان شروع کیا تو تمام لوگ

۱۰ "وقائع احمدی" ص ۴۵۴-۴۵۵

کیبارگی مخالف ہو کر ہم پر زور زیادتی اور مار دھاڑ کرنے لگے، یہ حال سیدھنا نے ہم سے پہلے ہی فرادیا تھا، چند روز کے بعد ایسی تائید الہی ہوئی کہ انھیں لوگوں میں دو دو چار چار ٹوٹ کر ہم سے ملنے لگے اور طریق حق قبول کرنے لگے اور اس ملک کے اکثر طالب علموں اور مولویوں کو ہم نے حضرت کا نصیحت نامہ دکھایا، بعضوں نے تو اس کو دیکھ کر کہا کہ اسلام کا طریق یہی ہے، تم شوق سے لوگوں کو تعلیم کرو ہم راضی ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی راہ حق نصیب کرے، بعضے اس کو دیکھ کر ناخوش ہوئے اور کہنے لگے کہ کسی نے لوگوں پر کانے کا یہ نیا طریقہ ایجاد کیا ہے، غرض کہ وہاں لوگ دو گروہ ہو گئے، موافق لوگ علیحدہ اور مخالف علیحدہ اور ہزاروں آدمی فصل الہی سے راہ ہدایت پر آ گئے۔ پھر ہم نو شخصوں آپس میں مشورہ کیا کہ اب تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہدایت کی راہ جاری کر دی اب ہم کو ایک جگہ رہنا نہ چاہئے، پھر ہم میں سے چار آدمی خاص ملک چین کو گئے اور دو شخص چھٹے اور ساتویں تبت کی طرف اور تین ہم اس طرف آئے اور ہم سب کا آپس میں عہد پیمان ہے کہ ایک بار اور سیدھنا سے ملاقات کریں گے۔

شیعہ رؤسا اور اہل شہر کا رجوع

عظیم آباد میں ایک شیعہ رئیس نواب قطب الدین خاں نے دعوت کی آپ تشریف لے گئے، انھوں نے توبہ اور بیعت کی اور آپ کو اپنے زمانہ مکان میں لے جا کر عورتوں سے توبہ کرائی اور بیعت لی، آپ اندر ہی تھے کہ نواب سھنا نے ایک سینی میں پانچ سو روپے ایک سرخ دو شالہ ایک بوٹے دار رونال اور کئی سپید تھان اور گلبدن اور شروع کے کئی تھان اپنے آدمی کے ہاتھ بھیجے، ایک سینی میں پان اور عطر کی دو شیشیاں دوسرا آدمی لایا، ایک لاکر ابر شیری تیرا آدمی لایا اس عرصے میں

آپ اندر سے تشریف لائے، اور دیوان خانے میں بیٹھے، اس وقت جو لوگ نواب صاحب کے نوکر چاکر خدمت گار حاضر تھے، ان کو نواب صاحب نے حکم دیا کہ تم بھی حضرت کے ہاتھ پر بیعت کرو، ان نے بھی بیعت کی۔ نواب قطب الدین خان نے ایک بیٹن قیمت روپہلی قیمت کی گجراتی تلوار جس پر نہری دھاریا تھیں، ایک بہت عمدہ ولایتی قبے دار سپر اور ایک فرد انگریزی سینول اور ایک نہایت عمدہ بنڈق اور دو کمائیں اور دو ترکش آپ کے سامنے نذر کے طور پر لا کر رکھے، آپ نے فرمایا کہ ”ابھی تو ہم حج کو جاتے ہیں، ان ہتھیاروں کو کہاں لئے لئے پھر س گے؟ ان کو آپ اپنے پاس رہنے دیجئے، انشاء اللہ دھر سے آکر لے لیں گے“ نواب صاحب مدوح نے عرض کیا کہ ”میں تو آپ کی نذر کر چکا، اب اپنے یہاں نہ رکھوں گا، موت سمجھے لگی ہے، کیا خبر کس وقت آئے؟ یہ ہتھیار آپ ہی لیتے جائیں“ کچھ روکد کے بعد آپ نے وہ ہتھیار قبول کئے اور اپنے پاس رکھ لئے۔ نواب قطب الدین کے یہاں سے فراغت کے بعد آپ کو اور دو نواب زادے اپنے اپنے مکان پر لے گئے اور خود بیعت ہوئے اور گھر کے لوگوں کو بھی مزید کرایا اور نذر دی۔

اسی روز ایک ڈومنی اپنی لڑکی اور دو لڑکوں کے ساتھ جن میں سے ایک کا نام عنایت اللہ دوسرے کا نام ہدایت اللہ تھا، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ ”میں ڈومنی ہوں، گانے بجانے کا پیشہ کرتی ہوں، میرا کئی مہینے پیشتر سے ارادہ تھا کہ میرا اس حرام پیشے سے توبہ کروں، مگر شرارتِ نفس سے باز رہی، اس نیت سے آپ کے پاس آئی ہوں“ آپ نے خوش ہو کر فرمایا کہ ”ہم تم کو مزید بھی کریں گے اور جو تم ہمارے ساتھ چلو تو حج بھی کروالائیں“

یہ بات سن کر وہ بہت خوش ہوئی، حضرت نے اس سے اور اس کی بیٹی اور دونوں بیٹیوں کی بیعت لی اور اس فرمایا کہ ”تمہارے یہاں جو کچھ ساتھ لینے کا اسباب ہو، آج ہی یہاں لا کر کشتی میں

چڑھا دو پرسوں یہاں سے کوچ ہے" اس نے اسی روز شام کو اپنا اسباب لا کر ناؤ پر چڑھا دیا۔
 عظیم آباد کے دوسو ڈاکروں رحیم خاں افغان اور عبدالرحمن خاں نے بھی بیعت کی اور
 اپنے اہل و عیال کو بھی مرید کرایا اور اپنے اور اپنے گھر والوں کے حق میں دعا کرائی، مولانا عبدالحی صاحب
 نے وعظ کہا آپ نے ان کو زکوٰۃ کی تاکید کی اور فرمایا کہ "یہ زکوٰۃ اپنے خویش و اقربا اور اپنے ہمسائے میں
 جو محتاج ہوں ان کو دینا اور جو تم سے ہو سکے اپنے مال سے سکین اور مسافروں کی خدمت کیا کرنا
 اس کے سبب اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں خیر و برکت کرے گا!"

عظیم آباد سے کلکتے تک

عظیم آباد میں قافلے کے لئے کھانے پکانے وغیرہ کا سفر کا ضروری سامان خرید گیا
 اور کچھ پالیں عیال دار آدمیوں کے لئے تیار کرائی گئیں۔

۲۶ محرم چہار شنبہ کو عظیم آباد سے روانہ ہو کر ۲۷ محرم پنجشنبہ کو آپ سوچ گڑھ
 پہنچے، باڑے میں قیام ہوا، بکثرت مسلمانوں نے دینی نفع اور برکت حاصل کی، وہاں کے نامی
 شرفاء میں سے خواجہ مولانا بخش، خواجہ علی، شیخ سوپن، واحد علی خاں، اکرام الحق اور صدہا
 آدمیوں نے بیعت کا شرف حاصل کیا، شاہ گھسیٹانے جو وہاں کشتری کے نائب تھے اور ان کی
 زندگی اور وضع قطع اول شرع کے مخالف تھی تو بہ اور بیعت کی، بیعت کے بعد اللہ تعالیٰ
 نے ان کو صراطِ مستقیم پر استقامت بخشی اور درجہ اخلافت سے ممتاز ہوئے۔

یہاں سے چل کر رستے میں دو منزلیں کرتے ہوئے، جہاں زیادہ تر غربانے بیعت کی

لہذا وقائع احمدیہ ص ۷۷، ۷۸، ایضاً ص ۷۸، ۷۹ یہ سوچ گڑھ مولانا سید زبیر حسین صاحب مدظلہ دہلوی کا وطن ہے

مولانا نے جیسا کہ ارغوان احباب اور تزیینہ الخواطر میں ہے سید صاحب کی زیارت سفر حج سے واپسی پر عظیم آباد میں کی۔
 لہذا "وقائع" ص ۷۸-۷۹

۲۸ محرم کو مونگیر ٹھہرے، یہاں بھی عام طور پر غریبانے بیعت کی اگلے روز ۲۹ محرم کو بھاگلپور منزل ہوئی، وہاں سے راج محل قیام ہوا، یہاں سے غنشی محمدی انصاری آپ کو اپنے وطن جو راج محل سے دس گیارہ کوس تھلے گئے، آپ ہاں ایک رات رہے، غنشی محمدی کے والد غنشی رُوف الدین اور ان کے عزیزوں میں غنشی مخدوم بخش، غنشی حسن علی، غنشی فضل الرحمن اور غنشی عزیز الرحمن نے بیعت کیا اور ان کے علاوہ اور بہت مردوں اور عورتوں نے بیعت کا شرف حاصل کیا، غنشی رُوف الدین اور غنشی فضل الرحمن آپ کے ساتھ ہوئے۔

راج محل سے کوچ کر کے ۵ صفر جمعے کو مرشد آباد ٹھہرے، یہاں شیعیت کے اثرات بہت تھے، شیوہ سنیوں میں کوئی فرق نہ تھا، آپ نے مولانا عبدالحی صاحب کو وعظ کا حکم دیا اور فرمایا کہ اہل سنت کے عقیدے اور مسلک کو وصنا کے ساتھ بیان کریں ان مواعظ کو سن کر سنیوں نے کہا کہ ہم تو سیدنا کے طفیل آج مسلمان ہوئے، فریقین کے صدا آدیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، ایک سید صاحب نے جن کے آباؤ اجداد کٹرہ کے رہنے والے تھے، بڑے اہتمام کے ساتھ سو آدمیوں کی دعوت کی۔

بندر ہوگلی

مرشد آباد سے روانہ ہو کر ایک شب کٹوا قیام رہا، وہاں سے کوچ کر کے ہوگلی قیام ہوا، بندر ہوگلی میں ایک ہفتہ قیام رہا، اہل حرفہ اور شرفا میں سے ہزاروں اشخاص نے بیعت اور خاطر مدارات کی۔

۱۷۰ وقائع احمدی، ص ۴۹۰-۴۹۱ ۱۷۱ ایضاً ص ۴۹۳ ۱۷۲ "مخزن احمدی" ص ۷

۱۷۳ "مخزن احمدی" ص ۷۔ قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرشد آباد سے کلکتے تک ۶ روز کا عرصہ صرف ہوا جس میں مختلف مقامات پر قیام رہا۔

بارہواں باب

کلکتہ میں

ایک مخلص کی پیش قدمی

بندر ہوگلی میں کلکتہ کی طرف سے ایک کشتی تیر کی طرح آتی ہوئی دکھائی دی، قریب آئی تو معلوم ہوا کہ ایک شخص جامہ پہنے، پگڑی باندھے سوار ہیں، کشتی قریب آئی تو ان جتنے پکار کر پوچھا کہ یہی قافلہ حج کو جانے والا ہے؟ کسی نے جواب دیا کہ "ہاں یہی قافلہ حج کو جاتا ہے آپ کہاں سے آئے ہیں اور اسم شریف کیا ہے؟" انھوں نے کہا "میں کلکتہ سے آیا ہوں، میرا نام امین الدین ہے" قافلہ کے لوگوں نے خط و کتابت سے ان کا نام سن رکھا تھا، انھوں نے پوچھا کہ حضرت کہاں تشریف رکھتے ہیں؟ لوگوں نے بھرے کی طرف اشارہ کیا، انھوں نے اپنی کشتی لے جا کر بھرے سے لگا دی اور بھرے پر گئے اور یہ صاف سے بڑے تپاک اور اشتیاق سے ملے، عافیت مزاج دریافت کرنے کے بعد کہا کہ "آپ نے اپنے وطن مبارک سے سرفراز نامہ بھیجا تھا کہ اب کے سال ہمارا ارادہ ہجرت کا ہے، تمہاری طرف ہمارا آنا نہ ہو سکے گا، جن صاحبوں کو ہماری بیعت کا اشتیاق ہو وہ ایک مجلس کسی جگہ مقرر کریں اور سچے عقیدے سے سب کے سامنے شرک و بدعت اور فسق و فجور سے توبہ کریں اور سچے دل سے عجز و زاری کے ساتھ خرابی میں دعا کریں کہ خداوند اہم کو اس توبہ پر ثابست قدم رکھ اور کچھ خرمے یا شیرینی لوگوں میں تقسیم کر دیں تاکہ لوگوں کو خبر ہو جائے کہ فلاں فلاں شخص نے بڑے کاموں کی توبہ کی ہے، چنانچہ ہم لوگ امر کی تجویز میں

اس عرصے میں آپ کا دوسرا عنایت نامہ وارد ہوا کہ ابھی ہم نے ہجرت کا سفر ملتوی کر دیا ہے پہلے ہمارا ارادہ حج کلمے اور ہم تقریباً پانچ سو آدمیوں کے ساتھ آتے ہیں اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ صاحبوں کے ملاقات ہوگی ہم لوگوں کو اس سے کمال خوشی ہوئی کہ اب اللہ تعالیٰ ہماری مرادیں پوری کرے گا پھر جب بنارس کے ہم لوگوں کے نام اس مضمون کا دوسرا الطاف نامہ آیا تو ہر ایک کو اشتیاق ہوا کہ آپ کو اتارنے کے لئے کوئی وسیع مکان تلاش کرے اکثر صاحبوں نے اپنے حوصلے کے موافق مکان تلاش کئے اور مول لئے ہیں نے بھی ارادہ کیا کہ کوئی مکان شہر کے اندر ملے تو بہتر ہے چنانچہ میری خواہش کے موافق ایک وسیع ساعے دار اور میوے دار باغ مل گیا اور میں نے اس کو خرید لیا، اس میں ٹیٹھے پانی کے تین تالاب ہیں ایک کو ٹھہری مردوں کے رہنے کی ہے اور بہت سے زنانے مکان ہیں جن میں عیال دار لوگ رہ سکتے ہیں میرا مقصد یہ ہے کہ سب سے پہلے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں بہت لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں لیکن میرا حق ثابت ہو چکا ہے آپ میرے ہی باغ میں چل کر قافلے کے ساتھ رونق افروز ہوں میں صرف اسی غرض کے لئے حاضر ہوا ہوں۔“

سید صفا نے فرمایا کہ بے شک آپ ہی پہلے آئے ہیں اور آپ کا حق ہم پر ثابت ہے آپ خاطر جمع رکھیں ہم آپ ہی کے باغ میں چل کر اتریں گے۔“

منشی امین الدین صاحب نے وہیں سید صفا کے پاس مولانا عبدالحی صفا سے ملاقات کی اور ان کے مولانا اسماعیل صفا کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں مولانا عبدالحی صفا نے دوسری کشتی پر آدمی بھیج کر ان کو بلوایا، وہ اسی طرح میلا کھیلے پرانے سفری کپڑے پہنے اپنی کشتی سے خشکی پر اتر آئے اور بھرے کی طرف چلے، لوگوں نے منشی صفا سے کہا کہ مولوی اسماعیل صفا آتے ہیں انھوں نے اس طرف دیکھ کر پوچھا کہ کہاں آتے ہیں لوگوں نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ وہ آئے ہیں منشی صفا نے جانا کہ یہ مولوی محمد اسماعیل صفا کوئی اور ہوں گے کہا میں ان مولوی محمد اسماعیل صاحب کو پوچھتا ہوں

جو مولانا شاہ عبدالعزیز صفا کے بھتیجے ہیں، لوگوں نے کہا کہ وہ یہی ہیں، منشی صفا آبدیدہ ہو کر تعجب میں رہ گئے اور بجرے سے خشکی میں اترے اور دو چار قدم استقبال کر کے ملے، معانقہ و مصافحہ کیا، عافیت مزاج پوچھی اور مولانا کو لے کر بجرے پر آگئے۔

منشی امین الدین صفا نے یہ صفا سے عرض کیا کہ "ایک بات یہ چاہتا ہوں کہ حسین کوئی بھائی دعوت کرے آپ اس کے مکان پر تشریف لے جائیں اور جس روز کہیں دعوت نہ ہو اس روز ہماری طرف سے ضیافت قبول فرمائیں" کلکتے سے کشتیوں پر لوگ ملنے کے لئے آ رہے تھے، ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "یہ لوگ آتے ہیں، جمع ہو جائے گا، فرصت نہ ملے گی، آپ جلد میرے سوال کا جواب مرحمت فرمائیں میں رخصت ہوں" یہ صفا نے فرمایا کہ "اس کا اقرار تو ہم نہیں کریں گے اس کو یوں ہی الشرتعالیٰ پر رہنے دو" انھوں نے کہا "یہ بھی تو الشرتعالیٰ کی طرف سے ہے آپ یائیں یا نہ مانیں میں یوں ہی کروں گا"

اس عرصے میں وہ لوگ بھی آ پہنچے اور آپ سے ملے اور اپنے اپنے مکانوں پر جانے کے لئے عرض کرنے لگے، کوئی کہتا تھا میں نے آپ کے لئے اس قیمت کا مکان خرید لیا ہے میں نے اتنے روپوں کا مکان کیا اب آپ جیسا مناسب جانیں، ویسا فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ "آپ سب آپس میں صلاح کر کے اتفاق کر لیں، ہم تو آپ سب بھائیوں کے ہمارے ہیں، جو کوئی ہم کو لے جائے گا ہم اس کے یہاں جائیں گے اور اس کی ضیافت قبول کریں گے" ان میں ایک شخص کا نام رضانی تھا، منشی امین الدین نے ان سے کہا کہ میں حضرت سے آپ سے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ "میں اپنے مکان پر اتاروں گا اور حسین کہیں دعوت نہ ہوگی میں کھانا بھجوں گا، اب تم صاحبوں کو اختیار ہے شوق سے حضرت کی دعوت کرو، میں اس میں راضی ہوں، اب تم حضرت سے بیٹھ کر باتیں کرو، میں اپنے مکان پر چلتا ہوں، یہ کہہ کر منشی صفا رخصت ہوئے، وہ لوگ صفا کے سامنے کہنے لگے کہ "حضرت کا منشی صفا کے مکان پر اتارنا ایک بات کے لئے

تو بہتر ہو گا کہ منشی حصار راہِ راست پر آجائیں گے اور ان کی ہدایت اور بہت لوگ ہدایت پائیں گے پھر وہ سب آپ کے یہ کہہ کر رخصت ہوئے کہ اب ہم رخصت ہوتے ہیں آپ کی کشتیوں کے کھلنے کا وقت بھی قریب ہے۔

منشی امین الدین حصار اور کلکتے کے لوگوں کے جانے کے بعد قافلے کے لوگوں نے سید صاحب سے کہا کہ لوگ آئے اور گئے ابھی مگر یہ ذکر کسی سے نہیں کیا گیا کہ کلکتے میں گھاٹ پر چل کر اسباب و ہتھیاروں کی تلاشی کا کیا ہوگا یہاں کلکتے میں کوئی چھری بلکہ لاٹھی تک باندھ کر نہیں جانے پانا، یہاں ہم لوگوں کے پاس محصولی اسباب بھی ہے اور ہتھیار بھی۔“

یہ سننے فرمایا کہ بات تو تم نے اچھی کہی، وہ لوگ چلے گئے، اب یہاں اللہ تعالیٰ ہے اس سے دعا کرنی چاہئے، اسی نے اپنے کرم اور فضل سے ہم سب کو یہاں تک پہنچایا اور وہی ہماری سب مشکلیں آسان کر دے گا۔“

یہ فرما کر آپ سر پرستہ ہو کر کمال احاح و زاری اور عجز و انکسار کے ساتھ جناب باری میں دعا کرنے لگے بہت دیر تک دعا کی دعا سے فایز ہو کر آپ نے فرمایا کہ اس سفر میں ایک جگہ اس بات کا مجھ کو خیال آیا کہ لوگوں سے سنتے ہیں کہ کلکتے میں میٹھے پانی کی بہت قلت ہے، مجھ کو تو شاید پر سمجھ کر لوگ کہیں نہ کہیں سے میٹھا پانی لادیں گے، مگر اتنے بھائی مسلمان جو میرے ساتھ ہیں ان کو کیوں کر ملے گا؟ اسی تشویش میں تھا کہ جناب الہی سے مجھ کو اطمینان دلایا گیا کہ ہم تو تجھ سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ یہ سب لوگ تیرے ہمراہی ہمارے وہاں ہیں جس طرح آرام سے ان کو لئے جاتے ہیں اسی طرح آرام کے ساتھ لے آئیں گے تو کیوں اس کا فکر و تردد کرتا ہے؟ تو ان کے لئے جس چیز کی تشویش کرتا ہے اس کے لئے وہاں تو انھیں کا محتاج ہوگا سو یہی باظہور میں آئی کہ منشی امین الدین نے آتے ہی پہلی ہی خوشخبری سنائی کہ میرے باغ میں میٹھے پانی کے تین تالاب ہیں فی الحقیقت اس امر میں ان کا محتاج ہوں گا، اس لئے کہ وہی لوگ تالاب سے لاکر مجھ کو بلائیں گے۔“

قیام گاہ

گھاٹ سے قیام گاہ تک دورویہ آدمیوں کا بازار لگا ہوا تھا، ہندو مسلمان یہودی عیسائی جمع تھے، اکثر ان میں ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ یہ کون لوگ ہیں اور کہاں سے آئے ہیں کہ کھلے ہوئے ہتھیار بھی کراچیوں میں لئے جاتے ہیں، اور مال و اسباب بھی بعض کہتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کہیں سے مع اسباب سلاح ڈاکو لوگ گرفتار ہو کر آئے ہیں بعض کہتے تھے کہ ڈاکو تو نہیں ہیں یہ تو انشراں اور اچھے لوگ معلوم ہوتے ہیں اگر کہیں کارا جہ کسی الزام میں گرفتار ہو کر آیا ہو تو عجیب نہیں اور جن کو خبر پہنچ گئی تھی وہ کہتے تھے کہ یہ پیرزادہ صاحب ہیں قافلہ لئے ہوئے حج کو جاتے ہیں۔

ناز مغرب کے بعد آپ فیس نشتی امین الدین حسنا کے باغ اور محل سرا میں آئے، آدھی رات تک مستورات اور دوسرے ہمراہی قیام گاہ کو منتقل ہو کر آگئے، سب کے پہنچنے پر دسترخوان بچھا کر تکف کھانا چنگیا، صبح نشتی حسنا نے تین سو روپے کی بوتیاں خرید کر قافلے کے لوگوں کو پہنائیں، ایک ہزار روپے کا کپڑا خرید کر قطع کر کے لوگوں کو کپڑے پہنائے۔

نشتی امین الدین

نشتی امین الدین بنگال کے خاندان شیوخ کے چشم و چراغ، نہایت ذہین وزیرک اور اقبال مندو جوان تھے، یہ حسنا کی نشتی بری کلکتہ سے دس بارہ سال پہلے سے کمپنی کے وکیل تھے،

لے "وقائع احمدی" ۸۰۲-۸۰۵ ۱۷ سفر کی قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶ صفر ۱۱۷۰ کو آپ

ببالہ میں نشتی امین الدین حسنا کے باغ میں منتقل ہوئے، اس سے پہلے اس یادداشت میں چار روز کا قیام مختلف

مقامات پر درج ہے جن میں سے دو مقام چیت پورا اور سیالہ اب بھی معروف ہیں۔ ۱۷ محرم احمدی ۱۱۷۰

کپتانی کی پوری عملداری (خلیج بنگال سے دریائے ستلج تک) کے مقدّمات سرکاری میں وہی سپروکار تھے، آمدنی کا یہ حال تھا کہ صاحب "مخزن احمدی" کہتے ہیں کہ شروع مہینے میں دو بار بیس تیس تیرا اور چالیس چالیس ہزار روپے ہاتھی پر لے کر ان کے گھر آتے دیکھے میں پانچ سو طلبا اور فقرا ان کی ڈیوڑھی سے دونوں وقت کھانا پاتے تھے، اور شہر شہماہی پر ان کو پوشاک ملتی تھی، اس کے علاوہ بیت اللہ شریف جانے یا اپنے وطن پہنچنے کے لئے جو شخص مصار سفر کی درخواست کرتا، ان کی سرکار سے اس کی امداد ہوتی لیکن اس نیاوی دولت و اقبال کے ساتھ دینی دولت سے بالکل محروم تھے، فرائض مذہبی اور عبادت سے کوئی سروکار نہ تھا، سرکاری کام سے فرصت پا کر سارا وقت شراب کباب عیش و عشرت کی نذر ہو جاتا، انتظام خانگی کا درد کبھی نہیں رکھا تھا، وہ بھی ایک و سزے شخص کے حوالے تھا، خود ہمہ تن دولت پیدا کرنے اور دنیا کا لطف اٹھانے کے لئے وقف تھے۔

حیدرآباد کے تشریف لانے کے بعد نئی حسنائے خاطر تو واضح بہت کی اور بے دریغ روپیہ خرچ کیا، دو ہفتے میں عمائد شہر علما اور متوسلین سرکار میں سے تقریباً دو ہزار اشخاص نے بیعت کی لیکن نئی حسنا اپنی اس زندانہ زندگی اور آزاد روی کی وجہ سے حیدرآباد کی بیعت گریز کرتے رہے کہ ایسے مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کی جائے تو ان کو وہاں سے توبہ کی جائے، ورنہ مرشد کو بدنام کرنے سے کیا حاصل؟ لیکن چند دنوں کے بعد اپنے ہم نشینوں اور دوستوں سے مشورہ کرنے کے بعد بیعت کی اور جلد ہی اس بیعت و تعلق کی برکت و کرامت دیکھ کر منہیات و محرمات سے توبہ کی اور مذہبی پابندی اختیار کی۔

قافلے کی سادگی

تین دن تک دنوں وقت نئی امین الدین حسنا کے یہاں سے بہت نفیس اور مکلف انواع

لہ "مخزن احمدی" ص ۷۵-۷۶ تاریخ کلکتہ مؤلفہ بد الزماں حسنا سے معلوم ہوتا ہے کہ اب جہاں کلکتہ کی شہور جامع مسجد

ناخدا ہے یہاں نئی امین الدین حسنا کیل صدر دیوانی کلکتہ کا مکان تھا ان کے انتقال کے بعد ان کے بھانجے نئی امین الدین حسنا نے

جہاں کے متولی تھے وہاں ایک چھوٹی سی مسجد بنا دی تھی جس کو ناخداؤں نے خرید لیا اور یہاں نئی امین الدین حسنا نے (ص ۷۹)

واقسام کا کھانا آیا، حضرت نے قافلے کے منتظرین سے حال پوچھا، انھوں نے عرض کیا کہ کھانا بہت افرات
سے اور بہت عمدہ آتا ہے، مگر طرح طرح کا آتا ہے، تقسیم میں دشواری ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ کہہ دینا کہ
ایک قسم کا کھانا لایا کرو، طرح طرح کا پرنکلت کھانا کیا ضرور، اول تو ہم لوگ تکلف والے نہیں ہیں،
دوسرے تقسیم کرنے میں دقت ہوتی ہے۔

منشی صاحب سمجھے شاید تکلفات میں کچھ کوتاہی ہوئی، انھوں نے داروغہ مطبخ کو تاکید مزید کی،
حضرت نے ان سے کہا کہ آپ کھانے میں تکلف بہت کرتے ہیں ایسا نہ چاہئے، ہم لوگ تو ماش
کی کھچڑی یا ماش کی دال چاول کھانے والے ہیں۔“

انھوں نے عرض کی کہ ”آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟ ہم کس لائق ہیں جو آپ کے لائق تکلف کھانا
پکوائیں؟ آپ کے واسطے تو جس قدر کسی سے کھانے میں اور خدمتگاری میں تکلف ہو سکے، وہ تھوڑا ہے
اور ہم نے تو اپنی اس عمر میں سب طرح کے کھانے کھائے بھی ہیں اور لوگوں کو کھلائے بھی ہیں اور سب طرح
کے آدمیوں کے ملاقات کی ہے، مگر ایسے حتمی ربانی خدا پرست بے ریاء اپنی آنکھوں سے کبھی دیکھے اور نہ کسی
ہم نے سنے، آپ میں معاملے کو اسی طرح رہنے دیں اور جو کچھ دال دلیہ آتا ہے، اسی کو قبول فرمائیں۔“

اس کے جواب میں سید صاحب نے فرمایا کہ ”طرح طرح کی خدمت گزاری سے تو یہی غرض ہوتی ہے کہ
اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو، سو وہ کام آدمی کرے کہ اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور اسراف
ریا اور نمود سے پاک ہو، تب وہ کام رضامندی کے لائق ہے اور یہ جو آدمی کے پاس روپیہ پیسہ اور اسباب
ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ایک دن اس کا حساب لینا ہوگا، اس کو بیجا بریاد کرنا نہ چاہئے، اسی کے فرمانے کے
موافق اس کو صرف کرنا چاہئے، اس کی راہ ہم آپ کو بتائیں، کھانے سے غرض تو سب بھرنے ہے، آپ
ہم لوگوں کے واسطے ایک قسم کا کھانا جیسا چاہیں ویسا بھیجا کریں، طرح طرح کے کھانوں کا تکلف کچھ ضرور
نہیں، ہم آپ کے لئے جناب الہی میں دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے یہاں خیر و برکت کرے۔“

نستی صنائے عرض کیا کہ ”مجھ کو آپ کا فرمانا منظور ہے“ بید صنائے نے ان کے واسطے دعا کی اور فرمایا کہ چار پانچ روز کے بعد آپ اپنے شہر کے چالیس پچاس اچھے اچھے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کیجئے، ہم کچھ خدا اور رسول کا ذکر بیان کریں گے آپ کے سب سے وہ بھی سن لیں گے آپ کو اور ان کو سب کو دین و دنیا دونوں کا فائدہ ہوگا!

اہل قافلہ کی احتیاط

محل سر کے باغ میں بکثرت میوہ دار درخت تھے، نارنگی لہیوں، چکوتڑہ، انجیر، انار، توت، امرود، ناریل، کھیلہ، انتاس، انگور وغیرہ سب طرح کے پھل تھے، اہل قافلہ کے لئے نستی صنائے کی عام اجازت تھی کہ جو میوہ چاہیں، درخت سے توڑ کر کھائیں، کوئی باغبان ان کو نہ روکے، مگر ان لوگوں کی احتیاط یہ تھی کہ درخت سے توڑنے کا کیا ذکر اگر اہو میوہ بھی زمین سے نہیں اٹھاتے تھے، بید صنائے کے پاس جو میوہ ڈالیوں میں لگ کر آتا تھا، وہ آپ سب کو تقسیم کرتے تھے، لوگ ہی کھاتے تھے، اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتے تھے۔ رات کو عورتوں کا ہجوم ہوتا، کوٹھی کے زمانہ مکان کے متصل کاکرہ تین چار سو عورتوں سے بھر جانا، بید صنائے کے دروازے پر تشریف لاتے اور دو تین پگڑیاں ان میں پھیلا دیتے اور فرماتے کہ ان سب کے بل کر پگڑلو، جب وہ پگڑتیں، تب آپ ان سے بیعت کے الفاظ کہلاتے، پھر کمرہ خالی کر دیا جاتا اور دوسری عورتوں سے بھر جانا اسی طرح ان سے بیعت لیتے، ہر شب کے آٹھ دس با عورتوں سے کمرہ بھر جاتا اور خالی کیا جاتا تھا۔

مصروفیت اور بیعت کرنے والوں کا ہجوم

دو ہفتے تک روزانہ ایک ہزار آدمی کے قریب بیعت مشرف ہوتے، روز بروز ہجوم بڑھتا

جاتا تھا، کثرتِ بیعت کا یہ حال تھا کہ صبح سے دوڑھائی پہر رات گئے تک مردوں اور عورتوں کا ہجوم رہتا، حضرت کو سوائے نماز پڑھنے اور ضروریاتِ بشری کے فرصت نہ ملتی تھی۔

علیحدہ علیحدہ ایک ایک شخص سے بیعت لینا محال تھا، ایک وسیع مکان میں سب جمع ہو جاتے، حضرت تشریف لاتے، سات آٹھ دستاریں کھول کر آپ لوگوں کے ہاتھ میں دے دیتے، لوگ ان کو جابجا تمام لیتے اور آپ بیعت کے الفاظ کو اذان کی طرح بلند آواز سے تلقین فرماتے، دن میں تیرہ یا اٹھارہ بار یہی عمل ہوتا۔^۱
شجرے کی مانگ دیکھ کر اہل مطالع نے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں شجرے چھاپے اور باغ کے دروازے پر شجروں کے لئے دوکانیں لگا دیں۔

سید صاحب کا وعظ اور عمومی اصلاح

سید صاحب نے منشی امین الدین صاحب سے فرمایا کہ اس دن ہم نے آپ سے کہا تھا کہ ایک روز کسی جگہ لوگوں کو جمع کیجئے، ہم آپ کو اور ان کو کچھ الشکر کا ذکر اور وعظ و نصیحت سنائیں، اب کسی دن اس کا انتظام کیجئے، انھوں نے عرض کیا کہ جس روز ارشاد ہو، میں لوگوں کو جمع کر دوں، آپ نے فرمایا کہ کل سویرے، سورج نکلے، سب کو ہمارے یہاں باغ میں لائیے، انھوں نے وعدہ کیا۔

اگلے روز سویرے، سورج نکلے، منشی صاحب صاڈھائی تین سو آدمیوں کے ساتھ سید صاحب کے پاس باغ میں آئے اور کھٹی میں بیٹھے، پہلے سید صاحب نے دعا کی کہ الہی جو کچھ میں جانتا ہوں، وہ بیان کروں گا اور بندوں کی ہدایت تیرے اختیار میں ہے، تو محض اپنے فضل و کرم سے ان بھائیوں کو ہدایت کرو اور شرک و بدعت اور فسق و فجور سے ان کو محفوظ رکھو اور سنت و توحید پر ان کو قائم کرو، اسی طور کے اور بہت الفاظ فرمائے، دعا کے بعد سورہ فاتحہ کا وعظ شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرح طرح کی حکمتوں اور قدرتوں اور نعمتوں کے

۱۔ "مخزن احمدی" ص ۷۷ ۲۔ "مخزن احمدی" ص ۷۸

بیان کیا، لوگ سنتے تھے بعض بعض بیپوش ہو جاتے تھے اس روز کوئی تین گھڑی تک اپنے وعظ فرمایا، وعظ کے بعد اپنے دعا کی اور سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ جن بھائیوں کا دل چاہے، وہ اسی وقت ہر روز تشریف لایا کریں اور خدا اور رسول کا ذکر سن کر چلے جایا کریں اس کے بعد حاضرین میں سے اکثر لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر رخصت ہو کر سب اپنے اپنے مکان کو چلے گئے۔

اسی طرح نماز فجر کے بعد یہ صائے ۱۵۔ ۲۰ روز تک وعظ فرمایا، دو ہزار سے زیادہ اُمرا اور علما اور درویش ہر روز آتے تھے اور غربا کا تو کچھ شمار نہ تھا، اکثر لوگ ہر روز یہ صائے کے رہو کہتے تھے کہ حضرت ہم تو سوائے مسلمان کے نام کے اسلام کی کوئی اور بات نہیں جانتے تھے، اسلام کا حال ہم نے آج آپ کی زبان سے سنا اور گویا آج ہی ہم مسلمان ہوئے، اکثر کم علم آدمی آپس میں کہتے تھے کہ امام مہدی یہی ہیں، یہ بات سن کر عالم لوگ ان سے کہتے تھے کہ اس طرح نہ کہو یہ کہو کہ نائب رسول اللہ ہیں۔

غیر مسلموں کا قبول اسلام

مولانا عبدالحی صاحب جمعے کو اور شنبہ کو نماز ظہر کے بعد شام تک وعظ فرماتے تھے، لوگ پروانہ وار جمع ہوتے تھے، روزانہ ۱۰-۱۵ ہند مسلمان ہوتے، دوسرے تیسرے روزان کا ختنہ ہوتا، ان کے رہنے کے لئے ایک علیحدہ مکان تھا، قافلے کے دن بارہ آدمی ان کی خدمت رکھتے تھے، مقرر تھے۔

نکاح کی ترویج

اس وقت بنگال میں کثرت سے رولج تھا کہ پہلا نکاح تو ماں باپ کر دیتے تھے، اس کے بعد جس کا بھی چاہتا کسی عورت کو اپنے گھر ڈال لیتا اور اس سے بغیر عقد و نکاح کے ازدواجی تعلقات

قائم کر لیتا چند متدین علماء اس خدمت کے لئے متعین ہوئے کہ بیعت کے بعد سو سو پچاس پچاس کی میوں کو الگ بٹھا کر ان کے حالات دریافت کرنے جس عورت یا مرد کے تعلقات بغیر نکاح کے ہوتے اور وہ دونوں ہاں موجود ہوتے ان کا نکاح پڑھا دیا جاتا، اگر دونوں میں سے کوئی ایک غیر حاضر ہوتا، اس کو طلب کیا جاتا اور نکاح پڑھا یا جاتا، اگر اس کی حاضری ممکن نہ ہوتی تو سخت تاکید کی جاتی کہ جلد اس فرض کو ادا کیا جائے۔

خلافِ شرع لوگوں کا مقاطعہ

برادریوں اور خاندانوں کے چودھریوں اور سرداروں نے اپنے اپنے کنبے خاندان میں اعلان کر دیا کہ جس نے میری رضا کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور شرعی پابندی اختیار نہیں کی، اس سے برادرانہ تعلقات منقطع ہیں، ہمیں اس سے اور اسے ہم سے کوئی سروکار نہیں، اس اعلان پر اس قدر ہجوم اور رجوع اور دین کا ایسا رواج عام اور شریعت و سنت کا ایسا بازار گرم ہوا کہ بقول صاحب "مخزن"

ز دیں خلق و عالم پر آوازہ گشت
تو گفتی کہ عہدِ نبیٰ ستازہ گشت

شراب کی کساد بازاری

کلکتے میں شراب کی دوکانوں کا یہ حال تھا کہ بیک سخت شراب کینی موقوف ہو گئی، دوکانداروں نے جا کر سرکار انگریزی میں اس کا شکوہ کیا کہ ہم لوگ سرکاری محصول بلا عذر ادا کرتے ہیں اور دکانیں ہماری بند ہیں، جب سے ایک بزرگ اپنے قافلے کے ساتھ اس شہر میں آئے ہیں شہر اور دیہات کے تمام مسلمان ان کے مرید ہوئے اور ہر روز ہونے جاتے ہیں انھوں نے تمام نشہ آور چیزوں کو توبہ کی ہے، اب کوئی ہماری دکانوں کو ہرگز نہیں نکلتا

بے پردگی کا انسداد

شیخ امام بخش نے جو کلمے کے بہت بڑے دو لہجے تیار ہوئے، دعوت کی کھلتے کے بعد یہ صاحب سے عرض کی کہ "آپ میرے زنانہ مکان میں تشریف لے چلیں، ہمراہیوں کے کہا کہ آپ اندر جا کر پردہ کرائیں، وہ اندر گئے، اور باہر آ کر کہا کہ پردہ ہو گیا، یہ صاحب آپ کے ساتھ مکان کے اندر گئے، وہاں تمام عورتیں بسا فخرہ پہنے فرش پر بے پردہ بیٹھی تھیں، آپ بکا بکا ان کو دیکھ کر گھبرائے اور دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ کر لاسول پڑھتے ہوئے باہر آ گئے، عورتوں نے شیخ امام بخش سے کہا کہ "حضرت دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر باہر کیوں تشریف لے گئے؟ خیر تو ہے؟" یہ سن کر وہ باہر آئے، یہ صاحب نے مولوی یوسف صاحب سے فرمایا کہ "یہ لوگ جانوروں کی مانند ہیں" انھوں نے پوچھا کہ "..... حضرت خیر تو ہے؟" فرمایا کہ "شیخ صاحب مجھ کو اپنے مکان میں لے گئے اور کہا کہ پردہ ہو گیا ہے، وہاں جو میں گیا تو دیکھا کہ تمام عورتیں ایک فرش پر بے پردہ بیٹھی ہیں، میں وہیں سے لوٹ آیا"

باہر مکان میں بہت سی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں، ایک کرسی پر یہ صاحب بیٹھ گئے، شیخ امام بخش بھی آپ کے پاس ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گئے، اور کرسیوں پر اور لوگ بیٹھ گئے، آپ نے شیخ امام بخش کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "آپ کے اس ملک میں پردے کا دستور نہیں ہے، اور یہاں کے لوگ اس کی برائی بھلائی سمجھتے ہیں، انھوں نے عرض کی کہ "اس وقت آپ کے لوگوں کے کہنے کے موافق میں اندر گیا وہاں کوئی غیر مرد نہ تھا، میں نے فرش بچھوایا اور عورتوں کو اس پر بٹھا کر باہر چلا آیا، میں نے جانا آپ اسی کو پردہ فرماتے ہیں"

آپ نے ان سے فرمایا کہ "اندر جائیے اور عورتوں کو ایک طرف دالان میں بٹھا کر دروں کے پردے چھوڑ دیجئے، پھر یہاں ہم باہر آ کر پردے کا حال آپ کو بتائیں گے"

اس ملک کا یہ بھی دستور تھا کہ نوکر خدمتگار بے تکلف زنا نہ مکان میں چلے جاتے تھے، اور جو چیز دینی ہوتی تھی ان کو دے آتے تھے، جو یعنی ہوتی تھی مانگ لاتے تھے، عورتیں ان سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔

شیخ امام بخش مکان کے اندر گئے اور پردہ کر کے باہر آئے، آپ نے جاتے ہوئے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ مولانا عبدالحی صفا کو بلا کر بٹھانا ہم تھوڑی دیر میں آتے ہیں یہ فرما کر اندر چلے گئے، لوگوں نے مولانا عبدالحی صفا کو بلا کر بٹھایا، کچھ عرصے میں آپ اندر سے تشریف لائے اور شیخ امام بخش سے پردہ کرنے کی خوبی اور نہ کرنے کی برائی بیان کرنے لگے اور فرمایا کہ "پردہ نہ کرنا کفار کی رسم ہے، اور اس میں بڑے بڑے فساد اور قباحتیں ہیں اور خدا اور رسول کی نافرمانی ہے، یہ سب بڑا گناہ ہے" اسی طور کے کلمات فرمائے، شیخ امام بخش نے عرض کی کہ "ہمارے اس پورے ملک میں کسی کے یہاں شرعی پردہ نہیں ہوتا ہے، تمام مشرفاء، غریبوں کے گھروں کا یہی حال ہے، اب بیکارکس کا بندوبست کرنا دشوار کام ہے، آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں سے اس بے دینی کو دفع کرے، اس کے بغیر خیال میں نہیں آتا کہ عورتیں مانیں گی،" سید صفا نے مولانا عبدالحی صفا سے فرمایا کہ "آپ ان لوگوں کو دو روز تک یہاں اسلام کے متعلق وعظ و نصیحت سنا لیں" مولانا نے فرمایا "میں حاضر ہوں جو ارشاد ہو بجلاؤں گا، اگر یہاں کی عورتیں تو طرح طرح کی بلاؤں میں مبتلا ہیں، فقط ایک پردہ نہ کرنا ہی تو نہیں ہے، شرک و بدعت کیا کم کرتی ہیں؟ آپ ان کے لئے دعا کریں، اور ہدایت تو اللہ کے اختیار میں ہے۔" سید صفا نے ننگے سر ہو کر بڑی عاجزی اور زاری کے ساتھ دعا کی اور فرمایا کہ "انشاء اللہ شرح بھائی تم سب دیکھو گے کہ جو اپنے یہاں پردہ کر والے سے گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم سے اس کا بندوبست کرنا مشکل ہے، وہ آپ ہی خوشی خوشی پردہ کریں گی،"

اور جو شرک و بدعت میں مبتلا ہیں وہ توحید اور سنت پر قائم ہو جائیں گی، جب اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو مع انجیر حرمین تشریفین سے پھر یہاں لائے گا، تب تم ہی لوگ ہم سے بیان کرو گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ایسی ہدایت کی "اسی طرح آپ نے بہت سی باتیں فرمائیں۔"

چوترے کے بجائے مسجد

یہ حدیث جس وقت شیخ صاحب کے زمانہ مکان میں تشریف لے گئے، آپ کے ہمراہی ایک چوترے پر جوتا پہنے کھڑے تھے، شیخ امام بخش کے نوکر چاکر اور محلے کے لوگ ان لوگوں سے تونہ بولے، لیکن آپس میں چکے چکے کچھ کہنے لگے، شیخ باقر علی نے ان لوگوں کو کہا کہ "بھائیو! ہم لوگوں کی طرف اشارہ کر کے کیا باتیں کرتے ہو؟" ان میں سے ایک نے کہا کہ "یہ چوترہ تعزیر رکھنے کا ہے، ہم لوگ اس کا ادب کرتے ہیں اور تم سب جوتا پہنے اس پر کھڑے ہو، ایسی باتیں پسند نہیں کرتے ہیں" ساتھی یہ سن کر خاموش رہے، جب یہ حدیث اندر سے تشریف لائے، تب ساتھیوں نے یہ حال عرض کیا، آپ نے کچھ جواب نہ دیا، شیخ امام بخش نے کہا کہ "حضرت یہ چوترہ ہمارا دادلے بنا یا تھا، تب سے ہمارے یہاں تعزیر بنتا ہے" آپ نے فرمایا کہ "شیخ بھائی! تم نے تمام شرک و بدعت سے توبہ کی ہے، اب یہ چوترہ دور کر دو!"

انہوں نے عرض کیا کہ "حکم ہو تو ابھی کھوڑ ڈالوں؟" آپ نے فرمایا کہ "بے یہی بات مگر اس پر چھوٹی سی مسجد بنا لو کہ تمہارے نوکر چاکر اس میں نماز پڑھیں گے۔"

شیخ صاحب موصوف یہ بات سن کر خوش ہوئے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی کروں گا، پھر آپ نے وہاں شیخ صاحب کو خلافت عطا فرمائی اور ان کے حق میں دعا کی۔

شیخ صاحب کی پیشکش اور سید صاحب کی معذرت

سید صاحب شیخ امام بخش سے رخصت ہونے لگے تو انھوں نے عرض کیا کہ میرے باغیچے تک بھی تشریف لے چلئے، وہاں ایک بہت مکلف کوٹھی بنی تھی شیخ صاحب نے دروازہ کھولا، آپ اس کے اندر گئے، بہت نفیس فرش بچھا تھا اور دیواروں میں آئینے اپنے اپنے موقع پر لگے تھے، شیشے کے جھاڑ پھت میں لٹکتے تھے، ایک کرسی پر سید صاحب کو بٹھایا اور وہاں کا سب کا رخا نہ اور اسے کھایا اور عرض کی کہ یہ کوٹھی آپ کی خادمہ نے بنوائی ہے، اس کی طرف سے یہ آپ کی نذر ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، سید صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو دے گا، ہم نے اس کو قبول کیا، اب ہم نے اپنی طرف سے یہ کوٹھی آپ کو دی آپ جو چاہیں کریں، ہم لوگ تو مسافر ہیں، ان مکانوں کو کیا کریں؟ شیخ صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہ بات تو نہ ہوگی، یہ مکان آپ کے ہے، چاہے بیچ ڈالے، چاہے کسی کو لے مار کر دیکھے، شیخ موصوف کے نوکروں نے سید صاحب کے ہمراہیوں کو کہا کہ "حضرت اس کوٹھی کو کیوں نہیں قبول کرتے؟ اگر کسی کو لے مار کر دیکھ دیں تو سو روپیہ یا ہوا کر لے آئے گا اور اگر بیچ ڈالیں تو پندرہ ہزار روپیہ کی بے گی" قادر بخش لکھنوی جو کلکتے میں دلائی کرتے تھے، انھوں نے جا کر سید صاحب کے کان میں کہا کہ شیخ امام بخش کے ملازمین یوں کہتے ہیں، اپنے فرمایا کہ ہم تو غریب مسافر ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو ہر روز نیا کھانا نیا پانی اور نیا مکان دیتا ہے، پھر بھلا ہم مکان لے کر کیا کریں؟ آپ نے شیخ صاحب موصوف سے فرمایا کہ یہ مکان ہم نے اپنی طرف سے آپ کو دیا، یہ آپ کو مبارک ہے، اور اس کے اجر میں اللہ تعالیٰ اپنی جنت میں اس سے بہتر مکان آپ کو عطا کرے، پھر آپ نے ان کے لئے دیر تک دعا کی۔

بنگال و آسام میں تبلیغ و اصلاح

مولوی امام الدین بنگالی آپسے اجازت لے کر اپنی والدہ کی ملاقات کے لئے اپنے وطن سو دارام گئے، ان کی تبلیغ و ترغیب سے حاجی پور سو دارام کے چالیس پچاس آدمی سیدنا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپسے ہاتھ پر بیعت کی، کلکتے کے بعض رؤسائے ڈھاکے خطوط لکھے تھے ان خطوط کو پڑھ کر کچھ لوگ ڈھاکے سے آئے، انہوں نے آپسے ملاقات کی اور مولانا عبدالحی صفا کا وعظ سنا اور اپنے میزبانوں سے جا کر بیان کیا کہ ہم لوگ تو جانتے تھے کہ تعزیر بنانا، نشان کھڑے کرنا پیریں، شہیدوں کی تذکرہ تیار کرنا، ان سے مراد میں مانگنا اور شاوی غمی میں طرح طرح کی خرافات کرنا یہی کام دنیاداروں کے ہیں ان وعظ کے سننے سے معلوم ہوا کہ "وہ سب بڑے کام ہیں اور ان کا کرنے والا مشرک اور بدین ہے، ہم لوگ آج تک بڑی غلطی پر تھے" انہوں نے کہا کہ تم کیا خود ہم بھی یوں ہی جانتے تھے، سید صاحب کے سبب اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت کی اور ہم تو سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، اب تم بھی چل کر بیعت کرو!"

وہ لوگ ان کو سیدنا کے پاس لائے اور ان کا حال عرض کیا کہ یہ لوگ ڈھاکے سے بیعت کے واسطے آئے ہیں، آپسے ان سے بیعت لی، بیعت کے بعد انہوں نے اپنی تعزیر داری، پیرہے ستی وغیرہ مشرک بدعت کا حال آپسے عرض کیا اور کہا کہ ہم لوگ آج تک ایسی کو دینداری جانتے تھے، یہاں وعظ کے سننے سے معلوم ہوا کہ یہ سب کام بڑے ہیں اور ان کے کرنے والے مشرک و بتدرع ہیں!"

ایک خطا وہ اپنے شہر سے لائے تھے، وہ آپ کو دیا اور عرض کی کہ ہمارے شہر کے تمام مشرقا اور غربا آپ کے دیدار کے مشتاق ہیں، اگر آپ وہاں تشریف لے جائیں تو ہزاروں غریب و راہبریں

لہ بنگال، ضلع نواکھالی

راہِ راست پر آجائیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔
 آپ نے وہ خط دیکھ کر اور ان کی عرض سن کر فرمایا کہ انشاء اللہ ہم اس کا جواب آپ کے کسی اور
 وقت دیں گے۔

اس عرصے میں سلہٹ، چاٹ گام اور آسام وغیرہ کے لوگ کشتیوں پر سوار ہو کر کھلتے آئے اور
 وہاں کے لوگوں کی ملاقات کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے ہمراہ عورتیں بھی تھیں، سب نے
 آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، بیعت کے بعد جو لوگ ان میں ہوشیار تھے، انھوں نے مولوی امام الدین حسنا
 کے ذریعے آپ سے عرض کیا کہ ڈھاکے کے لوگوں نے جو اپنا حال بیان کیا ہے، بعینہ ہی حال تمام ملک
 بنگال کا ہے نہ کوئی کبھی نماز پڑھتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے۔

سلہٹ اور چاٹ گام کے کئی شخصوں نے بیان کیا کہ ہمارے یہاں شادی غمی میں برادری کے
 واسطے جو کھانا پکتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ مٹی کے برتن تو کم ہوتے ہیں اکثر کیلوں کے پتوں میں لوگوں کو کھلاتے
 ہیں کھانے کے بعد جو کھانا برتنوں اور پتوں میں بچتا ہے اس کو پھینک دیتے ہیں وہ کوڑے کتے کھاتے ہیں۔
 سودارام اور آسام کے لوگوں نے عرض کیا کہ کھانا تو کیلوں کے پتوں میں کھاتے ہی ہیں اس کے
 علاوہ ملک بنگال میں اور بھی بہت بلائیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بکری کا گوشت تو کھاتے ہیں
 بکرے کا گوشت حرام جان کر نہیں کھاتے، ہندوان کے برعکس بکرے کھاتے ہیں بکری نہیں کھاتے۔
 چاٹ گام کے لوگوں نے کہا کہ ہمارے یہاں دستور ہے کہ عورتیں ہر روز مندریوں کی طرح برتن
 مانجھتی ہیں اور گوبر سے لیب کر اور چوکاڑے کر کھانا پکاتی ہیں، مجال نہیں کہ ان کے چوکے میں ویراخص
 چلا جائے، جب کھانا تیار ہوا تب کھانے والے آئے اور اپنی اپنی تھالی رکابی دھو کر چوکے کے قریب
 لائے اور الگ بیٹھے بعض ننگے سر، بعض سر میں کچھ کپڑا باندھ کر، پھر پکانے والی نے جو کھانا ان کے برتن میں
 الگ سے رکھ دیا وہ انھوں نے کھایا اور جو کھانا برتن میں بچ رہا، اس کو انھوں نے اپنے ملک کی رقم کے موافق ایک جگہ

ڈال دیا اور اس برتن کو راکھ سے دھوا بچھ کر چوکے میں رکھ دیا، یہ رسم ہمارے یہاں بزرگوں سے چلی آتی ہے۔ اور ایک دستور ہمارے یہاں یہ بھی ہے کہ جو لوگ وٹوں عیدوں کے تہوار کرتے ہیں، وہ اپنے کو بڑا مسلمان جانتے ہیں اور بعض لوگ عیدین اور محرم بھی کرتے ہیں اور ہولی، دیوالی، دہرا بھی کرتے ہیں، بھواتی کی پوجا بھی کرتے ہیں، پیروں، شہیدوں کی نذر نیا ز بھی کرتے ہیں اور ایک یہ رسم بھی ہمارے بزرگوں سے چلی آتی ہے کہ عورتوں سے نکاح بھی کرتے ہیں اور بے نکاح بھی عورتیں گھر میں ڈال لیتے ہیں اور ان سے جو لڑکے پائے پیدا ہوتے ہیں، ان کو کوئی بڑا نہیں جانتا۔

جب یہ حال سب اپنے اپنے ملک کا بیان کر چکے تو ان میں جو لوگ ٹریس اور سربرا آوردہ تھے انھوں نے عرض کیا کہ حضرت جن طرح ہو سکے، آپ ہمارے ملک میں تشریف لے چلیں اور ہم لوگوں کو گویا از سر نو مسلمان بنائیں۔

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ یہ ملک بہت وسیع ہے، اگر برس دو برس ہمارا رہنا ہوتا تو تمہارے ملک کا دورہ کرتے، اب جہاز کھلنے کا زمانہ قریب آیا، اب زیادہ ٹھیرنا نہیں ہو سکتا، مگر مولوی امام الدین صاحب جو سودا رام کے رہنے والے ہیں اور صوفی نور محمد صاحب سہٹی جو اب کلکتے میں رہتے ہیں اور تمہارے قریب وطن میں ان سے کہہ دیں گے، وہ تم سب کو ضروری دینی مسائل تعلیم کیا کریں گے، جس مسئلے کی تم کو ضرورت ہو کرے، ان سے پوچھ لیا کرنا خواہ خط کے ذریعے خواہ خود آکر۔

ان میں سے جو لوگ ہوشیار تھے، آپ نے ان کو تربیت کے لئے ان دونوں صاحبوں کے سپرد کیا اور ان حضرات نے توجہ فرمائی، چند دنوں کے بعد انھوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم تو آپ ہی کی خدمت میں رہیں گے اور اپنے گھر نہ جائیں گے، آپ نے ان کو سمجھا کر فرمایا کہ جہاں ہم تم کو بھیجیں، وہاں جاؤ وہاں جانا گویا ہمارے ہی ساتھ رہنا ہے، انھوں نے کہا کہ ہم فرماں بردار ہیں، جو ارشاد ہو، بلا عذر حاضر ہیں۔

آپ نے ان کو ایک ایک خلافت نامہ دیا اور اپنا خلیفہ کیا اور کسی کو کڑنا دیا کسی کو عامہ عنایت کیا اور کسی کو فقط تلج عطا فرمایا اور دعا کر کے ان کو ان کے ملکوں کو رخصت کیا اور ہر ایک سے کہہ دیا کہ جا بجا سیر اور دورہ کرتے رہنا اور توحید و سنت کا جو مضمون تم نے یہاں سیکھا ہے وہی لوگوں کو سکھانا اور ان کے شرک بدعت کے کام چھڑانا اور جو تم کو اسے کوٹے رنج و ایذا دے، صبر کرنا اور وعظ و نصیحت سے باز رہنا ہم تمہارے بعد بھی جناب الہی میں دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ سے امید قوی ہے کہ تمہارے ہاتھوں سے بہت لوگوں کو ہدایت ہوگی، جو کوئی زندہ رہے گا، تھوڑی مدت میں اس ملک بنگال کا حال دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح ہدایت عام کرتا ہے، لوگ اپنے دل میں کہیں گے کہ یہ وہی ملک بنگال ہے اور یہی آدمی ہیں کہ کوئی توحید و سنت کا نام نہیں جانتا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فضل و کرم کیا۔

یہ سن کر وہ سب لوگ اپنے اپنے شہر کو گئے، کلکتے کے اطراف کے جو لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر آئے تھے اور آپ سے بیعت کی تھی آپ نے ان سے فرمایا کہ جن کو ہم نے اپنا خلیفہ کیا ہے اور خلافت نامہ لکھ دیا ہے اگر تمہاری بستیوں میں جائیں تو جس کسی کو اللہ کا نام سیکھنا منظور ہو ان سے سیکھ لے جو لوگ ملک جاوا سے آئے تھے ان سے بھی آپ نے بیعت لی اور تعلیم اور توجہ کے لئے مولوی امام الدین حسنا اور صوفی نور محمد صاحب کے سپرد کیا، تعلیم اور توجہ کے بعد ان میں سے دو آدمیوں کو اپنا خلیفہ کیا وہ دونوں کچھ علم بھی رکھتے تھے توحید و سنت کی خوبی اور شرک و بدعت کی بُرائی ان کو خوب سمجھا دی اور رخصت کیا۔

آسام کے کچھ اور لوگ بھی آئے ان میں دو شخصوں کو بیعت کے بعد خلافت نامہ دیا اور توحید و سنت کی خوبی اور شرک و بدعت کی بُرائی کے مسائل خوب سمجھا دیئے اور فرمایا کہ تم جب تک اس شہر میں رہو تب تک ہر روز یہاں سے پاس آنا کرو، ہم تم کو توجہ دیا کریں گے اور جب اپنے ملک کو جانا تو یہاں لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیا کرنا اور لوگوں سے بیعت لیا کرنا اور ان کو توجہ دینا پھر آپ نے ان کے لئے دعا کی۔

سلطان ٹیپو کے شہزادے

ایک وزیر صفا کی خدمت میں محمد قاسم نام ایک خواجہ سر آئے اور سلام کے بعد عرض کی کہ یہاں شہر میں سلطان ٹیپو کے جو شہزادے نظر بندوں کے طور پر رہتے ہیں انھوں نے جب سنا کہ تکیے کے ایک پیر زادہ صاحب غنشی امین الدین کے باغ میں اترے ہیں تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم جا کر ان کا حال دریافت کرو کہ وہ کس کی اولاد میں ہیں کیونکہ سید ابوسعید اور سید ابواللیث مرحوم و معذور ہمارے خاندان کے مرثدوں میں ہیں ان کا مکان بھی وہیں ہے اگر اسی خاندان کے کوئی صفا ہیں تو ہم بھی ان کی قدم بوسی سے شرف یاب ہوں۔

سید صفا نے فرمایا کہ سید ابوسعید صفا تو ہمارے حقیقی نانا اور سید ابواللیث صفا ماموں تھے۔

یہ بات سن کر محمد قاسم خواجہ سر آپ سے رخصت ہو کر چلے گئے، ادھر کلکتے کے بعض معتدلوں کو نے بیان کیا کہ ان شاہزادوں کے مکان میں عبدالرحیم نامی ایک بڑا منطقی اور فلسفی ملحق رہتا ہے اسی کے وہ سب معتقد ہیں اس نے سب کو ملحق بنا دیا ہے کہ نہ خدا کو خدا جانتے ہیں اور نہ رسول کو رسول، وہ کہتے ہیں کہ نہ تو مخلوق کا کوئی پیدا کرنے والا ہے نہ کوئی ماننے والا، ہمیشہ سے اس عالم کا یہی خاصہ ہے کہ سب چیزیں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں، پھر خود بخود فنا ہو جاتی ہیں۔

آپ نے ان کا یہ حال سن کر کچھ دیر سکوت کیا اور فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ دو چار ملاقاتوں میں وہ سب درست ہو کر راہ راست پر آجائیں گے۔

لے مولیٰ عبدالرحیم کے والد کا نام صاحب علی تھا، گورکھ پور کے رہنے والے وہی ہیں شاہ عبدالعزیز اور ان کے نامور بھائیوں سے تعلیم حاصل کی اور علوم عقلیہ میں تو دل کیا، کلکتے کے سفر میں انگریزی زبان کی تحصیل کی اتحاد و زندگی کی عام شہرت تھی تصنیفات میں کا زار حیدری ہے جو سلطان ٹیپو اور ان کے والد جید علی کے حالات پر لکھی ہے، عربی اور فارسی زبان کے مقابلے پر بھی ایک کتاب لکھی جس میں فارسی کو عربی پر فضیلت دی ہے، آفاک کے سکون پر بھی ایک سالہ ہے ایک کتاب "الأذکار المشرقیة فی الاسرار المنطقية" اور التالیفات التمثیلیة فی رسالة الاسرار المنطقية" بھی ان کی تصنیفات سے ہے۔

(نزیہۃ الخواطر جلد ۲)

دوسری بار اسی دن باگلے روز محمد قاسم خواجہ سر اچھے آئے اور ان شاہزادوں کا پیرا آپ کے پاس لائے کہ شاہزادوں آداب تسلیمات کے بعد عرض کیا ہے کہ آپ تو ہمارے خاندان کے پیرو مشد ہیں، ہم لوگوں کی بڑی بے نصیبی ہے کہ تمام اہل شہر آپ کے شرف بیعت مشرف ہوئے اور ہم اب تک اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں آپ ضرور غریب خانے پر تشریف لائیں اور اپنے دیدار فیض آتار سے ہم کو محفوظ فرمائیں؛ آپ نے فرمایا کہ بہتر ہے ہم چلیں گے آپ سیں پر سوار ہو کر محمد قاسم کے ساتھ تشریف لے چلے، مولانا عبدالحی صاحب مولانا محمد اسماعیل صاحب اور آپ کے بھانجے بید احمد علی صاحب ان کے علاوہ اور بھی کوئی دو ڈھالی سو آدمی ہم کو اب ہوئے، قیام گاہ سے ان شاہزادوں کا مکان کوئی دو کوس تھا، محلے کا نام ریا پکا تھا جاتے ہوئے عبد الرحیم کا مکان راستے میں بائیں ہاتھ پڑتا تھا مگر سر راہ سے کچھ دور الگ تھا، جب ریا پکا کی سواری ان مکان کے برابر پہنچی آپ نے مولانا محمد اسماعیل صاحب سے فرمایا کہ آپ عبد الرحیم کے پاس جائیے اور دیکھیے کہ ان کا کیا حال ہے، جیسا لوگ کہتے ہیں ویسے ہی ہیں تو ان کو سمجھا کر معقول کھینچے، ایک آدمی اور بھی ساتھ لے لیجئے چنانچہ بید احمد علی صاحب مولانا کے ساتھ گئے اور ان سے جا کر ملاقات کی، مولانا کے وہ اس زمانے سے واقف تھے، جب شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس پہلی میں پڑھنے تھے، چار پانچ گھنٹے گفتگو رہی میں بالآخر عبد الرحیم کو ساکت ہونا پڑا اور مولانا اٹھ کر ریا پکا کے پاس گئے۔ ہر شاہزادے کا ایک جدا جدا بنگلہ بہت نفیس و مکلف بنا ہوا تھا، بڑے شاہزادے کو اپنے اتنا کی شکست کا حال معلوم ہو چکا تھا، اس نے ان حضرات کی آمد کی خبر سن کر اپنے بنگلے کا دروازہ بند کر لیا، محمد قاسم خواجہ سرانے ریا پکا کو ایک بنگلے میں جا کر بٹھایا اور شاہزادوں کو وہیں بلا لیا، بڑا شاہزادہ تو غصے اور سچ کی وجہ سے نہیں آیا، باقی سب شاہزادے حاضر ہو گئے، دس دس بارہ بارہ برس کے تھے، محمد قاسم نے

۱۔ قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ٹیپو سلطان کے شاہزادوں کے مکان پر ۳ ربیع الاول چہار شنبہ کے دن تشریف لے گئے۔
 ۲۔ سلطان ٹیپو کی شہادت ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۹ء) کو ہوئی جس کو ریا پکا کے سفر حج اور قیام کلکتہ کے زمانے میں ۲۲ برس ہو چکے تھے اس لئے یہ شاہزادے جن کی عمر دس دس بارہ برس بتلائی گئی ہے، سلطان شہید کے پوتے ہوں گے۔

ان کو سید صنا کے پاس لاکر بٹھایا اور سب کا علیحدہ علیحدہ تعارف کرایا، آپ نے ان سے بیعت لی، محمد قاسم
 آپ کو شاہزادوں کے زمانے مکانوں میں بھی لے گئے، وہاں بیگیاں نے بیعت کی اور چند تھان نذر کئے،
 آپ نے محمد قاسم کو اطمینان دلایا کہ انشاء اللہ تین چار بار کے آنے میں تمام شاہزادے درست ہو جائیں گے۔
 آپ ہاں سے باغ میں تشریف لائے، محمد قاسم بھی ساتھ آئے، وہ تمام دن سید صنا کی خدمت میں
 رہتے تھے، اور دونوں وقت کھانا اپنے مکان سے منگو کر یہیں کھاتے تھے، اور روزانہ عشا کی نماز پڑھ کر
 واپس مکان جاتے تھے، اور صبح کو پھر حاضر ہوتے تھے، آپ نے شاہزادوں کو توبہ دینے کے لئے حاجی احمد صنا
 عرف حاجی بوڑھے صنا و لائیتی کو مامور کیا تھا، ان شاہزادوں کے احوال اور ترقیات کو دیکھ کر جن
 شاہزادوں نے بیعت نہیں کی تھی، ان کو بھی کمال اشتیاق ہوا کہ ہم بھی بیعت کر کے اس نعمت سے بہرہ یاب ہو
 چنانچہ ان شاہزادوں نے بھی بیعت کی، صرف بڑا شاہزادہ باقی رہ گیا اور اس نے ملاقات بھی نہیں کی۔
 محمد قاسم خواجہ سر شاہزادوں کو لے کر بڑے شاہزادے کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ آپ
 سید صنا کے پاس چل کر ملاقات تو کر لیں، اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟ بیعت کا آپ کو اختیار
 ہے، چاہئے کریں، چاہئے نہ کریں، چنانچہ اس کو راضی کر کے سید صنا کے پاس آئے اور آپ کو بڑے
 شاہزادے کی کوٹھی میں لے گئے، شاہزادہ کوٹھی کے دروازے تک استقبال کو آیا اور آپ کو کوٹھی
 کے اندر لے گیا، ہمراہیوں میں سے دو یا تین آدمی ساتھ گئے اور باقی باہر کھڑے رہے۔

شاہزادے نے عربی زبان میں واجب الوجود کے وجود اور رسالت اور قرآن کے انکار پر تقریر
 کی، سید صنا نے فرمایا کہ ہماری پیدائش اور نشوونما ہندوستان میں ہوئی ہے، کبھی عربی زبان میں بات چیت

لے محمد قاسم کا تعلق سید صاحب سے اتنا گہرا اور مستحکم ہوا کہ مجاہدین کے ساتھ ہجرت کی اور جہاد میں شریک ہوئے

منظورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امت تک شریک ہے، اور اعانت مجاہدین کے لئے مولانا اسماعیل شہید سے اجازت

لے کر ہندوستان واپس ہوئے (منظورہ ص ۷۹۳) لے "وقائع احمدی" ص ۸۹۸-۹۰۲

کرنے کا اتفاق نہیں ہوا، اصل غرض مقصد کا ظاہر کرنا ہے، بہتر ہے کہ آپ ہندوستانی میں گفتگو کریں تاکہ میں اور حاضرین مجلس آپ کے کلام کو سمجھیں۔ اس نے کچھ توقف کے بعد فارسی میں گفتگو شروع کی، آپ نے فرمایا، ہر چند کہ فارسی زبان کو سمجھتا ہوں اور آپ کی عربی اور فارسی زبان دانی حاضرین پر ظاہر ہو گئی ہے، یہ تکلف ہے، بہتر ہے کہ آپ اپنی مادری زبان میں گفتگو کریں، اس وقت انھوں نے اردو میں قواعد منطقیہ اور دلائل کلامیہ کی رعایت کے ساتھ گفتگو شروع کی، ہولانا محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خیال آیا کہ شاید حضرت مجھ سے جواب دینے کے لئے ارشاد فرمائیں، مگر سید صاحب نے خود ہی قواعد منطقیہ کا لحاظ کئے بغیر جیسے کسی طفل مکتب کو تعلیم کرتے ہیں، کلمات عارفانہ، بلکہ سپاہیانہ سے اس کو سمجھانا شروع کیا اور تھوڑی دیر میں قائل کر دیا۔

محدث قائم آپ کو بیگمات میں لے گئے، ٹیپو سلطان کی بیٹی نے آپ کو بلایا تھا، اس نے عرض کی کہ ہمارے بڑے بھائی صاحب نے آپ سے ملاقات کی، اچھ لٹرا، ہم کو کمال خوشی حاصل ہوئی، ہم کو ان کا حال اور خیال دیکھ کر اس کی امید ہرگز نہ تھی، اب خدا کی ذات سے امید ہے کہ وہ بیعت بھی کر لیں گے۔ بیگم نے اور بیگمات کو بھی وہیں بلایا اور سب سے بیعت کرائی اور خود بھی بیعت کی اور عرض کی کہ آپ عا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہمارے بھائی صاحب کو ہدایت نصیب کرے، آپ نے ان سے کہ لئے دعا کی ان بیگمات نے کوئی پچالیس پچاس چھوٹی چھوٹی تشریحوں میں کئی اقسام کی مٹھالی پیش کی، کسی تشریح میں مٹھالی کی الاٹچیاں تھیں اور کسی میں مٹھالی کے جائے فصل اور بادام اور کسی میں شربتی اور پوے تھے، تشریحاں بھی رنگارنگ آگینے کی تھیں، کوئی سبز، کوئی زرد، کوئی گلابی، کوئی نیلی، کوئی سپید، شفاف اور کوئی منقش چینی کی، وہ سب تشریحاں آپ نے باہر لوگوں میں بھیج دیں، شربتی تھوڑی تھوڑی سب میں تقسیم ہوئی، اور آپ سوار ہو کر باغ میں تشریف لائے۔

کئی روز کے بعد مجدد قاسم خواجہ سر آئے اور عرض کیا کہ کل بڑے شاہزادے کے یہاں کیا
 اور تمام قافلے کی دعوت، اگلے روز سویرے شاہزادے کے یہاں سے طرح طرح کی بہت سواریاں
 آئیں گوئی پچھ گھڑی دن چڑھے آپ باغ سے سواری ہوئے اور قافلے کے کوئی تین سو آدمی آپ کے
 ہمراہ ہوئے، بنگلے کے قریب سہیں رکھی گئی، آپ نے بنگلے میں تشریف لے گئے اور کچھ دیر بیٹھے، سب
 شاہزادے جمع ہو کر آپ کو بڑے شاہزادے کی کوٹھی میں لے گئے، وہاں بڑے شاہزادے نے آپ کے ہاتھ
 پر بیعت کی اور کئی من رنگ برنگ کی انگریزی اور ہندوستانی مٹھالی لوگوں میں تقسیم کروائی، بیعت کے بعد
 شاہزادہ آپ کے زمانہ مکان میں لے گیا وہاں عورتوں نے بیعت کی، دوپہر کے قریب آپ وہاں سے باہر تشریف
 لائے اور تھوڑا کھانا کھا کر سوئے، ظہر کے وقت آپ نے اٹھ کر وضو کیا، نماز پڑھی اور بیٹھ کر دو چار گھڑی عطا فرمایا۔
 اس عرصے میں مجدد قاسم خواجہ سر آئے اور عرض کی کہ ایک سگم صاحبہ کا محل باقی ہے وہاں بھی تشریف
 لے چلیے، آپ ان کے ساتھ وہاں بھی تشریف لے گئے، وہاں کی تمام عورتوں نے بھی بیعت کی، عصر کے قریب
 آپ وہاں سے باہر آئے، ان سگم نے بھی بہت شیرینی بھیجی، وہ تقسیم کی گئی، آپ نے عصر کی نماز پڑھی، دو تین گھڑی
 کے بعد سب ہمراہ سونے کھانا کھایا، آپ نے مغرب کی نماز پڑھی اور عشاء بھی، اس کے بعد آپ نے کھانا
 تناول فرمایا، پھر سب چھوٹے بڑے شاہزادے جمع ہو کر آپ کے پاس آئے اور عرض کی کہ "حضرت! ہم تو آج
 از سر نو مسلمان ہوئے اور آج ہی دین اسلام کی قدر جانی، اب ہم سب کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ
 ہم کو تاحین حیا اسی راہ مستقیم پر ثابت قدم رکھے، اور شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے" آپ نے بہت
 دیر تک کمال احوال و زاری اور عجز و انکسار کے ساتھ دعا کی اور فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے اب شیطان کو
 تمہارے یہاں سے دفع کر دیا چند دن کے بعد دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے یہاں کیسی خیر و برکت کرے گا۔"
 ان شاہزادوں نے ملازموں سے تاکید کی کہ عبد الرحیم ہمارے یہاں نہ آنے پائے، آپ
 ان سے رخصت ہو کر باغ میں تشریف لائے۔

ایک پیرزادے کے مکان پر

کلکتے میں ایک پیرزادہ صفا تھا، انھوں نے بیعت سے کہلا بھیجا کہ آپ میرے غریب خانے پر تشریف لائیں، آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم کسی وقت آئیں گے، یہ سن کر شہر کے چند شخصوں نے آپ سے عرض کی کہ "آپ نے ان پیرزادہ صفا کے مکان پر جانے کا اقرار کر لیا ہے، وہ شخص تو کچھ خلاف شرع سے ہیں۔" آپ نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا خلاف شرع کام کرتے ہیں، انھوں نے عرض کی کہ "وہ نجومی ہیں شہر کے اکثر نیٹ، نجومی ان کے پاس جاتے ہیں اور ان سے قواعد نجوم دریافت کرتے ہیں، آپ کو جو وہ وہاں اپنے مکان پر بلاتے ہیں، وہ صرف اسی امر پر مباحثہ کرنے کے لئے بلاتے ہیں، اس کے سوا اور کوئی عرض نہیں، آپ نے فرمایا "خیر جو کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا" اور ان پیرزادہ صاحب کے آدمی سے فرمایا کہ تم پر سوں آنا، انشاء اللہ تعالیٰ ہم تمہارے ساتھ چلیں گے۔

وہ شخص وعدے کے موافق لینے آیا، آپ سنس پر سوار ہوئے، چپس تیس آدمی آپ کے ہمراہ ہوئے، جب آپ کی سواری پیرزادہ صفا کے احاطے کے پھاٹک پر پہنچی، آپ سواری سے اترے تو دیکھا کہ پھاٹک کی چوکھٹ سے پیرزادہ صفا کی کوٹھی تک پگڑیاں بچھی ہیں، ان کے لوگ، جو وہاں سے آپ کو لینے آئے، انھوں نے عرض کی کہ آپ ان پگڑیوں پر چلئے، آپ نے ان سے فرمایا کہ "پگڑی تو سر پر باندھنی چاہئے اور چلنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے زمین بتائی ہے، ہم تو زمین پر چلیں گے، انھوں نے کسی بار بار تکرار وہی عرض کی کہ آپ اس پر چلئے، آپ نے کسی طور نہ مانا اور زمین پر ہو کر ان کے بنگلے میں جہاں وہ پیرزادہ صفا تھے تشریف لے گئے اور سلام علیکم کہا، انھوں نے سلام کا جواب دیا اور مصافحہ و معانقہ کر کے آپ کو فرش پر بٹھایا اور عافیت مزاج پوچھی، آپ نے ان کی خیر و عافیت پوچھی، کچھ گفتگو اور تواضع کے بعد انھوں نے بیعت کی درخواست کی اور سب باتوں کو سبکی، ان کے جو مرید حاضر تھے، ان سب سے بیعت کروائی اور جو وہاں حاضر نہ تھے، ان کو

حکم دیا کہ ہمارا جو مرید پیدھنکا کے دست مبارک پر بیعت نہ کرے گا، وہ ہمارا مرید نہیں ہے پھر ایسا وقت نہ لے گا۔
 میں کہ اپنے فرمایا کہ آپ کو میری طرف سے اجازت ہے کہ آپ ہی ان سے بیعت لیں،
 ہم آپ کو خلافت نامہ دیں گے یہ بات سن کر وہ بہت خوش ہوئے، پھر انھوں نے بہت سی مٹھائی
 منگوائی اور تقسیم کروائی، اس کے بعد آپ مکان پر تشریف لائے۔

ایک دن کے بعد اپنے ان کو ایک کڑا دیا اور ایک بگڑی عنایت فرمائی اور ان کو مولانا عبدالحی
 صاحب سے خلافت نامہ لکھوا دیا اور ان کو حاجی عبدالرحیم صاحب کے سپرد کیا، ایک دن انھوں نے حیدرآباد سے
 عرض کی کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ نے بڑی عنایت کی، اگر میرا آپ کے دست مبارک پر توبہ نہ کرتا اور یوں ہی
 مرجاتا تو میری عاقبت تباہ ہو جاتی، اللہ تعالیٰ نے اس شہر میں آپ کو گویا میری ہی ہدایت کے لئے بھیجا ہے
 اب آپ دعا کریں کہ پروردگار مجھے تادم موت اسی توبہ پر قائم رکھے، آپ نے ان کے لئے دعا کی۔

ایک نایاب تحفہ

آپ کے پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد سید احمد علی صاحب جو بعض ضروری کاموں کے لئے وطن پھیر گئے تھے،
 کلکتے آئے اور امانت کے پانچ ہزار روپے جو فقیر محمد خاں کے پاس تھے، لائے، انھوں نے سید صاحب اور
 سب عزیزوں اور دوستوں سے کہا کہ میں سب صاحبوں کو ایک خوشخبری سنا تا ہوں، سب نے بڑے
 اشتیاق سے کہا کہ فرمائیے کیا خوشخبری ہے، کہا "شاہ عبدالقادر رضا کا ستر روپے کا قلمی ترجمہ قرآن لایا
 ہوں" اور سب کو دکھلایا، سب لوگ دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ ستر روپے میں گویا مفت ملا۔

اس ترجمے کو سب سے پہلے مولوی عبدالشہید سید بہادر علی اودھی مرحوم نے کلکتے میں طبع
 کرایا، پھر اس کی اشاعت عام ہو گئی۔

فقیر منعم

کلکتے کی مدت قیام میں صدہا حاجت مند سائل اور شرفا آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، کوئی اپنی لڑکی لڑکے کی شادی کے لئے، کوئی قرض ادا کرنے کے لئے، کوئی مسجد اور کنواں بنانے کے لئے اوراد طلب کرتا، آپ کسی کے سوال پر نہیں نہ کرتے، شیخ عبداللطیف صاحب تاجور مرزا پورا جن کے سپرد یہ خدمت تھی کہتے ہیں کہ کلکتے کے قیام میں دس ہزار روپے اہل حاجت اور سائلوں کو دیے گئے۔

مرد خدا کا یقین

بغداد کے ایک پیر زادے سید احمد نام منشی امیر کے مکان پر اترے تھے، وہ بھی حج کے ارادے سے آئے تھے، اور پہاڑوں کی روانگی کے موسم کے منتظر تھے، ان کو درویشی و بزرگی کا بھی دعویٰ تھا، جس منشی کے یہاں وہ ٹھہرے تھے، بڑا مال دار اور صاحب اعتبار تھا، اور ان کا مرید بھی تھا، ان کو یہ خیال ہوا کہ سید صاحب کسی طرح میری ملاقات کو آئیں، اس سے میری عزت و عظمت لوگوں کے دل میں زیادہ ہوگی، بعد میں یہ بھی ان کی ملاقات کو چلا جاؤں گا، انھوں نے ایک شخص کی زبانی آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ سے ملنے کو دل بہت چاہتا ہے، لیکن میں بیماری کے باعث آپ کی ملاقات کو نہیں کر سکتا، آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ "بیمار کی عبادت سنت، ہم ہی ان کی ملاقات کے لئے آئیں گے، ان سے کہنا کہ وہ یہاں آنے کی تکلیف نہ کریں!"

اسی روز نماز مغرب کے بعد آپ چند آدمیوں کے ساتھ سید بغدادی صاحب کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے، ان سے ملاقات اور مزاج پرسی کی انھوں نے کہا کہ "میں نے سنا ہے کہ آپ یہ قافلہ لے کر بارادہ حج

تشریف لائے ہیں اس خم غفیر اور جماعت کثیر کے ساتھ آپ کو مناسب نہ تھا اتنے لوگوں کو ہجاز پر کون بٹھائے گا اور کھانے کی پٹے کا خرچ کہاں سے آئے گا؟

آپ نے ان سے فرمایا کہ ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر انگریز حاکم چاہے تو ہزار دو ہزار آدمی ہجاز پر سوار کر کے حج کو یا کسی اور ملک کو پہنچائے یہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہزار دو ہزار کی کیا حقیقت ہے؟ اگر وہ چاہے تو دس پانچ ہزار آدمیوں کو ہجاز پر سوار کر کے چلا جائے وہاں پہنچا دے یہ صائنے فرمایا کہ سبحان اللہ! مخلوق انگریز حاکم جو ہر امر میں جناب باری تعالیٰ کا محتاج ہے اس کو تو یہ مقدور کہ ہزاروں آدمی ہجازوں پر چڑھا کر جہاں چاہے وہاں پہنچا دے اور وہ شہنشاہ عالم پناہ پروردگار جہاں جس کے آگے انگریز حاکم ادنیٰ فقیر سے بھی زیادہ محتاج ہے اتنا مقدور نہیں رکھتا کہ ہم چھ سات سو غزبا کو کے میں پہنچا دے؟ آپ کا عقیدہ عجیب ہے!

یہ تقریر پر تاثیر سن کر وہ اپنے دل میں نہایت پشیمان و شرمندہ ہوئے اور کچھ نہ بولے آپ نے فرمایا کہ آپ سن لیں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں ہجازوں کا کامیابی دے کر اور سب بھائیوں کو ہمراہ لے کر جاؤں گا اور حج کر کے مع انخیر آؤں گا اور خیر اتنی ہجازوں پر نہ آپ وارہوں گا نہ اوڑوں کو سوار کر آؤں گا!

۱۹۰۹-۱۹۱۰ء - یہ پیش گوئی حوت بھرت پوری ہوئی اس کے بالمقابل سید احمد بغدادی حقتا کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا وہ بظاہر بظاہر آگیز ہے۔ وقائع احمدی میں ہے کہ باوجودیکہ سید بغدادی کے میزبان و مرید شیخ امیر اکثر ناخداؤں سے تعارف رکھتا تھا اور صاحبِ مقدر تھا، مگر ہر چند سی اور کوشش کی کوئی ہجاز نہ ملا کہ سید بغدادی کو سوار کرانا، سید حقتا کے قافلے کی روانگی کے چند دنوں بعد شیخ امیر اکثر ایک اہل حق ناخدا بھی کو جاتا تھا، شیخ امیر سید بغدادی کو اس ہجاز پر سوار کر دیا ایک منزل کی سوی اس ناخدا آشنائی رکھتی تھی وہ بھی ناخدا کے ہجاز پر سوار ہو کر گئی اور وہ ہجاز کلکتے سے روانہ ہو گیا، دوسرے روز اس منزل کو خبر ہوئی اس نے عدالت میں جا کر اس ناخدا پر پالتی کی عدالت سے اس ہجاز کی واپسی کا حکم ہوا کئی دن بعد کلکتے میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ سید احمد جو قافلے کے حج کو گئے ہیں وہ پکڑے گئے، سید حقتا کے مخلص و معتقد اگر چہ ان کو اس خبر کا یقین نہ تھا، بڑے مضطرب و متفکر ہوئے اور مماندین خوش ہوئے، جب وہ ہجاز کلکتے واپس آیا تب معلوم ہوا کہ اس ہجاز میں سید احمد بغدادی ہیں اس وقت مماندین شرمندہ ہوئے اور مخلصین سرخرو و مطمئن۔

عبرت کی بات یہ ہے کہ سید بغدادی باوجودیکہ تین تہا تھے اور ایک بڑے شخص کے ہاں مرض اس سال سفر حج سے محروم رہے۔

اہل خیر کی مسابقت

ایک روز غشی امین الدین صفا کے یہاں سے اہل قافلہ کی پوشاک کے لئے کپڑے کی گٹھریاں آئیں اس کے بعد شیخ رضائی، سعد الدین ناخدا، غشی حسن علی اور امام بخش صفا حساب کی ایک ایک فریادیں اور یہ صفا کو دکھائی اور عرض کیا کہ ہم نے اس قدر تھکان آپ کے لئے خریدے ہیں اگر ارشاد ہو تو گٹھریوں میں باندھ کر یہاں لائیں ورنہ جب جہازوں پر آپ کا اسباب چڑھایا جائے گا اس کو بھی چڑھا دیا جائے گا اور ہم سب نے پانچ سو جوار اہرام کی تدبیر کی ہے اگر آپ کے آدمیوں کا شمار معلوم ہو تو حساب اس کا انتظام کیا جائے۔ یہ صفا نے فرمایا کہ اہرام تو اپنے لوگوں کے موافق ہمارے پاس تیار ہیں اب اہراموں کی کچھ حاجت نہیں اور جو کچھ کپڑا تم نے تیار کیا ہے اس کا اجر اللہ تعالیٰ تم کو دنیا و آخرت میں دے دے وہ نہ ہمارے پاس لاؤ، نہ جہاز چڑھاؤ، جس قدر حاجت تھی اس قدر کپڑا ہم نے لے لیا اب زیادہ بوجھ لادنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب کہیں ضرورت ہوگی تب اللہ تعالیٰ انتظام فرمادے گا۔

انہوں نے کئی بار تکرار کیا کہ "حضرت آپ قبول فرمائیں ہماری یہی خوشی ہے آپ نے فرمایا کہ لینے میں تو کچھ نقصان نہیں ہے مگر لاد کر لے جانا اور اس کی نگہبانی کرنا کچھ کام کی بات نہیں ہے نہ لینے کا یہی سبب ہے" انہوں نے کہا کہ اگر اور کپڑا آپ نہیں لینے تو خیر مگر اہرام آپ ضرور قبول کریں آپ نے فرمایا کہ خیر، تمہاری خوشی تم بھی کچھ ساتھ کر دو یہ بات سن کر وہ خوش ہوئے اور ہر ایک کہنے لگا کہ ہم ہی سب اہرام دیں آپس میں بحث ہونے لگی، حضرت نے فرمایا کہ اس میں جھگڑا نہ کرو، تم سب اپنے اپنے حصے کے موافق جمع کر کے ہمارے پاس لاؤ۔

انہوں نے الگ بیٹھ کر صلاح کی کہ فی فرد دو اہرام دینے چاہیں ساڑھے سات سو آدمی ہیں انہوں نے ہندہ سو اہرام تجویز کیے اور حضرت سے عرض کیا کہ اگر آپ اپنے پاس کے اہرام میقات تک لائیں

سے بندھوا میں تو ہمارے احرام عرفات جانے کے وقت یا اس کے برعکس جس طرح مناسب سمجھیں۔
 ان کی یہ تجویز آپ کو بہت پسند آئی، پھر آپ نے ان کے لئے دعا کی اور فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تم کو اس کا
 اجر دے اور یہ کپڑا اپنی راہ میں خرچ کرانے، انشاء اللہ تمہارے لئے بیت اللہ میں جا کر دعا کریں گے
 پروردگار سے امید ہے کہ وہ تمہارے یہاں بہت خیر و برکت کرے گا"۔

جہازوں کے انتظامات

کلکتے سے چلنے کی تیاری شروع ہوئی، گیارہ جہاز کرائے پر لئے گئے اور بارہ ہزار روپیہ کرایہ
 تجویز ہوا، ہر جہاز پر ایک میرمقرر ہوا اور بارہ ہزار روپے کی عین اور اثاثے خوردنی خرید کر جہازوں پر
 رکھ دی گئیں۔

جہازوں کی روانگی سے پہلے راستے میں کھانا کھانے کے لئے چھ تینتیس روپے کے مٹی ظروف خرید کر
 جہازوں پر چڑھائے گئے اور چھ سو ترانوے آدمیوں کا کرایہ فی نفر بیس روپے کے حساب سے تیرہ ہزار آٹھ سو
 ساٹھ روپے دئے گئے، بوتلوں کے واسطے تین جہازوں کے نیچے کے دلوں سے لئے گئے، ایک جہاز "فتح الکرم"
 کے آدھے دلوں کے چار سو روپے اور ایک جہاز "غراب حموی" کے پورے دلوں کے آٹھ سو روپے کرایے
 کے علاوہ دیئے گئے اور پانی کے پیسے رکھے گئے۔

اللہ تعالیٰ سے عہد

شیخ غلام حسین خاں فخرالتجار کو جب اس کی اطلاع ہوئی کہ جہازوں کے سب انتظامات مکمل
 ہو گئے تو ایک دن سید فضل کے پاس آ کر عرض کیا کہ ان دلوں میرے چار جہاز خالی کھڑے ہیں آپ انہیں پر

اپنے لوگوں کو سوار کر کے بیت اللہ شریف تشریف لے جائیں یہاں سے کتے تک کا جو کچھ زادراہ اور
 ضروری اسباب ہے وہ سب جہازوں پر سوار کر دیا جائے گا اور زیارتِ حرمین شریفین سے فراغت
 کر کے پھر اسی سامان کے ساتھ انھیں جہازوں پر وہاں سے تشریف لائیں یہ بھی میرے فہم ہے۔
 آپ نے فرمایا کہ شیخ بھائی تم نے بات معقول کہی مگر ہم نے اپنے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ جب
 ہمارے لئے زادوراحلہ کا سامان کر دے گا تب ہم جہازوں کا کرایہ دے کر اور اپنے ہمراہیوں کو ساتھ
 لے کر بیت اللہ شریف کو جائیں گے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی مخلوق کا بارِ احسان نہ اٹھائیں گے
 اس میں چاہے برس گزر جائیں اس کا کچھ غم نہیں ہے۔

جہازوں کا معاہدہ اور ناخداؤں کو ہدایات

جہازوں کے منتظمین نے عرض کیا کہ اگر مرضی مبارک میں آئے تو چل کر جہازوں کو بھی ملاحظہ فرمایا
 سب جہاز گنگا کے کنارے کھڑے ہیں آپ نے فرمایا "بہتر ہے ہم چلیں گے" آپ نمازِ ظہر پڑھ کر تشریف
 لے گئے اور تختوں کی سڑک پر پہنچے وہ سڑک بہت ہی مکلف اور خوبصورت بنی تھی آپ میں سڑک
 پر کھڑے ہوئے پھر ایک کشتی پر سوار ہو کر جہاز پر گئے اور اس کے نیچے اوپر کے سب مکان دیکھے اور
 فرمایا کہ الحمد للہ اللہ تعالیٰ یہ دن تو لایا کہ جہاز دیکھنے میں آئے۔

جہاز کے ناخدا کو آپ نے ایک بیش قیمت مسقطی سنگی عطا فرمائی اور نینو نین سکھ وغیرہ کے عیوضاً
 عنایت کئے اور فرمایا کہ ہمارے لوگوں کو آرام کے ساتھ لے جانا کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے
 انشاء اللہ تمہارا جہاز جلد خیر عافیت کے ساتھ جدے پہنچے گا اور ہر صد سے اللہ تعالیٰ محفوظ
 رکھے گا اگر تقدیر سے کسی طرح کا صدر پیش آجائے تو گھبرانا نہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے محفوظ رکھے گا۔

لے وقائع احمدی ۱۰۰۳-۱۰۰۴ ۲۷ قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۱۲ صفر ۱۰۰۳ کے روز جہاز دیکھنے تشریف

سعد الدین ناخدا، شیخ امام بخش، شیخ رضانی اور شیخ عبداللطیف وغیرہ نے عرض کیا کہ
 ”سب جہازوں کے ناخدا منظر ہیں کہ حضرت ہمارے جہازوں کو دیکھنے تشریف لائیں اگر مناسب سمجھیں تو
 تشریف لے چلیں“ آپ نے فرمایا ”عصر کا وقت قریب ہے، اب جا کر نماز پڑھیں گے، اس وقت فرصت
 نہیں ہے، پھر کسی وقت انشاء اللہ تعالیٰ دیکھ لیں گے“

ایک روز سب جہازوں کے ناخداؤں کو بلا کر فرمایا کہ ”ہمارے لوگوں کو آرام کے ساتھ لے جانا
 ان کو کسی طرح کی تکلیف ورنج نہ ہونے پائے، اس میں انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے لئے دنیا میں بھی بہتری ہوگی
 اور آخرت میں بھی دنیا کا فائدہ تو تم اسی سفر میں دیکھ لو گے اور آخرت کا فائدہ، اللہ تعالیٰ چاہے گا
 تو وہاں دیکھو گے، اگر ان کو کسی قسم کی تکلیف دو گے تو تمہارے دین میں بھی نقصان ہوگا اور دنیا میں بھی
 کیونکہ یہ سب لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے جاتے ہیں“

یہ بھی فرمایا کہ ”اگر سمندر میں صدمے کی کوئی جگہ آجائے تو تم ان لوگوں سے دعا کرنا اللہ تعالیٰ
 اپنے فضل و کرم سے خیر و عافیت کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچا دے گا“

ان سب نے اقرار کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان کو بڑے آرام کے ساتھ لے جائیں گے اور ہمارے
 ہاتھوں ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، آپ ہمارے لئے دعا فرمائیں، آپ نے ان سب صبا جوں کے لئے دعا کی۔

سفر کی ترتیب

جہازوں کے ناخداؤں نے عرض کیا کہ ”آپ اپنے سب جہازوں کے آگے سوار ہو کر روانہ ہوں گے
 یا سب کے پیچھے، جو منظور ہو ارشاد فرمائیں“

آپ نے فرمایا ”جس طرح تمہاری خوشی ہو، ہمیں منظور ہے“ انھوں نے کہا کہ ”اگر آپ سب کے پیشتر

روانہ ہوں تو بھی انشاء اللہ تعالیٰ ہم آپ کے لوگوں کو آرام کے ساتھ سوار کر کے لے جائیں گے اور اگر آپ کے پیچھے روانہ ہوں تو بھی، مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگ جہازوں پر آپ کے سامنے روانہ ہو جائیں اور آپ کے پیچھے سوار ہوں تب تک خدا کے اور بندے آپ کے فیض سے فیضیاب ہوں گے۔ آپ کو ان کی یہ صلاح پسند آئی، پھر ہر ایک ناخدا اپنے اپنے جہاز کی تعریف کرنے لگا کہ ہمارا جہاز ایسا تیز رفتار اور اس خوبی کا ہے، آپ ہمارے جہاز پر سوار ہوں آپ نے اس وقت ان کو کوئی جواب نہیں دیا، جب نصرت ہو کر چلے گئے، تب شہر کے دوسرے صاحبوں نے آپ کو فرمایا کہ "سب کے پیچھے یہاں سے کون سا جہاز روانہ ہو گا؟ اس کو دریافت کیجئے، ہم اسی پر سوار ہوں گے" انھوں نے شہر میں جا کر ناخداؤں سے پوچھا انھوں نے کہا کہ "سب کے پیچھے دریا یعنی روانہ ہو گا، مگر دریا یعنی بہت پرانا اور سست رفتار ہے" انھوں نے یہی حال سیدنا سے آکر بیان کیا اور عرض کر دیا کہ دریا یعنی پرانا اور سست رو ہے آپ نے فرمایا کہ "انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس کا جواب تیسرے یا چوتھے روز دیں گے" اگر ہم اس پر نہ چڑھے تو ہمارے دوسرے بھائی چڑھیں گے۔ شہر کے لوگوں نے یہ سن کر کہ سیدنا نے اپنے سفر کے لئے دریا یعنی کا انتخاب کیا ہے، آکر عرض کی کہ تمام شہر میں مشہور ہے کہ جہاز دریا یعنی بہت کم چلتا ہے اور بہت کہنہ اور شکنہ بھی ہے آپ تو کسی اور جہاز پر سوار ہوں" آپ نے فرمایا کہ "تم خاطر جمع رکھو، انشاء اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے نئے اور پرانے سب یکساں ہیں، اگر وہ چاہے گا تو اس کو تیز رو کر دے گا"۔

اہل دنیا کی عزت و حرمت کی طرف عدم التفات

غلام حسین خاں فخر التجار کلکتہ نے کہا کہ جہاز عطیۃ الرحمن بادشاہی ہے اور اس پر ساٹھ ضرب توپ چڑھی ہے، محمد حسین ترکاں کا ناخدا ہے اور وہ چالیس جہازوں کا کپتان ہے، آپ اس پر سوار ہوں جس وقت آپ ملک عرب میں پہنچیں گے، وہاں کے لوگ آپ کی بہت بڑی عزت و حرمت کریں گے۔

یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک غصے سے متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ "غلام حسین خاں تم نے کیا کہا؟ عزت و حرمت تو خدا کی طرف سے ہوتی ہے، بندے کی طرف سے نہیں، ہم دنیا کی قدر و منزلت کو ایسا جانتے ہیں، جیسا سڑاگتا" اور بہت سی باتیں اسی طرح کی فرمائیں، اس وقت تمام اہل مجلس عالم سکوت میں تھے، غلام حسین خاں کے چہرے پر دہشتِ خداوندی سے زردی چھا گئی، سر نیچے کے ہوئے بیٹھے رہے، اس طرح کی ندامت ہوئی کہ اٹھا کر نہ دیکھا۔

روانگی کا دن

روانگی کے دن منشی امین الدین صاحب کے یہاں کھانے کی دعوت تھی، مجمع بے اندازہ تھا، اپنے ظہر کی نماز انھیں کے یہاں ادا کی اور بہت سی نصیحتیں اور ہدایتیں فرمائیں، خلفائے جو لوگ موجود تھے، ان کو باہم اتفاق اور ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی تاکید فرمائی۔ انہیں ارشاد فرمایا کہ "اگر کوئی کہے کہ بید احمد کی توجہ میں بڑی قوی تاثیر ہے تو اس کو کاذب اور مفتری سمجھنا چاہئے، یہ معاملہ میرے اختیار میں نہیں ہے، بہت سے لوگوں کو میں نے چاہا کہ فائدہ ہو اور بڑی کوشش کی، ان کو ذرا نفع نہ ہوا اور بعض لوگوں کی طرف میرا خیال بھی نہ تھا، لیکن ان کو اتنا فائدہ پہنچا کہ اعلیٰ مراتب و ولایت تک پہنچ گئے، یہ سب خدا کی طرف سے ہے اور بالکل من جانب الشرائط" وعظ کے بعد آپ نے سر سے دستار اتار کر منشی صاحب موصوف کے سر پر رکھی، اس وقت منشی صاحب بہت روعے سے۔

۱۔ "وقائع" ۱۰۸۴-۱۰۸۸ ۲۔ فلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا کو کلکتے میں تقریباً تین مہینے صرت ہوئے، اس یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصراف کو آپ نواحی کلکتہ میں پہنچے تھے اور جہادی الادوی میں وہاں سے روانگی ہوئی۔ ۳۔ "منظورۃ السعدا"

تیرہواں باب کلکتے سے مکہ معظمہ تک

روانگی کا منظر

سید عبدالرحمن صاراوی ہیں کہ روانگی کے دن باغ کے دروازے پر سواریاں کھڑی تھیں، آپ گھٹی پر سوار ہوئے، میں اور عبدالشکر (فرزند شیخ غلام حسین خاں) اور مولانا عبدالکافی صاحب اور شیخ امین الدین خاں آپ کے ساتھ گھٹی میں بیٹھے، سید محمد یعقوب اور مولوی محمد یوسف صاحب گھٹی کے پیچھے کھڑے ہوئے۔

وہاں سے روانہ ہو کر جب بڑے مدرسے کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ لارڈ مارٹر کے گرجے تک عورت و مرد ہندو مسلمان، یہودی و نصاریٰ اس کثرت سے آپ کے دیدار کے لئے جمع تھے کہ آدمی کا ادھر سے ادھر گزرنا بہت دشوار تھا، صد ہا آدمی پکالتے تھے کہ پچو! پچو! مگر کون کس کی سنتا تھا؟ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب کچھ دیر میں گھٹی دلی جاتی ہے، آخر کو بیہزار دشواری سواری غلام حسین خاں فخر التجار کے دروازے پہنچی، حضرت گھٹی سے انکراندہ شریف لے گئے اور غلام حسین خاں کو جو بیمار تھے دیکھا پھر اسی گھٹی پر سوار ہو کر قلعے کی طرف چاندپول گھاٹ کو روانہ ہوئے اور لارڈ مارٹر کے گرجے کے برابر یہودیوں کے محلے میں پہنچے وہاں سے آپ کے ہمراہی کلمہ باواز بلند پڑھتے ہوئے گزرے اور قلعے کے میدان میں جا کر سواری ٹھہری، اس وقت ایک جم غفیر اور مجمع کثیر یہودی اور نصرانی سب چھتریاں لگائے ہوئے کوٹھوں پر

اور راستے میں کھڑے تھے اور ان کی عورتیں ان کے ساتھ تھیں بلکہ تاکا اہل قلم وغیرہ اپنی کچھریاں خالی چھوڑ کر اس وقت وہاں موجود تھے، لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ لاٹ اپنی کوٹھی پر تمام علیہ سمیت کھڑا ہوا دیکھ رہا ہے۔ جب قلعے کے میدان میں پہنچے عصر کا وقت ہوا، لوگوں نے دریا میں وضو کیا اور اذان کہی، پھر صفیں آراستہ ہونے لگیں، اس وقت خدا کی قدرت نظر آتی تھی کہ ہزاروں ہزار نمازی کہ ان کی تعداد گنتی سے باہر تھی، کھڑے تھے، جب صفیں آراستہ ہو چکیں اور ایک صف دونوں جانب درجہاں تک نظر کام کرتی تھی، ایسا حصارا اس کے لئے بڑھے اور نیت باندھی، اس وقت صدہ آدمی باواز بلند تکبیر کہتے تھے، اس کے باوجود تکبیر کی آواز سننے میں نہ آتی تھی، مگر آپ کی آواز سب کے پہنچ رہی تھی، نماز کے بعد آپ نے دعا کی، پھر کھجی کے پاس آئے اور لوگوں سے رخصت ہونے لگے، آپ نے ایک ایک ڈوڑھو لیے، غریبوں میں تقسیم کئے، سات سو روپے تو صرف میرے ہاتھوں میں ہوئے، اس کے بعد اپنے دوسروں کے کر روپیہ تقسیم کیا، اس کے بعد آپ بڑی پھرتی کے ساتھ لوگوں کے بیچ میں سے کشتی پر سوار ہو گئے، کہ لوگوں نے آپ کو بیٹھنے کے بعد دیکھا اور تعجب کیا۔ بہت سے لوگ کشتیاں لئے ہوئے موجود تھے، ان پر سوار ہو کر آپ کی کشتی کے ساتھ روانہ ہوئے، دریا کے کنارے خلقت کا ہجوم تھا، آپ کے دونوں ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے السلام علیکم فرمایا، لوگوں نے سلام کا جواب دیا اور بہت رشے، دوردور تک جہاں سلام کی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی، ہاتھ کے اٹانے ہوئے تھے۔

آپ نے مغرب کی نماز کشتی پر پڑھی اور سب کشتیاں روانہ ہوئیں، جب اندھیرا بہت ہو گیا تو دوسری کشتیوں کے لوگ رخصت ہو کر واپس ہوئے۔

جہازوں کے انتظامات

آپ جس جہاز پر سوار تھے، اس کا ناخدا عبدالرحمن حنزی تھا، جس کا ایک مکان بند گاہِ مخ

لئے "وقائع احمدی" ص ۱۰۹۰-۱۰۹۳۔ "منظورۃ السعدا"

میں بھی تھا آپ کے متعلقین اور اعزاز آپ کے ساتھ تھے اس مرد و عورت ملا کر ایک سو چالیس آدمی ہوتے تھے۔ آپ نے اپنے جہاز سے پہلے دوسرے جہاز روانہ کر دیئے تھے، تفصیل ان کی یہ ہے کہ ایک جہاز کا نام "فتح الباری" تھا اس کا ناخدا عبدالشہ بلال عرب تھا، اس پر قافلے میں سے ستر آدمی سوار تھے، اور مولوی عبدالحق صاحب نیونوی ان کے امیر تھے۔

"عطیۃ الرحمن" بڑا جنگی جہاز تھا، اس پر ساٹھ ضرب توپ تھی، محمد حسین ترک رومی جو چالیس جہازوں کا کپتان تھا، اس کا ناخدا، اور اہل قافلہ میں سے سترھ نفر قاضی احمد الشہ صاحب میرٹھی کی امارت میں اس پر سوار تھے۔

"عز اب حمدی" پر گیارہ توپیں تھیں، ناخدا احمد ترک رومی اس پر چالیس آدمی جو مولوی وحید الدین، حکیم معیت الدین سہارنپوری کی سرکردگی میں تھے، سوار تھے۔ "فتح الکریم" چھپتر آدمی میاں دین محمد کی سرکردگی میں "فیض ربانی" پر چھتر آدمی مولانا محمد اسمعیل صاحب کی امارت میں "فیض الکریم" پر چالیس آدمی قاضی عبدالستار گڑھ کنتیسی کی امارت میں "عباسی" پر چالیس نفر حاجی پیر محمد بریلوی کی "تاج پرہیز" پر چھتر آدمی قادر شاہ ہریانوی کی "فتح الرحمن" پر چالیس آدمی حاجی محمد یوسف کشمیری کی امارت میں۔

اہل قافلہ کی تعداد چھ سو تیرانوے تھی ان کے علاوہ ساکین ایک سو سات کی تعداد میں تھے، بوئین جہازوں پر تقسیم تھے، دیکھیں اور دوسرے ضروری برتن نئے خرید کر جہازوں پر رکھ دیئے گئے تھے، چنانچہ چار دیکھیں اپنے لوازمات کے ساتھ آپ کے جہاز پر اور دو دیکھیں ہر جہاز پر تھیں، غلہ اور کپڑا ہر ایک پر بقدر ضرورت بار کر دیا گیا تھا۔

تقسیم عمل

آپ نے فرمایا تھا کہ اس سفر کے تمام کام کاج عبادت ہیں اس لئے رفقاً اور ہمراہی بڑے ذوق اور اپنی خوشی سے خدمت کرتے تھے اور بعض بعض کام مستقل طور پر بعض لوگوں نے اپنے ذمے لے لئے تھے، بادل خاں نے تمام اہل قافلہ کو خصوصاً معذور لوگوں کو وضو کرانے کی ذمے داری لی، وہ سمندر سے پانی کھینچ کر بڑے بڑے طاشوں میں بھر لیتے تھے اور اس سے لوگوں کو وضو کراتے تھے، پانی کھینچتے وقت اللہ کا نام ان کے ورد زبان ہوتا تھا۔

شیخ باقر علی نے کھانا پکانے کا ذمہ لیا، دوسرے آدمی بھی اس کام میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے، اس جہاز کے آگے کی طرف ایک بڑا دالان تھا، اس میں کھانا پکایا جاتا تھا، آدھے میں تو ناخدا اور معلم اور خلاصیوں کا اور آدھے میں آپ کا کھانا پکاتا تھا، وہ دالان نیچے اوپر دائیں بائیں تمام تانبے کی چادروں سے منڈھا ہوا تھا تاکہ آگ نہ لگ جائے، دو دیگیں چاول کی اور ایک دیگی دال کی آپ کے قافلے میں روزانہ نکلتی تھی، بیماریوں اور جن لوگوں کو دوران سفر کی شکایت ہوتی تھی ان کو روٹی ملتی تھی۔

جہاز پر آپ کے معمولات

آپ کا روزانہ معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد حزب البحر پڑھتے اور مولوی محمد یوسف صاحب سے سورۃ زخرف کا پہلا رکوع سنتے، جب آپ اس سے فارغ ہوتے تو لوگ آپ کے پاس آکر بیٹھ جاتے کوئی کسی آیت کا مطلب پوچھتا کوئی کسی حدیث کا اسوا پھرن چڑھتے تک اسی طرح مجلس رہتی اس کے

۱۰۹۸-۱۰۹۹ "وقائع احمدی" و "منظورۃ السعدا"

بعد آپ اندر تشریف لے جاتے اور وہیں کھانا تناول فرماتے، فراغت کے بعد باہر تشریف لاتے دو بوسے کے دروازے پر ایک کوٹھری تھی اس میں دوپہر کو آرام فرماتے اس کے دروازے پر شمشیر خان کا پہرہ رہتا تھا اور ان کی ایک ری کھی رہتی تھی جب ظہر کا وقت آتا، آپ اٹھتے اور نماز پڑھتے نماز سے فارغ ہو کر اسی دری پر بیٹھ جاتے اور اس طرح سے لوگ آپ کے پاس جمع ہو جاتے اور جو جس بات کا سوال کرتا، اس کا جواب دیتے۔ آپ کی صحبت کی برکت سے قافلے میں کسی قسم کا لڑائی جھگڑا کبھی پیش نہیں آیا، وقت بڑی راحت اور عافیت سے گزرتا تھا، ہر کسی کو دن عید اور شب شب برات تھی، سر بھی گھومتا تھا، اور قے بھی ہوتی تھی، مگر دل میں راحت و خوشی تھی، رنج و الم کا ذکر نہ تھا۔

سمندر میں تلاطم تھا کسی سا تھی کوفے ہوتی کسی کا سر گھومتا، آپ نے مولانا عبدالحی حسنا سے جمع بین الصلواتین کے متعلق دریافت کیا، انھوں نے فرمایا کہ سفر میں جمع بین الصلواتین مذہبِ حنفی کے سوائے تینوں مذاہب میں درست ہے آپ نے فرمایا ایسے مقام پر نماز جمع کرنی چاہئے اگر نماز جمع نہیں کرتے تو نماز کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے چنانچہ اسی روز سے اس پر عمل شروع ہوا۔ جہاز سیلون سے گزرتا ہوا اس کمار کی کاچکر کاٹ کر اپنی ٹھیرا اس حصے سے بخیریت گزر جانے کی وجہ سے جہاز کے خلاصیوں نے بڑی خوشی منائی اور مسافروں سے پیسے وصول کئے۔

بندرگاہِ اپنی اور کالی کٹ میں

جب جہاز لنکا سے گزر کر الفی (اپنی) پہنچا تو ایک شتی جہاز کے پاس آئی، لوگ آپ کو پوچھتے

۱۰۰ وقائع احمدی روایت سے عبد الرحمن ص ۱۱۰-۱۱۱ ۱۰۲ ایضاً ص ۱۰۹ ۱۰۳ اس کمار کی کو "وقائع" اور

"مخزن احمدی" میں بہ قاف قمری لکھا ہے۔ ۱۰۴ اپنی جنوبی و مغربی ہندوستان کی شہر بندرگاہ ہے جو کچھین کے

جنوب میں واقع ہے (سید احمد شہید) اس کو سیدھا کے وقائع نگاروں نے الفی کے لفظ سے یاد کیا ہے۔

جہاز پر آئے اور عرض کیا کہ آپ کے آدمیوں سے جو دوسرے جہازوں پر گئے ہیں آپ کے اوصاف عمیدہ سن کر بڑے اشتیاق سے ہم لوگ حاضر ہوئے ہیں ہمارا ناخدا جس کا نام ادول ہے آپ کے ملنے کا بہت شاق ہے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ ہم آپ سے تشریف لے چلنے کی درخواست کریں آپ نے فرمایا "ہم ضرور چلیں گے" آپ نے ان کو کھانا کھلا کر رخصت کیا اور ایک رفیق ساتھ کر دیا کہ بیٹھے پانی کا ایک پیو پھر کر لے آئے۔

دوسرے روز آپ تشریف لے گئے اور ناخدا کے مکان پر دو روز قیام فرمایا، ناخدا نے اپنے اہل و عیال اور وہاں کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ بیعت کی اس زمانے میں وہاں عورتوں میں بے سنگی بہت تھی واپسی کے وقت آپ نے لوگوں سے کہا کہ یہاں عورتیں بے ستر ہیں تم سب ہمارے گرد ہو جاؤ سب کے گرد ہو گئے، آپ ہاں روانہ ہوئے لیکن لوگوں کے مردوں عورتوں نے آپ کی زیارت کے لئے بہت ہجوم کیا ہر چند لوگ ہٹاتے تھے، مگر وہ کچھ نہیں سنتے تھے آخر آپ ہاں دوڑ کر چھوٹے پورا ہو گئے کالی کٹ میں بھی آپ اترے اس شہر میں ایک پختہ تالاب تھا، اور اس کے سج میں ایک بڑی مسجد چار درجے کی تھی، وہاں آپ ٹھہرے پچیس تیس آدمیوں نے بیعت کی، کالی کٹ سے روانہ ہو کر امینی اور عقیدہ اور جزیرہ سقوطہ کے پاس سے عدن پہنچے۔

عدن

عدن کا پہاڑ دکھائی دیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو عرب کا ملک دکھایا، آپ نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ جب ہم جہاز سے اتریں گے، شکر کا دوکانہ پڑھیں گے۔

لے "وقائع احمدی" ص ۱۱۰-۱۱۱ ۱۱۰ ۱۱۱ "امینی" کا پورا نام "امین دیپ" ہے "دیپ" جزیرے کو کہتے ہیں، عقیدہ

کا انگریزی نام (AGATHE) ہے۔ (سید احمد شہید) ۱۱۱ "وقائع احمدی" ص ۱۱۱

آپ عدن میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اترے اور دو رکعت نماز پڑھ کر تشریف لے گئے اس وقت گرمی کا یہ عالم تھا کہ دھوپ کی تپش سے زمین پر قدم نہ رکھا جاتا تھا، اور دریا کے کنارے سے عدن تک نہ کہیں پانی تھا، نہ سایہ دار درخت، دھوپ اور پیاس سے لوگ بے تاب ہوئے جاتے تھے اس وقت آپ نے فرمایا کہ "اگر دو تین اونٹ بچتے تو ان پر سوار ہو کر چلتے" لوگوں نے عرض کیا کہ "حضرت اونٹ یہاں کہاں؟ ہاں آپ دعا فرمائیں" آپ نے فرمایا کہ "تم سب مل کر سنا سنا باڑا الحمد للہ" پڑھو اللہ تعالیٰ افضل کرے گا" لوگوں نے پڑھنا شروع کیا، ساتویں باز تک پہنچے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ "وہ دیکھو چار اونٹ دامن کوہ میں معلوم ہوتے ہیں" وہ شتربان ان کو اس طرف لئے آتے تھے تمام لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے، جب نزدیک آئے لوگوں نے شتربانوں سے کہا کہ اگر اونٹ کرائے پر دو تو تمہارا احسان ہوگا، انھوں نے کرایہ لینے کا تو کچھ ذکر نہ کیا، لوگوں کو سوار کر لیا اور عدن میں جا کر اتار دیا، لوگ کھانے پینے کی تدبیر میں لگے، جب کھاپی کر فارغ ہوئے تب ان اونٹوں اور اونٹ والوں کو تلاش کیا کہ ان کو مزدوری دینا ہے، چہ ان کو ڈھونڈا، مگر نہ پایا وہاں کے لوگوں نے پوچھا کہ "اس مہیت اور لباس کے چار اونٹ ہیں اور اس صورت اور پوشاک کے ساربان اگر تم جانتے ہو تو بتادو" انھوں نے کہا کہ "یہاں نہ اس طرح کے اونٹ ہیں، نہ اونٹ والے، یہاں تو بار برداری کے اونٹ ہیں" لوگوں نے آپ سے یہ حال بیان کیا، آپ خاموش ہو رہے۔

عدن کے قریب بہت لوگ آپ کے استقبال کو آئے، آپ شہر میں ایک مسجد میں جو کسی سوداگر نے بنوائی تھی اترے آپ نے وہاں کے دنبے منگوائے، ذبح کر کے پکوائے اور روٹیاں بھی پکیں رات کو اسی مسجد میں رہے، دوسرے روز جہاز کا نگر اٹھا اور روانہ ہو گئے عدن روانہ ہونے کے چھ ستاروں بعد علم نے کہا کہ آج چھوٹا بکند

۱۔ "وقائع احمدی" ص ۱۱۴۔ روایت یہ عبدالرحمن بن محمد بن احمدی ۲۔ "وقائع" ص ۱۱۶۔

۳۔ یہ باب المنذب ہے، جو جہازوں کے لئے خطرناک جگہ سمجھی جاتی تھی، تنگ سمندر کے سین بیچ میں ایک پہاڑی ہے، جس سے جہاز کے ٹکرا جانے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا خطرہ رہا کرتا تھا۔

میں نہیں گئے، تھوڑی رات باقی ہوگی کہ ناخدا نے سیدنا کو جگایا اور عرض کی کہ ”یہ وقت دعا کا ہے، آپ دعا کیجئے“ پھر سب لوگوں کو جگایا اور تمام لوگ عا میں مشغول ہوئے، خدا کے فضل و کرم سے بہاڑ بخیریت گزر گیا۔

بہاڑ میں کیفیت و ذوق

سید زین العابدین جو آپ کے رفیق سفر تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک روز سیدنا بہاڑ کے اگلے مکان کی چھت پرستول کا رسا پکڑے ہوئے کھڑے تھے اور دریا کا تماشہ دیکھ رہے تھے، یہاں وقت آپ کے سچے کھڑا تھا اور تین شخص میرے سوا اور بھی تھے، اس وقت آپ سمندر کو دیکھ کر بار بار ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“ پڑھتے تھے، اور دیوانِ حافظ کے کچھ اشعار بھی پڑھتے تھے، جو مجھے یاد نہیں، آنکھوں کے پیرے پر آنسو جاری تھے اور آواز میں بھی فرق ہو گیا تھا، آپ اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی بیان فرماتے جاتے تھے، اس میں کمی گھڑی کا عرصہ ہو گیا پھر وہاں آپ نیچے تشریف لائے، مگر زبان مبارک سے کچھ نہیں فرمایا، تھوڑی دیر کے بعد ظہر کا وقت ہوا، اذان ہوئی، آپ نماز کو تشریف لائے اور نماز پڑھائی، اس نماز میں ایسی برکت اور تاثیر تھی کہ ہر ایک کے اوپر ایک حال سا واقع تھا کہ اس کی لذت زبان سے بیان نہیں ہو سکتی، ہر شخص کی طبیعت متوجہ الی اللہ تھی۔

مخ

مخ میں ناخدا نے ایک مہینے کے لئے اپنے مکان پر قیام کرنے کا فیصلہ کیا، آپ نے ضروری سامان اتار کر ایک مکان کر لئے، پر لیا اور جامع مسجد کے قریب قیام فرمایا۔

برہنہ غسل کی روک تھام

مخبر میں رواج تھا کہ لوگ بے تکلف حوض، تالاب، غیرہ میں برہنہ غسل کرتے تھے آپ کو یہ بات بہت ناپسند آئی، بنگالے کے مولوی امام الدین نے ایک دن حوض میں تہہ بند باندھ کر غسل کیا، دو آدمیوں نے ان کو پکڑ لیا اور قاضی کے پاس لے گئے اور کہا "یہ شخص تہہ بند باندھ کر نہا رہا ہے اس نے ہمارے حوض کو نجس کر دیا اور خواہش کی کہ ان کو سزا دی جائے، قاضی حضانے پورا واقعہ سنا، ان دونوں شخصوں سے بہت ناراض ہوئے اور مولوی حضا کو رخصت کیا، انھوں نے آکر حضرت کو سارا ماجرا سنایا۔

ایک دن مولوی عبدالحی حضانے آپ سے عرض کیا کہ قاضی محمد بن علی شوکانی محدث مین نے ایک رسالہ موضوعات حدیث میں تصنیف کیا ہے اگر وہ رسالہ ہاتھ آجائے تو بڑا فائدہ ہو آپ نے فرمایا کہ مولانا عبدالحی حضا سے کہئے کہ وہ اس کا کچھ انتظام کریں، مولانا مدروح مخنہ کے قاضی حضا کے پاس گئے اور خواہش ظاہر کی قاضی حضانے فرمایا کہ "آپ ایک خط لکھ کر مجھے دے دیجئے" میں وہ خط صنعا بھیج کر رسالہ منگو کر اپنے پاس رکھ لوں گا اور واپسی میں آپ کو دے دوں گا" مولانا عبدالحی حضانے علامہ شوکانی کے نام عربی میں ایک مفصل اور پر زور خط لکھا جس میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فضل و کمال اور ان کے خاندان کی علمی خصوصیات اور دینی خدمات کا تعارف کرایا اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے تلمذ کا تعلق اور سیدنا رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا اور جب یہ خط لکھ کر قاضی حضا کے پاس لے جانے لگے تو سید حضانے فرمایا کہ "مولانا آپ قاضی حضا کے پاس جا رہے ہیں ذرا برہنہ غسل کی روک تھام کا بھی انتظام کرتے آئیے گا" مولانا نے قاضی حضا کو خط پڑھ کر سنایا، قاضی حضا بہت خوش ہوئے اور آپ کے علم اور تبحر کی تعریف کی اور خط لے کر صنعا روانہ کر دیا۔

۱۱۲۱ھ "وقائع" بروایات مختلفہ ص ۱۱۸ ۱۱۸۱ھ "وقائع" ص ۱۱۲۱

اس سے فرصت پا کر مولانا نے قاضی حسنا سے فرمایا کہ ہم نے اس شہر میں ایک عجیب سم دکھی کہ مسلمان
اہل علم و فضل غسل کرتے وقت برہنہ ہو جاتے ہیں، چونکہ دین کی ابتداء عرب سے ہے اور متقدمین اور سلف کے رسوم ہمارے
لئے سنت کا حکم رکھتے ہیں، یہ خلاف شرع و حیا عمل ہیں، پر وعید دار ہے ایسی جگہ کیسے ہو سکتی ہے؟ قاضی حسنا
نے فرمایا کہ لوگ بے غیرت ہیں، جرمانے اور سزا کے باوجود اس سے باز نہیں آتے، یہ ہمارے بس کی بات نہیں،
آپ ہمارے ساتھ حاکم شہر کے پاس چلئے، مولانا قاضی حسنا کے ہمراہ حاکم کے پاس گئے، حاکم نے قاضی حسنا
کی درخواست پر چند پاپا ہی مقرر کر دیئے کہ جب تک بید حسنا کے قافلے کا قیام رہے، کوئی برہنہ غسل نہ کرنے پائے۔

وحدت و جوہر گفتگو کرنے کی ممانعت

مولوی عبدالرحمن حسنا صوفی کے مرید مولوی محمد یوسف لکھنوی بھی محض میں اترے ہوئے تھے،
وہ اکثر جہاں کہیں بیٹھتے، لوگوں کو وحدت و جوہر کے مسائل کی تعلیم و تلقین کرتے تھے، ایک روز مولوی
یوسف اور قافلے کے لوگوں کو وحدت و جوہر پر مباحثہ ہو رہا تھا، آپ تشریف لے آئے، مولانا عبدالحی حسنا
بھی آپ کے ساتھ تھے، ان کی تقریریں کر مولانا نے بہر چند علمی تقریر سے ان کو سمجھایا، مگر وہ کچھ نہ سمجھے،
اسی طرح بید حسنا نے بھی ان کو خوب منقول کیا، مگر وہ اپنے ہی اصرار پر رہے، آپ کو بہت غصہ آیا،
چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا اور آپ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور ان کی طرف طمانچہ اٹھایا
مگر یاد نہیں، مارا یا نہیں، لوگوں نے جلدی سے مولوی یوسف کو وہاں سے اٹھا کر جوہلی کے باہر نکال دیا
آپ نے سب ہمراہیوں کے فرمایا کہ کوئی اس شخص سے ملاقات نہ کرے اور ان کی بات نہ سنے۔

حدیدہ

ایک ہینے کے بعد جہاز نے لنگر اٹھایا اور محض سے روانہ ہو کر بندرگاہ حدیدہ پہنچا، آپ کے

متقدین میں سے ایک ہندی سید وہاں مقیم اور آپ کی تشریف آوری کے منتظر تھے، وہ کشتی میں سوار ہو کر جہاز پر آئے، آپ نے ان کے حال پر بڑی عنایت فرمائی اور ایک لائتی تلوار اور ایک ذمائی بندوق اور پرنسٹن کی بید موصوف نے کھانے کی دعوت کی، دوسرے روز آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور دو وقت کھانا تناول فرما کر واپس تشریف لائے اور جہاز نے ننگرا ٹھایا۔

احرام

چوتھے روز فجر کے وقت معلم نے اطلاع دی کہ آج عصر کی نماز بلیم کے مقابل پہنچ کر ہوگی، جب میقات آیا تو آپ نے غسل مسنون فرمایا، رفقا نے آپ کو غسل دیا اور بشارتوں کے متنازع ہوئے۔ غسل کر کے آپ نے احرام باندھا اور دو رکعتیں پڑھ کر تلبیہ کیا اور بڑی گریہ زاری کے ساتھ دعا کی۔

جدہ

۲۳ شعبان چہار شنبہ کے روز آپ جدے پہنچے، کچھ ہمراہی جدے میں آپ کے منتظر تھے اور بعض کہ معظمہ روانہ ہو چکے تھے، نواب محمود نواز خاں اور سلطان حسین خاں دونوں بھالی جو امرائے حیدرآباد میں سے تھے اور ایک سال پہلے سے حج کے لئے آئے ہوئے تھے، آپ کی تشریف آوری کے مشتاق تھے، وہ اور مطبوت محمدی میں آپ کی تشریف آوری کو سن کر کہ معظمہ سے جدے آئے، معلم صاحب نے آپ کے ماموں حضرت شاہ ابواللیث ابن حضرت شاہ ابوسعید کی سند پیش کی اور عرض کیا کہ میں

۱۱۲۴ھ "وقال احمدی" ۱۱۲۴ھ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ

لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ. (حاضر ہوں، اے اللہ! حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، حاضر ہوں، سب

تعلیف سارا احسان تیرا ہی ہے اور سلطنت تیری ہی ہے تیرا کوئی شریک نہیں) ۱۱۲۵ھ "وقال احمدی" ۱۱۲۵ھ یادداشت قلمی

آپ کے خاندان کا مطوّف ہوں، آپ کا تمام قافلہ مجھ ہی سے تعلق رکھتا ہے، آپ نے منظور فرمایا۔
 جدے میں اتر کر اپنے دوسرے بہازوں کے مسافروں کا حال احوال دریافت کیا اور مصار
 کو پوچھا سب نے عرض کی کہ جو کچھ روپیہ آپ نے عنایت فرمایا تھا، وہ صرف میں آگیا اور اس کے
 علاوہ اکیس سو روپے اور خرچ ہوئے، اور اس کی فرد دکھائی، آپ نے دیکھ کر مولوی یوسف صاحب سے
 فرمایا کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے، الحمد للہ کہ اس کے بندوں کے صرف میں آیا، آپ اکیس سو روپے ان کو دے دیے۔
 پانچ روز جدے میں قیام فرمایا، ۲۷ شعبان یکشنبہ کو جدے سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے،
 مولانا محمد اسمعیل صاحب کو محمول کا تصفیہ کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔

حدیبیہ میں

راتے میں کچھ دیر کے لئے آپ حدیبیہ میں ٹھہرے اور وہاں تمام رفقا کے ساتھ بہت
 تضرع و زاری سے دعا فرمائی اور ساتھیوں سے بیعت جہادی۔



۱۱۳۰ھ "وقائع احمدی" ص ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ھ ایضاً ص ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ھ "مخزن احمدی" ص ۹ ۱۱۳۳ھ یادداشت قلمی

۱۱۳۴ھ "وقائع" ص ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ھ "مخزن احمدی" ص ۱۱۳۵ آج کل اس کو شنبہ کہتے ہیں۔

پودھواں باب

سزین حجاز میں

داخلہ

۲۹ شعبان ۱۲۳۷ھ کو آپ کچھ دن چڑھے مکہ معظمہ کے قریب پہنچے اور قفا جو پہلے سے مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے آب زمزم سے بھرے ہوئے لوٹے اور صحابیاں لئے استقبال کو موجود تھے، تمام قافلہ زمزم سے سیراب ہوا، اس کے بعد مقام ذی طوی میں جو مکہ معظمہ کی آبادی سے متصل ہے پہنچ کر غسل کیا، سیدین العابدین وغیرہ کو زانی ساری کے ساتھ روانہ کر دیا اور مولانا عبدالحی صاحب پوچھ کر مکہ معظمہ کی بالائی جانب سے جو جنت المعلیٰ کے شمالی سمت ہے، مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔

مکہ معظمہ میں داخل ہوتے وقت ہر شخص پر گریہ طاری تھا، باب السلام سے داخل ہوئے، طواف کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی اور بڑے تضرع کے ساتھ دعا کر کے چاہ زمزم پر جا کر زمزم پیا اور غسل کیا اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ باب الصفا سے سعی کے لئے تشریف لے گئے سعی کے بعد سر کے بال منڈائے اور احرام سے باہر ہو گئے۔

باب عمرہ کے قریب میاں زین العابدین نے جو بی کر ائے پر بی تھی اس میں آپ کا قیام

لے یادداشت قلمی، مخزن احمدی میں مکہ معظمہ کے داخلے کی تاریخ ۲۸ شعبان ہے۔

تھا، دوسرے روز رمضان المبارک کا چاند دیکھا گیا۔

دن رات کے معمولات

روزانہ دن کو مکے کے علماء و فضلاء و مشائخ کی آپسے پاس عصر تک نشست رہتی، عصر کی اذان کے بعد آپ نماز پڑھنے کو حرم شریف جلتے عصر سے مغرب تک آپ حرم میں تشریف رکھتے تھے، وہاں آپسے لوگوں کا مجمع رہتا تھا، افطار کے بعد طواف کر کے قیام گاہ پر واپس تشریف لاتے حرم میں چونکہ تراویح کی نماز میں بڑا ہجوم ہوتا تھا، اور بڑا شور و شغب ہوتا تھا، آپسے مولانا عبدالحی صاحب فرمایا کہ اس شور و شغب میں اطمینان قلب اور نماز کا لطف نہیں آتا، شو سے سے یہ طے پایا کہ جب تک حرم میں لوگ تراویح پڑھیں، تب تک آپ یہاں کے لوگوں کا قرآن سنیں، شور بند ہو جانے کے بعد طواف میں اپنی جماعت کی جائے چنانچہ سکون ہونے کے بعد آپ کے اموں زاد بھائی حافظ سید محمد بن شاہ ابواللیث بن حضرت سید شاہ ابوسعید رقدو پائے تراویح میں سناتے تھے، تراویح کے بعد آپ کرائے کا جانور لے کر سوار ہو کر تنعیم تک جاتے اور عمرے کا احرام باندھ کر واپس آ کر طواف سعی و حلق سے فراغت کرتے، اگر رات زیادہ ہوتی تو طواف سعی کر کے سحر کا کھانا کھاتے، اگر کم ہوتی تو طواف کر کے کھانا کھا لیتے، پھر سعی کرتے۔

نماز فجر کے بعد بھی طواف کر کے اشراق پڑھ کر قیام گاہ پر تشریف لاتے۔ آپ کی قیام گاہ کے قریب ایک مینار تھا، جب زوال کے وقت مذکر تذکرہ کرتا، آپ قبیلے سے بیدار ہوتے، ضروریات سے قاریغ ہو کر وضو کرتے اور حرم آجاتے۔

۱۱۳۷ھ وقائع احمدی ۱۱۳۷ھ قلمی یادداشت میں تصریح ہے کہ چاند نسیں کا تھا۔ ۱۱۳۷ھ وقائع احمدی ص ۱۱۳۷-۱۱۳۸

۱۱۳۷ھ ایضاً ص ۱۱۳۷

مولانا محمد اسماعیل حسنا کی تشریف آوری

ایک ہفتے کے بعد مولانا محمد اسماعیل حسنا محصول وغیرہ کے معاملات سے فرصت کر کے جدے سے مکہ معظمہ آگئے اور اپنے ساتھ کچھ غلہ بھی لائے، ۲۰ رمضان المبارک اور اکیسویں شب اپنے اعتکاف فرمایا، سوال کا چاند دیکھ کر نماز مغرب پڑھ کر آپ قیام گاہ تشریف لائے۔

عید اور عمائد مکہ کی ملاقات

عید کے روز مکہ معظمہ کے علما اور صلحا سید حسنا کی ملاقات کے لئے تشریف لائے، محدث شیخ عمر بن عبدالرسول حنفی، جو ایک مشہور عالم اور باخدا بزرگ تھے، اور عرب میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، آپ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے، سید حسنا نے پانچ ریال ہدیہ خدمت کیے، آپ نے کچھ معذرت کی اس کے بعد قبول کر لیا، شیخ عمر نے اس سے پہلے سلطان ترکی کا ہدیہ قبول نہیں کیا تھا اور اشرافیوں کے لڑا ہوا اونٹ واپس کر دیا تھا اور کہا تھا کہ اس کی ضرورت نہیں، ہم نے سلطان کی طرف سے حج کر لیا، سید صاحب کا ہدیہ قبول کر لینے پر رؤسائے مکہ کو بڑا تعجب ہوا۔

عید کے دن بہت لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، بیعت کرنے والوں میں حنفی مصلیٰ کے امام شیخ مصطفیٰ بنو احمد الماس ہندی اور بعض دوسرے خواجہ سراخ شیخ شمس الدین شطراچی پاشا سلطان مصر کے نائب شیخ حسن آفندی جیسے فضلا اور عمائد تھے، بلغا کے ایک بزرگ جن کے پاس بلغار کے مطبع کا چھپا ہوا ایک قرآن مجید بھی تھا اور اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے، علمائے مکہ میں سے شیخ عبداللہ سراج اور دوسرے علما بھی حاضر خدمت ہوا کرتے تھے،

مذہبی قافلے کے ایک بزرگ جو سلطانِ مغرب کے وزراء میں سے تھے، نام غالباً سید محمد تھا اور صحیح بخاری مع قسطلانی ان کو حفظ تھی، نیز شیخ حمزہ محدث، شیخ احمد بن ادیس، محمد علی ہندی، ملا بخاری، ثنائی مصلیٰ کے امام شیخ صالح ثنائی، حنفی مفتی و واعظ شیخ علی سے برابر ملاقات ہوتی رہتی، لوگ کہتے تھے کہ مگر حجِ عالم ہے، یہاں ہر صفت اور ہر کمال کے لوگ آتے ہیں، لیکن جو رجوعِ عام اور انجذاب و کششِ بید صاحب کی طرف ہے، وہ کسی کی طرف دیکھی نہیں گئی۔

”صراطِ مستقیم“ کا عربی ترجمہ

شیخ حسن آفندی کی خاطر مولانا عبدالحی اور مولانا محمد اسماعیل نے ”صراطِ مستقیم“ کا عربی میں ترجمہ کیا جس کی نقلیں ان علمائے بھی لیں، جو داخل بیعت ہوئے تھے۔

جاوی حجاج کی بیعت

جاوا کے تین شخصوں نے عرض کیا کہ ”ہم آپ کے خلفا کے ہاتھ پر بیعت ہو چکے ہیں اب بلا واسطہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں“ انھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی آپ نے ان کا کھانا اپنے ساتھ مقرر کر دیا ان کے لئے دعائے خیر فرمائی اور اپنے بدن کے کپڑے ان کو عنایت فرما کر رخصت کیا، اسی کو ترا عطا فرمایا، کسی کو ٹوپی اسی کو عمامہ اور کسی کو دونوں عطا ہوئے، خلافت نامہ دے کر ان کو رخصت کیا اور ان کے واسطے دعا کی اور فرمایا کہ ”جہاں تم کو مسلمان بھائی ملیں ان کو خوب تم کو یقین کرنا“ وہ کہنے لگے کہ جس طرح حضرت نے ہمارے واسطے دعا کی ہے ہم نے اس طرح دعا کرتے ہوئے نہ کسی کو دیکھا نہ سنا اور نہ ایسے الفاظ ہم نے کبھی سنے حضرت نے ہمارے واسطے اور مخلوق کے واسطے کیا اچھی دعا کی، پھر وہ مصافحہ کر کے رخصت ہوئے۔

لئے منظومہ ”اس ترجمے کا کلی نسخہ صاحبزادہ عبدالرحیم خان مرحوم کے کتب خانہ ٹونک میں موجود تھا، رقم السطور کی نظر سے گزرا ہے۔ ۱۱۶۰ھ و قاریح ”ص ۱۱۶۱-۱۱۶۲

مناسک حج

یوم الترویہ ۸ ذی الحجہ ۱۲۳۷ھ کو اپنے اپنے رفقا کے ساتھ حطیم میں بڑے نضر و احح و زاری کے ساتھ طویل دعا فرمائی تمام حاضرین پر عجیب کیفیت و وقت طاری ہوئی، سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر منی میں مسجد خیف کی مشرقی جانب چھوٹی مسجد کے متصل آپ کا خیمہ اتار دیا، اس رات کو آپ نے بعض دوسرے علما اور رؤسائے مکہ کے ساتھ وہیں رات گزاری، صبح عرفا روانہ ہوئے عرفات میں زوال کے وقت امام کے پیچھے ظہر و عصر کی نماز پڑھ کر اپنے خیمے میں آکر دعا و زاری میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثنا میں ٹھپلت کے بعض شرقا و ردا کے رفقا نے از سر نو طریقہ محمدیہ میں بیعت کی، عرفات کی دعاؤں میں آپ کی ایک عایہ بھی تھی کہ ”الہی اس قافلے میں سے جس کو تو نے محض اپنے فضل سے حج کی دولت نصیب فرمائی ہے، کوئی حاجی کے لقب سے مشہور نہ ہو،“

غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ کی طرف کوچ ہوا، رات مزدلفے میں گزری، نماز فجر کے بعد منیٰ کو روانگی ہوئی، منیٰ میں داخل ہو کر حجرہ عقبہ سے فراغت کیے بعد بڑی دیر تک بڑے احح و زاری کے ساتھ دعا کی اور قربانی کرنے کے بعد سر کے بال منڈائے، آپ نے قربانی کے لئے سو بکر یوں زیادہ خریدی تھیں، لوگوں نے آکر دائے حج کی مبارکباد پیش کی آپ نے قبولیت حج کی دعا دی، عصر کی نماز کے بعد رفقا کی ایک جماعت کے ساتھ طواف زیارت کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہوئے، نہر پر پہنچ کر غسل فرمایا، اسوا انبارا اور دوسرا جو زابن بن کیا، طواف سعی صفا و مروہ اور طواف کی دو زینیں پڑھ کر منیٰ واپس تشریف لائے۔

۱۰ منظورہ ۱۱۱۱ "مخزن احمدی" ۹۷ مولوی سید محمد علی صاحب "مخزن" لکھتے ہیں کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی، آج بیس سال سے کچھ اور سال پہلے میں ابھی تک اس قافلے کا کوئی فرد حاجی کے لقب سے مشہور نہیں ہوا، غالباً سید صاحب نے اہتمام کے ساتھ یہ دعا اس لئے فرمائی کہ حج ایک رکن دین اور فریضہ ہے جس طرح نماز پڑھنے والا "نازی" اور زکوٰۃ دینے والا "زکوٰۃ" اور لغتہ ناڑ صائم "یا زبے دار" کے لقب سے مشہور نہیں ہوتا، اسی طرح حج کا فریضہ ادا کرنے والا حاجی کے لقب سے مشہور کیوں؟

۱۱ "منظورہ"

عقبہ میں بیعت جہاد

مئی میں عقبہ میں اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیعت کی، یوم النحر (ارزی الحجہ) کے بعد تین روز مئی میں قیام فرمایا اور ہر روز مئی میں قربانی کی، ۱۳ ارزی الحجہ کو رمی جمار کے بعد نمازیں کر کے اور نماز عصر پڑھ کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔

عرہ محرم سے اپنے محمد سعید عرب کی حویلی حجاز کے معمول کے مطابق ایک سال کے لئے کرائے پر لے لی اور وہاں قیام فرمایا۔

رمضان مبارک سے ۵ صفر تک پانچ مہینے اپنے مکہ معظمہ میں قیام فرمایا۔

سفر مدینہ

جب مدینہ منورہ کے سفر کا قصد ہوا تو اپنے قافلے میں سے کمزور اور معذور اشخاص کو مولانا محمد اسمعیل کے سپرد کیا، ان معذوبین میں حافظ معین الدین بھلتی، جو بیمار تھے، مولوی وحید الدین ان کے صاحبزادے میاں سعد الدین، مولوی امام الدین بنگالی اور میاں دین محمد وغیرہ تھے۔ اپنے سفر کے لئے محمد رئیس معلم اور شیخ ابجالین کے ذریعے پچاس پچاس اونٹ اور مولوی سید محمد علی کی روایت کے مطابق احمد پاشا حاکم مکہ کے ذریعے ۱۲ اونٹ کرائے پر لئے پچھتر اونٹ سلطان حسین خاں

لہ عقبہ وہ مقام ہے جہاں شاہہ نبوی میں چھو یا آٹھ انصاریوں نے اسلام قبول کیا جن کی وجہ سے اسلام مدینہ میں گم گھر پہنچا اور پھر ۷ سال مدینہ کے بارہ اشخاص نے اسی مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور اگلے سال بہتر اشخاص نے اگر بیعت کی ایہ دونوں بیعتیں بیعت عقبہ اولیٰ و عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ لہ "منظورہ" لہ قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حقیقتاً کی مدینہ طیبہ سے مراجعت کے بعد مولانا اسمعیل صاحب مدینہ طیبہ روانہ ہوئے یادداشت میں ان کی روانگی مدینہ کی تاریخ ۱۶ رجبی الاولیٰ چہار شنبہ درج ہے۔

اور محمود نواز خاں حیدر آبادی نے کرایہ کئے، چند اونٹ پانی لے جانے کے لئے متعین کئے۔^۱

اہل حرم کا احترام

آپ نے معلم، جمالوں اور دوسرے آدمیوں سے فرمایا کہ "ہتھیار لے چلنے چاہیں یا یہاں چھوڑ دینے چاہیں؟" اکثر آدمیوں نے عرض کیا کہ "ہتھیار لے چلنا ہی قرینِ مصلحت ہے اس لئے کہ آپ کے قافلے کی دور دور تک شہرت ہو چکی ہے اور اس کی دولت مندی اور خوشحالی کا سبب کو علم ہے اگر قزاقوں کو اس کا بھی علم ہو گیا کہ قافلہ نہتا ہے تو وہ خواہ مخواہ دست اندازی کریں گے لیکن اگر ان کو یہ معلوم ہو کہ قافلہ مسلح جاتا ہے تو ان کو اہل قافلہ کی شجاعت اور دلیری کا علم ہے، وہ مقابلے کا حوصلہ نہ کر سکیں گے۔" آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ہم اتنا طول طویل سفر طے کر کے زیارتِ حرمین کے لئے اس متبرک مقام پر پہنچے ہیں، ہمارے نزدیک یہاں کے خاص و عام شہری و بدوی سبباً جباً تعظیم ہیں، ہمارے لئے ان سے مقابلہ کرنا ہرگز روا نہیں۔"

یہ کہہ کر آپ نے چاقو بھی مکر سے کھول کر زمین پر ڈال دیا اور فرمایا کہ "مسلمانوں کے خیال سے ہم نے یہ چاقو بھی رکھ دیا ہے، اگر کوئی ہم پر حملہ آور ہوگا تو ہم سارا سامان اس کے سامنے ڈال دیں گے، اللہ دینے والا ہے، وہ ہم کو پھر عطا کرے گا۔"

یہ سن کر تمام اہل قافلہ نے اپنے ہتھیار نکال کر مکان کے حجرے میں مقفل کر دیئے اور اسی طرح خالی ہاتھ مدینہ منورہ چل کھڑے ہوئے۔^۲

دوشنبہ ۵ صفر کو مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے، میدانِ طوسی میں آپ نے قیام فرمایا، وہاں عصر کے وقت کوچ کر کے وادیِ فاطمہ اور وہاں سے خلیص پر قیام فرمایا اور نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔^۳

^۱ "منظورۃ السعد" ^۲ ایضاً ^۳ یادداشتِ سفر حجِ قلی ^۴ "منظورہ"

چھپر چھاڑ

ربیع میں شتر بانوں نے سہارنپور کے لوگوں کے ساتھ چھپر چھاڑ کی اور ان کو مار پیٹ کی کہسی نے سیدھنا سے جا کر عرض کیا کہ بدوؤں نے مولوی وحید الدین سہارنپوری پر تلوار سے حملہ کیا، آپ نے امام خاں خیر آبادی اور محسن خاں بریلوی کو اشارہ فرمایا کہ تحقیق کریں، پیچھے سے آپ نے امام خاں کے بھائی ابراہیم خاں کو بھیجا سید عبدالرحمن کہتے ہیں کہ مجھے بھی حکم ہوا کہ خبر لاؤ، میرے ہاتھ میں چھڑی تھی میں دوڑتا ہوا پہنچا، ایک پتھر میرے ہاتھ پر اتنے زور سے پڑا کہ میں نے چھڑی دوسرے ہاتھ میں لے لی، دوسرا پتھر دوسرے ہاتھ میں ایسا لگا کہ چھڑی ہاتھ سے گر گئی اور میں نے زمین سے اٹھالی یہ دیکھ کر میرے بڑے بھائی سید احمد علی دوڑے آئے، ایک پتھر ان کے بھی لگا، شیخ الطاف دوڑے انھوں نے بھی سر پر پتھر کا زخم کھایا، قافلے کے اکثر لوگ زخمی ہوئے، خود سیدھنا کے سینے پر بھی ایک پتھر لگا، آپ نے بلند آواز کے ساتھ اپنے قافلے کو بدوؤں کو مارنے سے روکا، اس وجہ سے اکثر اہل قافلہ مجروح ہوئے اور کسی بدو کو ذرا بھی چوٹ نہ آئی۔

جب لوگوں نے دیکھا کہ قافلے کے اکثر لوگ زخمی ہو گئے تو انھوں نے کھجور کی ٹہنیاں لے کر حملہ کیا بدوؤں کو سخت چوٹیں آئیں اور وہ سپاہ ہو کر پہاڑ پر بھاگ گئے، تھوڑی دیر کے بعد ان سبے بندوق کے قتلے رشتہ کئے اور کمر میں جنبیاں باندھ کر جنگ کے لئے آمادہ ہوئے، سید صاحب نے ”سوز البحر“ پڑھ کر دعا فرمائی اور آدھے قافلے نے کوچ کیا، اس وقت ایک دوسرا شیخ ابجالین اپنے ماتحتوں کے ساتھ مسلح ہو کر سیدھنا کے قافلے کو اپنے پیچھے لے کر سامنے کھڑا ہوا، یہ حال دیکھ کر اور خود اپنے آدھے گروہ کو قافلے کی حمایت پر آمادہ پا کر عورتوں اور بچوں کے شور و غوغا بلند کیا اور اپنی سختی کو بھول گئے، شیخ ابجالین نے کہا کہ ”میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ

ان لوگوں نے اپنے سب ہتھیار مکہ معظمہ میں چھوڑ دیئے اور زیارت کے لئے یوں ہی خالی ہاتھ کے سے چل کھڑے ہوئے، اگر ان کے پاس ہتھیار ہوتے تو تم کو اتاروں میں عدم کاراستہ دکھاتے یہ لوگ چونکہ محض راہِ خدا میں نکلے ہیں، میں اس لہی گروہ کا لشر فی اللہ مددگار ہوں، دوسرے شیخ ابجالین نے جو مخالف تھا، یہ دیکھ کر اپنے حمایتیوں کو اینٹ پتھر پھینکنے سے منع کر دیا، ان لوگوں نے چاہا کہ اپنے اونٹ لے کر اپنے گھر کا راستہ لیں اور ساتھ چھوڑ دیں، مگر ایک دوسرے کے بچانے سے یہ طے ہوا کہ دونوں فرقوں کے زخمی سوار ہو جائیں اور وادی صفر میں پہنچ کر، جہاں رئیس ابجالین رہتا ہے اس کے سامنے اس قضیے کا فیصلہ ہو، وادی صفر میں پہنچ کر رئیس ابجالین کو سب اقدوسا گیا، رئیس ابجالین بڑے اشتیاق کے ساتھ ایک جماعت لے کر سیدنا کی خدمت میں حاضر ہوا، شتر بانوں کی شترارت کا حال سن کر ان کو ملامت کی اور بظرف کیا اور دوسرے شتر بانوں کو ان کے اونٹوں کے ساتھ قافلے کی خدمت کے لئے متعین کیا، ان شتر بانوں میں سے ہر ایک خدمت گزار فرمانبردار، نیک سیرت اور نرم خو تھا، اہل قافلہ کی ایک واہر پر یہ لوگ دوڑتے تھے، اور کسی خدمت سے عذر نہ تھا، بقیہ سفر بڑی راحت و آرام اور محبت و ہمدردی کے ساتھ طے ہوا، جب ان جمالوں کی رخصت کا وقت آیا تو ہر ایک کو دوسرے کی جدائی کا رنج تھا۔

وادی صفر سے روانہ ہو کر وادی خیف میں مقام ہوا، وہاں سے چل کر راستے میں ایک جگہ سیدنا اٹھ کر بیٹھ گئے اور ہمراہیوں کو آواز دی، آپ نے فرمایا کہ قافلہ ٹھہر جائے، یہ زمین برکت و رحمت کی جگہ معلوم ہوتی ہے کہ ابھی تک عرب کی سرزمین میں ایسی جگہ نہیں دیکھی گئی، آپ نے وہاں دعا اور التجا کی اور بدوؤں سے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے، انھوں نے کہا کہ اتنا نا ہے کہ یہاں بہت شہداء دفن ہیں۔

۱۷ "منظورہ" ۱۷ ایضاً

بدوؤں کی دوبارہ شہادت

راستے میں کچھ دن چڑھے قافلے میں کسی نے آواز دی کہ عظیم خاں اور چند آدمی کنویں پر
 بزن لے کر گئے تھے، قزاقوں نے ان سے زبردستی لے لئے، آپ نے جمالوں کو حکم دیا، وہ ان سے بزن
 واپس لے آئے، صرف ایک بزن واپس نہ ملا، عصر کے وقت اطلاع ملی کہ سزاؤنٹوں پر دو دو
 آدمی قتلے جلائے ہوئے حملہ کرنے کے لئے آرہے ہیں، اس سے قافلے میں بڑی تشویش پیدا ہوئی
 اس طرف کے جمال اپنے ہتھیار لے کر جست لگاتے لگاتے تحقیق کے لئے چلے آئے، آپ بھی سواری
 اتر آئے اور اہل قافلہ کو بھی اتر جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ سب بھائی اپنے ہاتھ میں پتھر لے کر
 اپنے سامان کے گرد کھڑے ہو جائیں اور چار جماعتیں ہو کر اونٹوں کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہوں
 اور پتھر اپنے سامنے رکھ کر مقابلہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے عجز و زاری کے ساتھ نصرت کی دعا کریں
 رئیس الجمالین بندوقیں اور جنبیاں لے کر مقابل ہوا، بدو پہلی بار سپا ہوئے، اتنی دیر میں
 قافلے کی عورتوں نے نماز سے فرصت کر لی، اس کے بعد مردوں نے نماز پڑھی، جب قزاقوں کے
 قافلے سے رئیس الجمالین کا آمناسا منا ہوا تو ایک نے دوسرے کو پہچانا، ایک دوسرے سے ملے اور
 خیر و عافیت دریافت کی، جمالوں نے سردار سے کہا کہ ہمارے قافلے میں بجز کھانے پینے کی
 ضروری چیزوں کے کوئی سامان نہیں ہے، جس کو لے کر تم خوش ہو اور اس قافلے کو احمد پاشا
 نائب سلطان نے اپنی ضمانت پر میرے سپرد کیا ہے، اگر آپ اس کو چھوڑ دیں گے، مجھ پر احسان
 کریں گے، میں کہ قزاق اپنے راستے چلے گئے اور قافلے نے خیر و عافیت وہاں سے کوچ کیا۔

زیارت نبویؐ

مدینہ منورہ پہنچنے سے دو رات پہلے آپ کی طبیعت سخت ناساز ہو گئی، بخارا اور دوسرے

کی شدت تھی رات کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرات حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے ہیں، ہر ایک نے آپ کے
سینے پر ہاتھ رکھا اور سی و تھی اور مختلف بتائیں دیں۔

بہتر از صحت است آن صم کہ تو بہر عیسا دم آئی
دارم امید بسته آن بہتر کہ تو از دست خویش بکشائی
اے خوش آن گمراہی راہ روی کہ تو آئی و راہ بنمائی
طرفہ آن تشنگی کہ سیرا بم تو ز لطف و کرم بہ فرمائی
اے علی، شہر دوست نزدیک است
چوں نگردی در و متاشائی

مدینہ طیبہ کا داخلہ

شفق کے ڈوبنے کے وقت قافلہ زوا محلیفہ پہنچا، وہاں سے چل کر ایک ایسی جگہ پہنچے
جہاں سے روضہ منورہ نظر آتا تھا، ہر ایک پر محبت و اشتیاق کا غلبہ تھا، درود و قصائد مدحیہ
اور اشعار تعنیہ زبان پر تھے رات کے پچھلے پہر مدینہ طیبہ کے حرد میں داخل ہوئے، کچھ دیر تقاضا
مناخہ میں آرام کیا، پھر غسل کیا، کپڑے بدلے اور جب مدینہ طیبہ کی فصیل کا دروازہ کھلا اور
مصطفیٰ داغستانی معلم، جن کو محمد رئیس معلم نے آپ کے آنے کی اطلاع کر دی تھی، آئے تو آپ ان کے
ساتھ شہر میں داخل ہوئے اور باب السلام سے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے صبح کی نماز اشراق سے فارغ ہو کر
روضہ منورہ کی زیارت کی اور سید ہودی مصنف کتاب "وفاء الوفاء فی اخبار دار المصطفیٰ" کے

مکان میں باب الرحمۃ کے قریب قیام کیا، دوسرے رفقائے کرام کے دوسرے مکانات میں ٹھہرے، مزاج کی ناسازی اور علالت کے باوجود ہر نماز کے وقت مسجد نبوی میں حاضر ہوتے۔

مخفل میلاد کی شرکت سے معذرت

۱۲ ربیع الاول کو علما و رؤساء شہر مسجد میں جمع ہوئے اور سیدنا کو بھی اس مجلس میں شرکت کی دعوت دی، ایک شخص نے آکر کہا کہ آج ربیع الاول کی مجلس ہے، فلاں فلاں شرفا اور رؤسا آپ کو شرکت کی دعوت دیتے ہیں، آپ آرام فرمائیے، تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے اور مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ ان سے فرمائیے کہ اگر اس مجلس کا انعقاد محض لہو و لعب کے لئے ہے تو ہم کو شرکت سے معذور رکھیں اور اگر عبادت کی نیت سے ہے تو اس کو کتاب و سنت سے ثابت کر دیں، اس لئے کہ ہم لوگ عبادت اور کارِ ثواب ہی کے لئے اپنے گھروں سے آئے ہیں، اگر ثابت ہو جائے گا تو ہم بس و شہیم حاضر ہو جاؤں گا، ورنہ ہم کو اس سے کچھ تعلق نہیں، مولانا عبدالحی صنانے یہ مضمون اچھی طرح سمجھا دیا، قاصد نے جا کر یہ مضمون اہل مجلس کو پہنچا دیا، حاضرین سن کر خاموش ہو گئے۔

بیت المقدس جانے کی نیت اور فتح عربیت

مدینہ طیبہ کے قیام کے زمانے میں آپ نے بیت المقدس جانے اور وہاں سے عمرے کا انجام باندھ کر آنے کا ارادہ کیا اور چالیس آدمیوں کو اپنی ہمراہی کے لئے انتخاب فرمایا، قافلے میں یہ خبر مشہور ہوئی، انھوں نے عظیم عظیم چند آدمیوں کے ساتھ آئے اور عرض کیا کہ "بیت المقدس جانا

لے یہ مکان باب جبرئیل کا وہ مکان نہیں ہے، جس میں حضرت عثمان کی شہادت ہوئی تھی، یہ باب الرحمۃ پر تھا اور

مسجد نبوی کی حالیہ توسیع کے موقع پر منہدم ہو کر مسجد میں شامل ہوا۔ ۳۷۵ "منظورہ" ۳۷۵ ایضاً

فرائض و واجبات میں سے نہیں ہے ہمارا حال یہ ہے کہ آپ کو دیکھ کر ہم اپنی تکلیفیں بھول جاتے ہیں آپ کی غیر موجودگی میں قافلے میں سخت انتشار و تکلیف ہوگی آپ نے یہ سن کر بیت المقدس کی عزیمت منسوخ کر دی اور قافلے میں وعظ فرمایا اور قیام کی نیت کر لی۔

واپسی کا قصد

مدینہ طیبہ میں سردی تیز ہو گئی تھی اور قفا کے پاس سرمائی سامان کافی نہ تھا، شیخ عبداللطیف مرزا پوری نے جو شریک قافلہ تھے، کھیل خرید کر تیس تیس کر کے ساٹھ چوغے سلوا کر دو بار ہدیہ کئے، جن لوگوں کو زیادہ ضرورت تھی، ان کو تقسیم کر دیئے گئے۔ ایک روز آپ نے خواب میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، ارشاد ہوا کہ "احمد اب یہاں سے جاؤ، تمہارے ساتھیوں کو سردی سے تکلیف ہے"

زیارات

مدینہ طیبہ کے قیام میں آپ نے مسجد قبا، مسجد قبلتین وغیرہ اور حینت البقیع کی بار بار زیارت کی، ایک بار جالیوں کے اندر شب گزارنے کا موقع بھی بخوبی ملا، مراقبے میں بار بار احوال و کیفیات اور بار بار زیارت نبوی سے فائز ہوئے۔

ایک روز بقیع جا کر ازواج مطہرات، حضرت حسن اور دوسرے حضرات اہل بیت کی زیارت کی، دوسرے روز خاص طور پر حضرت عثمان کی زیارت کے لئے گئے۔ اہل قافلہ مدینہ طیبہ کے گرد و پیش کے مشاہد و آثار کی زیارت کر چکے تھے، آپ طبیعت کی

۱۰ "منظورہ"

ناسازی کی وجہ سے نہیں جاسکے تھے، ایک روز آپ جبل اُحد گئے اور سیدنا حمزہؓ اور دوسرے شہداء کے مقابر کی زیارت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک جہاں شہید ہوئے تھے، اس جگہ کی بھی زیارت کی، بعض بعض مقامات پر دعا کی۔

ایک دن بیرومنہ مسجد ذوالقبلتین مسجد احراب تشریف لے گئے اور دعا فرمائی، تیسرے روز مسجد قبا گئے، دو گناہ ادا کیا اور دعا فرمائی، نگہبانوں اور سامان کے پہرے داروں کے سوا سب شترکائے قافلہ ہمراہ تھے، اور دعا و نماز میں شریک، بیعت خاتم کی بھی زیارت کی، واپسی میں بنی قریظہ کی طرف سے آئے۔

روانگی

زیارتوں کے بعد آپ نے مکہ معظمہ واپسی کا قصد فرمایا اور سفر کی تیاری کی، وہی جمال جو وادی صفرا سے قافلے کو سوار یوں پر لائے تھے، اپنے اونٹ لائے اور سامان سفر بار کر کے سب کو سوار کر لیا، آپ مسجد نبوی اور روضہ منورہ سے رخصت ہو کر ذوالحلیفہ پہنچے جو اہل مدینہ کا میقات ہے اور اب "ابیار علی" کے نام سے مشہور ہے، وہاں رات بسر کی نماز ظہر کے بعد غسل فرمایا اور دو رکعت پڑھ کر احرام باندھا، قافلے میں جو تندرست اور قوی لوگ تھے، انھوں نے بھی اسی میقات سے احرام باندھ لئے اور جو کمزور تھے، انھوں نے حُجفہ سے، جو اہل شام کا میقات ہے، احرام باندھا۔ ذوالحلیفہ سے انھیں منازل سے ہونے ہوئے، جن سے مدینہ منورہ آنا ہوا تھا، مکہ معظمہ کی طرف کوچ ہوا، وادی قاطمہ پہنچ کر بڑے تضرع و زاری کے ساتھ دعا کی جو رفقا مکہ معظمہ میں مقیم تھے، ان کو جب تشریف آوری کی خبر ملی، استقبال کو آئے، آدھی رات کے بعد مکہ معظمہ میں

داخل ہوئے اور طواف بیت اللہ اور سعی صفا و مروہ سے فارغ ہو کر بال منڈائے اور احرام سے باہر ہوئے اور مکان پر آرام فرمایا۔

صبح مکہ معظمہ کے علما و فضلاء اور چاروں مصلوں کے امام صاحبان ملاقات کے لئے تشریف لائے

مولانا عبدالحی اور مولانا اسماعیل کا درس

مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں سید صاحب نے مولانا عبدالحی اور مولانا اسماعیل صاحب سے فرمایا کہ "اس متبرک مقام میں کچھ علوم دینیہ کا مشغلہ ہونا چاہئے، یہ وقت غنیمت ہے، چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب نے حافظ سید محمد کو مشکوٰۃ کا اور مولانا اسماعیل نے مولوی وحید الدین پھلتی کو حجة اللہ ابالغہ کا درس دینا شروع کیا، دونوں مجلسوں میں بڑا مجمع ہونے لگا اور لوگوں کو عام استفادے کا موقع ملا۔"

مکہ معظمہ میں دوسرا رمضان المبارک

مکہ معظمہ کے دوبارہ قیام میں دوسرا ماہ مبارک آگیا، تمام اہل قافلہ روزہ و نماز اور عمرہ و طواف میں حسب معمول سرگرم و مشغول ہو گئے۔

یہ "منظورہ" سید صاحب کی مراجعت مکہ کی تاریخ ۹ ربیع الاول صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ "منظورہ" کی روایت کے مطابق ۱۲ ربیع الاول کو آپ مدینہ طیبہ ہی میں تھے، اور آپ کو محفل میلاد میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی، اس لئے روانگی یقیناً اس تاریخ کے بعد ہے، محضین احمدی میں روانگی کی تاریخ ۲۹ ماہ ربیع الاول درج ہے۔ (محضین ص ۶۹)

یہ "منظورہ" قلمی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درس مکہ معظمہ کے اول قیام میں شروع نہیں ہوا بلکہ مدینہ طیبہ سے واپسی پر طویل قیام کے زمانے میں شروع ہوا، یادداشت میں ہے ماہ جمادی الثانی ۵، دو شنبہ میاں محمد مشکوٰۃ شریف شروع کر دینا

پندرہواں باب

سفرِ واپسی اور رائے بریلی کا قیامِ عارضی

سفر کی تیاری

۵ اربھوٹال کو سفر کی تیاری ہوئی، آپ نے قاضی احمد اللہ صاحب میرٹھی کو جہازوں کے انتخاب و انتظام کے لئے عہدہ بھیجا تھا، لیکن اہل کلکتہ نے آپ کے رفقائے سفر کے لئے جہازوں کی تعیین و تجویز کے مجدد بننا خدا کے ذریعے مکہ معظمہ میں آپ کو اطلاع کی اور آپ کے سفر کے لئے ملک البحر نامی جہاز تجویز کیا۔

یکم ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ کو آپ نے طوافِ وداع کیا اور مکہ معظمہ کو الوداع کہا، ہر شخص بیت اللہ کی جدائی سے اشکبار اور دل فگار تھا، دوسرے روز بندرگاہِ جدہ پہنچنا ہوا۔

سفرِ واپسی

آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے لئے جو جہاز نامزد ہو چکا ہے اس پر سوار ہو جائے، آغا حسین ترکی کپتان نے جو جہاز عطیۃ الرحمن کے ناظر تھے، آکر عرض کیا کہ "ملک البحر" جو جہاز کے سفر کے لئے تجویز ہوا ہے، بہت سست رفتار ہے، بہتر ہے کہ آپ جہاز عطیۃ الرحمن پر سوار ہوں، آپ نے فرمایا

لہ "منظورہ" لہ "مخزن احمدی" ص ۱۱

”جو بہار ہمارے لئے تجویز ہو چکا ہے، اس کو ہم نہیں چھوڑ سکتے، رفتار الٹ کر قبضے میں ہے، سست رفتار کو چاہئے، تیز رفتار بنانے اور تیز رفتار کو چاہئے، سست رفتار کر دے“

بمبئی

اول ذی الحجہ میں جدے سے روانہ ہو کر بندرگاہِ منجمہ پہنچے، ایک ماہ یہاں قیام رہا، آپ کو بمبئی تشریف لے جانے کا بہت خیال تھا، چنانچہ بمبئی جانے والے بہار کے ذریعے آپ نے مولوی انس صاحب کو ایک خط بھیجا، جس میں ہجرت و بہاد کی ترغیب دے، ”ملک البحر“ کے ناخدا محمد حبیبی نے عرض کیا کہ ”ہم کو بمبئی کی سواریاں مل گئی ہیں اور ہم بمبئی ہو کر کلکتے جائیں گے“ آپ نے فرمایا کہ ”یہ ہماری عین مراد ہے“ جس بہار سے آپ نے خط بھیجا تھا وہ بیس روز پہلے بمبئی روانہ ہو چکا تھا، چار بہار جن پر آپ کا قافلہ سفر کر رہا تھا، سقوطِ ٹکٹ ”ملک البحر“ کا اور ان کا ساتھ رہا، سقوطِ ٹکٹ سے وہ ملیبار کی طرف چلے گئے اور ”ملک البحر“ نے بمبئی کا رخ کیا، بارہویں روز ایک گھڑی دن چڑھے ”ملک البحر“ خیر و عافیت کے ساتھ ساحل بمبئی پر ننگر انداز ہوا، اس وقت تک کوئی بہار بمبئی نہیں پہنچا تھا، بمبئی کے ناخدا اور تاجر کا بیان ہے کہ چالیس سال کے عرصے میں کوئی بہار اتنے کم وقت میں اور اتنی سرعت کے ساتھ بمبئی نہیں پہنچا، جس بہار کے ذریعے آپ نے اپنی آمد کی اطلاع کا خط بھیجا تھا وہ خود سولہ روز کے بعد بمبئی پہنچا، بمبئی میں آپ نے محلہ مہین واٹے میں مولوی انس صاحب کی مسجد میں قیام فرمایا، مولوی صاحب بیعت ہوئے، چونکہ بمبئی میں بھی کلکتے کی طرح آپ کی شہرت تھی، دن رات لوگوں کا ہجوم

۱۷ ”منظورہ“ ۱۷ ”منظورہ“ ”مخزن“ میں ۱۵ روزت قیام لکھی ہے ص ۱۱ ۱۷ ”منظورہ“

۱۷ ”مخزن احمدی“ ص ۱۱ ۱۷ ”منظورہ“

رہتا تھا، اور کسی وقت فرصت نہیں ہوتی تھی، لوگوں نے بکثرت دعوت و ضیافت کا شرف حاصل کیا اور ہزاروں آدمیوں نے بیعت کی سعادت حاصل کی۔

مالابار

ضروریاتِ سفرِ بمبئی سے خرید کر جہاز پر پارکین اٹھارہ دن کے بعد انیسویں دن بمبئی سے روانگی ہوئی، اور جہاز نے مالابار کی طرف رخ کیا، مولوی انس صاحب کے صاحبزادے نیز مولوی محمد صدیق محمدی، امام الدین شیخ پڑھن بمبئی سے ساتھ ہوئے، ساتویں روز "ملک البحر" بندر الپی پہنچ گیا "عطیۃ الرحمن" وغیرہ جہاز وہاں ایک روز پہلے سے لنگر انداز تھے، "عطیۃ الرحمن" کے سواروں نے کہا کہ آخر آپ مالابار کے سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے، وہ سمجھے کہ یہ لوگ ابھی تک بمبئی نہیں گئے "ملک البحر" کے سواروں نے کہا کہ ہم بمبئی سے اٹھارہ دن قیام کر کے آئے ہیں اور بمبئی جانے کی علامت یہ ہے کہ مولوی انس صاحب کے صاحبزادے ہمارے ساتھ ہیں لوگوں کو اس تیز رفتاری پر بڑا تعجب ہوا۔

یہ صافاً قصبہ الپی میں تشریف لے گئے، مریدین و معتقدین آپ کی زیارت سے مشرف و سرور ہوئے، دو روز وہاں قیام کر کے تیسرے روز وہاں سے کوچ ہوا۔

کلکتہ

مولانا عبدالحی صاحب کے ایک قعر سے کلکتہ کے مجتہدین و مخلصین کو آپ کی تشریف آوری کا علم ہو گیا تھا، شیخ غلام حسین فخر التجار نے چند روز پہلے انتقال کیا تھا، ان کے صاحبزادے عبدالشریف نے سوار کر کے اپنے باغ میں لائے، لوگ جو حق زیادہ ملاقات کے لئے جمع ہو گئے اور ہدایت ارشاد سے مشرف ہوئے

اہل قافلہ کے تمام جہاز بخیر و عافیت پہنچ گئے، لیکن "عظیۃ الرحمن" راستہ بھول گیا اور ایک پہاڑ پہنچ گیا۔ اس کے کھٹے میں اس کے بخیریت پہنچنے کے لئے دعائیں فرماتے تھے، اور قنوت پڑھتے تھے، اور اکثر فرماتے تھے کہ تکریری چیز ہے، جب "عظیۃ الرحمن" کے پہنچنے کی خبر ڈاک سے آئی تو تمام اہل قافلہ کو بڑی مسرت و شادمانی ہوئی۔

کلکتہ میں مولوی امام الدین اور صوفی نور محمد صنائے گھر جانے کی اجازت لی اور اپنے اپنے گھر روانہ ہوئے، عثمانیہ الشرنامی ایک مخلص ہجویت و مخالفت سے مشرف ہوئے اور اخلاص و عقیدت مندی کا حق ادا کیا۔

ایک مخلص کی بلند و صلگی

کلکتہ سے روانہ ہو کر آپ منگل کوٹ اور اس کے قریب منشی محمدی کے دیہات تشریف لے گئے، مرشد آباد میں دیوان غلام مرتضیٰ کی درخواست پر قافلے کے ساتھ ان کے مقام اکہتہ پر تشریف لے گئے، دیوان موصوف کا خس پوش بنگلہ ایسا شاندار تھا کہ اس کی درستی پر پانچ ہزار روپے خرچ ہوئے تھے، بنگلے کے باہر بازار تھا جس میں قسم کے میوے اور ٹھہائیاں ہلتی تھیں اور ہر قسم کے پیشیہ دار اور اہل حرفہ موجود تھے، دیوان صاحب نے بازار میں منادی کرادی کہ سید صنائے کے قافلے کا جو آدمی اس بازار سے کچھ خریدے یا کسی دستکار سے کام لے تو اس کی قیمت و اجرت میرے ذمے ہے، سید صنائے نے ان کو سمجھایا کہ اس قدر زیاری کیوں لیتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ اگر کسی مسلمان کے گھر کوئی حاجی آجاتا ہے تو اس کی بڑی

لہ ان بزرگ کے گاؤں کے نیچے ایک ندی بہتی ہے جس کا نام بھاگی رتی ہے، یہ ندی سمندر میں گرتی ہے، یہاں عافیت اللہ

نے ایک خط لکھ کر سمندر کے جز کے زبانی میں بنام خدا اس ندی میں ڈال دیا، خدا کا کرنا کہ یہ خط کسی طرح بہتا بہتا

کلکتہ میں ایک مخلص کے ہاتھ لگا اور سید صنائے تک پہنچا، مگر معظمہ سے واپسی پر یہ صنائے کلکتہ میں ملے اور ہجویت و مخالفت سے مشرف ہوئے

سفر ازی ہوتی ہے میں اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ مجھے اتنے حجاج نے سرفراز فرمایا۔
 دو تین روز وہاں قیام کر کے روانگی ہوئی، دیوان حسنانے دوسرے تحائف کے ساتھ ایک
 نہایت نفیس رومی بندوق جس میں سات دیدبان تھے، ستائیس طہنچے اور ایک تیرپن کیش کیا، سات
 دیدبانوں کا حساب یہ تھا کہ ہر دیدبان سے دو سو قدم فاصلہ بڑھ جاتا تھا چنانچہ ساتویں دیدبان
 سے ایک ہزار چار سو قدم کا فاصلہ ہوتا تھا۔

صوبہ بہار

کہنہ سے آپ اپس مرشد آباد تشریف لائے اور کشتی وہاں سے روانہ ہو کر مونگیر کے سامنے
 نگر انداز ہوئی، جمعے کے دن آپ اور دوسرے اہل قافلہ کشتی سے اتر کر شہر تشریف لے گئے، اور
 ناز جمعہ ادا کی، مونگیر میں آپ نے وہاں کے اسلحہ سازوں سے بندوقیں اور طہنچے خریدے اہل قافلہ
 نے بھی بعض اسلحہ خرید کئے، سید صاحب نے ایک چارنالی بندوق خریدی۔

مونگیر سے روانگی پر مولوی ولایت علی عظیم آبادی شاہ محمد حسین اور سید کرامت الشریعہ
 کے ساتھ قصبہ باڑھ میں پہنچ کر ملاقات سے سرفراز ہوئے اس وقت مولوی ولایت علی حسنا کی داڑھی منڈی
 ہوئی تھی، غیر تشریح اور آزاد لوگوں کا لباس پہنے ہوئے تھے، سید عبدالرحمن حسنانے سید حسنا سے ان کی
 وضع کی شکایت کی، فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ قدیم ہمراہیوں میں شامل ہو جائیں گے اور یہ سب ظاہری
 صورت بدل جائے گی، یہ سب حضرات آپ کے ساتھ عظیم آباد آئے اور دس روز تک اپنے مکان پر ٹھہرایا۔
 عظیم آباد کے قیام کے دوران میں آپ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر پھلواڑی تشریف
 لے گئے جو مشائخ و علما کی مشہور تہی اور تبادہ ہے، اس وقت وہاں بہت سے لوگ انگریزی سرکار میں بھی

۱۰ "منظورہ" ۱۱ یہ بندوق آپ سے یار محمد خاں درانی والی پشاور نے مانگ لی تھی۔ ۱۲ "منظورہ"

بڑے بڑے عہدوں پر تھے، حضرات پھلواری نے آپ کے شایانِ شانِ تعظیم و تکریم کی ایک ات آپ نے وہاں گزار دی اور تنہائی میں شاہِ نعمت الشرف سے گفتگو کر کے صبحِ عظیم آباد تشریف لے آئے اور مولانا محمد اسماعیل صاحب کو چند رفقہ کے ساتھ پھلواری روانہ کیا، مولانا نے شاہِ نعمت الشرف صاحب مولوی احمدی صاحب اور دوسرے بزرگوں سے ملاقات کی اور رسومِ مروجہ وغیرہ کے متعلق دیر تک گفتگو رہی پھلواری کے چند زید شرب آزاد لوگوں نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور تمام خلافِ شرع افعال و عادات اور رسومِ جاہلیت سے تائب ہوئے اور اپنے وطن میں دینی اصلاح و امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دیا۔ عظیم آباد سے روانگی کے وقت مولوی ولایت علی طالب حسین شاہ محمد حسین صاحب سید کرامت وغیرہ اپنا اپنا سامان لے کر ہم کاب ہوئے، سید عبدالرحمن صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ولایت علی صاحب کو دیکھ کر سید صاحب سے عرض کیا کہ یہ صاحب ہمارے ساتھ جانا چاہتے ہیں، یہ ضرور ہم پر بار ہوں گے آپ نے فرمایا "نہیں یہ بڑے پرانے پرانے رفیقوں سے بھی بازی لے جائیں گے"۔

یوسف پور، غازی پور

عظیم آباد سے ڈھکیا اور دانا پور کے راستے سے کشتیاں رائے بریلی کی طرف روانہ ہوئیں،

شاہِ نعمت الشرف صاحب نے پور الشرفی مشہور شاعر و شاعر ہیں ۱۱۶۶ھ میں ولادت ہوئی، اکثر درسی کتابیں مولانا وحید الحق پھلواری سے پڑھیں پھر اپنے والد سے استفادہ باطنی کیا اور ان کے بعد اکتیس سال کی عمر میں خاندانی سجادے کو روئی دی، علماء و شاعر کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے کسبِ فیض کیا، ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی (ترجمہ ۴) ۱۱۴۶ھ ۱۲۵۲ھ والد کا نام مولوی وحید الحق، دادا کا نام وجیہ الحق تھا، اپنے والد سے درسی کتابیں پڑھیں، ریاضی اور علومِ عقلیہ میں تبحر پیدا کیا، پور کے اضلاع میں آپ کی ذات مرجع تلامذہ تھی اور درس و تدریس تحشیہ و تصنیف کی شہرت تھی، منطق اور فلسفے کی کتابوں اور رسالوں پر آپ کے حاشی مشہور ہیں (ترجمہ ۴) ۱۲۰۶ھ منظومہ ۱۲۰۶ھ ایضاً۔

بھونچ پورا ہلسا رہا پھر ابریل گنج اور کبوتر نے ہوئے محمود آباد پہنچے محمود آباد آپ ایک طرف کو روانہ ہوئے، لوگوں نے پوچھا کہہاں تشریف لے جاتے ہیں؟ فرمایا کہ محمود آباد کے پاس ایک یہاں ہے جہاں سے ایک دست کی بو آتی ہے، ملاقات کے لئے جاتا ہوں راستے میں ایک جگہ سے ڈھولک کی آواز آتی تھی، آپ نے مولانا اسماعیل سے فرمایا کہ سورہ لیس پڑھئے، آپ نے سورہ پڑھنی شروع کی اور ڈھولک کی آواز موقوف ہوئی، لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھے ڈھولک کی آواز ناگوار ہوئی اشارہ غیبی ہوا کہ اس کو روکنے کے لئے سورہ لیس پڑھی جائے، چنانچہ اس برکت سے یہ آواز بند ہو گئی، آپ جب یوسف پور پہنچے شیخ فرزند علی غازی پوری اس موضع میں بیمار تھے، وہ ناطاقی کی وجہ سے خود تشریف نہ لاسکے، انھوں نے اپنے لڑکوں کو استقبال کے لئے بھیجا تھا، آپ ان کے ساتھ شیخ حسک کے پاس تشریف لے گئے، شیخ صاحب نے بڑی تعظیم و تکریم اور بڑی خدمت گزارى اور مہانداری کی اور اپنے تمام اہل و عیال کو بیعت کرایا، آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم نے ہمارے دوست کو دیکھا؟ دوسرے روز کشتیاں غازی پور پہنچیں، شیخ صاحب اپنے بچوں کے ساتھ ہمراہ تھے، آپ نے شیخ حسک کے مکان پر چھ روز قیام فرمایا، شہر کے لوگ بکثرت بیعت ہوئے اور راہ راست پر آئے، شہر کی جامع مسجد جو ویران ہو چکی تھی، آباد ہوئی اور پانچ وقت پابندی کے ساتھ نماز ہونے لگی۔

بنارس

غازی پور سے چل کر جب بنارس دو تین فرلانگ رہا، مرزا محمود بخت شاہزادہ استقبال کے لئے آئے، مرزا بلاتی شاہزادہ جو پہلے سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے، بجرے پر بیٹھ کر آئے، یہاں ایک جگہ جو پایاب تھی، پانی اتنی تیزی سے بہ رہا تھا کہ مضبوط آدمی کے پاؤں بھی

۱۔ منظورہ ۲۔ منظورہ ۳۔ روایت یہ محمد مستقیم نصیر آبادی۔

نہیں جنتے تھے ایک شخص اترے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے، لوگ ان کو بچانے کے لئے دوڑے یہاں تک کہ خود سید صاحب بھی اپنے بجرے سے اتر کر ان کی طرف بڑھے، پانی کی تیزی سے سب کے پاؤں اکھڑ گئے اور سب خطرے میں پڑ گئے، سید عبدالرحمن صاحب ایک کشتی لے کر ان کی طرف بڑھے، دیکھا کہ سید صاحب پاؤں جمائے کھڑے ہیں باقی کسی کے پاؤں نہیں جنتے، وہ سب کو سوار کر کے کنارے لے آئے۔
بنارس میں چند روز قیام کر کے جس میں سابق مریدین کو زیارت کا موقع ملا، بنارس سے روانگی ہوئی۔

مرزا پور

مرزا پور میں شیخ غلام علی الہ آبادی کے بیٹے تشریف لائے اور قافلے کے تمام اخراجات اپنے ذمے لے لئے، شیخ عبداللطیف اور دوسرے بٹھانوں کی طرف سے دعوت ہوئی۔

اللہ کی حمد اور آخری آرزو

سید تقیم صاحب کہتے ہیں کہ واپسی میں ایک دن آپ نے مجھ سے وطن اور برادران وطن کی خیریت اور حالات دریافت کئے، میں نے عرض کیا آپ نے حمد و شکر کے عجیب عجیب مضامین والفاظ ادا فرمائے، حج و عمرہ و زیارت حرمین کے احسان پر اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کیا اور بخیریت جانے اور واپس آنے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرنیاز خم کیا اور بہت دعا و التجا کر کے یہ عرض کیا کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال تیرے راستے میں صرف ہوں، یہ فرماتے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے تمام حاضرین پر ایسی تاثیر اور رقت طاری تھی کہ زار زار

۱۷ "منظورہ" ۱۷ ایضاً

رو رہے تھے اور ایک بیہوشی اور خود فراموشی کا عالم تھا۔

مسجد اور غریب پڑوسیوں کے لئے تحفہ

مرزا پور میں دو تین روز شیخ عبداللطیف وغیرہ کی دعوتوں کی وجہ سے قیام رہا، آپ نے تکیے کی مسجد کے راستے اور گھاٹ کے لئے پتھر خریدے اور اپنے غریب پڑوسیوں اور ہمسایوں کے لئے بہت سی چکیاں خریدیں۔

شیخ غلام علی کی اولوالعزمی

سید کرامت اللہ عظیم آبادی بیان کرتے ہیں کہ بنارس سے روانگی کے بعد ہر منزل و مقام پر روزانہ شیخ غلام علی صاحب کی طرف سے دعوت کا سامان پہنچتا تھا، دال چاول اور مصالحہ انھیں کی طرف سے آتا تھا، شیخ صاحب کے اجارے کے گاؤں دریا کے کنارے پڑتے تھے، کشتیاں دریا کے کنارے شیخ صاحب موصوف کے بنگلے کے سامنے پہنچ کر لنگر انداز ہوئیں، کئی روز وہاں ٹھہرنا ہوا، روزانہ شیخ صاحب کی طرف سے پورے قافلے کی پرنکلت دعوت ہوتی تھی، قسم قسم کے لذیذ کھانے، انواع و اقسام کے اچار مرے، یہاں تک کہ پہیزی کھانا مونگ کی دال، کھجڑی وغیرہ دسترخوان پر موجود رہتی، قافلے میں جو شخص کسی کھانے کا نام لیتا، اہل کار اسی وقت حاضر کرتے، قافلے میں سات سو آدمی تھے اور عظیم آبادی پور مقامات سے اور آدمیوں کا اضافہ ہو گیا تھا، خود الہ آباد میں قرب جوار کے سیکڑوں آدمی ہر روز آتے تھے اور سب سیر ہو کر اٹھتے تھے، بلکہ شہر کے کھاتے پینے لوگ بھی گھر بیٹھے

لے "منظورہ" لے ایضاً

شیخ صاحب کی ضیافت میں شریک ہوتے، کھانا اس اقرار سے پکنا کہ جو کچھ بچتا، دریا میں ڈال دیا جاتا، یہاں تک کہ دریا کے پانی کا رنگ بدل گیا، اور ہندوؤں نے شکایت کی، غریبا شیرمال، پلاؤ، زردہ، فیرنی اور کھانے کے دوسرے انواع و اقسام سے ایسے آسودہ ہوئے کہ ان کی طبیعت بالکل سیر ہو گئی، سید صاحب شیخ غلام علی صاحب سے فرماتے کہ ”شیخ صاحب! آپس قدر فضول خرچی کیوں کرتے ہیں؟“ شیخ صاحب نے جواب دیا کہ ”میں اپنے حوصلے کے مطابق نہیں کر سکا، جو کچھ میں نے کیا ہے، یہ آخرت کا اندوختہ ہے“ ضلع لکھنؤ، الہ آباد اور قریب جوار کے تمام مقامات میں شیخ صاحب کی اولوالعزمی اور بلند ہمتی کا پوجا تھا

وطن میں

الہ آباد سے آپ خشکی خشکی رائے بریلی کی طرف روانہ ہوئے، پہلے الہ آباد سے مہرندے، جو شیخ صاحب کا آبائی وطن ہے، تشریف لے گئے، ایک روز وہاں ٹھہر کر اہلادگنج میں دوسری منزل کی وہاں کا حاکم اور بہت سے سوار آپ سے بیعت تھے، وہ سب زیارت اور ملاقات مشرف ہوئے، وطن میں آپ کی اطلاع اچانک پہنچی اعزہ استقبال کے لئے جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ قافلے کے ایک ہمراہی جو راستہ بھول گئے تھے، تکیے پہنچے اور انھوں نے دریافت کیا کہ کیا سید صاحب تشریف لائے؟ اعزہ نے کہا کہ الہ آباد تک تشریف لانے کی خبر تو ہم کو کھنی، یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ یہاں تک تشریف لے آئے، صبح ہی اعزہ استقبال کے لئے روانہ ہوئے، کوئی شہزاد پھینچ سکا، کوئی سامنے والی بستی تک کہ آپ تشریف لے آئے اور آپ کا یہ فرمانا صحیح نکلا کہ ہم بخیر و عافیت اچانک تمہارے پاس پہنچیں گے اور تم کو تعجب ہوگا

اکثر عزیزوں نے اہل قافلہ میں سے بہت سے لوگوں کو اس لئے نہیں پہچانا کہ چہرے پر
تروقازگی تھی اور لباس عمدہ تھا، یہاں سے گئے تھے، تو بالکل بے سرو سامانی کی حالت میں،
اور شعبان کی کسی تاریخ میں آپ مع انجیر داخل وطن ہوئے، زنانی کشتیاں گنگا کے راستے
چند روز بعد ڈلمو پہنچیں، رائے بریلی سے بہلیاں، میانے اور ڈوبیاں گئیں اور تمام سواریاں
رمضان المبارک کی ابتدائی تاریخوں میں کسی تاریخ کو پہنچ گئیں۔

گھروں میں جانے سے پہلے معذور اور بیمار لوگوں کے علاوہ اپنے مرد و عورت تمام حجاج کو
مسجد میں جمع کر کے اپنے اور اپنے تمام عزیزوں کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے دعا کی،
پھر سب لوگ اپنے اپنے گھر گئے۔

حج سے واپسی کے بعد باوجود اس کے کہ مہانوں کی ایک بڑی جماعت مقیم تھی اور
روزانہ بہت بڑی رقم خرچ ہوتی تھی، پھر بھی ایک روز ایک ضرورت دیکھنے پر معلوم ہوا کہ
بیت المال میں دس ہزار روپے موجود ہیں۔

یہ صاحبِ آخر شعبان یا عرہ رمضان ۱۲۳۹ھ کو پہنچے، گو یاد و سال دس مہینے کے
بعد وطن واپسی ہوئی۔

قصیدہ تہنیت

سیدنا اور ان کے مبارک قافلے کی واپسی پر اہل ایمان اور اہل دین کو جو مسرت و شادمانی
ہوئی اس کا اظہار ایک شاعر نے جو حسن تخلص کرتے تھے، اپنے ایک قصیدے میں کیا ہے جس میں انھوں نے

لہ "منظورہ" ایضاً ۱۲۳۹ھ میں شاعر غالباً مولانا ابوالحسن کاندھلوی ابن حضرت مفتی الہی بخش کاندھلوی
ہیں جو حسن تخلص کرتے تھے اور اپنے زمانے کے خوشگوار و قادر الکلام شاعر تھے، "مثنوی گلزارِ ابراہیم" انھیں کی
یادگار ہے۔

اس قافلہٴ حجاج اور اس کے میرکارواں کی خصوصیتاً اور ان کے دینی اثرات و برکات بڑی نوبتاً اور خوش اسلوبی سے بیان کئے ہیں اس قصیدے کے اکثر شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

قصیدہ

ہے گا اس نور سے پرگند چرخِ اختر
جس کے لمعان سے ہے کند فزشتوں کی نظر
نہ اسے روشنی شمس و قمر سے نسبت
نہ لے برق اسے اور نہ کوئی اختر
جلوہٴ طور کہوں یا کہ شبِ قدر کا نور
یا ترقی یہ ہوئی روشنی تازہ سحر
جس طرف دیکھے وہ نور نظر آتا ہے
عقلِ اول بھی جسے دیکھ کے رہ جائے شکر
آسماں پر جو نظر کی تو بانِ فانوس
مشعلِ روشنی عرش سے تھا اس کا گھر
کر کے بس غور جو پھر روئے زمین کو دیکھا
تھی وہ نور شد سے بھی نور میں زیادہ اول
تھا عجب طور کا کچھ روئے زمین پر جلوہ
عرش پر جس کی تجلی کا پہنچتا تھا اثر
شرق سے غرب تک نور سے تھا الامال
عرش سے فرشتے تک برق سے تھا روشن
کیا عجب ہے کہ اگر ہند کے نظارے کو
ہو جنت سے چلی آئے نکل کر باہر
اس ترقی پر عرض دیکھ کے میں خلاء ہند
سجدہ شکر ادا میں نے کیا خوش ہو کر
تھی عجب طرح کی دل کو مے اُس دمِ حیات
جسم ہرگز نہ سماتا تھا قبائک کے اندر
تھا تہ دل سے میں نفی تیش سب کے درپے
کس کے انوار سے یارب زمین رنگ قر؟
کس کے باعث ہے جو یوں ملک میں آبادی؟
کیا خوشی ہے کہ جو یوں عیشِ طرب گھر گھر؟
نشانِ فردوس جو سرسبز ہو ایہ خطہ
یارب اس بھید کچھ مجھ کو بھی تو آگے کر

لیچھورا قصیدہ "سوانح احمدی" میں منقول ہے۔

ایک بیک غیبی آئی یہ ندائے ہاتق
 اب تلک پہنچا نہیں تر وہ جان بخش تھے؟
 آیا ہے قافلہ حج کر کے وہ اس ملک کی سیچ
 اس کے الوار سے روشن ہے زمین تا بفلک
 ہے ہر اک شخص وہاں امر معروف
 ماحی کفر زدل، قاتل کفار زیجاں
 ان میں ہر اک ہے فرید اور وحید آواں
 ظاہر آراستہ برتت بیضائے نبی
 کدو کاوش نہ کسی میں نہ ریا و کینہ
 کیا کروں قافلہ سالار کا میں اس کی بیان
 عادل و عالم و عابد شہ و الاہمیت
 عاقل و فاضل و راجم زکی و عالی طبع
 ترک و تجرید و توکل میں فرید و رواں
 مدین لطف و حیا مجمع جو دو ہمت
 بحر جو دو کرم و گلشن عرفان نبی
 صدق میں ثانی انبیا کے مانند قوی
 فخر میں حضرت عثمان سا جوں بکریا
 طور اور طرز میں سب طہینت صحابہ نبی
 وعظ میں اس کے یہ تاثیر کہ پڑھیں کلمہ
 گوش سے پیہ عقلمت کو ذرا باہر کر
 جس شاداں میں تلک فخر میں ہر اک جن و شر
 جس میں ہر اک ہے ولی عاروت نیکو منظر
 ان کی ہمت ہوئی دین کو سوز نیت فر
 قاصد بدعت و ناہی اصول منکر
 قاصد رسم زبوں، تابع حکم داور
 حافظ و عالم و عادل، سخی و نیک نظر
 باطن اس طور کا پاکیزہ ہو جیسا گوہر
 نہ حسد دل میں نگر نہ کسی کے اندر
 جس کے اوصاف میں تحریر و بیان سے باہر؟
 اشجع و افصح و ابلغ، سخی و نیک نظر
 زاہد و متقی و صابر و زیا منظر
 علم اور خلق و دیانت میں وحید اکبر
 مخزن عفت و الفت، شرف نوع بشر
 مشعل راہ طریقت، حقیقت سیر
 جد اور جہد میں اسلام کے ثانی عمر
 او صف جنگ میں ہم طرز علی صفد
 قاف سے راہ تشریح میں ہے مستحکم تر
 لات و عزی و متا اور بہل بھی فرز

سید صفدر و عالی نسب زینتِ دین
 سید احمد و عالی حسب و فخرِ زباں
 ہوتا معصوم اگر بعد نبی کے کوئی
 سینہ عصا سے اس کے ہے خجل آئینہ
 حق میں گمراہوں کے تاثیر جو کچھ ہے اس کا
 ہو جو صحبت سے تری تخلیہ و تخلیہ
 اسمِ اعظم کو جو پڑھ کرے وہ کوہِ پیم
 خار کو ہاتھ لگائے تو وہ ہو گلِ رستہ
 رنگ میں گو کہ ہے سرخِ بانِ باقوت
 اس کی نظروں گھرے مشک تو ہو شکر سے کم
 نا خدا جو ہے حقیقت کا یہ ہے کشتی باں
 علم کو اس کے مگر علم لڑنی کہئے
 آبِ پاشی سے تری قوتِ بازو کے بزور
 فیض سے تیرے نامازی ہوئی خلقت یہاں تک
 جس طرف دیکھئے تیرے ساجد ہے گی
 آتی ہر سمت ہے بانگِ مؤذن کی صدا
 اس قدر عصر میں تیرے ہوئی اقرارِ نماز
 قطعِ بدعات ہوئی فیض سے تیرے ایسی
 دیکھئے جس کو سو کرتا ہے کلامِ اللہ یاد ادا
 زیبِ اسلام و امامِ حق و عاجزِ زور
 رہبرِ راہِ شریعت، خلعتِ پیغمبر
 ہوئی اس عصر میں عصمت بھی اسی انداز
 نورِ ایمان سے ہے قلبِ مصفا گوہر
 بوششِ نونوں میں کہے کا نہ ایسا شتر
 لاکھ چلوں سے بھی باطن میں نہ ہوا نثار
 ہوں طلا، جفتے ہیں کہ سار کے سارے پتھر
 رشکِ الماس ہو کر ہاتھ میں لے کے کنکر
 سبز ہو سچ کی طرح ہاتھ میں اس کے انگر
 کوئلہ ہاتھ میں اس کے ہو مثالِ عنبر
 بحرِ زخارِ طریقت کا حقیقی معبر
 ہو کہ آتا ہے اسے ہے وہ کسے مستحضر
 پھر کے سرسبز ہوا خشکِ شریعت کا شجر
 پڑھے بہا رہی ہذیان میں سورہ کوثر
 ہے ہر اک شخص کی تحقیقِ مسائلِ نظر
 جس کو سنئے یہی کہتا ہے کہ اللہ اکبر
 لاکھوں تیار ہوئے ملک میں پھوٹے منبر
 ہند سے زمیں بری اٹھ گئیں صد ہا کیر
 باندھی ہر شخص نے تہذیبِ ہدایت پر کمر

تیری تائید سے اک خلق ہوئی ہے تائب
 اک قدم دھرنے کی جاگہ بھی نہیں اں ملتی
 جو ملا تجھ سے ہوا راہِ خدایں مصروف
 تیری صحبت کے سوا ہونہ کسی کا طالب
 نعل بالنعل ہے کچھ فرق نہیں تجھ میں
 تجھ سے باطن کے قوانین ہو ایسے درست
 منکشف تجھ پہ ہر اک سے کی ہے کیفیت
 نہ ہدایہ میں وہ علت نہ وقایہ میں نشا
 نہ ہے علم میں پتہ اور نہ توضیح میں کچھ
 کچھ نہیں تیری شجاعت تو بیا کی محتاج
 خاکِ پائے تری اکیس کو کیا ہے نسبت؟
 فیض سے تیرے ہوا دم میں حیدرِ دورا
 رکنِ دین مولوی عبدالحی و تشہِ اسمعیل
 تیری صحبت نے ملائک کی کری خاصیت
 حق میں کفاروں کے ضمیر کی طرح ہے خونخوار
 فخرِ اینائے زماں قبلاء اربابِ صفا
 ذاتِ تیری تہیوں کو بہت تقویت
 تھا غضبِ ظلم کہ بیوہ نہ کرے عقدِ نکاح
 جس میں راضی ہو خدا ہے وہی ان کو منظور
 تیری تنبیہ سے لاکھوں ہوئے فاسق اطہر
 جو کہ پھولی دھڑکی مسیحتی پڑی صاکنہ
 جو پھر اچھ سے جماعت ہو اوہ باہر
 جس کو باطن کی ہوئی راہ کی ذرہ بھی خبر
 دیکھا پھلوں کے تجھے جس نے مطالب کر کر
 جیسے کاتب کوئی لکھنے کو بزادے مسطر
 نہ فتاویٰ میں وہ حجت نہ کتب کے اندر
 دُر مختار میں اس کا نہ سر آجی میں اثر
 خالی ہے فقہ کا اس علم سے سارا دفتر
 صاچہرے سے عیاں ہے تری شانِ حیدر
 آدمی کو تو فرشتہ کرے اور میں کو زور
 جس نے دروازے پتیرے کیا اگر بتر
 فیض سے تیرے ہوئے کالموں کے دفتر
 گو کہ ظاہر میں نظر آتے ہیں ہم شکلِ بشر
 مومنوں کے لئے شفقت میں پدیر بہتر
 کعبہ اہل یقین اور میں ہر مضطر
 زنِ بیوہ کے تو حق میں ہے سیابِ مطر
 کھوئی یہ رسم زبوں حمتِ حق ہو تجھ پر
 آبرو کا نہ اٹھیں خوف نہ چھ جی کا ڈر

ہو مسلمان کرے ان سے ذرا سا بھی سلوک
 کیوں منافق نہ ہو صورت کو تری دیکھ کے غش
 حق تو لے کرے اقبال ترار و زافرو
 تجھ پہ ہر لحظہ بلا ریب ہے امدادِ خدا
 چاہ بیزن میں گمے یا چہ پائل میں پٹنے
 منہ میں دشمن کے تھے قدم ہو حنظل کا مزہ
 زوشدارو بھی اگر کھائے یا میدِ شفا
 یوں کہا غیب کے ہاتھ نے بیچ ہے منظور
 اور گھر آئے کی تاریخ میں یہ بیت پڑھی
 حاجیانِ حرم کعبہ بہ آوانِ مجید
 ہوسن بھی ترے الطاف سے ممنون ہوا
 اس کے بدلے میں نہ کوئی کرے آگ بہتر
 ٹھیرے کس طور سے نور شید کے آگے شیر
 تیرے انصاف آباد ہوں ساتوں کشور
 جلوہ گزانت تیرے ہے عجائبِ مظهر
 کھائے دشمن تر اس طور کی بیڑی چھپ کر
 ہو محنوں کے دہن میں ترے حنظل شکر
 منہ میں دشمن کے تھے موئے بجائے کنکر
 فکر تاریخ میں جب نیچے کیا میں نے سر
 تہنیت سے کے مجھے اور تہنیت کر کر
 آئے حج کر کے بڑی دھوم سے اپنی گھر
 رہے جمعیتِ باطن سے نہایت خوشتر

رائے بریلی کا آخری قیام

رمضان ۱۲۳۹ھ سے ۱۲۴۱ھ تک ایک سال دس مہینے رائے بریلی قیام
 رہا یہ زندگی کا آخری قیام تھا اس زمانہ قیام کے اہم مشاغل میں سے مکالوں کی مرمت، مساجد

اے منظورہ اس موقع پر مصنف سے شمار میں ہو ہو گیا ہے فرماتے ہیں ہجرت امیر المؤمنین از وطن، الوت بعد یک سال
 دو ماہ واقع شد چہ آنجناب در اواخر شعبان ۱۲۳۹ھ رمضان یک ہزار و دو صد سی و نہ ہجری در وطن رونق افروز شد نہ
 و در سال دیگر تاریخ ہفتم جمادی الثانیہ ۱۲۴۰ھ یک ہزار و دو صد و چہل ہجری روز و شب از دولت خانہ ہدایت
 کا شانہ برآمدہ عبور فرمایئے سخی کردہ در خمیر شب با ش شد نہ (۲۴۵) یہاں ۱۲۴۰ھ کے بجائے ۱۲۴۱ھ ہونا چاہئے

تعمیر جہاد کی ترغیب و دعوت اور رفقہ کی ایمانی اور عملی تربیت ہے۔

مکانوں کی مرمت

مولوی سید محمد علی "مخزن احمدی" میں لکھتے ہیں کہ "سید رضا کی غیر موجودگی میں مکاناتِ مسکوہ شکستہ اور مرمت طلب ہو گئے تھے، اور برسات کا موسم قریب تھا، آپ نے اپنے رفقہ کے ساتھ ان آبائی مکانات کی مرمت اور درستی فرمائی اور قلیل مدت میں اس سے فراغت حاصل کر لی۔"

مساجد کی تعمیر

اسی زمانہ قیام میں اقربانے عرض کیا کہ مولوی سید محمد اسحق مرحوم اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ وسعت دیتا تو لوہانی پور میں بلند خاں کی مسجد کی از سر نو تعمیر کرتے آپ نے یہ سن کر اس مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا، اس سبب میں آپ کے بہت مرید تھے وہاں کے رؤساء نے مسجد کے لئے بہت سی اینٹیں دیں، باقی آپ نے خرید فرمائیں اور معمار مقرر کئے، محمد زمان خاں زمیندار لوہانی پور کو جو آپ کے مرید تھے، اس کا ہتھم و نگران مقرر کیا، ان کے ساتھ خود کام میں شریک ہوتے، محرم ۱۲۴۰ھ میں کام شروع ہوا اور دو تین مہینے کے قلیل عرصے میں وہ مسجد بن کر تیار ہو گئی۔

ایک دوسری مسجد شیخوں کے محلے میں شہر رائے بریلی میں تعمیر کرائی، دونوں مسجدوں کی تیاری کے بعد آپ ان مسجدوں میں تشریف لے گئے، اور دو رکعت نمازِ نفل پڑھی اور امام کا تقرر فرمایا، جن لوگوں نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا تھا، ان کو مبارکباد دی اور اس کارِ خیر کی فضیلت اور بشارتیں سنائیں۔

لے "مخزن احمدی" ص ۱۱۶ لے اس مسجد کے حسابات کے کاغذات میں محرم و صفر ۱۲۴۰ھ کی تاریخیں اور

مزدوروں کے نام اور مزدوری کی تفصیل درج ہے۔ لے "وقائع احمدی" ص ۲۲۴-۲۲۸

علمی و روحانی تربیت گاہ

ایک سال دس مہینے کی یہ مدت ایک ایسی فضا اور ماحول میں گزری جس میں ایک طرف دینی جذبات اور ایمانی کیفیات کی ترقی اور نشوونما کا سامان تھا، اور دوسری طرف جفاکشی، مجاہدہ، سادہ اور سپاہیانہ زندگی اور خود کشی کی تعلیم، یہی دوسرے حصے ہیں جن سے جہاد فی سبیل اللہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کی قوت اور توفیق پیدا ہوتی ہے، جماعت، جو اس وقت کئی سو افراد پر مشتمل تھی، اور امیر جماعت ایک طرف ذکر و نوافل، تذکیر و دعوت میں مشغول تھے، دوسری طرف فتویٰ حرب اور محنت و مشقت کے کاموں میں مستعد اور چاق و بوند تھے، ان کو کسی کام سے عار نہ تھا، اور وہ کسی محنت اور جفاکشی سے عاجز نہ تھے، اس کا اندازہ کرنے کے لئے کہ تکیے پر ان بندگان خدا کے شب و روز کس طرح گزرتے تھے، اور بلند مقصد رضا، الہی کے شوق اور رہبر کمال کی صحبت نے ان میں کیا انقلاب اور کس درجے کا عشق اورستی پیدا کر دی تھی، یہاں مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی کا ایک اقول نقل کیا جاتا ہے، مولوی عبدالرحیم صاحب قادپوری "الدر المنثور" میں لکھتے ہیں:-

”جب قیام بریلی، جناب مولانا حضرت مولانا اسماعیل شہید کی جماعت میں داخل تھے اور

ان سے حدیث بھی پڑھا کرتے تھے، مولانا شہید نے اپنی جماعت میں ان کو اپنا نائب مقرر

کر دیا تھا، مگر جناب مولانا کو جو ایمانی مزہ حاصل ہوا تھا تو اپنی جماعت والوں کی آپ حد

لہ اوپر گزر چکا ہے کہ مولانا ولایت علی سفر حج سے بیدھنٹا کی واپسی پر پٹنہ سے ہمراہ ہو گئے تھے، بیدھنٹا نے اس پر اپنے اندیشے کا اظہار کیا تھا کہ یہ صاحب ضرور ہم پر بار ہوں گے اور بید صاحب نے فرمایا تھا کہ نہیں، یہ بڑے پڑانے رفیقوں سے بھی بازی لے جائیں گے، منظورہ سے نصراً معلوم ہوتا ہے اور "الدر المنثور" سے جو مولانا کے عزیز قریب کی لکھی ہوئی ہے، مترشح ہوتا ہے کہ مولانا ولایت علی صاحب کا قیام رلے بریلی میں بید صاحب کے پاس سفر حج سے واپسی پر ہوا ہے، ملاحظہ ہو "الدر المنثور" (تذکرہ صادقہ) ص ۹۳-۹۴

کیا کرتے تھے، اب وہ پٹنے کے بانگے اور ناظم بہار کے لاڈلے، خمر حُبِ یمانی سے مخمور ہو کر جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اپنے سر پر لایا کرتے تھے، کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتے، مٹی گار کے کام اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے، اور حیلہ بینی جماعت کے کام سے فرصت پاتے تو یہ صاف کی صحبت میں جا بیٹھتے یا تنہا نماز اور دعائیں مشغول رہتے، انھیں ایام میں جب آپ بمقام بریلی تحصیل حیلہ یمانی میں مصروف تھے، آپ کے والد ماجد مولوی فتح علی صاحب نے ایک خدمت گار کو جو بچپن سے آپ کی خدمت میں رہتا تھا، چار سو روپے نقد اور دس پندرہ عمدہ کپڑے اور جوتے وغیرہ ضروری اسباب دے کر آپ کے پاس بریلی کو روانہ کیا تھا، جب وہ نو کر مع اسباب کے بریلی میں پہنچا تو اس نے قافلے میں جا کر پوچھا کہ پٹنے والے مولوی ولایت علی صاحب کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ دریا کے کنارے پر مٹی کا کام کر رہے ہیں، وہ نو کر دریا کے کنارے پہنچا، وہاں بہت لوگ گارے مٹی کے کام میں لگے ہوئے تھے، ان میں جناب مولانا بھی سیاہ رنگا ہوا ایک موٹا تہ بند باندھے ہوئے اور گارے میں لتھڑے ہوئے اپنا کام کر رہے تھے، ان ایام میں آپ کی صورت ایسی متغیر ہو گئی تھی کہ اس قیدی نو کرنے جو تیس برس آپ کا خدمت گار رہ چکا تھا، آپ کو نہیں پہچانا، خود مولانا سے اس نے پوچھا کہ پٹنے والے مولوی ولایت علی صاحب کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ بھائی ولایت علی تو میرا ہی نام ہے، اس نے بہت غصے ہو کر کہا کہ میں تم کو نہیں کھو جتا، میں ان ولایت علی کو کھو جتا ہوں، جو مولوی فتح علی صاحب صادق پوری عظیم آبادی کے صاحبزادے ہیں، آپ نے فرمایا کہ بھائی صادق پوری ولایت علی تو میں ہی ہوں، وہ نو کر اور بھی تھا، ہوا اور بولا کہ تم مجھ سے سنسی کرتے ہو، جب آپ نے دیکھا کہ اس کو ہرگز یقین نہیں ہوتا تو آپ نے فرمایا، اچھا جاؤ قافلے میں تلاش کرو، جب وہ اور طرف گیا اور

دریافت کیا تو ہر شخص نے آپ ہی کی طرف اشارہ کیا کہ مولوی ولایت علی عظیم آبادی
تو وہی شخص ہیں جن سے تم دریا کے کنارے بات کر آئے ہو تب وہ دوبارہ آپ کے پاس
آیا اور اپنی جسارت پر نادم ہو کر معافی چاہی آپ نے اس کو گلے سے لگایا اور بہت اخلاق
سے پیش آئے اس نے وہ خطوط سمیت روپے وغیرہ آپ کے حوالے کئے اور عرض کی کہ ان
کپڑوں کو پہنیے اور روپوں کو اپنے خرچ میں لائیے کیونکہ وہ نادان سمجھتا تھا کہ
خرچ نہ ہونے کے باعث آپ کی ایسی صورت ہو رہی ہے اور آپ کی پہلی کیفیت اور
پوشاک وغیرہ کو یاد کر کے وہ زار زار رونے لگا، آپ نے اس کو تسلی کر کے اس کو چپ کیا،
جب رات ہوئی آپ وہ روپے اور کپڑے وغیرہ اعلیٰ بندھے ہوئے آئے تھے ویسے
کے ویسے ہی لے کر بیٹھنا کے حضور میں حاضر ہوئے اور ان سب کو آپ کے سامنے رکھ کر
خاموش اٹھ کر چلے آئے اور دوسری فجر کو اسی کہنے تہ بند سے اپنا معمولی کام کرنے لگے
تین چار روز تک وہ لوگوں کو وہاں رہ کر اس بات کا منتظر رہا کہ مولوی صاحب عہدہ کپڑا
آمدہ پٹنہ زیب تن فرما کر میرے پڑمردہ دل کو خوش کریں گے، لیکن اس نے دیکھا کہ
مولوی صاحب کی حالت میں ذرا بھی تغیر نہ ہوا، آخر چند روز کے بعد مولوی صاحب
نے ان کو رخصت کر دیا، اس نے یہ ساری کیفیت پٹنہ میں آکر بیان کی کہ جس کے
سننے سے صاحب دلوں کو سرور اور بے خبروں کو رنج ہوا۔

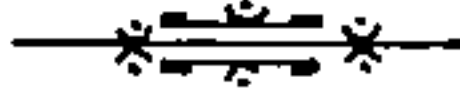
دیوانہ کنی، ہردو جہانش بخش دیوانہ تو ہردو جہاں را چہ کند؟

اے مرغِ سحر عشق ز پروانہ بیاموز کاں سوختہ را جاں شد آواز نیاد

ابن مدعیان در طلبش بے خبر اند کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیاد (سعدی)

اس کیفیت کو سن کر آپ کے والد ماجد مولوی فتح علی صاحب اپنے فرزند مولوی فرحت حسین صاحب

سمیت خود بریلی پہنچے اور ایک مدت دراز تک پیدھنا کی خدمت میں رہ کر فیض یاب ہوئے پھر چب پیدھنا بطرون ملک فتانتان ہجرت کر کے جانے لگے تو مولوی فتح علی صاحب کو بوجہ کبریا اور مولوی فرحت حسین کو بوجہ صغریٰ پٹنے کو واپس کر دیا اور ان کو خلافت اور بیعت لینے کی اجازت عطا کی، مولوی ولایت علی صاحب مولوی عثمان علی مولوی طالب علی صاحب اپنے حقیقی بھائیوں اور مولوی باقر علی صاحب مولوی قمر الدین صاحب میر عثمان علی صاحب اپنے قرابت داروں کے ہمراہ پیدھنا ملک خراسان کو روانہ ہو گئے۔



سولہواں باب

جہاد اور اس کے مقاصد و اسباب

یہاں سے سید صاحبؒ کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے جس کی "سرخی" آپ کی کتاب میں سب سے زیادہ روشن ہے یہ ہجرت و جہاد کا باب ہے۔

مقاصد و اسباب

اس جہد و جہد کے اصل مقاصد، محرکات اور اسباب کیا تھے؟ بجائے اس کے کہ ہم اپنی زبان سے بیان کریں، بہتر یہ ہے کہ خود سید صاحبؒ کی زبان سے سنیں اس سلسلے میں آپ نے اپنے خطوط و مکاتیب میں اپنے اصلی جذبات و خیالات کا اظہار جابجا فرمایا ہے اور ان اسباب کا ذکر کیا ہے، جو اندرونی طور پر اس عظیم مہم کے محرک و باعث ہوئے، آپ کی قلبی کیفیات و عزائم معلوم کرنے کے لئے ہمارے پاس آپ کے مکاتیب و ارشادات سے زیادہ کوئی قابل و ثوق اور مستند ذریعہ نہیں، ذیل میں ان تحریرات کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن کی مدد سے ہم آپ کی عظیم الشان دعوت اور جہد و جہد کے حقیقی مقاصد و محرکات کو مفصل و مرتب طریقے سے معلوم کر سکتے ہیں اور ہمیں کسی قیاس رائی کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

تعمیل حکم

فقیر از تمام این جدوجہد میں معنی منظور
است کہ احکام الہیہ کہ در مقدمہ قتال اہل کفر
و ضلال وارد شد چنانچہ کلمہ "جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ
وَأَنْفُسِكُمْ" در کلام مجید واقع گردیدہ از فقیر صورت
بند و باجملہ بندہ اطاعت شعار را بجز امتثال
اوامر مولائے خود چارہ نیست (مکتوب بنام سرزاد احمد خان)

فقیر یہ ہیں مواعید الہیہ اعتماد نمودہ و امتثال
احکام خود را قبلہ ہمت ساختہ و جمیع ماسوی
الشرا پس پشت انداختہ و از چپ راست چشم ہمت
بستہ و راہ راست رضائے مولائے خود پیش رو نہادہ
بکمال اطمینان و فرحت و غایت بشارت و
مسترت دریں راہ نگاپوی نماید۔ (ایضاً)

فقیر امتثال حکم الہی از تہ دل مقصود است
و اعتماد بوعده الہیہ بچہ طریق ظاہر خواہد گردید
پس بندہ عبودیت شعار را چہ یار کہ از مالک خود
پرسد کہ وعدہ خود را بچہ طریق ایفا خواہی کرد کہ این
سوال خارج از قانون عبودیت است (ایضاً)

اس تمام جدوجہد سے فقیر کا مقصود صرف یہ ہے کہ اہل کفر
و ضلال سے جنگ کرنے کے بارے میں جو احکام وارد ہوئے
ہیں اور فرمان خداوندی "جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ
وَأَنْفُسِكُمْ" (اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرو)
کی تعمیل کی صورت پیدا ہو، فرماں بردار بندے کے
لئے اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کے بغیر چارہ نہیں۔

فقیر نے اللہ کے وعدوں پر اعتماد کیا اور حکم حاکم
(خداوند عالم) کی تعمیل کو اپنا مرکز توجہ بنایا،
ماسوی اللہ کو پس پشت ڈال دیا، اگر پیش سے
آنکھیں بند کر لی ہیں اور رضا مولیٰ کی راہ راست کو
سامنے رکھ کر کمال اطمینان و فرحت اور بشارت
و مسترت کے ساتھ اس راستے پر چلا جا رہا ہے۔

فقیر کو حکم الہی کی تعمیل تہ دل سے مقصود ہے اور
اللہ کے وعدے پر اعتماد ہے، باقی اس کی شکل
کیا ہوگی؟ غلام کی کیا مجال کہ وہ اپنے مالک سے
پوچھے کہ وہ اپنے وعدے کا ایفا کس صورت سے
کرسے گا کہ یہ سوال آئین بندگی کے خلاف ہے۔

ہم لوگ خدا کے بندے اور رسول کی امت ہیں بلاشبہ
اسلام کا دعویٰ رکھتے ہیں اور اپنے کو پیروانِ رسول
میں شمار کرتے ہیں جب ہم نے اس سے (جہاد) پر کلامِ الہی کی
ناطقانِ یلبے اور نبی کریم کو سچا سمجھ لیا ہے لا محالہ
ہم نے اللہ اور اس کے حکم کی بجا آوری کے لئے کمر بستہ بندھی
اور اسوۂ رسول کے اتباع میں سفر کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔

چوں ما مردم کہ از بندگان پروردگار و اعیانِ رسول
مختار دعویٰ اسلام می داریم و جان خود را در محرابِ
می شماریم، چوں کلامِ اللہ را بر این معنی ناطق دانستیم
و رسول اللہ را صادق الاموال محض شرفی اللہ امتثالاً
لأمر اللہ کمر بستہ بستیم و اتباعاً لتنتہ رسول اللہ
بر اسپ سفر بستیم (مکتوب عام بنام علما و رؤسائے مرحد)

رضا و محبتِ الہی

ہم محض رضائے الہی کے آرزو مند ہیں ہم اپنی آنکھوں
اور کانوں کو غیر اللہ کی طرف سے بند کر چکے ہیں اور دنیا
و مافیہا سے ہاتھ اٹھا چکے ہیں ہم نے محض اللہ کے لئے
علم جہاد بلند کیا ہے ہم مال و منالِ جاہ و جلالِ امارت
و ریاست حکومت و ریاست کی طلب آرزو سے
آگے نکل گئے ہیں خدا کے سوا ہمارا کوئی مطلوب نہیں۔
اگرچہ ہم عاجز و خاکسار و ذرہ بے مقدار ہیں لیکن
بلاشک محبتِ الہی سے سرشار اور غیر خدا کی
محبت سے بالکل دستبردار ہیں۔

محض طالبِ رضائے حق، بستیم۔ از غیر او چشم
و گوش بستیم و از دنیا و مافیہا دست برداشتیم
و محض لوجہ اللہ علم جہاد پر افراشتیم و ما از طلب
مال و منال و جاہ و جلال و امارت و ریاست و
حکومت ریاست بستیم و ہرگز طالبِ غیر حق نیستیم
(مکتوب عام بنام علما و رؤسائے مرحد)

ما تم ہر چند عاجز و خاکسار و ذرہ بے مقدار، اما
بلاشک در محبتِ حضرت حق مست و سرشار و
از محبتِ غیر حق دستبردار۔ (ایضاً)

یہ سب کچھ محض اللہ کے لئے ہے اس جذبۂ الہیہ میں
نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسے کا شائبہ بھی نہیں

اس ہمہ محض شرفی اللہ است و سورۂ شیطانی
و شائبہ ہوائے نفسانی بایں داعیہ حسانی صللاً

مخلوط نگریدہ۔ ہر چند اس معنی پر اکثر واقفانِ حال
 فقیر ظاہر و باہر است، البتہ سبیلِ مزید تا کید بطریقِ تہدید
 می گوید کہ خدائے پاک را بخلِ شانہ کہ دانند نہان و
 آشکار و محیطِ جمیعِ خفیات و اسرار است گواہ می کنم
 بر این معنی کہ آنچه داعیہٴ جہاد باہلِ کفر و عناد از دل
 فقیر جوش می زند اصلاً و مطلقاً بوجہٴ تین الوجوہ بکدورت
 مال و عزت و جہاہ و حشمت و امارت و سلطنت و
 نام و نشان و ترفیع بر انخوان و اقران یا بجمہ طلب
 چیزے کہ سوائے رضائے مالکِ حقیقی باشد ہرگز ہرگز
 مزوج نیست و اللہ علی ما نقول وکیل۔
 (بنامِ علما و شایخ و امرائے ہندوستان) (۲۸:۲۸)

اگرچہ یہ بات فقیر کے اکثر واقفانِ حال پر
 ظاہر ہے کہین مزید تا کید کے لئے پھرتے سرے
 سے کہتا ہوں کہ میں خدائے علام الغیوب
 کو گواہ بناتا ہوں کہ کفار اور دشمنوں کے
 ساتھ جو جذبہٴ جہادِ فقیر کے دل میں موجزن
 ہے اس میں رضائے الہی اور اعلائے کلمۃ اللہ
 کے مقصد کے سوا عزت و جہاہ و مال و دولت
 شہرت و ناموری، امارت و سلطنت، برادران
 و معاصرین پر فضیلت و بزرگی یا کسی اور چیز کا
 فاسد خیال ہرگز دل میں نہیں ہے اور ہم جو
 بات کہہ رہے ہیں، اللہ اس کا گواہ ہے!

مسلمانوں کی بے بسی اور اہل کفر کا غلبہ

ہر چند قتالِ اہل کفر و طغیان در ہر زمان ہر گنا
 لازم است، الا دریں جزو زمان کہ شوئیں اہل کفر و
 طغیان از حد گذشتہ کہ فریادِ مظلوماں از دستِ
 ظلمِ ایشان سر بفلک کشید و تخریبِ شعارِ اسلام
 از دستِ تعدی ایشان ہوید اگر دیدہ پس زیریں
 تقدیر اقامتِ این رکن دین یعنی اہل شرک سے جہاد
 اگرچہ کفار اور سرکشوں سے ہر زمانے اور ہر مقام میں جنگ
 کرنا لازم ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ اس زمانے
 میں کہ اہل کفر و طغیان کی سرکشی حد سے گزر چکی ہے،
 مظلوموں کی آہ و فریاد کا غلبہ بلند ہے، شعارِ اسلام
 کی توہین ان کے ہاتھوں سے صاف نظر آرہی ہے، اس بنا
 پر اب اقامتِ رکن دین یعنی اہل شرک سے جہاد

بر ذمہ جمہور مسلمین دریں ایام اوکدو واجب گردید
 عامہ مسلمین کے ذمے کہیں زیادہ ہوگا اور
 (بنام شرفا و سادات و علما و شایخ ہندوستان)
 واجب ہو گیا ہے۔

ہندوستان پر کفار کا تسلط اور اسلام کا زوال

قصار از مدت چند سال حکومت و سلطنتِ این ملک
 بر این عنوان گردیدہ کہ نصاریٰ نے کوفہ و خصال و
 مشرکین بدآل برا کثر بلاد ہند استیلا یافتند آن یأ
 را بظلماتِ ظلم و بیداد مشحون ساختند و در آن بلاد و
 امصار رسوم کفر و شرک شہار یافتہ شعائر اسلام را از وہ
 استتار آورده ناگزیر سینہ بے کینہ بمعانیہ این حال
 پرازیج و طلال بود بشوق ہجرت مالامال غیرت ایمانی
 بدل در جوش بود و اقا بہادیر خروش (بنام شاہ سلیمان)
 تقدیر سے چند سال سے ہندوستان کی حکومت
 و سلطنت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ عیسائیوں اور مشرکین نے
 ہندوستان کے اکثر حصے پر غلبہ حاصل کر لیا ہے اور
 ظلم و بیداد شروع کر دی ہے کفر و شرک کے رسوم
 کا غلبہ ہو گیا ہے اور شعائر اسلام اٹھ گئے ہیں حال
 دیکھ کر ہم لوگوں کو بڑا صدمہ ہوا، ہجرت کا شوق
 دامن گیر ہوا، دل میں غیرت ایمانی اور سر میں
 جہاد کا جوش و خروش ہے۔

ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط

برائے سامی روشن و مبرین است کہ بیگانگان بعید
 الوطن لوک زمین زمین گردیدہ و تاجران متاع فروش
 بیایہ سلطنت رسیدہ امارت امرائے کبار و ریاست
 رؤسائے عالی مقدار برباد نمودہ اند و غوغا و اغتبا
 جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پرڈیسی ہند پار کے رہنے
 والے دنیا جہان کے تاجدار اور یہ سودا بیچنے والے
 سلطنت کے مالک بن گئے ہیں بڑے بڑے اہل حکومت
 کی حکومت اور ان کی عزت و حرمت انہوں نے خاک میں

ملا دیا ہے جو حکومت و سیاست کے میدان تھے، وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں اس لئے مجبوراً چند غریب بے پروں سامانِ کمرہت باندھ کر کھڑے ہو گئے اور محض اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اپنے گھروں سے نکل آئے یہ اللہ کے بندے ہرگز دنیا دار اور جاہ طلب نہیں ہیں محض اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اٹھے ہیں مال و دولت کی ان کو ذرہ بھر طمع نہیں۔

ملکِ ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکوں کے قبضے میں چلا گیا ہے اور انھوں نے ہر جگہ ظلم و زیادتی پر کمر باندھی ہے ہندوستان کے حاکموں کی حکومت برباد ہو گئی کسی کو ان سے مقابلے کی تاب نہیں بلکہ ہر ایک ان کو اپنا آقا سمجھنے لگا ہے چونکہ بڑے بڑے اہل حکومت ان کا مقابلہ کرنے کا خیال ترک کر کے بیٹھ گئے ہیں اس لئے چند کمزور بے حقیقت اشخاص نے اس کا بیڑہ اٹھایا۔

ایشان بالکل ربودہ۔ چون اہل ریاست و ستاد زاویہ خموش نشسته اند تا چار چندے از اہل فقر و مسکنت کمرہت بستہ۔ این جماعت ضعیفان بنا بر خدمت دین رب العالمین جستند۔ ہرگز ہرگز از دنیا داران جاہ طلب نیستند محض بنا بر خدمت رب ذوالجلال برخاستہ اند نہ بنا بر طمع مال و منال۔

(بنام راجہ ہندوراؤ، وزیر گوالیار)

اکثر بلاد ہندوستان بدست بیگانگان قسارہ ایشاں ہر جا بنیاد و آئین جوہر و ظلم نہادہ۔ ریاست رؤسائے ہندوستان برباد رفتہ۔ کسے تابِ مقاومت ایشاں نمی دارد، بلکہ ہر کس ایشاں را آقائے خودی شمارد و چون رؤسائے کبار از مقابلہ ایشاں نشستند، لاچار چند کس از ضعیفائے بے مقدار کمر بستند۔

(بنام غلام حیدر خاں)

اعلاء کلمۃ اللہ، اجبائے سنت اور بلاد اسلامیہ کا استخلاص

اس تمام معرکہ آرائی اور جنگ آزمائی کا مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت زندہ ہو اور مسلمانوں کا ایک ملک کفار و مشرکین کے

مقصود از تمام این معرکہ پیرائی و عہدہ آرائی غیر از اعلاء کلمہ رب العالمین و اجبائے سنت مید المرسلین و استخلاص بلاد و عوالمین از دست کفار و مشرکین امر

دیگر نیت۔ (بنام شاہ سلیمان)

اس فقرہ تحصیل مال و منال و تصرف بلا و امصاص
غرضے ندارد ہر کہ از اخوان مؤمنین استخلاص بلا
از دست کفار و مشرکین نموده در اجراء احکام
رب العالمین و افتائے سنت پید المرسلین کو شہد
قوانین شریعت در ریاست عدالت مرعی داشت
مقصود فقیر حاصل گشت نیز سعی من بہدوت
نشت۔ (بنام شاہ سلیمان)

دین کا قیام سلطنت سے ہے

فی الواقع بمقتضا الملک والذین تو امان گوایں
کلام قابل احتجاج نباشد لیکن موافق مدعا است
کہ قیام دین بملک است احکام دینیہ کہ تعلق بجا
دارند بوقت نبودن مملکت صحت از دست می روند
خرابی امور مسلمین و ذلت و نکبت ایشان از دست
کفار و مشرکوں و اہل بیعت با کفار مقدس و تخریب معا
مساجد مسلمین کہ می شود پدید آست۔ (مکاتیب)

احکام شرعی کا نفاذ

اس جانب را از قبول این منصب غیر از اقامت

قبضے سے نکل آئے اس کے سوا کوئی مقصود نہیں
اس فقرہ کو مال و دولت اور حصول سلطنت و
حکومت کے کچھ غرض نہیں۔ دینی بھائیوں میں جو شخص بھی
کفار کے ہاتھوں سے ملک کو آزاد کرے رب العالمین کے احکام
کو روانہ دینے اور پید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی
سنت کو پھیلانے کی کوشش کرے گا اور ریاست عدالت میں
قوانین شریعت کی رعایت و پابندی کرے گا فقیر کا
مقصود حاصل ہو جائے گا اور میری کوشش کا میرا پورا جائے گی۔

حقیقت میں مطابق مقولہ "سلطنت مذہب جزو
ہیں اگرچہ قبول حجت شرعی نہیں لیکن ہر ملک کے موافق ہے کہ
دین کا قیام سلطنت سے ہے اور وہ دینی احکام جن کا تعلق
سلطنت سے ہے، سلطنت کے ہونے سے صحت پاتے ہیں
اور مسلمانوں کے کاموں کی خرابی اور سرکش کفار کے ہاتھوں ان کی
ذلت و نکبت اور شریعت نقد کے شعائر کی بے حرمتی اور
مسلمانوں کی مساجد معابد کی تخریب ہوتی ہے وہ بخوبی ظاہر ہے

میرا اس منصب (امامت) کے قبول کرنے سے اس کو

جہاد بروج مشروع و حصول معنی انتظام در عساکر اہل
اسلام غرض دیگر از اغراض نفسانیہ مثل حصول خزانہ
درہم و دینار یا تسلط بر بلاد و امصار یا حصول معنی
سلطنت و ریاست یا تزیل اہل ریاست و جہالت
یا تنفیذ احکام خود بر سائر اخوان یا حصول امتیاز
خود از سائر اقران اصلاً و مطلقاً در میان نیست
بلکہ آرزوے این امر گاہے نہ بزبان جاری می گردد
نہ خیال آن در دل می گردد تا جہ فریڈن تخت
اسکندر بجوے نہی شام و مملکت کسراے و قیصر
بخیال ہم نمی آرم۔ آئے این قدر آرزو دارم کہ در
اکثر افراد بنی آدم، بلکہ جمیع اقطار عالم احکام حضرت
رب العالمین کہ مسمی بشرع متین است ایلاناز
احدے نافذ گردد، خواه از دست من خواه از دست
کے دیگر پس ہر حلیہ کہ باعث حصول این معنی باشد
بروئے کاری آرم و ہر تدبیریکہ درین مقدمہ می باشد
می آرم۔ (بنام سردار سلطان محمد خاں و سردار سید محمد خاں)

مقصود نہیں کہ جہاد کو شرعی طریقے پر قائم کیا جائے اور
مسلمانوں کی فوجوں میں نظم قائم ہو، اس کے سوا کوئی دوسری
نفسانی غرض مثلاً روپے پیسے کے خزانے یا ملکوں اور شہروں
پر تسلط یا حصول سلطنت و ریاست یا اہل حکومت
صاحب اقتدار لوگوں کی تزیل یا اپنے ہمسروں پر
اپنے احکام کا اجرا یا اپنے ہم عصروں پر فوقیت امتیاز
قطعاً و بالکلہ شامل نہیں، بلکہ ایسی بات نہ کبھی زبانا
پر آتی ہے نہ کبھی خیال میں گزرتی ہے، تاج فریڈن
و تخت سکندری کی قیمت میرے نزدیک ایک جو کے
برابر بھی نہیں، کسری و قیصر کی سلطنت میں خاطر میں کبھی
نہیں لاتا، ہاں اس قدر آرزو رکھتا ہوں کہ اکثر افراد
انسانی بلکہ تمام ممالک عالم میں رب العالمین کے احکام
جن کا نام بشرع متین ہے، کسی کی مخالفت کیے بغیر
جاری ہو جائیں، خواہ میرے ہاتھ سے، خواہ کسی
دوسرے کے ہاتھ سے پس ہر ترکیب و تدبیر جو
اس مقصد کے حصول کے لئے مفید ہوگی عمل میں لاؤں گا۔

زبانی دعوت و تبلیغ جہاد کے بغیر ممکن نہیں

از انجا کہ دعوت لسان ببدن انضام جہاد و سیف
چونکہ زبانی دعوت و تبلیغ شمشیر و ننان سے جہاد کے بغیر

سانِ کامل و نامِ نئی گرد و لہذا نامِ ہادیانِ رئیس
 داعیانِ یعنی سید لدعدنان علیہ الصلوٰۃ والسلام
 آخر کار بقتالِ کفارِ مامور گردیدند و ظہورِ شعائر
 دینِ متین و علوِ اعلامِ شرعِ مبین از اقامتِ
 این رکنِ رکین صورتِ بست۔
 (سادات و علما و مشائخ و امرائے ہندستان کے نام)

کامل نہیں ہوتی اس لئے رہنماؤں کے پیشوا اور
 مبلغوں کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 آخر میں کفار سے جنگ کرنے کے لئے مامور ہوئے
 اور دینی شعائر کی عزت اور شریعت کی سر بلندی
 و ترقی اسی رکنِ جہاد کی اقامت کی وجہ سے
 ظہور پذیر ہوئی۔

عزمِ راسخ

عزمِ ادائے عبادتِ عظمیٰ و ادراکِ این سعادتِ علیا
 بوجہ در خاطرِ این فقیر اٹقا کردہ اند کہ صرف جانِ مال
 و زکاتِ اہل و عیال و مہاجرتِ انخوانِ اوطان در
 جنبِ سر انجامِ دادنِ این عظیم و اتمامِ این ہم
 فخم مثلِ راندنِ گسِ ناپاکِ بترافتنِ خس و خاشاک
 می نماید۔ (علما و مشائخ و شرفا و امر کے نام)
 ما مردمِ تا جان در بدن داریم و سر بر تن مشغول
 ہمیں کار و باریم بصد حیلہ و فن اما بصد زبان
 شکر حق بجایم آریم کہ با طاعتِ مالک خود مشغول
 داریم و محض طالبِ رضائے حق، مستقیم۔
 (مکتوبِ عامِ علما و رؤسائے سرحد کے نام)

اس عبادتِ عظمیٰ کا ادا کرنا اور سعادتِ عالیہ کے
 حصول کا عزمِ اس طرح اس فقیر پر اٹقا کیا گیا ہے کہ
 اس عظیم المرتبت کام کے انجام دینے میں جان و
 مال قربان کر دینا، اہل و عیال کو خیر باد کہنا اور
 وطن سے ہجرت کر جانا، ناپاک مکھیوں کو ہانکنے اور
 خس و خاشاک کو دور کرنے سے زیادہ نہیں معلوم ہوتا۔
 جب تک ہمارے جسم میں جان ہے اور ہمارے سر جو
 کے ساتھ ہیں ہم بصد حیلہ و فن اسی سوئے میں
 لگے ہوئے ہیں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اپنے
 مالک کی اطاعت میں مشغول ہیں اور محض رضائے
 الہی کے آرزو مند۔

ہماری جنگ صرف اہل کفر سے ہے

نہ باکے ازامرائے مسلمین منازعت داریم نہ باکے
از روئے مومنین مخالفت۔ با کفارِ تمام مقابلہ داریم
نہ با بدعیانِ اسلام، با دراز مویان، بلکہ با سائر کفر
جو یان مقابلہ خواہیم، نہ با کلمہ گو یان و اسلام
جو یان (مکتوب عام علماء و روئے سرحد کے نام)

ہمارا جھگڑا امر اور روئے اسلام سے نہیں
ہے، بلکہ ہم کو لانا ہے بال والوں، بلکہ تمام
فقہہ انگیز کافروں سے جنگ کرنا ہے، نہ کہ
اپنے کلمہ گو بھائیوں سے اور ہم مذہب
مسلمانوں سے۔

مقصود اصلی ہندوستان ہے

بعد از پاک کردن بلاد از انجاس مشرکین و الوات
منافقین مستحقین حکومت و سلطنت و مستعدین
ریاست و مملکت تفویض کردہ خواہد شد،
اما بشرطیکہ شکر این انعام الہی بجا آورند و عالی
الدوام جہاد را بہر حال قائم دارند و گاہے
معطل نہ گزارند و در البواب عدالت و فصل
خصوصات از قوانین شرع شریف سر مو تجاوز
و تفاوت بمیان نیارند و از ظلم و ستم کلی اجتناب
ورزند۔ باز خود این جانب مع مجاہدین صادقین
بسمت بلاد ہندوستان بنا بر ازارہ کفر

اس ملک (سرحد) کو مشرکین کی نجاستوں سے پاک
کرنے اور منافقین کی گندگی سے صاف کرنے کے بعد
حکومت و سلطنت کا استحقاق اور ریاست (نظام)
سلطنت کی استعداد رکھنے والوں کے حوالے کر دیا
جائے گا، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ احسان خداوند
کا شکر بجا لائیں گے اور ہمیشہ اور ہر حال میں جہاد کو
قائم رکھیں گے اور بھی اس کو موقوف نہیں کریں اور انصاف
اور مقدس کے فیصلے میں شرع شریف کے قوانین سے
بال بھری تجاوز و انحراف نہیں کریں گے اور ظلم و ستم
سے کلیتہً اجتناب کریں گے، اس کے بعد میں اپنے مجاہدین کے

و طغیان متوجہ خواہد شد کہ مقصود اصلی
خود اقامتِ جہاد بر ہندوستان است،
نہ توطن در دیار خراسان۔

(بنام شاہزادہ کامران)

ساتھ ہندوستان کا رخ کروں گا تاکہ اس کو
شکر و کفر سے پاک کیا جائے اس لئے کہ میرا
مقصود اصلی ہندوستان پر جہاد ہے نہ کہ ملک خراسان
(سرحد و افغانستان) میں سکونت اختیار کرنا۔

”صراطِ مستقیم“ میں جو بیداروں کے ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ ہے، جہاد کے برکات و
منافع پر مولانا محمد اسماعیل صاحب نے بید صاحب کی تقریر اور خیالات قلمبند کئے ہیں ان کے
اندازہ ہوتا ہے کہ آپ جہاد کو کس قدر بابرکت اور پر منفعت سمجھتے ہیں اور اس کو عام زندگی اور
انسانی بہبود کے لئے کس قدر ضروری اور اہم خیال کرتے ہیں دین کے ارکان اربعہ کے ساتھ جہاد کا
تذکرہ کرتے ہوئے اس کے فوائد و برکات اور روحانی باطنی ذہنی اور اخلاقی نتائج و اثرات کو بیان کرتے ہیں۔

جہاد کے عمومی و خصوصی منافع

بایدانت کہ جہاد امر سیت کثیر الفوائد عمیم
المنافع کہ منفعت آن بوجہ متعدہ جمہور انام
می رسد بشا بے باران کہ منفعتن نیا ت و حیوان
وانسان را احاطہ کردہ و منافع این امر عظیم
دوم است منفعت عامہ کہ مؤمنین مطہرین
و کفار متمر دین فاسق و منافقین بلکہ جن و
انس و حیوان و نبات در ان مشترک می آرد
و منافع مخصوصہ جماعات خاصہ یعنی بعضی اشخاص

جس طرح بارش سے نباتات اور حیوانا اور انسانا
کو بکثرت فوائد پہنچتے ہیں اسی طرح جہاد سے عام
خلائق کو نفع پہنچتا ہے ایک نفع تو وہ ہے جو ان
ایمان فرما نبردار اور شکر و اور سرکشوں و منافقوں
اور منافقوں کو یکساں پہنچتا ہے بلکہ جن انس حیوانا
و نباتات بھی اس میں شریک ہوتے ہیں اور ایک یہ کہ
بعض خاص خاص جماعتوں و بعض خاص خاص اشخاص
کو ایک طرح کا نفع حاصل ہوتا ہے اور دوسری جماعتوں

را منفعت حاصل می شود و بعضی دیگر را منفعتی دیگر۔ اور دوسرے اشخاص کو دوسری طرح کا۔

منفعتِ عامہ

اما منفعتِ عامہ پس بیانش آن کہ تجرہ صحیحہ ثابت شدہ کہ بسبب عدالت حکام و دیانتِ اہل معاملات و سخا و وجودِ اربابِ موال و تکیہ جمہور انا مبرکات سما و یہ مثل نزولِ باران بر وقت و کثرتِ نباتات و نفاق مکاسبِ معاملات و رفعِ بلا یا و آفات و نمودِ اموال و ظهورِ اربابِ ہنر و کمالِ بشر از پیش متحقق می گردد؛ همچنین مثل آن بلکہ صد چند ازاں بسبب شوکتِ دینِ حق و عروجِ سلاطین متدینین و ظهورِ شوکتِ ایشان در اقطار و اکنافِ زمین و قوتِ عساکرِ ملتِ حق و انتشارِ احکامِ شرع در قرانے و امصارِ بظہور می رسد۔

عمومی نفع کی تفصیل یہ ہے کہ تجرہ بتا ہے کہ اہل حکومت انصافِ اہل معاملات کی دیانتداری اہل دولت کی سخا و فیاضی اور عام لوگوں کی نیک نیتی سے آسمانی برکتیں نازل ہوتی ہیں وقت پر بارشیں ہوتی ہیں پیداوار بہت ہوتی ہے فصلیں اچھی ہوتی ہیں تجارت کا فروغ ہوتا ہے سامان تجارت کا چلن اچھا ہوتا ہے بلائیں ملتتی ہیں مالوں میں ترقی اور نمود ہوتا ہے اہل ہنر اور اربابِ کمال بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں دینِ حق کی قوت و شوکت و تیز اسلاطین کے عروج اور اطرافِ ممالک میں ان کی حکومت کی ترقی ملتِ حق کے عساکر و افواج کی قوت اور احکامِ شریعت کی اشاعت و عمویت سے بدرجہا زیادہ نتائج و برکات ظاہر ہوتے ہیں۔

ہندوستان اور آزاد اسلامی ممالک کا مقابلہ

چنانچہ حالِ ہندوستان را با حالِ روم و توران چنانچہ حالِ ہندوستان را با حالِ روم و توران در نزولِ برکاتِ سماویہ باید سنجید۔

آسمانی برکتوں کے نزول کے سلسلے میں روم اور ترکی سے ہندوستان کا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔

گزشتہ و موجودہ ہندوستان

بلکہ حال ہندوستان رادریں جزو زمان کہ سنہ
یک ہزار و دو صدوی و سوم است کہ اکثرش دریا
ایام دارا کرب گردیدہ بحال ہمیں لایت کہ پیش
ازیں دو صدیاسہ صد سال بودہ در نزول برکات
سماویہ و ظہور اولیائے عظام و علمائے کرام قیاس باید کردہ

بلکہ موجودہ (۱۲۳۳ھ) ہندوستان جس کا پڑا حصہ
دارا کرب بن چکے ہے اس کا مقابلہ دو توین سو برس
پہلے کے ہندوستان سے کرو، آسمانی برکتوں کا کیا حال
تھا اور اولیائے عظام اور علمائے کرام کی کتنی
بڑی تعداد پائی جاتی تھی۔

منفعتِ مخصوص بجاہدین

آمانافع مخصوصہ پس حصولِ آن بہ نسبتِ شہداء
مومنین و غزاة مسلمین و سلاطین ذوی الاقتدار
و جوانمردان کارزار مستغنی از بیان است۔

باقی رہے خصوصی فوائد و شہدائے مومنین مسلمان بجاہدین
صاحبِ اقتدار سلاطین اور میدانِ کارزار کے جوانمردوں
کو جو فوائد پہنچتے ہیں ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

اصحابِ باطن

آنا نسبتِ اربابِ باطن صافیہ پس حصولِ ترقیات
عظیمہ در اوقاتِ قلیلہ و فوز بمراتبِ لایت و
مناصب و جاہت بریاضیاتِ سیرہ است
علماء

ان کے علاوہ اربابِ باطن کو تھوڑے تھوڑے وقت
میں بڑی بڑی ترقیاں حاصل ہوتی ہیں اور معمولی ریاضتوں
سے مراتبِ لایت اور مناصبِ جاہت پر فائز ہوتے ہیں۔

و آنا بہ نسبتِ علماء پس انتشارِ علومِ حقہ و کثرت

علومِ حقہ کی عام اشاعت ہوتی ہے علمین و طلبہ کی کثرت

ہوتی ہے، علما احتساب قضا اور اجتہاد و افتا کے
عہدوں پر فائز اور امامت باطنی کے منصب پر فراز
ہوتے ہیں یعنی دین حق کی طرف کھلی ہوئی عمومی دعوت
اور عقائد حق اور احکام شریعت کی اشاعت
اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے انبیاء
علیہم السلام کی نیابت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

معلین و معلمین و فوزِ علما بمراتبِ حجابِ قضا
واجتہاد و افتاء و قیامِ منصبِ امامتِ باطنہ
یعنی دعوتِ عامہ ظاہرہ بسوئے ملت مقبولہ و
حصولِ نیابتِ انبیا بسببِ نشرِ عقائدِ حقہ و
احکامِ مرضیہ و ظہورِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر
است۔

عوامِ صلحا

عام اہل صلاح بھی اس کے برکاتِ محروم نہیں
رہتے نیکو کاری اور خداترسی کا شوق ترقی کر جاتا ہے
اس لئے نیکو کار انسانوں کا اعزاز ہوتا ہے بد اخلاق
اور فاجر انسانوں کی تذلیل کا زمانہ ہوتا ہے متحسن اور
شرعی باتوں کا فروغ ہوتا ہے مذموم اور ممنوع امور کا ازالہ
ہوتا ہے ہلکان سلاطین کی اطاعت اور علمائے کرام کی عزت
اور اولیائے عظام کی عقیدت اور مسلمانوں کے سوا ان میں
شمولیت کی برکت سے ان کی طاعات کا ثواب بڑھ جاتا ہے

وآبائے نسبتِ عوامِ صلحا پس و فورِ رغبتِ ایشان
در صلاح و تقویٰ بسببِ اعزازِ اہلِ صلاح و اہانتِ
اہلِ فجور و بسببِ شہرتِ امورِ محمودہ و مشروعہ و
خمولِ امورِ مذمومہ و ممنوعہ و نیز تضاعفِ اجرِ
طاعاتِ ایشان بسببِ تقیادِ سلاطینِ اہلِ اسلام
و اکرامِ علمائے ذوی الاحترام و اولیائے عظام
بسببِ دخولِ درجاتِ عظیمہ کا فرہ اہل
اسلام است۔

عوامِ مؤمنین

عام مسلمان بھی اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے

وآبائے نسبتِ عوامِ مؤمنین پس حدیثِ نیت

صحیحہ در معاملات و میلان بسوئے طاعات در
 قلوب ایشان بسبب انتشار الواردین حق و
 الطاف جواد مطلق و انقیاد در رسوم شرعیہ
 بسبب شہرت آن اگرچہ تقلید باشد و نیز زفا
 معاش بسبب نزول برکات سماویہ و
 بسبب عدالت سلاطین ذوی الاقتدار
 وجود کرائمے سخاوت شعار و انتظام امور
 معاشیہ و معاد یہ ایشان بسبب مطبوع بودن
 قوانین شرعیہ است۔

فساق

و اما نسبت فساق و فجار پس حصول توبہ یعنی
 حدود کراہت در قلوب ایشان از فسق و فجور
 بسبب سر بیان الوار ملت حقہ در قلوب ہی آدم
 و بسبب رسوخ شاعت افعال قبیحہ در عقول
 جمہور انام بسبب شہرت ملت حقہ و نیز دست
 کشیدن از اظہار منکرات و بدعا بسبب خوف
 اقامت حدود و تعزیرات یا خوف بحوق عار
 بسبب طعن انخوان و ملامت اقران بسبب شہرت قبح

معاملات میں درستی، نیت اور اطاعت کی طرف
 عام رغبت اور شوق دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے جس کی
 وجہ یہ ہوتی ہے کہ دین الوار ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں،
 اللہ تعالیٰ کے حاصل لطاؤف و عنایت کا زمانہ ہوتا ہے شرعی رسوم
 و عادات کا ایسا چرچا اور رواج ہوتا ہے کہ لوگ (خواہ
 تقلیدی طور پر) ان کے پابند ہوتے ہیں آسمانی برکتوں
 کے نزول سلاطین کے انصاف اور اہل سخاوت کی
 فیاضی کی وجہ سے فایز البالی اور خوشحالی عام ہوتی
 ہے اور قوانین شرعیہ کی پابندی کی وجہ سے دنیوی
 و آخروی امور و معاملات درست اور باقاعدہ ہوجاتے ہیں۔

فساق و فجار بھی اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے
 ملت حقہ کے الوار ہی آدم کے قلوب میں اس طرح سار کا
 ہو جاتے ہیں اور ملت حق کی شہرت کی وجہ سے مذہم
 افعال کی قباحت عوام کے دماغوں میں اس طرح راسخ
 اور جاگزیں ہوجاتی ہے اور منکرات و بدعات کی
 قباحت ایسی مشہور و مسلم ہوتی ہے کہ حدود و تعزیرات
 کے خوف یا ہچشموں اور ہمسروں کے طعن و ملامت کے
 اندیشے اور بدنامی کے خطرے سے فساق و فجار منکرات

منکرات و بدعات است۔

و بدعات کے اظہار سے دستکش ہو جاتے ہیں۔

منافقین

اما نسبت اہل نفاق پس استقامت ایشان
 بروین حق ظاہر او عدم دخول ایشان در زمرہ
 کفرہ چہرہ بسبب خوف قتل یا بسبب ملاحظہ عزت
 اہل ایمان و ذلت اہل طغیان و نیز امید برایت
 نور ملت حقہ در جزر قلوب ایشان بسبب انتشار
 الوار ملت حقہ و نزول برکات سماویہ بسبب
 ملاحظہ شوکت اہل اسلام و بسبب مخالفت
 باولیائے عظام و علمائے کرام و انعکاس
 الوار و نفوذ مواعظ ایشان بزرگواران رادر
 قلوب ایشان است۔

اہل نفاق بھی اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے وہ
 قتل کے خوف یا اہل ایمان کے دبدبے اور غلبے اور
 سرکشوں کی ذلت و تکبر کو دیکھ کر ظاہری طور پر دین حق
 پر قائم رہتے ہیں اور کھلے ہوئے کافروں کے زمرے میں
 شامل نہیں ہوتے نیز دین کی روشنی کے پھیل جانے اور
 آسمانی برکتوں کے نزول اور مسلمانوں کی عظمت و شوکت
 دیکھ دیکھ کر اور اولیائے عظام اور علمائے کرام کے ساتھ
 اختلاط اور رہنے بہنے کی وجہ سے اور ان کے الوار کا
 ان کے قلوب پر عکس اور ان کے مواعظ کا ان کے دلوں
 پر اثر پڑنے سے اس کی بھی امید کی جاتی ہے کہ دین کا
 نور ان کے دلوں کی گہرائی میں اتر جائے گا۔

ذمی کفار

اما نسبت اہل ذمہ پس رفاہت
 معیشت بسبب نزول برکات سماویہ
 و نفاق مکاسب و عدالت سلاطین
 و اطمینان از لصوص و قطاع الطرق و

ذمی کافر بھی جو مسلمانوں کی رعیت بن کر رہیں اور حربہ
 دیں اس کے برکات سے محروم نہیں رہتے آسمانی برکتوں
 تجارت کے فروغ بادشاہوں کے انصاف اور ہرزوں کے
 امن و اطمینان کی وجہ سے وہ اسلامی ممالک میں قلع و اقبال

امیدِ حدوثِ رغبتِ بسوءِ اسلام بسببِ
مخالفتِ با اہلِ حق و شہرتِ رسومِ ایشان
بسببِ ملاحظہٴ انتظامِ امورِ معاش و معاد
اہلِ دینِ حق بسببِ اتباعِ شرعِ است۔

اور خوشحال رہتے ہیں اہلِ حق کے ساتھ رہنے سے
اور شہری زندگی گزارنے اور ان کے رسوم و عادات کے
رویج و شہرت کی وجہ سے نیز دینِ حق کے ماننے والوں کے
اتباعِ شریعت کی وجہ سے معاشی و اخروی امور
و معاملات کی درستی اور باقاعدگی دیکھ دیکھ کر وہ
متاثر ہوتے ہیں اور اس کی امید کی جاسکتی ہے کہ
ان کے دل میں دینِ حق کی طرف میلان ہو جائے گا۔

اہلِ حرب

و اما بہ نسبتِ اہلِ حرب پس در حق کسانیکہ
در جہاد از دستِ اہلِ اسلام مقتول شدند
با وجودیکہ ایشان اقلِ قلیل بہ نسبت
فازین می باشند خصوصاً وقتِ ظہورِ
شوکتِ جانبِ مخالفِ الفِ الفِ قصہٴ در حقِ ایشان
مقتول شدن باعثِ تخفیفِ عذاب و قلیل
عقاب است۔ چہ اگر مقتول نمی شدند
البتہ بر کفر تادم تہ باقی می ماندند پس لابد
کفر ایشان منتراید می شد و ہر قدر کہ کفر تراید
می شود، باز در ان عقاب تضاعف می گردد۔

اہلِ حرب بھی اس کے برکاتِ محروم نہیں رہتے جو لوگ
جہاد میں اہلِ اسلام کے ہاتھ سے مقتول ہوتے ہیں،
اگرچہ وہ اقلِ قلیل ہوتے ہیں، اس لئے کہ جھگڑوں میں
بھاگ جانے والوں کے مقابلے میں قتل ہونے والے (خصوصاً
جانبِ مخالف کی شوکتِ قوت کے ظہور کے زمانے میں) کہیں
کم ہوتے ہیں پھر بھی جو مقتول ہوتے ہیں ان کے حق میں ان کا
قتل ہونا عذابِ خداوندی کی تخفیف اور سزا کی
تقلیل کا سبب ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر وہ مقتول نہ ہوتے تو
اپنے کفر پر پختہ تک باقی رہتے اس طرح ان کا کفر بڑھتا ہی
رہتا اور کفر چھتا بڑھتا اور جتنے دنوں قائم رہتا، اس کی
سزا بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی۔

ذہبت کفار

امادرجی ذراری ایشاں از نساء و صبیان
پس از بسکہ ایشاں را بسبب استرقاق مخالطت
با اہل حق بدست می آید البتہ حصول منافع
صحبت اہل حق در حق ایشاں مظنون می نماید۔
این است پارہ از ذکر منافع جہاد۔ اما تفصیل
آن پس احاطہ اش درین مقام نمی تواند شد۔

اہل حرب کی نسل اولاد کے حق میں بھی وہ نفع اور برکت
سے خالی نہیں چونکہ غلامی کی وجہ سے ان کو اہل حق کے
ساتھ اختلاط و معاشرت کا موقع ملتا ہے اس لئے
اہل حق کی صحبت کے فوائد ان کو حاصل ہو سکتے ہیں۔
یہ جہاد کے برکات فوائد کا ایک حصہ ہے جو نیک لگایا
اس کی تفصیل اور اس کا پورا بیان اس موقع پر ممکن نہیں۔

جہاد کی مثال بارش کی سی ہے

القصد وجوب جہاد بر اہل ایمان امر بر اقامت
آن الی القراض الزمان در کارخانہ تشریح بشتاب
انزال غیث و اجرائے انہا راست در کارخانہ
تکوین۔ اما تلف شدن چندے اشخاص فاقہ
الاستعداد مثل بعضے از اہل اسلام کہ مانع از
وقوع جہادی شوند و راہ مخالفت غزاة و مجاہدین
بسبب خبث باطن و حسد و محبت کفرہ می پیمانید
در ورطہ ہلاکت ابدی خود را می اندازند و در ذمہ
اخبت منافقین داخل می شوند پس در عوم

خلاصہ یہ ہے کہ اہل ایمان پر جہاد کا وجوب و رقیقت
تک اس کو قائم رکھنے کا حکم کارخانہ تشریح میں وحییت
رکھتا ہے جو بارش کے نازل کرنے اور نہروں کے جاری
کرنے کی حیثیت کا رخا نہ تکوین میں باقی چیز ایسے اشخاص
کی ہلاکت جو اپنی استعداد دکھو چکے ہیں مثلاً بعض مسلمان
جو جہاد کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں اور اپنی باطنی
خرابی حسد اور کفائے سے محبت کی بنا پر مجاہدین کی لقت
اختیار کرتے ہیں اور ہلاکت ابدی میں اپنے کو مبتلا کرتے ہیں
اور بدترین منافقین کے زمرے میں داخل ہوتے ہیں ان کو گویا

منافع جہاد محفل نمی تواند شد چہ ہمیں باران است
 کی ہلاکت بربادی جہاد کے عمومی منافع میں نخل نہیں
 کہ عموم نفع او در حق جمہور انام بدیہی است
 اس لئے کہ یہی بارش ہے جس کا نفع عام انسانوں کے حق میں
 باوجودیکہ بعضے از اشخاص بسبب انہدام عمارت
 بدیہی ہے گو بعض آدمی عمارتوں کے انہدام یا سیلاب و
 یا طغیان سیول و انہار تلفت می شوند
 نہروں کی طغیانی سے تلفت ہو جاتے ہیں لیکن اس کے
 باوجود بارش کی برکت اور نفع میں کلام نہیں۔

مندرجہ بالا اقتباسات اندازہ ہوتا ہے کہ سید رضا کی نظر میں جہاد دین کا ایک نہایت
 اہم شعبہ اور میلی قدم ہے ان کو قرآن مجید کی صریح آیات اور واضح احادیث کے پیش نظر تعمیل کا جذبہ اس کے
 ابھارتا ہے رضا و محبت الہی کا شوق دل کو گدگداتا ہے پھر مسلمانوں کی بے بسی اور اہل کفر کا غلبہ رہ کر ان کے
 حاسر دل میں چمکیا لیتا ہے ہندوستان پر کفار کے تسلط اور اسلام کے زوال کا شاہد ان کو بے چین کرتا ہے ان کے
 نزدیک اعلیٰ کلمۃ اللہ اور بلاد اسلامیہ کے استخلاص کی ضرورت غمخوار اور فرض شناس مسلمان جہاد کا مطالبہ کر رہا
 ان کا یقین ہے کہ سلطنت کے بغیر نہ دین قائم ہو سکتا ہے نہ احکام شرعی کا نفاذ ممکن ہے نہ دعوت و تبلیغ کا کام
 مکمل ہے پھر جہاد ایسا برکت عمل ہے جس سے ساری دنیا کو فیض پہنچتا ہے اور انسانوں کا کوئی طبقہ اس کے برکات
 و منافع سے محروم نہیں ہوتا ان کے نزدیک حالات کی اتبری اور عالم کا فساد اس اہم فریضے کے تعطل کا نتیجہ ہے
 یہ خیال ان کے دل میں جہاد کا عزم راسخ پیدا کرتے ہیں اور وہ اسی راستے میں جان کی بازی لگا دینا چاہتے ہیں۔

محض جنگ آزادی

سید رضا کی تحریروں اور ذاتی بیانات کے بعد اگرچہ بظاہر اس کی گنجائش نہیں کہ اس کے سوا
 اور کوئی خیال قائم کیا جائے کہ وہ صاحب اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لئے کوشاں اور دین کے ایسے غلبے اور

اقتدارِ اعلیٰ کے لئے جدوجہد کر رہے تھے جس میں بے تکلف احکامِ شرعی کا نفاذ اور حکومتِ الہیہ کا قیام ہو سکے اور "حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِئْتَنَةً تَسْأَلُكَ الدِّينَ كُلَّهُ ۗ وَتَكُونَ مِنَ الْمَسْئُورِ" (یہاں تک کہ شرک کا غلبہ نہ رہنے پائے اور سارا دینِ الشریہ کا ہو جائے) کی حقیقت کا ظہور ہو۔

لیکن پچھلے برسوں میں بعض فاضل اہلِ علم کی تحریروں کے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سید صاحبؒ جنگِ آزادی کے ایک ہمتا تھے جن کا مقصدِ حیدرستان سے انگریزوں کا اخراج اور ملک کو غیر ملکی حکومت سے آزاد کر کے ایک خالص ملکی حکومت قائم کرنا تھا جس میں عقیدہ و اصول اور حکمران کج دین و مذہب اور مسک و عمل کی کوئی بحث نہ تھی، لکھنے والوں نے صاف صاف یہاں تک لکھا ہے کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پرہیزی لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا ہے اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی اس سے آپ کو غرض نہیں ہے جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے، ہند ہوں یا مسلمان یا دونوں، وہ حکومت کریں گے۔

اس عمارت کو جس بنیاد پر قائم کیا گیا ہے وہ سید صاحبؒ کا خود ایک مکتوب ہے جو آپ نے بہارِ دولت رائے ندرھیا کے وزیر و برادرِ بستی راجہ ہندراؤ کو تحریر فرمایا تھا، اور جس کا ایک ٹکڑا پچھلے اقتباسات میں "ہندستان پر انگریزوں کا تسلط" کے عنوان کے ماتحت گزر چکا ہے اس خط کے آخر میں انگریزوں کے تسلط و اقتدار اور اس کے تباہ کن نتائج کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وقتے کہ میدانِ ہندستان از بیگانگان	جس وقت ہندستان ان غیر ملکی دشمنوں سے خالی
دشمنانِ خالی گردیدہ و تیرسعی ایشان برہوت	ہو جائے گا اور بہاری کوششوں کا تیر مراد کے نشانے
مراد رسید، آئینہ مناصب ریاست و ریاست	تک پہنچ جائے گا، حکومت کے عہدے اور منصب ان
بطالبینِ آن مسلم باد و بیخِ شوکت و سلطوتِ ایشان	لوگوں کو ملیں گے، جن کو ان کی طلب ہوگی اور ان (ملکی)

لہ اس مکتوب کی اشاعت سے پہلے خاکسار مولف کی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" میں ہوئی تھی اس کے حوالے سے وہ جا بجا نقل ہوا اور اس پر اس دعوے کی بنیاد رکھی گئی کہ سید صاحبؒ کی تحریک ایک شرک و وطنی تحریک تھی۔

محکم شود، و این ضعفا را از رؤسائے کبار و عظمائے

عالی مقدار ہمیں قدر مطلوب است کہ خدمت

اسلام بجان و دل کنند و بر مسند مملکت متمکن

شوند۔

حکام و اہل ریاست کی شوکت و قوت کی بنیاد محکم ہوگی،

ہم کمزوروں کو وایان ریاست اور بڑے بڑے سرداروں سے

صرف اسی بات کی خواہش ہے کہ جان و دل سے اسلام

کی خدمت کریں اور اپنی مسند حکومت پر برقرار رہیں۔

ریاست گوالیار کے ایک مسلمان عہدیدار غلام حیدر خاں کے نام ایک مکتوب میں مزید تحریر فرماتے ہیں۔

اس صورت میں بڑے سرداروں کے لئے مناسب یہ ہے

جو سالہا سال سے اپنی مسند ریاست پر متمکن چلے

آ رہے ہیں کہ اس وقت ان کمزوروں کی ہر طرح امداد

کریں اور اس بات کو اپنی حکومت کی انتہا کا باعث سمجھیں۔

پس دریں صورت رؤسائے عالی مقدار لازم

چنانچہ بر مسند ریاست سالہا سال متمکن مانداند

بالفعل در اعانت ضعفائے مذکورین مساعی بلغیہ بجا

آرند آں را باعث اشکام بنیان ریاست خود شمارند۔

ان اقتباسات سے بلاشبہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سید صاحبنا ایسٹ انڈیا کمپنی کے بڑھتے ہوئے

اثر و تسلط اور انگریزی اقتدار کو حقیقی خطرہ سمجھتے ہیں اور اس خطرے کے ازالے اور ان بیگانگان بعید

الوطن اور تاجران متاع فروش کے اخراج کے لئے غیر مسلم وایان ریاست اور اہل حکومت طاقت کو اپنے

ساتھ جد جہد کرنے اور تعاون کی دعوت دیتے ہیں جو ان کی اعلیٰ سیاسی بصیرت کی دلیل ہے اس کے ساتھ

وہ ان کو یقین دلاتے ہیں کہ اس منظم و متحد مقابلے اور جد جہد ہی میں ان کی ریاست اور طاقت کی بقا ہے ان کی

زندگی اور عزت و منزلت اسی پر منحصر ہے کہ انگریزی غلبہ اقتدار کا یہ سرطان ہندستان کے جسم سے خارج

کر دیا جائے اور ملک کو اس غیر ملکی طاقت کے چنگل سے نکال دیا جائے آپ بھی فرماتے ہیں کہ اس مقصد کے

حصول کے بعد وہ اہل ریاست و سیاست جھونے اس مقصد کے لئے اشتراک عمل کیا ہے اپنے منصب اور ریاست

اور امارت کی گدیوں پر فائز رہیں گے وہ مناسب عہدوں اور منصبوں کے سرفراز ہوں گے اور ان کی

شوکت و سطوت میں جو انگریزوں کے اثر اور تدریس سے ہر دم متزلزل اور روبرو وال ہے انتہا پیدا ہو جائے گا۔

یہ سب حروف بہ حروف صحیح اور تاریخی و سیاسی حیثیت سے نہایت معقول اور متوازن دعوت
 و اعلان ہیں لیکن اس کے نتیجہ نیکان کہ گویا انگریزوں کے اخراج کے بعد یہ حضرات اعلیٰ اور ہندستان
 کی حکومت و ایوان ریاست اور غیر مسلم اشخاص کے حوالے کر کے خود کو نشین اور ذکر و عبادت میں
 مشغول ہو جائیں گے اور ہندستان میں ایک ایسی غیر مسلم ریاست یا مشترک ہندو مسلم ریاست کے قیام پر
 رضامند ہو جائیں گے جس میں اسلام و قوانین اسلام کو کوئی بنیادی و مرکزی حیثیت حاصل نہ ہوگی اور
 اقتدار اعلیٰ اسلامی طاقت کے ہاتھ میں نہ ہوگا یہ سید صاحب کی زندگی ان کے اصلی جذبہ اور ان کی روح تحریک
 سے ناواقفیت کی دلیل ہے اور انھیں خطوط کے اندر اس کے خلاف صریح شہادتیں موجود ہیں۔
 سب سے پہلے دیکھنے کی یہ بات ہے کہ ہندستان پر انگریزوں کے تسلط و اقتدار سے سید صاحب
 کی قلبی اذیت کی اہل و جاہل اور وہ کون سا جذبہ ہے جو ان کو اس کا مقابلہ کرنے اور اس کے
 خلاف صفت آرا ہونے پر بے اختیار آمادہ کر رہا ہے اس سلسلے میں اس مکتوب کو دوبارہ پڑھئے
 جو آپ نے شاہ سلیمان والی چترال کے نام لکھا ہے اس میں آپ فرماتے ہیں۔

تقدیر سے چند سال سے ہندوستان کی حکومت
 و سلطنت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ عیسائیوں اور
 مشرکین نے ہندوستان کے اکثر حصے پر غلبہ حاصل
 کر لیا ہے اور ظلم و بیزاری شروع کر دی ہے کفر و شرک
 کے رسوم کا غلبہ ہو گیا ہے اور شعائر اسلام اٹھ
 گئے، یہ حال دیکھ کر ہم لوگوں کو بڑا صدمہ ہوا،
 ہجرت کا شوق دامن گیر ہوا، دل میں غیرت ایمانی
 اور سر میں جہاد کا جوش و خروش ہے۔

تضار از مدت چند سال حکومت و سلطنت این ملک
 بر این منوال گردید کہ نصاریٰ نے کویہ حصہ مشرکین
 بدآل بر اکثر بلاد ہند استیلا یافتند و آن دیار را
 بظلمات ظلم و بیزاری مشغول ساختند و در آن بلاد اصنام
 رسوم کفر و شرک شہار یافتند شعائر اسلام را و باقتضا
 آوردہ ناکزیر سینہ بے کینہ بجانہ این حال پر از رنج
 و ملال بود بشوق ہجرت مالامال غیرت ایمانی بد
 در جوش بود و اقامت جہاد بسر خروش۔

اس مکتوب میں صفا صاف کہا گیا ہے کہ اصل تکلیف و اذیت کا باعث یہ ہے کہ نصاریٰ و مشرکین کے اقتدار کی وجہ سے کفر و شرک کے رسوم کا غلبہ اور شعائر اسلام کا روز بروز زوال ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کی بنائے شکایت اور جس کی جدوجہد کا محرک یہ احساس ہے کہ اسلام اور شعائر اسلام روز بروز زوال پذیر اور کفر و شرک کا غلبہ روز افزوں ہے وہ اس پر کس طرح رضامند ہو سکتا ہے کہ اس ملک کے حاکموں میں تبدیلی ہو جائے اور صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ ہو؟ کیا وہ کفر و شرک کے اس غلبے کو پرہیزگاروں کے زیر اثر تو برداشت نہیں کر سکتا، مگر دسیوں کے زیر اثر برداشت کر سکتا ہے؟ بساط حکومت کے مہروں کی ظاہری تبدیلی اور ملک کے آقاؤں اور منظموں کی قومیت کا تبادلہ کسی محب وطن قائد اور سیاسی رہنما کے مزاج و مذاق سے کتنی ہی مناسبت رکھتا ہو، یہ صحابہ جیسے داعی اور حقیقت شناس کے فکر و مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، وہ صفا صفا ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ ان کا مقصود صرف خدا کے نام کی بلندی اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا احیا اور ملک کو (بلا لحاظ قومیت و وطنیت) اہل کفر و شرک کے اقتدار سے آزاد کرنا ہے۔

مقصود از تمام این حرکت پیرائی و عربہ آرائی غیر از
 اس تمام حرکت آرائی اور جنگ آزمائی کا مقصود صرف
 اعلائے کلمہ رب العالمین و اعلائے سنت ید المرسلین
 یہ ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 و استخلاص بلاد مؤمنین از دست کفار و مشرکین
 کی سنت زندہ ہو اور مسلمانوں کا ملک کفار و مشرکین کے
 امر و گیر نیست۔ (بنام شاہ سلیمان)
 قبضے سے نکل آئے، اس کے سوا کوئی مقصود نہیں۔

ان کی جدوجہد کا محرک یہ نہیں کہ ملک غلام ہے اور اہل ملک کو اپنی خواہشات اور تصرفات اور خود ساختہ انسانی قوانین کے اجرا کا موقع نہیں ملتا، بلکہ محرک صرف یہ ہے کہ اسلام اس ملک میں بے پر وبال اور مجبور و مفلوج ہے اور سیاسی قوت و حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے الہی قوانین و احکام کے اجرا کا کوئی موقع نہیں اور مسلمان ذلت و اہانت اور شعائر اسلام تحقیر و تذلیل کا نشانہ ہیں، فرماتے ہیں:-

قیامِ دین بملک است و احکامِ دینیہ کہ تعلق بحکومت
دارند بوقتِ نبودنِ مملکت صاف از دست می
روند و خرابی امور مسلمین و ذلت و نکبت ایشان از
دست کفار متمدان و اہانتِ شعائر مقدس و تخریب
معابد و مساجد مسلمین کہ می شود پرموید است۔
دین کا قیام سلطنت سے ہے اور وہ دینی احکامِ جن کا
تعلق حکومت سے ہے سلطنت کے نہ ہونے سے صاف ہاتھ
بے نکل جاتے ہیں اور مسلمانوں کے کام کی خرابی اور سرکش کفار کے
ہاتھ سے ان کی ذلت و نکبت اور شریعتِ مقدسہ کے شعائر کی
بے حرمتی اور مسلمانوں کے معابد و مساجد کی جو تخریب
ہوتی ہے وہ بخوبی ظاہر ہے۔

ان کے سامنے ایک ملک کی آزادی اور غلامی کا مسئلہ نہیں ہے ان کے سامنے تو ساری
دنیا پر خدا کی حکومت کے قیام اور تمام انسانوں پر قوانینِ الہیہ کے نفاذ کا مسئلہ ہے۔۔
اس قدر آرزو دارم کہ در اکثر افرادِ دینی آدم بلکہ
جمیع اقطارِ عالم احکامِ حضرتِ رب العالمین کہ
مستی بشرع متین است بلا متازعتِ احد
نافذ گردد۔ (مکتوب بنام سردار سلطان محمد قادیانی پشاور)
اس قدر آرزو رکھتا ہوں کہ اکثر افرادِ انسانی، بلکہ
تمام ممالکِ عالم میں رب العالمین کے احکامِ جن کا
نام شرعِ متین ہے، بلا کسی کی مخالفت کے جاری
ہو جائیں۔

اس داعی الی اللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ کے متعلق جس سے بڑھ کر فکرِ اسلامی کا حامل
اور خلافتِ نبوت کا پر تو کامل کم سے کم ہندوستان کی ہزار سالہ تاریخ میں ہمارے علم میں پیدا نہیں ہوا
یہ خیال کہ وہ صرف آزادی ملک اور انگریزوں کے اخراج کا داعی تھا، اور اس کا مقصد صرف
پریسیوں کی حکومت کا ختم کر دینا تھا، اس کو حکومت کے اصول و مقاصد اور اس کے اخلاقی و دینی
نتائج سے بحث نہ تھی، ایک ایسی نسبت ہے جس کے متعلق اس کی روح کو شکایت کا موقع ہے کہ

ہر کسے از ظنِ خود شریارِ من

وز درونِ من نہ حجتِ اسرارِ من

سترہواں باب

سرحد کا انتخاب و پنجاب، افغانستان اور سرحد کے حالات

یہ دیکھنا کہ نزدیک گرچہ مقصود اصلی ہندستان تھا، جیسا کہ خود ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

باز خود اس جانب مع مجاہدین صادقین بہت بلاؤں
ہندستان بنا براز الہ کفر و طغیان تو جو ہو ہوا ہند کہ
مقصود اصلی خود اقامت جہاد بر ہندستان است
نہ توطن در دیار خراسان۔

اس کے بعد میں اپنے مجاہدین کے ساتھ ہندستان کا رخ کروں گا
تاکہ اسے کفر و شرک سے پاک کیا جائے، اس لئے کہ میرا
مقصود اصلی ہندستان پر جہاد ہے نہ کہ ملک خراسان
(سرحد افغانستان) میں سکونت اختیار کرنا۔

لیکن پنجاب میں جس پر کچھ عرصے سے رنجیت سنگھ کی باقاعدہ حکومت قائم ہو گئی تھی مسلمانوں کے ناگفتہ بہ
حالات ان کی فوری امداد کی ضرورت جو ایک شرعی فریضہ تھا، نیز فوجی مصالحت اور سیاسی تدبیر کا
تقاضا تھا کہ یہ ہندستان کی شمال مغربی سرحد سے شروع کی جائے، جو طاقتور و پرجوش افغانی قبائل
کا مرکز ہے اور جہاں سے ترکستان تک آزاد مسلمان حکومتوں کی ایک مسلسل زنجیر ہے، نقشے پر نظر ڈالنے سے
معلوم ہو سکتا ہے کہ پنجاب کے مسلمانوں کی امداد ہندوستان کی دوبارہ تسخیر اور ایک طاقتور اسلامی
حکومت کے قیام کے لئے بظاہر اس سے زیادہ موزوں مقام نہیں ہو سکتا۔

یہ دیکھنا کہ نگاہ کے سامنے ان لوگوں کا انجام تھا، جنہوں نے ہندستان کے کسی حصے کو اپنی

تخریب اور جنگی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور بہت جلد ان کے گرد سازشوں، مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں کا ایک جال پھیلا دیا گیا جس میں وہ جکڑنے چلے گئے اور ان کے ہاتھ پاؤں بندھ کر رکھے، انگریزوں کی زیرک و پرفتن حکومت ہر جہت سے متقدم اور اپنے ہر مخالفت کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیتی تھی کہ اس کی جنگی کارروائیوں اور آزادانہ سرگرمیوں کا میدان تنگ سے تنگ ہوتا چلا جاتا اور وہ بہت جلد محسوس کر لیتا کہ وہ ایک قفس میں محسوس ہے اور بالکل بے بال و پر اور بے دست و پا رہ گیا ہے، نواب میرخان کا سارا عالم بیدار دنیا کی نظر کے سامنے تھا کہ انگریزوں کے جوڑ توڑ سے وہ کس طرح اکیلا رہ گیا اور کس طرح انھوں نے اس کے مختلف سربراہوں کو اس جوڑ توڑ اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ اپنے کو معاہدے اور مصالحت پر مجبور سمجھنے لگا۔ اس پہلے ہندوستان کے دورِ آخر کے سب سے بڑے صاحبِ عزم امیر شیخ سلطان کو انھوں نے کس طرح سے کاٹ لیا تھا اور کس طرح اسے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا کہ آخر اس جوان مرد نے تنہا سرخروئی حاصل کی، اور ہندوستان کے کسی والی ریاست یا امیر نے اس کا ساتھ نہیں دیا، یہ سیدنا کی بہت بڑی سیاسی بصیرت تھی کہ انھوں نے ہندوستان کے اندر اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز نہیں بنایا، جس کے لئے بہت جلد ایک ایسا جزیرہ بن جانے کے قوی امکانات تھے، جس کے چاروں طرف مخالفتوں، مزاحمتوں اور سازشوں کا ایک سمندر پھیلا ہوا ہوتا اور جس کو کہیں سے مکھ یا رسد ملنے کی کوئی توقع نہ رہتی۔

اس مرکز یعنی ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کے انتخاب میں اس بات کو بھی مدد دی ہوگی کہ افغانوں کی جوان مردی، سپہ گری، جنگی صلاحیت اور شجاعت و تہوور کی ہندوستان میں بڑی شہرت تھی، جو افغانی ہندوستان کے مختلف حصوں میں عرصے سے سکونت پذیر ہو گئے تھے، وہ ان مردانہ اوصاف کے حامل اور سپہ گری میں متمازن تھے، اودھ کی فوج کا بڑا حصہ ان پٹھانوں پر مشتمل تھا، جو یا تو خود افغان تھے یا سرحد سے آئے تھے، یا ان کے قریبی مورت منتقل ہوئے تھے، شاہ اودھ کی فوج انھیں پٹھان افروں کی ماتحتی میں تھی، نواب فقیر محمد خاں آفریدی، عبدالباقی خاں قندھاری، مینڈو خاں رسالدار، سب

افغانی الاصل اور سرحدی پٹھان تھے، خود نواب میر خاں اور اس کے اکثر سردار اور رفقاء کے کار
 افغانی تھے، روسیہ کی ہندوستان میں مسلمانوں کی فوجی طاقت اور دینی حیثیت کا ایک بڑا مخزن تھا،
 جو وقتاً فوقتاً مرکز (دہلی) کو بھی تازہ خون اور نئی طاقت عطا کرتا رہا، افغانوں سے آباد تھا خود راجپوتوں
 میں جو یسٹنا کا وطن ہے، جہاں آباد کا محلہ پٹھانوں کا محلہ تھا، اور یسٹنا ان کی مردانگی اور جوان مردی
 سے خوب واقف تھے، ان میں سے کثیر التعداد لوگ یسٹنا سے ارادت اور بیعت کا تعلق رکھتے تھے، او
 آپ کی رفاقت کے لئے کمر بستہ تھے، ان کے تعلقات اور رشتے دار یا بل فغانستان اور سرحد کے
 افغانی قبائل میں تھے، انھوں نے بھی یسٹنا کو اپنے وطن یعنی افغانستان و سرحد کو اپنی دعوت و جہاد کا
 مرکز بنانے کا مشورہ دیا ہوگا اور اپنے اعزاز اور اہل تعلق کی مدد کی امید لائی ہوگی، ان سب چیزوں نے
 آپ کو اس پر آمادہ کیا کہ آپ اس افغانی آزاد علاقے کو اپنی مجاہدانہ دعوت و تحریک کا مرکز بنائیں جس سے
 آپ کو اپنے مقصد کے لئے بہترین سپاہی اور جو اور جنگ آزمایہ فوج بہت بڑی تعداد میں مل سکتے ہیں۔
 عواقب نتائج اور اصلی نتائج کا علم تو صرف عالم الغیب ہی کو ہو سکتا ہے، ایک غیر معصوم
 انسان جو صرف غور و فکر، صلاح اور مشورے اور دعا اور استخارے سے زیادہ کوئی اور ذریعہ نہیں رکھتا
 یہی کر سکتا ہے کہ اپنی کوششوں اور صلاحیتوں کے استعمال کے لئے بہتر سے بہتر میدان انتخاب
 کرے، پھر اس میدان میں اپنی ساری طاقت صرف کر دے، اتنے عرصے کے بعد اور ان کوششوں کا
 انجام دیکھ لینے کے بعد اس انتخاب پر تنقید و تبصرہ بہت آسان ہے، لیکن انیسویں صدی
 کی ابتدا کے ہندوستان کا سیاسی نقشہ سامنے رکھنے اور یہاں سعی و جہاد کے مواقع اور وسائل کا
 پورا پورا جائزہ لینے کے بعد ایک منصف اور ایماندار انسان یہی فیصلہ کرے گا کہ یسٹنا اس انتخاب
 میں حق بجانب تھے، پنجاب میں مسلمان جس نازک دور سے گزر رہے تھے، اور جن مظالم اور ہانتوں کا نشانہ
 تھے، اس کے ملک پر جو بے حیثیتی اور بے حسی طاری تھی، افغانستان و سرحد اپنی بہترین فوجی صلاحیتوں

کے باوجود کسی دینی دعوت کے نہ ہونے کی وجہ سے جس طرح چھوٹے چھوٹے مناقشات اور حقیر منافع و مقاصد کے لئے اپنی اس طاقت کو جو تنظیم اور دینی روح کے بعد سارے ہندوستان کو فتح کر لینے کے لئے کافی تھی اضماع کر رہے تھے ان سب حقائق کا تقاضا تھا کہ ایک صاحبِ حمیت و عزم انسان جس کے سینے میں حمیتِ اسلامی کا دریا موجزن ہو اور جس کے ساتھ مخلصین و صادقین اور جانبازوں کی ایک منتخب جماعت ہو، وہ اپنا کام ایسے رخ سے شروع کرے جہاں ایک طرف وہ اس عظیم الشان طاقت کو صحیح مصرف پر لگائے دوسری طرف پنجاب کے ان مسلمانوں کی مدد کرنا ہو، جو ظلم کی اس چکی میں پس رہے تھے، ہندوستان کی طرف بڑھے اور اس ملک کو فرنگی تسلط سے آزاد کرانا ہو، صحیح اسلامی حکومت قائم کرے، خود پیدھتاً اپنے اس انتخاب اور فیصلے کی وجہ اپنی زبان سے بیان کرتے ہیں، ایک مرتبہ پختیار کے ایک اجتماع میں جس میں بہت بڑی تعداد میں علماء و خواہین جمع تھے، آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

”میں نے ہندوستان میں خیال کیا کہ کوئی جگہ ایسی مومن ہو کہ وہاں مسلمانوں کو لے کر جاؤں اور جہاد کی تدبیر کروں، باوجود اس وسعت کے کہ صد ہا کردہ (کوس) میں ملک ہندو فتح ہوا ہے، کوئی جگہ ہجرت لائق خیال میں نہ آئی، کتنے لوگوں کی صلاح دی کہ اسی ملک میں جہاد کرو جو کچھ مال خزانہ سلاح وغیرہ رکھا ہو ہم دیں، مگر مجھ کو منظور نہ ہوا، اس لئے کہ جہاد سنت کے موافق چاہئے، بلوہ کرنا منظور نہیں، تمہارے ملک کے ولایتی بھائی حاضر تھے، انھوں نے کہا کہ ہمارا ملک اس کے واسطے بہت خوب ہے، اگر وہاں چل کر کسی ملک میں قیام اختیار کریں تو وہاں کے لاکھوں مسلمان جان و مال سے آپ کے شریک ہوں گے، خصوصاً اس سبب کہ رنجیت سنگھ

لہ ریاست سوات کی سرحد پر ضلع مردان کے قریب پٹھانوں کی ایک بستی تھی، جو کئی سال تک یہ صاحب اور جماعت مجاہدین کا مستقر اور فوجی و دعوتی مرکز رہی۔

والی لاہور نے وہاں کے مسلمانوں کو نہایت تنگ کر رکھا ہے، طرح طرح کی ایذا پہنچاتا ہے، اور مسلمانوں کی بے آبروئی کرتا ہے، جب اس کی فوج کے لوگ اس ملک میں آتے ہیں، مسجدوں کو جلا دیتے ہیں، کھیتیاں تباہ کرتے ہیں، مال و اسباب لوٹ لیتے ہیں، بلکہ عورتوں اور بچوں کو پکڑ لے جاتے ہیں، اور اپنے ملک پنجاب میں لے جا کر بیچ ڈالتے ہیں، پنجاب میں وہ مسلمانوں کو اذان بھی نہیں کہنے دیتے، مسجدوں میں گھوڑے باندھتے ہیں، گاؤں کشتی کا تو کیا ذکر جہاں سنتے ہیں کہ کسی مسلمان نے گائے ذبح کی اس کو جان سے مار ڈالتے ہیں، یہ سن کر میرے خیال میں آیا کہ یہ سچ کہتے ہیں، اور یہی مناسب ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے وہیں چل کر ٹھہریں اور مسلمانوں کو متفق کر کے کفار سے جہاد کریں اور ان کے ظلم سے مسلمانوں کو چھڑائیں۔

پنجاب و سرحد اور افغانستان کے وہ حالات کیا تھے، جو ایک صاحبِ حمیت غم اور ایک صاحبِ بصیرت و فہم شخصیت و داعی کی عنانِ توجہ اپنی طرف موڑنے تھے اور اس کی پیش قدمی کی دعوت دیتے تھے، ان کو تفصیل سے جاننے کی ضرورت ہے۔

پنجاب میں مسلمانوں کی حالت

اٹھارہویں صدی کے وسط ہی میں سکھوں نے پنجاب میں ہم سیاسی طاقت حاصل کر لی تھی، احمد شاہ ابدالی کی وفات پر شمالی ہندوستان میں سکھ ہی اصل طاقت تھے، پورا پنجاب، ملتان کا ایک حصہ، جہنا اور تلچ کے درمیان کا وسیع بڑا علاقہ، سکھ رئیسوں اور سرداروں کے قبضے میں تھا، شمال مغرب میں دریائے سندھ، مشرق میں جموں کی ریاست، جنوب میں انگریزی عملداری اور حصار اور جیلپیر کے ریگستان ان کے وسیع اقتدار کی سرحدیں تھیں۔

مسلمان اس نوحیز طاقت کے اصل حریف رہ چکے تھے، کئی صدیوں کی تالیخ اور دینی و سیاسی

کشکش نے اس قوم کے دل میں مسلمانوں کی نفرت کا بیج بویا تھا اور وہ یوں افسوسناک تھی اور نشوونما حاصل کرتا جاتا تھا، بالآخر وہ اس شدید تعصب اور عداوت کی حد کو پہنچ گیا جس کی نہایت وحشیانہ مثال "بند اسیراگی" کی زندگی اور اس کی خونریز و خون آشام جنگی سرگرمیاں ہیں جن کی مثال ہندوستان کی پھلتی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ جب اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر سکھوں کے ہاتھ میں منتقل ہوتا تو اس انقلاب کا سب سے زیادہ اثر مسلمانوں پر پڑے، جو کل تک اس ملک کے حکمران اور اس بڑھتی ہوئی طاقت کے راستے میں مزاحم تھے، اب پنجاب میں مسلمان ایک ایسی غلام قوم کے فرد تھے جس سے حاکموں کی قدیم سیاسی رقابت بھی کھٹی اور شدید مذہبی نفرت بھی۔

۱۷۹۹ء میں رنجیت سنگھ نے لاہور کو جس کا پروانہ حکومت شاہ زماں سے مل گیا تھا

ان تین سکھ سرداروں سے چھین لیا، جو اس پر حکومت کرتے تھے، واصلہ مندوہر میں طبیعت ایک تازہ دم جنگجو اور جفاکش نسل کی رفاقت جو تمدن کی لائی ہوئی خرابیوں اور کمزوریوں کا آشنا تھی اور کالیوں کے مذہبی جوش اور جذبہ قربانی نے رنجیت سنگھ کو کامیابی کے وہ عناصر بخینے جو کبھی وسط ایشیا کی فاتح قوموں کو حاصل تھے، اور جنہوں نے رنجیت سنگھ کو ایک طاقتور حکمراں اور ایک ہیبتناک بنا دیا، جس کو شکست دینا غیر منظم افغانی قبائل اور پنجاب کی چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کے بس کی بات نہ تھی، رنجیت سنگھ نے ایک ایک کر کے وہ تمام ریاستیں اور صوبے جو خود مختار سکھ سرداروں اور مسلمان حکمرانوں کے پاس تھے، فتح کر لئے، جن مسلمان ریاستوں نے نذرانہ دینے سے انکار کیا اور مقابلہ کیا، ان کو بے تربیت، نیم وحشی اور فتح کے نشے میں ہر تار فوجوں کے ہاتھوں سخت ذلت و عذاب کا سامنا کرنا پڑا، ان کے شہر کالیوں اور خالصہ فوج

۱۷۹۹ء ملاحظہ ہو سر جان میلیم کی کتاب "THE SKETCH OF THE SIKHS" مطبوعہ لندن ۱۸۱۲ء

کے ہاتھوں بری طرح تباہ و برباد ہوئے اور مسلمان رعیت کو لڑنے خیز مظالم کا نشانہ بنا پڑا، احمد خاں رئیس جھنگ کی شکست کے بعد سکھوں نے شہر کو لوٹ لیا اور تمام رعیت کو روٹی کے ٹکڑوں کا محتاج کر دیا، اس بات کی فریاد چودھریوں نے جب مہاراج سے کی تو فرمایا کہ ہماری فوج فتح کے وقت بے بس ہوتی ہے۔ ”سن ریڈنواب مظفر خاں والی ملتان اور اس کے جوان مرد بیٹوں کی دست بدست جنگ اور دلیرانہ شہادت کے بعد ملتان حملہ آوروں کے رحم و کرم پر تھا، چار پانچ سو مکانات پیوند زمین ہو گئے، کسی کے پاس روٹی کا ایک ٹکڑا نہ رہا، شہر میں مکانا کو آگ لگا دی گئی اور سب کچھ لے لیا گیا، سکڑوں دی رہنے کر دیئے گئے، عورتوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا گیا، بہت سی شریف عورتوں نے کنوؤں میں گر کر جان دی اور عزت بچائی، بعض قصوں میں سکھوں نے لوگوں کے بدن کے کپڑے تک اتار لئے، عورتیں ننگے سر، ننگے بدن بے ستر ہو کر جا بجا اپنے آپ کو چھپاتی پھرتی تھیں، مگر کوئی جگہ امن کی نہیں ملتی تھی، بہت سی اثراؤں عورتیں جنوں نے کبھی بیگانے مرد کی صورت نہیں دیکھی تھی، اپنے ہاتھ سے پھانسی لے کر مر گئیں، کئی چاہات میں کود پڑیں، غرض، ہر ایک امیر و غریب شہر کا رہنے والا ایسا لٹاکا پارہ نان کو محتاج ہو گیا، بڑے بڑے مکانوں کو سکھوں نے آگ سے جلا دیا، بہت سی جوان عورتیں اور لڑکیاں اور لڑکے سکھوں نے شہر سے پکڑ لئے اور غلام بنانے کے ارادے سے اپنے پاس رکھ لئے۔“

رجیت سنگھ کا دور حکومت اگرچہ سکھوں کے اقتدار کی تاریخ کا سب سے زیادہ منظم اور ترقی یافتہ دور تھا، لیکن اس کی حقیقت ایک عارضی فوجی حکومت سے زیادہ نہ تھی جس میں

۱۷ ”تاریخ پنجاب (اردو)“ از رائے بہادر کنھیالال، اگزیکیوٹو انجینئر لاہور، ص ۱۷۱

۱۸ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو محمد لطیف کی ”THE HISTORY OF THE PUNJAB“ ص ۱۷۱

۱۹ ”تاریخ پنجاب“ (اردو) از رائے بہادر کنھیالال ص ۱۸۲

فوجوں اور فوجی سرداروں کو زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل تھی اور وہ اس آزادی سے پورا فائدہ اٹھاتے تھے بڑے بڑے فوجی سرداروں اور صوبیداروں کی حکومت دہشت انگیزی اور وحشیانہ سزاؤں پر قائم تھی ہری سنگھ نلوہ کے متعلق انگریز مورخ لکھتا ہے :-

”وہ صرف اس خوف و دہشت کے سہارے حکومت کرتا تھا جو لوگوں پر ٹھپی ہوئی تھی اور اہل ملک کے لئے ایک خوفناک شخصیت کی حیثیت رکھتا تھا اور ایک واپسی آدم نور اور وحشی انسان کی طرح ہزاروں کے علاقے میں شہرت تھا اب بھی انہیں اس کا نام لے کر رونے والے بچوں کو چپ کراتی ہیں!“

یہی شہرت اور تاثر پھولا سنگھ اکالی اور بعض دوسرے فوجی سرداروں اور صوبیداروں کے متعلق تھا۔ قوم کی جنگویانہ روح (مارشل اسپرٹ) کو قائم رکھنے کے لئے جو مہاراجہ کا اصل سرمایہ اور اس کے غلبے کا سب سے بڑا سہارا تھا، فوج کو ہمیشہ جنگوں میں مشغول رکھنے اور نئے نئے میدان جنگ ہیا کرنے کی ضرورت تھی نیز اس پر کم سے کم اخلاقی اور سیاسی پابندیاں عائد کرنے کی گنجائش تھی جو ایک باضابطہ اور فہم دار حکومت کے لئے ضروری ہیں اس کا نتیجہ یہ تھا کہ سلطنت کے اندر خصوصاً ان علاقوں میں جو دار السلطنت سے فاصلے پر واقع ہوئے تھے، جو حاکم یا فوجی افسر جتنا ظلم کرنا چاہتا تھا کرتا تھا اور عام طور پر پلمان ہی اس کا نشانہ بنتے تھے، مہاراجہ کی اصل طاقت اکالیوں کا وہ مذہبی جوش اور خاصاً فوج کی وہ مذہبی عصبیت تھی جس کی مدد سے اس نے سارے پنجاب کو تسخیر کر لیا تھا، اور جو پورے ہندوستان کے لئے ایک خطرہ بنی ہوئی تھی اس مذہبی جوش و عصبیت کو نہ وہ سرود پانڈینا بنا چاہتا تھا نہ وہ ایسا کر ہی سکتا تھا اس کا ہدف عام طور پر پلمان ہی تھے، جن کو سیاسی انقلابات نے اس قوم کا محکوم بنا دیا تھا اور مرکز کی کمزوری ان خانوں کی نا اتفاقی اور کوتاہ نظری نے بالکل لاوارث اور بے بس بنا کر چھوڑ دیا تھا اور

جن کے مذہب کے بہت سے عقائد اعمال و فرائض غیر تعلیم یافتہ اور شہر حکومت میں سرشارا کا لیوں اور عام سکھوں کے لئے استعمال کا سبب بن جاتے اور ہمارا راجہ اپنی خواہش کے باوجود اس کو قابو میں نہ رکھ سکتا، سر لپیل گریفین لکھتا ہے :-

”ہمارا راجہ یا تو بالکل غیر متعصب تھا یا کم از کم لاپرواہ تھا اور وہ یہ چاہتا تھا کہ اس کی

مسلمان رعایا بلا مزاحمت مراسم مذہبی ادا کرنے کی مجاز ہو لیکن اس کو مجبور ہونا پڑا کہ

اوپنی آواز سے اذان کی ممانعت کر دے، کیونکہ اس سے اکالی براقروم ہوتے تھے“

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ پنجاب پر رنجیت سنگھ کی ”باقاعدہ“ حکومت قائم ہو جانے کے بعد بھی مسلمانوں کو

وہ عام شہری حقوق اور مذہبی آزادی حاصل نہیں ہوئی، جو ایک باضابطہ اور منظم حکومت میں رعیت کو

حاصل ہوتی ہے، ان کو بعض مذہبی احکام ادا کرنے کی اجازت نہ تھی، بہت سی اہم مسجدیں فوج کے

استعمال اور لوگوں کے ذاتی قبضے میں تھیں۔

رائے بہادر کنھیا لال ایگزیکٹو انجینئر لاہور اپنی کتاب ”تاریخ لاہور“ میں شاہی مسجد کے متعلق لکھتے ہیں :-

”بادشاہی عہد میں اس مسجد کی آرائش کا سامان فرش، بھاڑ، فانوس وغیرہ لاکھوں روپے کا

تھا جب مانہ نے پٹا کھایا اور سکھی سلطنت ہوئی تو ہمارا راجہ رنجیت سنگھ کے وقت کبھی اس میں

توپ خانہ کبھی پلیٹن اور سواری کی فوج کی چھاؤنی رکھ کر تھی، حجروں میں میگزین بھرا رہتا

تھا، سکھ لوگ پتھروں کی سلیں اکھاڑ کر لے گئے“

ستی روانے کی مسجد کے متعلق لکھتے ہیں :-

”جب ہمارا راجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت ہوئی تو اس مسجد پر سرکاری تسلط ہو گیا اور بارہ

بھری گئی، سالہا سال اس میں باروت بنتی رہی یہاں تک کہ باروت خانے والی مسجد مشہور ہوئی“

سہری مسجد کے متعلق کنھیالال نے جو حکایت لکھی ہے اس سے حکومت کے طرز عمل اور اس ملک میں مسلمانوں اور ان کی مذہبی آزادی کا جو حال تھا، اس پر پوری روشنی پڑتی ہے۔

”مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں بھی پہلے کوئی متعرض اس مسجد کا نہ ہوا، آخر جب باولی کا مکان مسجد کے متصل بن گیا اور اس میں گرنٹھ صفا رکھا گیا تو باولی کے بھائی سکھ اور کالیہ اس مسجد کے واپس ہو گئے اور مہاراجہ کی خدمت میں عرض کی کہ اس مسجد کا تلامباز بند اذان دیتا ہے تو ہمارے کان میں پڑتی ہے، یہ مسجد بھی باولی کے ساتھ شامل ہو کر ہمارے قبضے میں رہنی چاہئے یا گرا دی جائے کہ مسلمانوں کی ہمسائیگی کرو کے سکھوں کے ساتھ نہ چاہئے مہاراجہ نے فی الفور حکم دے دیا کہ مسجد سے تلامباز نکال دیا جائے اور گرنٹھ رکھا جائے، اس حکم کے صادر ہوتے ہی تلامباز نکال کر باہر کر دیا گیا اور مسجد پر کالیوں نے قبضہ کر لیا اور تمام مسجد میں گویر کالیوں نے گرنٹھ رکھ دیا گیا، دکانوں کی آمدنی ضبط ہو کر باولی کے محال کے ساتھ شامل کر دی گئی، وقوع اس حال سے شہر کے مسلمان نہایت غمگین ہوئے اور سب نے مجمع فقیر نور الدین نور الدین کے مکان پر کیا اور چاہا کہ ان کے ذریعے سے مہاراجہ کے حضور میں مسجد کی واکزاری کے لئے عرض کیا جا چو کہ اس زمانے میں مہاراجہ کے دربار میں سے بڑھ کر تو قیر کہلواسکی کی تھی اور مہاراجہ کسی بات میں اس کے کہنے سے باہر نہ تھا، فقیر صاحبان نے مسجد کے معاملے میں اس کو اپنے ساتھ ملا یا اور اس کے ذریعے سے مہاراجہ کی خدمت میں عرض کی اور بیان کیا کہ تمام پنجاب کی مسجدوں کے تلامباز بائگ بند آواز سے نہیں کہتے، چو جائیکہ باولی صاحب کے پاس جہاں گرنٹھ صاحب رکھا ہو، مسجد کا تلامباز ان دے یہ بات بالکل برخلاف ہے، ہم آئندہ تلامباز سے چمکالے لیتے ہیں کہ بھی بائگ نہ دے، اس بات پر مہاراجہ راضی ہوا کہ مسجد دستور ملک کے حوالے کر دی جاوے اور اس سے چمکالے لیا جائے کہ بائگ نہ دے، مسجد کی دکانوں کا راضی ضبط ہے، مسلمانوں نے

اتنی بات ہی کو غنیمت جانا اور مسجد پر دوبارہ قبضہ پایا، مگر کانیں ہاتھ سے جاتی رہیں!

یہی صفت ایک دوسری جگہ لکھتا ہے:-

”مسجد کا گرانا سکھوں کے وقت کچھ بڑی بات نہ تھی ہزاروں مسجدیں سکھوں نے

گرا کر اپنی عمارت کے ساتھ شامل کر لی تھیں!“

اس دور حکومت میں مسلمان جس طرح کی غلامانہ اور حقیر زندگی گزار رہے تھے اور

پوری قوم جس بے اعتمادی، محرومی و بے عزتی کا شکار تھی اس کا خاکہ رنجیت سنگھ کے ایک معاصر

انگریز مصنف (کرنل مالکم) نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:-

”واقعہ یہ ہے کہ پنجاب میں ایک بھی ایسے مسلمان خاندان کی مثال نہیں ملتی جس کو عزت

واقتر حاصل ہو، یہ صورت حال اس نفرت کا نتیجہ ہے جو گرو گوبند سنگھ کے پیروؤں کو اپنے قدیم

حریفوں کی نسل سے چلی آ رہی ہے جنھوں نے ان پر مظالم کئے تھے، اس کا ثبوت کہ یہ گہری عداوت

اب بھی زائل نہیں ہوئی ہے اس سلوک سے ملتا ہے جو ان قسرت مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، جو

ابھی تک سکھوں کی عملداری میں رہتے ہیں، جو اگرچہ کثیر التعداد ہیں، لیکن سب غریب نظر آتے ہیں، اور

ایک مظلوم اور ذلیل قوم کے فرد معلوم ہوتے ہیں، وہ زمین چوتے ہیں، ان سے قلی گیری،

بوجھ ڈھونے اور محنت و مشقت کے کام لئے جاتے ہیں، ان کو گائے کا گوشت کھانے

کی اجازت نہیں، نماز نہیں پڑھ سکتے، شاذ و نادر میں جمع ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں

مسجدوں میں بھی تھوڑی مسجدیں بنا ہی سے سچی ہیں!“

اس غلامی، مذہبی بندش اور ذلت آمیز طرز عمل سے مسلمانوں کے اخلاق لپست ہو گئے تھے،

۱۵۱-۱۵۲ ”تاریخ لاہور“ ص ۱۵۱-۱۵۲ ایضاً ص ۳۵

LIEUT

COL. MALCOLM THE SKETCH OF THE SIKHS (LONDON, 1812) PP. 123, 124

ساری قوم پر بے اعتمادی اور بالوہی چھائی ہوئی تھی اور وہ زندگی پر موت کو ترجیح دیتے تھے عقائد
 و اخلاق و عادات مستح ہو گئے تھے اپنی حمیت اور اسلامی روح سے پوری قوم محروم ہوتی چلی
 جا رہی تھی مذہب و معاشرت دل و دماغ پر اس بدترین قسم کی غلامی کے بدترین اثرات پڑے
 تھے جن کا ثنا آسان نہ تھا، اقبالؒ نے سچ کہا ہے ۵

خالصہ شمشیر و قرآن را برد
 اندراں کشور مسلمانان برد!

افغانستان و سرحد

افغانستان و سرحد مسلمانوں کی طاقت کا بڑا مرکز ہے ہیں ہندستان میں مسلمان فاتح
 یا تو اسی ملک کے رہنے والے تھے یا اس راستے سے آئے، آخر آخر میں بھی جب ہندستان کے مسلمانوں
 اور ان کی حکومت پر کوئی نازک وقت آیا ہے اور وہ یہاں کے حالات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکی
 تو اس ملک نے عین وقت پر ہنگامی ہے احمد شاہ ابدالی نے تو آخر وقت میں مسلمانوں کی عزت رکھ لی
 اور برٹوں کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا۔

لیکن انیسویں صدی کی ابتدا میں جب تمام عالم اسلام میں ایک عام زوال تھا یہ ملک بھی
 طوائف الملوک اور بے نظمی کا شکار ہو گیا، نا اتفاقی اور خانہ جنگی نے اس طاقتور ملک کو اتنا کمزور کر دیا کہ
 ہندستان اور پنجاب کے مسلمانوں کی مدد و درکنار اس کو اپنی آزادی اور اپنے مقبوضات کا برقرار رکھنا
 مشکل ہو گیا، وہ کیا واقعات و تغیرات تھے جنہوں نے اس مردم خیز اور طاقتور ملک کو اس درجے تک
 پہنچا دیا، یہ سب صفا کے سفر ہجرت اور ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی داستان سننے سے پہلے اس کی
 تفصیل معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر اس تاریخ کا پس منظر اور ان سرگرمیوں کا ماحول سمجھنا دشوار ہے۔

دّرانی خاندان کا زوال اور اس کے اسباب

احمد شاہ ابدالی نے ۲۶ سال کی باعظمت اور پر شوکت سلطنت کے بعد جس کی بنیاد اس نے اپنے عزم و ہمت اور دست و بازو سے رکھی تھی جب ۱۷۴۳ء میں انتقال کیا تو عالم گیر اعظم کی طرح اس کا بھی کوئی صحیح اور اہل جانشین نہ تھا تیمور شاہ کو جو اس عظیم سلطنت کا وارث ہوا اپنے نامور و صاحب عزم باپ کے کوئی نسبت نہ تھی بس سال کمزوری کے ساتھ سلطنت کرنے کے بعد جس میں اس جواں سال سلطنت کے اندر زوال کے آثار نمایاں ہو چکے تھے ۱۷۹۳ء میں اس نے انتقال کیا تیمور نے اپنے پیچھے کئی فرزند چھوڑے جو تخت سلطنت کے مدعی اور اس کے حصول کے لئے کوشاں تھے ان میں ہمالیہ شاہ زماں شاہ شجاع شاہ محمود شاہ زادہ فیروز اور شاہ ایوب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تیمور شاہ کے جانشین کا چونکہ تعیین نہیں ہوا تھا شاہ زماں نے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا لیکن اس کی بادشاہی اور تخت نشینی درحقیقت پائندہ خاں کی رہنمائی میں تھی جو افغانستان کے طاقتور قبیلہ بارکنے کی کاسر دار تھا اور جس کی تائید و رفاقت اور تدبیر و حکمت نے تمام مخالف طاقتوں کو زیر اور دوسرے امرا و سرداران قبائل کو ہمنوا بنا لیا شاہ زماں نے استحکام سلطنت کے بعد اپنے نامور و ادا کی طرح ہندوستان پر بار بار حملے کئے لیکن ملک کے اندرونی حالات اس کو بار بار واپس آنے پر مجبور کرتے رہے۔

۱۷۴۷ء کا تعلق "سوزی قبیلے سے تھا جو ابدالیوں کی ایک اہم شاخ ہے ۱۷۴۷ء میں وہ نادر شاہ افشار کی طاقت میں داخل ہوا اور اپنی جرأت و قابلیت سے بہت جلد نادر شاہ کی نگاہ میں مقام پیدا کر لیا ۱۷۴۷ء میں جب نادر شاہ قتل ہوا تو احمد شاہ اس افغانی جمعیت کے ساتھ جو نادر شاہ کی فوج میں تھی علیحدہ ہو گیا اور سوزی قبیلے کی مدد سے افغانستان پر قابض ہو گیا اور دوران خطاب اختیار کیا اور دّرانی مشہور ہوا اس کی فوج کی ترک تازیانے ایک طرف مشرق میں ملتان پہنچی تھیں دوسری طرف مغرب میں نیشاپور اور استرا آباد تک اٹھا رہیں صدی کے وسط میں سلاطین ایشیا کی سب سے بڑی تازہ دم فوجی طاقت تھی

زمان شاہ نے جس شخص کو وزارت کے منصب پر فائز کیا تھا، اور جس پر اعتماد رکھی کیا اس نے اپنی نااہلی کا ثبوت دیا، ملک میں بادشاہ سے ناراضگی اور بے اطمینانی بڑھتی جا رہی تھی، بھائی بھی نزدیک و دور موقع کے منتظر تھے، بالآخر کابل میں چند سرداروں نے وزیر کو ختم کر دینے اور بادشاہ کو معزول کر دینے کا تہیہ کیا، زمان شاہ نے ان چھ سرداروں کو اپنے محسن پائندہ خاں الملقب بہ سرفراز خاں سمیت قتل کر دیا، غیر دانشمندانہ اقدام افغانستان کی آزاد سلطنت کے زوال اور نہ ختم ہونے والی خانہ جنگی کا پیش خیمہ اور پورے ملک و قوم کے لئے سرچشمہٴ فساد تھا۔

پائندہ خاں ایک طاقتور سردار اور نہایت کثیرالاولاد شخص تھا، اس کے بیٹوں میں فتح خاں محمد عظیم خاں، یار محمد خاں، سلطان محمد خاں، شہ محمد خاں، پیر محمد خاں، دوست محمد خاں، میر محمد خاں، تیمور قلی خاں، عبدالجبار خاں، عبدالصمد خاں، پردل خاں، شیردل خاں، کہن دل خاں، میر دل خاں، رحمدل خاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، فتح خاں نے اپنے باپ کے قتل کے بعد اپنے بھائیوں اور برادری کو جمع کیا اور فوجی طاقت اکٹھی کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا، اور زمان شاہ کی جگہ پر محمود شاہ کو جو ایران میں مقیم اور گوشہٴ گمنامی میں پڑا ہوا تھا، طلب کر کے افغانستان کے تخت پر بٹھایا، زمان شاہ اس وقت ہندوستان پر حملہ آور تھا، بغاوت کی خبر سن کر واپس ہوا، باغی فوجوں نے چند معرکوں کے بعد تخت پر قبضہ کیا اور زمان شاہ کی آنکھوں میں سلائی کر کے قید کر دیا، فتح خاں نے زمام وزارت اپنے ہاتھ میں لی، اس طرح اس کو اپنے جذبہٴ انتقام اور اپنی ہوصلہ مندی دونوں کی تکمیل کا موقع ہاتھ آ گیا۔

محمود کے کئی سال اپنے بھائی شاہ شجاع سے معرکہ آرائی میں گزسے اور اس کو ایک بار تخت و تاج سے بھی محروم ہونا پڑا لیکن پھر فتح خاں کے اثر و رسوخ اور تدبیر سے تخت کابل پر بیٹھنا نصیب ہوا، شاہ شجاع ۱۸۱۸ء میں ہندوستان آ گیا، اب محمود سلطنت افغانستان کا فرمانروا تھا اور فتح خاں

اس کے وزیر دراصل مختار سلطنت فتح خاں نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور بڑے بڑے منصب اور عہدے اپنے بھائیوں میں تقسیم کر دیئے، محمد عظیم خاں کو کشمیر، یار محمد خاں سلطان محمد خاں پیر محمد خاں پیر محمد خاں کو پشاور کا علاقہ، دوست محمد خاں کو کابل، میر محمد خاں کو غزنی، پیر دل خاں اور شیر دل خاں کو صوبہ قندھار کی صوبے داری اور حکومت سپرد کی اور اس طرح یہ خاندان پورے افغانستان اور صوبہ سرحد کے بیاہ و سپید کا مالک بن گیا۔

۱۸۱۵ء میں محمود شاہ نے فتح خاں کو ہرات اپنے بھائی حاجی فیروز کے پاس اس لئے بھیجا کہ ایرانی خراسان کے والی حسن علی مرزا (قاچاری) نے والی ہرات کی اپنی حکومت کی تسلیم کرنے اور ہرات کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا اور والی ہرات نے والی قندھار سے مدد چاہی تھی محمود شاہ نے فتح خاں سے اشارہ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر موقع ہو تو حاجی فیروز کو جس مصیبت کے زمانے میں محمود شاہ کے ساتھ بدلو کی کئی تھی معزول کر کے ہرات پر قبضہ کر لیا جائے، فتح خاں نے حاجی فیروز کو گرفتار کر لیا، اس نے اور اس کے بھائی دوست محمد خاں وغیرہ نے سبکیات شاہی کے زیور انک تار لئے اور شاہزادے اور اس کے حرم کی سخت توہین کی یہ حد سے بڑھی ہوئی دست درازی اور خاندان شاہی کی توہین محمود شاہ اور شاہزادہ کامران کو سخت ناگوار ہوئی اور انھوں نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا مال غنیمت میں جس میں قیمتی جواہرات، زیور اور اسلحہ کا بڑا ذخیرہ تھا خود والی افغانستان کو صرف چند گھوڑے لے، باقی سب فتح خاں اور اس کے بھائیوں کے ہاتھ آیا۔

حاجی فیروز سے فرصت پانے اور ہرات پر قبضہ کرنے کے بعد فتح خاں نے حسن علی مرزا کے مطالبات کو سختی سے ٹھکرا دیا اور اعلان جنگ کیا، ایرانی فوجیں شہد سے آگے بڑھیں اور افغانی فوجوں نے بارکنی سرداروں کی قیادت میں اقدام کیا، افغانی فوجیں اگرچہ تعداد میں ایرانی فوجوں سے فائق تھیں لیکن ایرانیوں نے افغانیوں کو شکست دی اور افغانی فوجیں پساہو کر ہرات واپس آگئیں۔

اس عرصے میں شاہزادہ کامران قندھار سے اپنے والد کا بھیجا ہوا واپس ہوا، حاجی فیروز معزول

و مجبوس تھا اور ہرات فتح خاں کے قبضے اور اس کے بھتیجے معین الملک کے قبضہ و انتظام میں تھا، شاہزادہ شہر سے ایک میل کے فاصلے پر "باغ شاہ" میں فروکش ہوا، فتح خاں روزانہ سلام کو جاتا اور وہاں آجاتا، فتح خاں سے کہا گیا کہ وہ حاجی فیروز کے مال میں سے کچھ حصہ شاہزادے کی خدمت میں پیش کر دے تاکہ اس کا مالِ خاطر جاتا ہے، فتح خاں نے پہلے تو اس کو ٹالا، پھر صفا کہا کہ اس نے جس مال کو نوکِ شمشیر سے حاصل کیا ہے وہ کسی اور کو دینے کو تیار نہیں، یہی خواہوں نے وزیر کو سمجھایا کہ حریمِ شاہی کی اہانت نے شاہِ افغانستان اور شاہزادہ کامران کو اس کی طرف سے سخت برہم کر رکھا ہے، لیکن فتح خاں نے صاف جواب دیا کہ میں نے محمود شاہ کو دوبار تختِ کابل پر بٹھایا ہے، اس کی سلطنت اس وقت میرے اہل خاندا کی مٹھی میں ہے، کامران مجھے زک پہنچانے کا خواب بھی دیکھ سکتا ہے۔؟

یہ صاف جواب سن کر کامران نے شاہ کو لکھ دیا کہ فتح خاں سلطنت کا مالک بنا ہوا ہے اور خاندانِ شاہی کو راستے سے ہٹا دینا چاہتا ہے، بادشاہ نے شاہزادے کو اختیار دے دیا کہ جو کارروائی وہ مناسب سمجھے کرے، شاہزادہ کامران نے فتح خاں سے انتقام لینے کا تہیہ کر لیا، ایک مجلس شاہی میں جس میں اس کے معتز دربار جمع تھے اور بعض ایسے سردار بھی تھے جو فتح خاں سے خار کھائے بیٹھے تھے، فتح خاں کو "بدین" ایرانیوں سے شکست کھانے اور افغانوں کے نام پر بٹہ لگانے کا طعنہ دیا، فتح خاں نے اس کا جواب ترک کیے ترکی دیا، بات بڑھی، شاہزادے نے اہل مجلس کو جو قتل کے منصوبے سے آگاہ تھے، حکم دیا اور انھوں نے فتح خاں کو پکڑ لیا، عطا محمد خاں جو وزیر کا حریفِ قدیم تھا، برچھے کی نوک سے فتح خاں کی آنکھیں نکال لیں، نابینا وزیر کو قید خانے میں ڈال دیا گیا، فتح خاں کے بھائی بھتیجے منتشر ہو گئے، اور انھوں نے بھاگ کر جان بچائی۔

بارکئی خاندان کا افتداری

اس کارروائی کا فوری ردِ عمل یہ ہوا کہ فتح خاں کے سب بھائیوں نے جو خود ایک لشکر تھے، بغاوت

کردی محمود نے جلد محسوس کر لیا کہ وہ نام کا بادشاہ رہ گیا ہے دوست محمد خاں نے اپنے چند بھائیوں کے ساتھ کابل پر قبضہ کر لیا، عطا محمد خاں کو دھوکے سے ایک دعوت میں بلا کر اس کی آنکھیں نکال لی گئیں، محمود نے قندھار سے کابل کی بازیافت کے لئے لشکر کشی کی، فوری حملے کے بجائے اپنی فطری کمزوریاں اور سستی کی وجہ سے عرصے تک نامہ پیام کا سلسلہ جاری رکھا، اسلثناء میں اس کو اپنے متعدد سرداروں کی بے دلی اور بے تعلقی کی اطلاعات ملتی رہیں، بالآخر اس نے جنگ کو ملتوی کر دینے کا ارادہ کر لیا، اور فتح خاں کو جو ایک مجبور بے بس سیر کی طرح اس کے ساتھ تھا، دربار میں طلب کیا اور اس سے کہا کہ اگر وہ اپنے بھائیوں کو اطاعت پر آمادہ کرے تو وہ سب اپنے عہدوں پر بحال کر دیئے جائیں گے، فتح خاں نے صاف اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ "یہ طوقان جو آپ کا اٹھایا ہوا ہے، اب اس کا فرو کرنا میرے جیسے معذور انسان کے بس نہیں ہے" محمود یہ کھڑا جواب سن کر مغلوب الغضب ہو گیا، اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا اور عیسویوں تلواریں اس نابینا انسان پر جس کی مہربانی سے وہ دو مرتبہ تخت پر بیٹھا تھا، پڑیں اور وہ دیکھتے دیکھتے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ سرداران دربار اور اہل لشکر نے جب ایک محسن وزیر کا یہ انجام دیکھا بادشاہ کی دونوں ہتھیاؤں قوتِ مقابلہ کی کمی اور حریت کی طاقت کا بھی ان کو علم تھا، اس سب کی بنا پر اگلی رات اس کی فوج کا بڑا حصہ اسے اچانک چھوڑ کر چلا گیا اور آدھی رات کو بادشاہ اور شاہزادے کو دفعۃً یہ معلوم ہوا کہ صرف تھوڑی سی فوج ان کے گرد جمع ہے، باقی لشکر گاہ خالی ہے، چنانچہ دونوں ایک مختصر دستے کے ساتھ ہرات روانہ ہو گئے۔

اس طرح درانی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور افغانستان کی حکومت بارکزی خاندان میں منتقل ہو گئی، افغانستان و سرحد کے تمام صوبوں پر پابندہ خاں کے لڑکوں کی خود مختار حکومت قائم ہو گئی۔

بارک زئی خاندان کا افتراق اور اس کے نتائج

یہ افغانستان و سرحد کی طاقت اور سیاسی وحدت کے لئے بڑا نادرا اور زریں موقع تھا۔ اس لئے کہ افغانستان سے لے کر پشاور و کشمیر تک ایک ہی باپ کے فرزندوں کی حکومت تھی، اگر ان بھائیوں میں اتحاد و یکجہتی، خلوص و باہمی اعتماد اور سیاسی شعور ہوتا تو وہ ایک ایسی مضبوط افغانی سلطنت قائم کر سکتے تھے، جو نہ صرف پنجاب بلکہ ہندستان تک کے مسلمانوں کی مدد کر سکتی تھی، اور اگر توفیق اور دینی جذبہ ہوتا تو جس طرح احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کی طاقت توڑی، یہ پنجاب کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک سکتے تھے، اور مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت انجام دے سکتے تھے۔

لیکن جس نفاق و افتراق کا شکار ڈرانی خاندان تھا، وہی اس بارک زئی خاندان کے افراد پر مسلط تھا، اور ایک باپ کے فرزند ہونے کے باوجود کبھی ان میں اتحاد و باہمی اعتماد اور پورے طور پر اشتراک عمل نہ ہو سکا، کوئی بھائی دوسرے بھائی سے پورے طور صاف نہ تھا، کسی بھائی کو دوسرے بھائی پر اعتماد نہ تھا، اقتدار اعلیٰ کے لئے باہم اس طرح کشمکش تھی جس طرح حریفوں اور رقیبوں میں ہوتی ہے، سردار عظیم خاں فتح خاں کا حقیقی بھائی اور اس کے بعد پائندہ خاں کی اولاد میں سب سے بڑا تھا، اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبید اللہ خاں تخت کابل (مرکزی حکومت) کو اپنا حق سمجھتا تھا، دوست محمد خاں اپنی کوششوں اور کابل پر اقتدار سے قابض ہونے کی بنا پر اپنے آپ کو حقیقی حاکم سمجھتا تھا، چچا کھتیجے میں عرصے تک تخت کے لئے کشمکش رہی، اس عرصے میں شیردل خاں نے قندھار سے آکر کھتیجے کو دھوکہ دے کر قید کر لیا اور کابل پر خود قابض ہو گیا، عرصے تک شیردل اور دوست محمد خاں کے درمیان عبید اللہ خاں کی دولت کے بارے میں تنازعہ رہا، بالآخر پشاور سے چار بھائیوں نے آکر تصفیہ کیا کہ شیردل قندھار واپس جائے اور عبید اللہ خاں کی پوری

دولت ساتھ لے جائے، دوست محمد خاں کابل پر حکومت کرے۔

ان بھائیوں کے باہمی نفاق و افتراق نے ذرہ خیر سے پشاور کی طرف کا سارا علاقہ کھودیا اور آخر میں ان کو خود پشاور اور کشمیر سے ہاتھ دھونا پڑا۔
 نہ صرف ہندوستان بلکہ تاریخ اسلام کا ایک بڑا اندوہناک حادثہ اور بڑی حسرت انگیز حقیقت ہے کہ ایک ایسی قوم جو جوان مردی دلیری، جانبازی اور جنگی قوت و قابلیت میں خاص امتیاز رکھتی ہے اور جو مسلمانوں کی طاقت کا ایک بڑا سرچشمہ اور بہار ہے، ان تمام فوجی صفات اور اپنی کثیر تعداد کے باوجود اپنی قومی سیرت و مزاج کی بعض بنیادی کمزوریوں کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی کوئی بڑی خدمت انجام نہ دے سکی اور خود اپنی اور اپنے ملک کی حفاظت سے بھی قاصر رہی اور قوت و جرأت کا یہ خزانہ ایک ایسے نازک تاریخی موڑ پر جب نئی غیر اسلامی طاقتیں ابھر رہی تھیں اور دنیا پر چھائی چلی جا رہی تھیں، ہتھیار تقاصد اور آپس کے جھگڑوں میں بے دریغ صرف ہو کر رہ گیا اور مسلمانوں کے کچھ کام نہ آیا۔

پشاور پر سکھوں کا قبضہ

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے افغانستان کے ان حالات کو پورا فائدہ اٹھایا، ۱۸۱۸ء میں مہاراجہ کو اطلاع ملی کہ پشاور میں اس کے مقابلے کے لئے کوئی منظم فوج نہیں، ۲۰ نومبر کو اس نے پشاور پر قبضہ کر لیا، یار محمد خاں نے سکھوں کی آمد پر پشاور چھوڑ کر پوسٹ زئی کے پہاڑوں پر

لے ڈرائی و بارکنی خاندان کی کشمکش اور واقعات کی تفصیل میں LIEUT ARTHUR CONOLLY کی قاضیہ کی

AFGHAN HISTORY سے استفادہ کیا گیا ہے جو اس سفر نامہ JOURNEY TO THE NORTH OF

INDIA کے ضمنیہ کے طور پر شمالی کتاب ہے، یہ کتاب لندن ۱۸۳۸ء میں شائع ہوئی، بعض فارسی ماخذ سے بھی اضافہ کیا گیا۔

پناہ لی، مہاراجہ نے شہر کو تباہی سے بچایا، مگر بالاحصار و حکمی کو، جو مشہور بزرگ شیخ عمر کا
مدفن ہونے کی وجہ سے منبرک مقام سمجھا جاتا ہے، آگ لگا دی اور باب اور شہر کے سرسبز آوردہ
لوگوں سے پچیس ہزار کی رقم نذرانے میں وصول ہوئی، مہاراجہ نے قبائل کے سرداروں کو
باریاب کیا اور ان کو خلعت تقسیم کئے، چوتھے دن پشاور کو اپنے حلیف اور وفادار جہاندار خان
وزیر خیل کو سپرد کر کے لاہور کو کوچ کیا، بعد میں دوست مہرخاں نے پچاس ہزار کی ہنڈی اور
گھوڑے پیش کر کے پشاور کو دوبارہ حاصل کر لیا۔

اس وقت سے پشاور اور یوسف زئی کا علاقہ حکومت لاہور کا باج گزار بن گیا،
ہر سال خالصہ شکر اس علاقے میں آکر سالانہ نذرانہ اور تحائف وصول کرتا اور واپس چلا جاتا۔
سکھ شکر اور مہاراجہ کے نمائندوں اور فوجوں کی آمد سے اس ملک یعنی سرحدی علاقے
اور اس کے باشندوں کو کن پریشانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اور وہ اس ملک
میں کتنا ہراس اور دہشت اور عام زندگی میں انتشار پیدا کر دیتے تھے، اس کا اندازہ اس بیانا
سے ہوگا، جو سر لیل گرہین نے اپنی کتاب "رنجیت سنگھ" میں کیپٹن جیمس کے حوالے سے نقل کیا ہے،
وہ لکھتا ہے:-

"سکھوں کا وقتاً فوقتاً اس سمت میں آنا وہاں کے باشندوں کے لئے بلائے جان تھا، ان کا
وہاں پہنچنا اس امر کی علامت تھی کہ مال و متاع اور بیش قیمت اسباب کسی دوسری جگہ منتقل
کر دیا جائے، یہاں تک کہ دروازے اور کھڑکیاں تک نکال لی جاتی تھیں، گورنر اور بچے
کثیر تعداد میں گھریاں چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے، اور ملک میں جلاوطنوں کی نوآبادیاں نظر آجاتیں،
یہ نیرت زدہ دشمن جہاں تک آگے بڑھتے، تمام قطعہ ملک کو برباد کرتے جاتے اور جو کچھ

ساتے آتا ہے تاخت و تاراج کرتے اور کھیتوں اور زراعتوں تک کو تباہ کرتے، وادی کے وہاں سے لے کر دریائے سندھ تک شاید ہی کوئی موضع ایسا ہو جسے سکھ فوجی افسر نے نہ لوٹا ہو اور وہاں آگ نہ لگائی ہو، ان کی آمد سے اس درجے خوف سما یا ہوا تھا کہ انہیں اپنے صدی بچوں کو ان کا نام لے کر خاموش کر دیا، اس ملک میں آج بھی سفر کرنے وقت بوڑھے جن کی لمبی ہتھکڑیاں اوپر چھوڑ کر کثرت سے زخموں کے نشان ہیں، ان پہاڑیوں کی نشاندہی کرتے ہیں، جہاں سکھ بھیڑ بکریوں کی طرح ان کو ہنکا دیتے تھے، وہ لوگ اب تک ان مقامات کو بتا سکتے ہیں، جہاں ان کے آباؤ اجداد لڑ بھر ٹا کر گئے تھے، لوگوں کو ان کے آنے سے تباہی و بربادی کا اس درجے یقین تھا کہ چند گاؤں جہاں راستوں کی دشواری سے پہنچ نہ ہوتی اور جنھیں دشمن یا تو بالکل چھوڑ دیتے تھے یا مدافعت کی وجہ سے ان کا یہ ہیئت مجموعی صرف ایک دھ حصہ ہی برباد کر سکتے تھے، ایسے مقامات ناقابلِ تخریب شمار کئے جاتے تھے، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ انھیں اپنے دشمن پر ایک زبردست اور نمایاں فتح حاصل ہوئی۔

افغانوں کی آخری جنگ اور نوشہرے کا معرکہ

محمد عظیم خاں، جو اس خاندان کا سب سے زیادہ حوصلہ مند اور حساس فرد تھا، پشاور کی اس ماتحتی اور اپنے بھائی یار محمد خاں کی اس بے چینی سے ناراض تھا، اسی سال (۱۸۲۳ء میں) اس نے خیر یار کے علاقے کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور سکھوں کے خلاف اعلانِ جہاد کر دیا، اپنے بھائی عبدالصمد خاں کو اس یوسف زئی قبائل میں جہاد کی تبلیغ کے لئے بھیجا، اسوات، تیرا، فریدیوں کے علاقے اور خشک سے بھی ہزاروں مجاہدین جمع ہو گئے، ہمارا راجہ کی فوجیں بہترین سپہ سالاروں کی ماتحتی میں اکوڑہ میں داخل ہوئیں، میں نے

لے سرپیل گریفن کی کتاب "رنجیت سنگھ" (مترجمہ مولوی نصیر حسین صاحب، فاروقی، جامعہ عثمانیہ) ص ۱۰۱

کوہستانی خشک اور پوسٹ زئی مجاہدین اپنے پیرزادوں اور مشائخ و علما کی تبلیغ و اثر سے دریا کی بائیں جانب مقدس دینی جنگ لڑنے جمع ہوئے، دائیں جانب محمد عظیم خاں دوست محمد خاں کے ساتھ باقاعدہ افغانی فوج کے ساتھ موجود تھا، مہاراجہ نے سردار کھٹک سنگھ کو جنرل لارڈ اور جنرل وینٹورا کے ساتھ محمد عظیم خاں کو روکنے کے لئے دریا کے اس پار بھیج دیا اور خود اپنی اصلی طاقت کے ساتھ یوسف زئی مجاہدوں کے مقابلے پر رہا، جنھوں نے دریا کی بائیں جانب نوشہرے کے قریب بلند یوں کے گرد اپنے مورچے قائم کر رکھے تھے۔

افغانوں نے اس موقع پر سخت مقابلہ کیا اور بڑی بے جگری سے لڑے انھوں نے اس سے پہلے کبھی سکھوں کے خلاف اتنی منظم جنگ نہیں کی تھی اور نہ کبھی اس دینی جوش اور جذبہ جہاد سے لڑے تھے تمام دن خون آتشام جنگ رہی جس میں مجاہدین کا پلڑا نمایاں طور سے بھاری رہا اور ہزاروں سکھ مقتول و مجروح ہوئے جن میں بڑے بڑے نامور سردار اور آزموہ کارا فسر تھے مقتولین میں مشہور کالی سردار پھولا سنگھ بھی تھا، اخیر وقت میں رنجیت سنگھ نے خود ایک ہم مورچے پر پوری طاقت سے حملہ کیا دن چھپتے سکھوں کا پلڑا بھاری ہو گیا، بالآخر افغانوں نے رنجیت سنگھ کی منظم اور قواعد ان فوج سے شکست کھائی اور تین ہزار اور ایک روایت کے مطابق دس ہزار افغانی مقتول و مجروح ہوئے۔ دوسرے دن افغانوں نے پیرزادہ محمد اکبر کی قیادت میں دوبارہ مقابلے کی تیاری کی، مگر محمد عظیم خاں کو جس کو دریا کے اس پار روکنا گیا تھا، اپنے خزانے اور حرم کی فکر ہوئی، جو بچتی میں تھا، اور جسے سکھوں کے ہاتھ میں پڑ جانے کا خطرہ تھا، اس نے اپنا ڈیرہ اکھیر لیا، اور خزانہ حرم اور باقی ماندہ فوج لے کر ہند کے پہاڑوں کو عبور کر کے چلا گیا، افغان تنہا رہ گئے، اور آخر کار مجبور ہو کر منتشر ہو گئے۔

لفٹیننٹ آرنہر کانلے (CONOLLY) جس نے اس واقعے کے کچھ ہی بعد سرحد پنجاب کا

سفر کیا ہے اور واقعات ان لوگوں سے سنے ہیں جو اس محرکے کے چشم دید گواہ تھے اپنی کتاب
(AFGHAN HISTORY) میں لکھتا ہے:-

”محمد عظیم خاں جب محاذ جنگ پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سکھ فوجیں اس کے سامنے
ہیں لیکن ایک گہرے چشمنے کی وجہ سے جو اس کے راستے میں حائل تھا نہ وہ اپنی باقی ماندہ
فوجوں کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے نہ سکھوں تک پہنچ سکتا ہے اس نے اس چشمنے کو عبور
کرنے کی کوشش کی، اس کوشش میں اس کے چند آدمی ضائع ہوئے اب وہ اس
جنگ کا جو اس کے بھائی احمد خاں اور سکھوں کے درمیان ہو رہا تھا ایک غیر متعلق
نمائندہ تھا، اس جنگ میں اپنی غالب تعداد اور بہتر نظام کی وجہ سے سکھوں کا پورا بھارا
تھا، اس کے ہم وطن بے جگری سے مقابلہ کرنے کے بعد پیچھے کی طرف بھاگ رہے تھے۔
اگر عظیم خاں اس جنگ میں حصہ لیتا تو گمان غالب یہ ہے کہ سکھوں کو اس روز شکست
ہوتی، اس لئے کہ بڑی نوزیر جنگ و سخت مقابلے کے بعد ہی سکھ ان پرجوش کوہستانیوں پر
فتح حاصل کر سکے وہ قومی و مذہبی نفرت جوش سے سرشار تھے اور دیوانہ وار لڑ رہے تھے، مجھ سے
بیان کیا گیا ہے کہ بارہ بار پندرہ پندرہ برس کے لڑکے جو صرف پھر لوگ مسلح تھے دیوانوں
کی طرح سکھ فوجیوں پر جا پڑتے تھے اور ان کی سنگینوں سے بے پروا ہو کر ان پر حملہ آور ہوتے تھے۔“
نوشہرے کے معرکے میں فتح حاصل کرنے کے بعد سکھ فوج نے پشاور پر قبضہ کر لیا، اگرچہ شہر
لوٹ مار سے محفوظ رہا، مگر فتحیاب لشکر نے پشاور سے خیز تک خوب لوٹ مار کی، شاید ہزار برس
کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ یہ خالص اسلامی علاقہ غیر مسلم حکومت میں آیا، مہاراجہ نے
یار محمد خاں اور دوست محمد خاں کو مخفی طور پر دعوت دی، انھوں نے مہاراجہ کو پانچ

۱۰
LIEUT. ARTHUR CONOLLY: AFGHAN HISTORY: P. 306 (LONDON 1838) لے

گھوڑیاں نذر کیں، جن میں شہور گھوڑی گوہر بار بھی تھی، مہاراجہ نے پشاور پر براہِ راست قبضہ رکھنے کی دستاویزوں کو سمجھتے ہوئے ان دونوں بھائیوں کی خدمات کے صلے کے طور پر پشاور کو ان کے انتظام میں دے دیا اور وہ دوبارہ دربارِ لاہور کا ایک باجگزار علاقہ بن گیا۔
 نوشہرے کی شکست افغانوں کی کمزوری اور ان میں بالوئی اور احساس کہتری پیدا کر دیا، محمد عظیم خاں کو شکست اور اپنے بھائیوں کا بے وفائی کا سخت قلع تھوڑا، وہ اس صدمے سے جانبر نہ ہو سکا اور اسی سال بڑی شکستہ دلی کے ساتھ دنیا سے چلا گیا اس طرح اس خاندان کا رہا سہا وقار جاتا رہا اور اس کا شیرازہ زیادہ بکھر گیا، مہاراجہ نے پشاور کی فتح پر بڑا جشن منایا، مسلسل کئی دن تک لاہور اور امرتسر میں خوشی منائی گئی اور چراغاں کیا گیا، نوشہرے کی جنگ سے اٹک اور پشاور کے درمیان کا سارا علاقہ سکھوں کے اقتدار میں آ گیا۔

۱۸۱۹ء میں مہاراجہ نے جبار خاں سے، جو محمد عظیم خاں کا بھائی اور کشمیر میں کانٹا تھا، کشمیر کا صوبہ بھی حاصل کر لیا تھا، پشاور مردان یوسف زئی کا علاقہ اور چلی اور ہزارہ سب سکھ فوجوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کا پال تھا، ۱۸۲۲ء میں کھلی اور دھمتور کے قبائل نے حکومتِ لاہور کے خلاف بغاوت کی، سردار ہری سنگھ کو جس کی جاگیر میں یہ علاقہ دیا گیا تھا، سرکوبی کے لئے بھیجا گیا، ہری سنگھ نے سارے علاقے میں اپنی فوجی کارروائیوں اور سخت گیری دہشت پھیلا دی، جو گاؤں بے قصور تھے، ان کو بھی تلوار کی ٹوک پر رکھ لیا، کھلی اور دھمتور کو جلا دیا گیا، ہزاروں دی بے خانماں ہو گئے، ہری سنگھ کا افغانوں پر جو عیب و راس علاقے میں اس کے نام کی جو دہشت تھی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ افغان عورتیں اپنے بچوں کو اس کا نام لے کر چپ کرانی تھیں، دریائے اٹک سے لے کر کابل تک سکھوں کا دھاک بٹھھی ہوئی تھی، والی پشاور دربارِ لاہور کا حقیر باجگزار تھا، نوشہرے کی جنگ کے بعد

۱۲۱۱ھ S. M. LATEEF: HISTORY OF THE PUNJAB, P. 431
 ۱۲۱۱ھ N.W.F.P. GAZETTEER (1931) PESHAWAR DISTRICT, V. 6, P. 31

افغانوں کی قوتِ مقابلہ جواب دے چکی تھی، قومی ذلت اور شکست خوردگی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ سردار خادی خاں، اشرف خاں، فتح خاں اور سردارانِ یوسف زئی نے سردار یار محمد خاں اور سردار سلطان محمد خاں و ایان پشاو کو ۱۲۴۲ھ میں جو درخواست بھیجی تھی، اس کے ایک اقتباس سے اس کا صحیح اندازہ ہوگا۔

آنچه دریں اوقاتِ پر از آفات از دست ^{تظلم}
 کفار بد کردار بر مؤمنین این دیار انواع رنج
 و تکالیف و مصائب ز قتل و نہب و شورش
 فتنه و جنگ و بے پردگی ناموس و تنگ و تخریب
 مساجد و معابد گزشتت و می گزرد بر سرچ میکانه
 عاقل و غافل پوشیده نیست چنانچه صیدیان و
 نسوان اہل ایمان فی الحال در بلاد پنجاب
 و قبضہ اہل شرک از تباہ بقید اند کہ بعد از
 مضمون آیت قرآن بعد آہ و فغان بادل
 گریاں گویان و مَا لَكُمْ لَا تَقُولُونَ فِي
 سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ
 وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا
 أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا
 وَاجْعَلْ لَنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا
 مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا (۷۵: ۴)

اس زمانے میں اس ملک کے مسلمانوں پر کفار کے ہاتھوں
 جو مظالم ہو رہے ہیں اور ان پر قتل و غارت گری،
 لڑائی جھگڑے، بے عزتی و بے آبروی خانہ ہائے
 خدا اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی اور تخریب کے
 جو مصائب گزے اور گزر رہے ہیں، وہ کسی عاقل
 یا غافل سے پوشیدہ نہیں، چنانچہ اس وقت پنجاب
 میں مسلمان بچے اور عورتیں اہل شرک و ارتیا کے
 ہتھے میں گرفتار ہیں اور وہ رور و کر سو زبان
 بس اس آیت کا مضمون ہر شخص کو سناتے ہیں کہ
 کیا بات ہے کہ تم اللہ کے راستے میں اور ان کمزور
 مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جنگ نہیں
 کرتے، جو یہ کہتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار
 ہمیں اس سستی سے نکال جس کے رہنے والے
 ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارے لئے کوئی
 حمایتی اور کوئی مددگار پیدا کر۔

اٹھارہواں باب

رائے بریلی سے مارواڑ کی سرحد تک

سفر ہجرت

یہ تھے وہ حالاً، جب سید صاحب نے جہاد کے عزم سے ہندوستان کو خیر باد کہا اور اپنے مخلص رفقا کے ساتھ جن کو آپؐ سا لہا سال سے اس مقصد کے لئے تیار کر رہے تھے، ہندوستان سے ہجرت فرمائی اور ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر پہنچنے کے لئے آپؐ نے ہندوستان، بلوچستان، افغانستان کا نہایت طویل اور بے حد پر مشقت سفر اختیار کیا، آپؐ کی بلند ہمتی، عالی حوصلگی اور جوش جہاد اور مجاہدین کی جفا کشی صبر مضبوط اور شوق جہاد کا اندازہ لگانے کے لئے اتنا کافی ہے کہ ہندوستان، سرحد اور افغانستان کے نقشے پر ایک نظر ڈالی جائے اور راجپوتانے، مارواڑ، سندھ، بلوچستان، افغانستان اور صوبہ سرحد کے ریگستانوں، میدلوں، پہاڑوں، دروں، جنگلوں اور دریاؤں کا تصور کیا جائے، جو ان مجاہدین کو طے کرنے پڑے، حقیقت میں اس مسافتوں کا سر کرنا خود ایک مستقل جہاد تھا، بعض جگہ پانی کی قلت، سامان خوراک کی کمی، راہ کی خستگی، مقامات کی دشواری، گزاری، قزاقوں کا خطرہ بھوک اور پیاس کی شدت، اجنبی قوموں، اجنبی ملک، نئی نئی زبانوں کا سامنا، شبہا اور اندیشے، تحقیقات و تجسس، یہ تمام چیزیں پیش آئیں، مگر ان کے قدم میں لغزش اور ارادے میں نڈبند نہ پیدا ہوا، اس کے ساتھ اگر اس کا تصور کیا جائے کہ اس قافلے میں دہلی اور اودھ کے کیسے کیسے نازک طبع

امیر گھرانوں کے کیسے کیسے ناز پروردہ اشخاص صاحبزادے، شرفا، سادات، علما اور مشائخ تھے تو اس روح اور جوش و بیخودی کا اندازہ ہوتا ہے جو میر کارواں نے ان میں پیدا کر دی تھی اور جس کی پرورش اور ترقی اس کی صحبت میں برابر ہو رہی تھی۔

رائے بریلی سے گواہیات تک

سفر سے پیشتر مکان میں جا کر زوجہ محترمہ سے وہ رقم طلب فرمائیں جو ان کے پاس امانت تھیں معلوم ہوا کہ دس ہزار روپے ہیں آپ نے فرمایا کہ نصف تمہارا حصہ ہے اور نصف ہمارا چونکہ اہل خانہ کو کسی محفوظ مقام پر چھوڑنے کا ارادہ تھا اور اپنے مرکز سے ان کے مصارف کا بھیجنا بہت مشکل اور مشتبہ بات تھی اس لئے یہ انتظام ضروری تھا۔
آپ نے چند بڑی بڑی تھیلیاں سلوا رکھی تھیں ان میں یہ رقم رکھ کر جماعت کے معتبر افراد کو تقسیم کر دیں بعض نے گلے میں حائل کر لیں، بعض نے کمر میں باندھ لیں۔

۷ جمادی الآخرہ ۱۲۴۱ھ (۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء) روزِ دو شنبہ آپ کی ہجرت کا دن تھا جانبِ جنوب سئی ندی کی دوسری طرف آپ کا خیمہ لگا ہوا تھا دو شنبے کا دن بھائیوں، عزیزوں اور دوستوں کو رخصت کرنے میں گزرا، رات کے وقت کشتی میں سوار ہوئے بہت آدمی پہنچانے

۱۷ رائے بریلی سے ٹونک تک کے حالات مولوی جعفر علی کی کتاب "منظورۃ السعداء" سے ماخوذ ہیں اس کے بعد کے حالات (ارواڑ سے پٹاؤن تک) کا ماخذ مولوی سید حمید الدین خواہر زادہ سید رضا کے مفصل خطوط ہیں جو انھوں نے راستے سے ہندوستان کے اعزازاً واجاباً لکھے ہیں۔ ۱۷ زوجہ محترمہ جب پیرکوٹ (سندھ) میں تھیں تو ایک بار معلوم ہوا کہ لشکرِ اسلام میں بڑی تنگی اور خرچ کی کمی ہے آپ نے سید عبدالرحمن کے روکنے کے باوجود دس ہزار روپے شکر کے خرچ کے لئے بھیجا حاجی بہادر شاہ کے ہاتھ کا لایا اور سی خیل کے راستے سے آپ کے پاس پہنچا۔

(منظورۃ السعداء)

کے لئے چلے کچھ کشتی پر تھے، کچھ پانی میں آچے نے کنا لے پر جا کر دو رکعت شکرانہ ادا کیا اور بڑے
 نضر سے وزاری کے ساتھ اللہ سے دعا کی یہ شکرانہ کسی سلطنت کی فتح کا نہ تھا، نہ کسی ایسے مقام
 کے چھوٹنے کا جہاں راحت و آسائش اور عزت و سر بلندی کے ایسا ناپید تھے اور جس سے
 دل کو کوئی لگاؤ نہ تھا، یہ وہ مقام تھا، جہاں آپ کا خاندان دوسو برس سے آباد تھا اور جس کے
 ذمے ذمے سے آپ کو انس تھا، جہاں ذاتی راحت و عزت کے وہ انجاب موجود تھے، جو کسی
 بڑے سے بڑے انسان کو میرا سکتے ہیں لیکن جس کام کو آپ نے مقصد زندگی بنایا تھا، اس کے حصول کا
 وہاں کوئی ذریعہ نہ تھا، اس لئے اس کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنے کا فیصلہ کیا، اور جب اس عزیز و محبوب زمین سے
 جس پر زندگی کی چالیس بہاریں گزاری تھیں، قدم نکالا تو اس پر محبوب حقیقی کی بارگاہ میں اس جوش و سر
 کے ساتھ سجدہ شکر ادا کیا، جس جوش و سرت کے ساتھ کم لوگوں نے وطن کی واپسی اور سلطنت کی
 فتح پر سجدہ شکر ادا کیا ہوگا۔

تمام رات عزیز مردوں اور عورتوں کی آبدرفت تھی تک ہی اس کے دلوں پر آپ کی ہجرت
 اور فراق کا بڑا اثر تھا، ان میں سوائے ان معدودے چند اعزہ کے، جو سفر ہجرت و کارِ جہاد میں شریک تھے،
 پھر کسی عزیز سے اس جدائی کے بعد ملاقات نہیں ہوئی، خود دونوں بیویوں ایک صاحبزادی (سارہ)
 عزیز بھتیجیوں سید اسمعیل و سید یعقوب کے پھر ملنا نہیں ہوا، اس وقت جانے والے اور نصرت کرنے والوں
 کو اس کا ضرور احساس ہوگا کہ اب ملاقات کی صورت اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ منظر و
 منصور وطن واپس لائے اور سارا ہندوستان دارالاسلام بن جائے یا اہل وطن اس مہاجرتی سبیل اللہ
 کے پاس پہنچ جائیں اور یہ دونوں صورتیں ایسی تھیں کہ جو بظاہر آسان معلوم نہیں ہوتی تھیں۔
 کہو معظّم سے واپسی کے بعد ہی سے آپ اس سفر کی ترغیب دے رہے تھے جن لوگوں کو اللہ نے
 وسعت و تقدیر دی تھی، وہ مہاجرین مجاہدین کے سامان میں حصہ لیتے تھے، اس میں شیخ غلام علی

الہ آبادی کا قدم سب آگے تھا، قسم قسم کے ہتھیار خریدے اور کپڑے نقد سے اور بے سارے کپڑے قرآن مجید کے نسخے کتابیں اور برتن اور جانور حاضر کئے، مولوی سید جعفر علی کے والد سید قطب علی کہتے ہیں کہ شیخ صاحب جتئی بارید صاحب کی خدمت میں آئے، کوئی نہ کوئی تلوار یا کٹار یا کوئی اور ہتھیار ضرور لاتے، آٹھ نہایت عمدہ بڑی رائفلیں اور دوسرے ہتھیار پیش کئے، خمیوں کی ایک مسجد بنائی تھی، وہ مع فرشت کے حاضر کی، بلاشبہ جس طرح حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی دولت سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری اور رفاقت کی، اسی طرح شیخ غلام علی الہ آبادی نے اپنی دولت سید صاحب کے قدموں کے نیچے ڈال دی اور جہاد فی سبیل اللہ کے راستے میں دل کھول کر مال لٹایا۔

مولوی محمد جعفر صاحب تھا عیسوی لکھتے ہیں:-

”انھیں دنوں میں شیخ فرزند علی صاحب غازی پور زنبیا سے دو نہایت عمدہ گھوڑے اور

بہت سے وردی کے کپڑے اور چالیس جلد قرآن مجید تحفہ لے کر آئے اور سب عجیب تحفہ جو

شیخ صاحب موصوف لے کر آئے، وہ امجد نام ان کا ایک نوجوان بیٹا تھا جس کو انھوں نے

مثل حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے راہ خدا میں نذر کر کے سید صاحب کے حوالے کر دیا اور عرض

کیا کہ اس کو اپنے ساتھ جہاد میں لے جائیے اور تیغ کفار سے اس کی قربانی کر لیے“

آپ نے اپنے لشکر کو چند جماعتوں میں تقسیم کر دیا تھا، سید عبدالرحمن کہتے ہیں کہ مجھے ارشاد ہوا کہ







تین چار دن کے بعد اللہ بخشش کی جماعت کو چ کرے، پھر تین چار دن کے بعد شیخ بڑھن کی جماعت

پھر تین چار روز کے بعد ہماری جماعت۔

رائے بریلی سے چل کر آپ کی پہلی منزل ڈلمٹو ہوئی، دوسرے روز ۹ جہادی آثارہ کو آپ فتحپور

میں رونق افروز ہوئے، فتحپور میں شیخ غلام علی نے ٹھیکر سفر کا سامان تیار کر لیا، یہ معلوم کر کے کہ نہ دھتک

علامات

-  برطانوی حکومت
-  ریاستیں زیرِ حفاظتِ بھارتیہ
-  سکہ سلطنت
-  آزاد علاقہ
-  راستہ سفرِ ہجرت
-  مقامِ قیامِ دورانِ سفرِ مبارک



حجرتِ عرب

کایہ سفر اس راستے سے ہوگا، جس میں پانی بہت کم ہے اور اس ملک میں پانی بہت دور اور کنوئیں بہت گہرے ہوتے ہیں کہ سو سو ہاتھ کی سی لگتی ہے، انھوں نے ہلکی ہلکی ڈوپچیاں اور لمبی لمبی ڈوریاں تیار کر کے فی کس ایک ایک قافلے میں تقسیم کیں تاکہ ایک کو دوسرے کی ضرورت نہ ہو، اسی طرح او ضروری ضروری سامان تیار کر کے قافلے کی نذر کیا۔

فٹیچور سے بھوا ہوتے ہوئے چلے تارگاھاٹ (ضلع بانڈہ) کے راستے سے دریائے جمنا عبور کر کے ایک وز سرکنڈی (ضلع فٹیچور) میں ٹھہرتے ہوئے شہر بانڈے میں قیام فرمایا، مرزا عبدالقادر وغیرہ اور بہت سے آدمی وہاں داخل بیعت ہوئے، یہیں اللہ بخش خاں کی جماعت قافلے میں شامل ہوئی، تین روز کے بعد بانڈے سے کوچ ہوا اور جلال پور کے راستے جالون پہنچے، پچھلے سے سید عبدالرحمن کا قافلہ آکر مل گیا، یہاں سے چل کر شہر گوالیار پہنچے، دولت رائے سندھیہ حاکم گوالیار کے لشکر میں غلام حیدر خاں وغیرہ بہت سے لوگوں نے بیعت کی۔

مہاراجہ گوالیار کی طرف سے دعوت

گوالیار میں نواب فتح علی خاں کے باغ میں آپچے فروش ہوئے، اس وقت نواب حناہی کی طرف سے دعوت ہوئی، دوسرے روز ہندو راؤ نے حاضر ہو کر عرض کی کہ مہاراجہ دولت راؤ نے سلام عرض کیا ہے اور کہلوا یا ہے کہ میں بیمار ہوں، حاضر ہونے کی طاقت نہیں رکھتا، اگر فرماؤں تو بڑا کرم ہوگا،

۱۷ جلال پور، ہیر پور سے جانب مغرب تقریباً ۱۲-۱۵ میل ہے۔ ۱۷ غلام حیدر خاں حبیب اللہ خاں کے فرزند

تھے، پہلے اپنے والد کے عہد پر (جو سلطنت اور وہ میں رسالدار تھے) اور وہ میں مامور ہے، کچھ عرصہ نواب میر خاں لالی ٹونک

کی سرکار میں رہے، وہاں سے ترک تعلق کر کے ریاست گوالیار میں بمشاہرہ پندرہ سو روپیہ رکن ریاست رہے، وکالت

رزیدنی ایچ متعلق کی گئی (افانہ نواب محمد صابر علی خاں، نواب آف محمد گڑھ کے ازاخدا غلام حیدر خاں)۔

آپ نے فرمایا "بہتر ہے ہم ملاقات کے لئے آئیں گے، مہاراجہ جتنا کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں" دو سڑکوں یا ایک دو روز کے بعد ظہر کے وقت آپ نماز کے بعد دولت راؤ کے محل میں تشریف لے گئے، یکے کان سرکاری استقبال کے لئے باہر آئے اور اپنے ساتھ محل میں لے گئے، ایک بہت بڑا فرش بچھا تھا ہند راؤ نے آپ کے تمام ہمسایوں کو اسی پر بٹھایا اور آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دولت راؤ کے کمرے میں لے گیا، دولت راؤ نے بڑی تعظیم و تکریم کی رانی چلمن کے سچھے مٹھی مٹھی طرفین سے سلام و مزاج پرسی ہوئی اور گفتگو شروع ہوئی۔

مہاراجہ کی فرمائش

مہاراجہ نے عرض کیا "میں نے سنا ہے کہ آپ کی توجہ میں بڑی تاثیر و قوت ہے، امیدار ہوں کہ مجھے بھی اپنے فیض سے سرفراز فرمایا جائے گا" آپ نے فرمایا "آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے؟ باطنی توجہ تو قرب خداوندی حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے اور کفر اس کے منافی ہے، مقوی غذا ندرست آدمی کے لئے باعث تقویت ہے، نہ بیمار کے لئے" مہاراجہ نے کہا "دوسرے بزرگان دین مجھے توجہ دے چکے ہیں، آپ ایمان کی شرط کرتے ہیں، کیا عجیب ہے کہ خالق بزرگ آپ کی توجہ سے مجھے ایمان کی توفیق ارزانی فرمائے" بید صاحب نے فرمایا "چونکہ آپ ایمان کو سب سے قیمتی چیز سمجھتے ہیں اس لئے میں توجہ کرتا ہوں" آپ نے اس کو سامنے بٹھا کر توجہ فرمائی۔

مہاراجہ کے محل میں پہلی اذان

تھوڑی دیر گزری تھی کہ لشکر اسلام کے مؤذن شیخ باقر علی نے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے عصر کی اذان دی محل میں اندر سے باہر تک ایک کھلبلی سی مچ گئی، عورتیں تماشہ دیکھنے کے لئے کوٹھوں پر جمع ہو گئیں، سرکاری اہل کار کام چھوڑ کر تماشے میں لگ گئے، دو فرانسسیسی بھی وہاں مقیم

تھے ان کو تعجب ہوا کہ آج تک کسی سیر فقیر نے یہاں ایسی صدا بلند نہیں کی یہاں تک کہ مہاراج کے پیر صفا کو بھی آج تک یہاں نماز پڑھتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا حالانکہ ان کی آمد رفت یہاں بہت رہتا ہے ہندو راؤ نے فوراً چوہدری کو حکم دیا، ہشتی حاضر ہوئے اور ان کی آن میں مہانوں نے وضو کر کے صفیں درست کیں لوگوں نے جاننا زین جو ان کے ہاتھوں میں تھیں بچھائیں سید صفا آگے بڑھ کر مصلے پر کھڑے ہوئے اور کبیر نے عربی لہجے میں تکبیر کہی، آپ نے تکبیر کہی اور نماز شروع ہوئی تمام حاضرین مجلس کی نگاہیں آپ کے چہرے پر تھیں، آپ نے سفر کی دو کعتیں پڑھیں اور سلام پھیرا۔

مزید قیام کی درخواست

نماز کے بعد ہندو راؤ پھر آپ کو مہاراجہ کے کمرے میں لے گیا اس وقت آپ کے اور مہاراجہ دولت راؤ اور ہندو راؤ کے سوا اور کوئی نہ تھا، البتہ مہارانی چلمن کے پیچھے ٹھہری ہوئی تھی، دولت راؤ نے کہا، آپ کو اور پورے قافلے کو میں ایک سال تک یہاں رکھنا چاہتا ہوں، آپ ہمارے شہر میں قیام فرمائیں، سید صفا نے فرمایا کہ یہ ممکن نہیں، اس نے عرض کیا کہ پھر اس قدر توقف فرمائیں کہ میں قافلے کا سامان اور ہتھیار درست کر دوں، آپ نے اس کو بھی منظور نہیں فرمایا۔

احمد شاہ درانی کا پوتا گوالیار میں

احمد شاہ درانی کا پوتا چھ مہینے سے گوالیار میں مقیم تھا، مہاراجہ سے ملاقات اور رخصت کی نوبت نہیں آئی تھی، اس نے سید صفا سے مل کر مہاراجہ کے یہاں سفارش چاہی تھی، جب آپ مہاراجہ سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے مہاراجہ سے فرمایا، احمد شاہ درانی کے پوتے چھ مہینے سے آپ کے شہر میں آئے ہوئے ہیں، آپ جانتے ہیں کہ ان کے دادا کس شان و شوکت کے تھے کہ جس وقت

ہندستان میں ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو اس ملک کے راجاؤں اور مہاراجاؤں کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور انہوں نے کس طرح وہی کوتاہی والا کر دیا، خدا کی شان ہے کہ ان کا پوتا آج آپ کے دروازے پر ہے، خدا کی شان بے نیازی سے ڈرنا چاہئے، اس کو انقلاب کرنے اور پست کو بلند اور بلند کو پست کرنے دیر نہیں لگتی۔“

مہاراجہ نے اس گفتگو کا پورا اثر لیا اور حکم دیا کہ یہاں سے حیدرآباد تک سفر کے لئے شہزاد کا سامان درست کر دیا جائے اور ہماری قلمرو میں جو جو مقامات ان کے راستے میں پڑتے ہیں وہاں پروانہ جاری کر دیا جائے کہ ان کے لئے ضروری سامان مہیا کیا جائے اور پوری حفاظت و خدمت کے ساتھ حیدرآباد پہنچا دیا جائے۔

آپ مہاراجہ سے رخصت ہو کر محل سے باہر تشریف لائے، فرانسیسی اور تمام اہل دربار کی زبان پر تھا کہ سپر ہو تو ایسا ہو کہ جو مالک حقیقی کے حقوق کے سامنے کسی کی پروانہ کرے اور امیر و فقیر اس کی نظر میں یکساں ہوں۔

مہاراجہ کی نذر

مہاراجہ نے کپڑوں اور خلعتوں کے تین بڑے بڑے گٹھر کہہ گٹھر کو دو دو آدمی اٹھاتے تھے اور دو یا تین بولوں بھرے خرپے نذر کئے، سید عبدالرحمن کہتے ہیں کہ یہ معلوم نہیں کر سکا کہ خرپوں میں کس قدر پیسہ تھا اور گٹھروں میں کس قدر پرائیڈ تھا، اتنا معلوم ہو سکا کہ پیسے اور رومال بہت تھے اور ایک قبائلی جس کے دامن میں پروار بدلتے تھے اور گریبان میں قیمتی جواہرات تھے، یہ سارا سامان آپ کے ہمراہیوں کے ساتھ شہزادے کی پیش کش

آپ محل سے نکل کر شہزادے کے یہاں تشریف لے گئے اور مہاراجہ کی گفتگو اور ملاقا کی

سرگزشت سنائی اور ان کی شایان شان رخصت کا مژدہ سنایا، شہزادے کی ایک لڑکی تھی اس کی خواہش تھی کہ کوئی ایسا داماد ملے جو جاہت ظاہری و باطنی رکھتا ہو، اس نے سید صاحب سے باصرہ خواہش کی کہ آپ اس کو اپنی زوجیت میں قبول فرمائیں، آپ نے منظور نہیں کیا اور ان کو اطمینان دلا یا کہ میرے بھانجے، بھتیجے اور دوسرے عزیز نہیں، ان میں سے کسی کو انتخاب کر کے بعد میں بلوا لوں گا، اس وقت آپ بھیج دیں۔

ہندوؤ کی دعوت اور تواضع

دوسرے روز رات کے وقت ہندوؤ نے دعوت کی، آپ اس کے مکان پر تشریف لے گئے اس نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور فرش پر لایٹھایا، اتنے میں یکے گان کی آمد شروع ہوئی، ہندوؤ ہر ایک کی تعظیم کے لئے اٹھتا تھا، سید صاحب بھی اس کے ساتھ تعظیم میں شریک ہوتے تھے، اس نے عرض کیا کہ آپ تشریف رکھیں آپ کو تکلیف کی ضرورت نہیں البتہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک کی الگ الگ تعظیم کریں، اس لئے کہ یہ ہماری ریاست کا دستور ہے، آپ بیٹھ گئے یہاں تک کہ بہت یکے گان حاضر ہو گئے، ہندوؤ نے آپ کو پندرہ اشخاص اور پندرہ یکے گان کے ساتھ اپنے ساتھ لیا اور مکان میں لے جا کر فرش پر بٹھایا اور ہاتھوں کے ہاتھ خود دھلانے لگا، آپ نے منع فرمایا، اس نے کہا کہ میری سعاد اسی میں ہے کہ میں خود ہاتھ دھلاؤں اور آپ کے حاضرین کے سامنے کھانا چنوں، آپ نے فرمایا کہ ہمیں یہ بچا معلوم نہیں ہوتا، آپ تشریف رکھئے، آپ نے ہندوؤ کے ہمراہ بیٹھ کر کہا کہ ان کے لئے کرسی بچھا دیجئے

اے سید عبدالرحمن کہتے ہیں کہ جب سید صاحب نے مجھے ٹونک سے اپنے گھر والوں کو لاتے تھے بھی تو ایک خط شہزادہ موصوف کو لکھ کر میرے حوالے کیا جس میں شہزادی کی طلبی کا مضمون تھا، گواہیار پہنچنے سے پہلے سخت بارش ہوئی جس میں وہ خط بھیک کر خراب ہو گیا، بغیر آپ کے خط و سند کے شہزادے سے اس کا تذکرہ مناسب نہیں سمجھا اور قصداً ملاقات کے بغیر ٹونک چلا گیا، اور یہی عذر میں نے سید صاحب کو اپنے عریضے میں لکھا۔

ہندو راؤ حکم کی تعمیل میں بیٹھ گیا اور سرکاری اہلکاروں نے سید صاحب کے اور دوسرے حاضرین کے ہاتھ دھلائے، سب سے پہلے جو کھانا حاضر کیا گیا وہ مزہبی کھانا تھا جس میں یہی ہوئی سرخ مرچ بہت تھی ابھی کسی نے چکھا ہی تھا کہ منتظمین اٹھا کر لے گئے ہندو راؤ نے عرض کیا کہ ہمارا اصلی قومی کھانا یہی ہے اس کے بعد ہندوستانی امرا کے کھانے شیرمال، پراٹھے، کئی قسم کے پلاؤ، مٹنن، کئی قسم کے قلیے، فیرنی اور یا قوتی وغیرہ لائے، لوگ تھوڑا تھوڑا کھانے پائے تھے کہ ان کو اٹھا لیا اور دوسرے کھانے کئی قسم کے کباب، پندرے، سب کباب، بھنا ہوا مرغ وغیرہ لائے، اسی طرح کئی دور ہوئے یہاں تک کہ کھانے سے فراغت ہوئی اور ہاتھ دھلائے گئے اور پان کے بیڑے جن پر سونے کے ورق لگے ہوئے تھے لائے گئے اور عطر لگا گیا، اس کے بعد کپڑوں کے خوان آئے، جن میں کٹر سرخ رنگ کے سیلے اور منڈلی تھے، آپ نے دیکھ کر فرمایا "اس کی کیا ضرورت ہے؟ ہندو راؤ نے کہا "یہ پختہ رنگ ہے، سو شوب میں بھی رنگ میں فرق نہ آئے گا، یہ سب برہان پوری ہے، سنا ہے کہ پختہ رنگ شرع شریف میں درست ہے، جوڑوں میں ایک جوڑا کم تھا، سید عبدالرحمن کے لئے فوراً ایک جوڑا منگوایا گیا۔

سید صاحب کے جوڑے میں قیمتی مروارید کا ایک ہار تھا اور ایک زریں چوڑا، ہندو راؤ اپنے ہاتھ سے سید صاحب کو پہنانے لگا، آپ نے عذر فرمایا، اس نے عرض کیا کہ میری نیتا ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے آپ کو پہناؤں، ورنہ میں جانتا ہوں کہ آپ استعمال نہیں فرمائیں گے، اس کو شستن میں تلی کی لڑی ٹوٹ گئی اور مروارید بکھر گئے، حاضرین نے چن کر خوان میں رکھ دیا اور آپ کی فرودگاہ میں بھیج دیا گیا۔

قافلے کی فوجی ترتیب

یہیں گواہیاں آپ نے قافلہ مہاجرین کو فوجی اصول پر پانچ گروہوں پر تقسیم کیا اور ہر گروہ کے ذمے ایک خدمت سپرد کی، ایک جماعت خاص تھی، جو قلب شکر گاہ تھی، اس کے افسر

مولوی محمد یوسف پھلتی مقرر ہوئے یہ جماعت ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتی تھی اور بھی الگ نہیں ہوتی تھی، دوسری جماعت مولانا محمد اسماعیل صفا کے ماتحت تھی اور وہ مقدمہ الجیش تھی، تیسری جماعت سید محمد یعقوب کے ماتحت تھی جس کے ہتم شیخ بڑھن تھے، چوتھی جماعت الشربخش خاں کی تھی جو سابقہ انسکرا ریٹر گارڈ تھی وہ پھکڑوں اور جانوروں کے ساتھ رہتے تھے، لشکر سے پہلے روانہ ہونے تھے اور بھی مزید وقت اور بھی عشا کے وقت منزل گاہ پہنچتے تھے، امجد خاں ٹیس موضع گنتی اور چنڈا شناس تھے، جن کا تعلق کسی جماعت سے نہیں تھا، یہ لشکر گاہ کے مہتمم میں رہتے تھے، بار برداری وغیرہ کا کام ایک روز مولانا محمد اسماعیل صفا کی جماعت کے ذمے اور ایک روز سید محمد یعقوب کی جماعت کے ذمے تھا۔ گوالیار میں دوسرے مقام کے مقابلے میں زیادہ قیام کی نوبت آئی، یہاں تک کہ دو جمعے پڑھے گئے، ہندو سردار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، اور آپ ان کو پسند و نصح فرماتے رہتے تھے۔

گوالیار سے ٹونک تک

گوالیار سے کوچ فرما کے چھوٹے چھوٹے مقامات سے ہوتے ہوئے ایک ہفتے میں آپ کوہلی پہنچے، کسمنڈی ضلع لکھنؤ کے ایک رئیس حاجی جلال الدین نے جو وہاں اس وقت مقیم تھے، ایک روز قیام کرنے کی درخواست کی اور دعوت کی، بکثرت آدمیوں نے بیعت کی۔ کوہلی سے روانہ ہو کر خوشحال گڑھ، میڈاری (ریاست جے پور) اور جھلائی (ریاست جے پور) ہوتے ہوئے چھ روز میں آپ ٹونک پہنچے۔

اے سید محمد یعقوب سید براہیم کے صاحبزادے اور سید صاحب کے حقیقی بھتیجے تھے، وہ خود بعض ضروری کاموں کی تکمیل کے لئے ٹونک میں رہ گئے تھے۔

ایک فقیر کی اصلاح و ہدایت

میڈاری میں ایک فقیر ایک غریب عورت کے دروازے پر چوڑی ٹٹنے میں مصروف تھی، نہایت بے حیا اور مذموم طریقے پر لوگوں سے سوال کر رہا تھا، اس نے ایسی ہیئت بنائی تھی، جو نہایت مکروہ اور خلاف تہذیب تھی، آپ شکر کے ساتھ اس سامنے سے گزرے اور اس نے کچھ پروا نہیں کی، آپ نے کچھ دور جا کر آدمی بھیج کر اس کو طلب فرمایا، اس کا بخت یاورتھا، وہ فوراً حاضر ہو گیا، آپ نے اس کو اس حرکت پر سرزنش فرمائی اور سخت غیرت دلائی، اس نے توبہ و بیعت کی درخواست کی اور بیعت کر کے مجاہدین میں شامل ہو گیا، آپ نے اس کا نام عبدالشکر رکھا، اس کی حالت تبدیل ہو گئی، طاقتور آدمی تھا، تیر و کمان ساتھ رکھتا تھا، محمد سعید خاں کے پہلے میں شامل کر دیا گیا، سید عبدالرحمن کہتے ہیں کہ سرحد کے معرکے میں شہادت پائی۔

ٹونک

ظہر کے وقت آپ ٹونک پہنچے اور قلعے کے میدان میں فروکش ہوئے، امیر الدولہ نواب امیر خاں والی ریاست ٹونک گھوڑے پر سوار ہو کر ملاقات کے لئے آئے، آپ نے عربی گھوڑا نواب حسنا کو تحفہ دیا، نواب حسنا نے تبرکاً قبول کر کے قلعے بھیج دیا اور آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر آپ کو نذر باغ میں لائے، نواب حسنا نے صاحبزادہ وزیر محمد خاں کو جو بعد میں وزیر الدولہ بہادر والی ٹونک ہوئے، بلا بھیجا، عصر و مغرب کی نماز اسی باغ میں پڑھی گئی، اہل قافلہ شہر میں مختلف مقامات پر قیام رہے، ایک مہینے کے قریب ٹونک میں قیام رہا، نواب حسنا کی طرف سے تمام مہاجرین کی دعوت و ضیافت برابر ہوتی رہی، ٹونک میں پیشورہ ہوا کہ گھر والوں کو رائے بریلی سے بلا لیا جائے، ٹونک سے روانگی ہوئی، اور آپ کا

خیمہ دریائے بناس عبور کر کے گلوت میں لگا یا گیا، نواب حسانے پیش قیمت مخالف پیش کئے، ان میں ایک بلند قامت تندرست اور فریب گھوڑا تھا، جو پوری ریاست میں شہور تھا، بلکہ دوسری ریاستوں میں اس کی نظیر نہیں تھی، سید صاحب نے اس کے قبول کرنے سے عذر کیا اور فرمایا کہ اس کا آپ ہی کی سواری میں رہنا اچھا معلوم ہوتا ہے، آپ کی قیام گاہ پر بھی کھانا نواب حسانا کی سرکار سے آتا تھا، اور دوسری پیش کشیں پہنچتی رہتی تھیں۔

نواب صاحب کی بیعت

ایک روز نواب صاحب نے آپ کو ٹونک تشریف لانے کی زحمت دی اور خود صاحبزادہ وزیر محمد خاں اور ان کی بیوی، جو نواب صاحب مدح کی بھانجی تھیں اور بعض دوسرے متعلقین کے ساتھ بیعت کی، سوار اور پیادے جوق جوق آکر بیعت ہوئے اور بہت سے لوگوں نے ان موقعوں سے قائمہ اٹھایا۔

رسالہ دار عبد الحمید خاں

ٹونک کے اثنائے قیام میں عبد الحمید خاں رامپوری، جو ایک زند شرب آزاد مزاج آدمی تھے، بیعت مشرف ہوئے اور وہیں سے ہم کتاب ہو گئے، انھوں نے ایسا اعتماد اور خصوصیت پیدا کی کہ بالآخر پورے لشکر اسلام کی رسالہ داری کے اہم منصب پر فائز ہوئے، اوہ ہبیار کے معرکے میں زخمی ہو کر شہادت پائی، نواب وزیر الدولہ مرحوم ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”رام پور کے ایک پٹھان عبد الحمید خاں جن کی عمر سن و فوج میں گزری تھی اور اپنے

شجاعت و تہذیب بہت سے خون ناحق کئے تھے، ابتداءً نشوونما سے میرے والد

نواب میر خاں مرحوم کے لشکر میں ملازم تھے، سید صاحبہ الشہ علیہ جیب ٹک تشریف لائے اور آپ کا وہاں سے کوچ ہوا تو عبد الحمید خاں کی قسمت بھی جاگی، آپ ٹونک سے چار کوس کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور ہم سب آپ کو رخصت کرنے کے لئے وہاں تک گئے تھے، عبد الحمید خاں اپنے ایک ہم مشرب دوست کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، انھوں نے سید صاحب کو دیکھ کر تسخیر کیا، سید صاحب نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر فرمایا کہ خان جو بیعت کرو! دونوں نے والہانہ انداز سے بیعت کی اور اس وقت سے جو آپ کی رکاب تھامی تھے تو پھر نہیں چھوڑی، کتنا ہی ان کے دوستوں نے ان کو اس رفاقت سے باز رکھنے کی کوشش کی، کچھ اثر نہیں ہوا، ان کی حالت برابر بدلتی چلی گئی یہاں تک کہ ہمایوں کی جنگ میں زخم کھا کر جام شہادت نوش فرمایا۔

ایں جان عاریت کہ بجا فطیر دوست
روزے رخش بدینم تسلیم دے کم آ

روانگی

گلوٹ سے آپ جھلانا تشریف لے گئے، نواب صاحب نے یہاں تک مشالیت کی، داؤد خاں، صالح محمد خاں اور ریاست کے دوسرے عمائد یہاں پہنچ کر بیعت مشرف ہوئے۔ آپ نے مولانا عبدالحی اور مولوی عبدالقدوس کو ٹونک پس کر دیا اور سید عبدالرحمن سید محمد یعقوب اور سید زین العابدین ابن سید احمد علی کو اپنے متعلقین والدہ بی بی سارہ و والدہ سید محمد اسمعیل وغیرہما کو لانے کے لئے وطن روانہ کر دیا، چلتے وقت نواب صاحب مدح کا

لے "وصایا الوزير" ص ۱۱۱

پیش کیا ہوا گھوڑا بھی واپس کر دیا اور فرمایا کہ یہ پروردہ نعمت ہے، سفر کی سختیاں برداشت نہیں کر سکے گا اور ہلاک ہو جائے گا، نواب صقل نے قبول نہیں فرمایا، آخر یہی ہوا، اجیر سے نکل کر کسی منزل پر یہ گھوڑا ہلاک ہو گیا۔

اجیر اور پالی

اجیر میں ہولوی سراج الدین مرحوم اور دوسرے عمائد شہر اور عام مسلمانوں نے بیعت کی اجیر سے چل کر آپ نے پالی مقام کیا جو اجیر سے پچاس کوس ہے اور اس زمانے میں راجپوتوں کا مشہور تجارتی مرکز تھا، یہاں چار روز قیام رہا، ہزاروں مرد اور عورتوں نے بیعت کی، ۱۶ رمضان کو آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور کھٹیا گڑھ منزل کی، جہاں آپ کو ایک روز ٹھہرنا تھا، پالی کے عقیدت مند جن کی اس چار روزہ قیام میں سیری نہیں ہوئی تھی، کھٹیا گڑھ تک ساتھ آئے اور ایک روز کی بیعت کو غنیمت سمجھا، تقریباً سو آدمی روزے کی حالت میں کھٹیا گڑھ تک پہنچے اور آپ کے ہمان ہوئے۔

اگلے روز جب ہاں سے روانگی ہوئی تو سب لوگ تو واپس گئے، سات آدمی اگلی منزل تک ساتھ آئے، ایک ضعیفہ جو پالی میں بیعت سے محروم رہی تھی، اس روز اونٹ پر سوار ہو کر اپنے نواسے کو ساتھ لے کر آئی، بیعت کی اور اس روز تمام لشکر کی ضیافت کے اخراجات جو پچاس روپے کے قریب تھے، اپنے ذمے لے گئے۔

انبیواں بابت

مارواڑ اور سندھ

پالی سے سندھ کی سرحد (ممرکوٹ) تک مارواڑ کے ریگستان کا نہایت دشوار گزار اور بے حد پشقت سفر تھا، جو خود ایک مستقل جہاد اور طویل سلسلہ مجاہدات تھا، یہ حمید الدین نے پالی سے جو دھپور کا فاصلہ بیس کوس اور جو دھپور سے ممرکوٹ کا فاصلہ ایک سو بیس کوس لکھا ہے، گویا دو سو اسی میل اس ریگستانی سفر کے طے کئے، جس کے متعلق یہ حمید الدین کی جنہوں نے رائے بریلی سے پٹا ورنک کا پورا سفر طے کیا ہے، شہادت اور تاثر یہ ہے:-

شاید کسی ملک میں بھی کوئی راستہ ایسا دشوار گزار
 شاید راہ ہسچک جاد رکسے بلا دیاں دشوار
 گزاری و صعب المروری و ویرانی و بے آبی
 صحیلہ مرور و ویران و بے آبی نہیں ہوگا، جتنا مارواڑ کے
 باخضرات غارتگرانِ قزاق و عدم نشانِ رُ
 صحرا کا یہ راستہ پھر اس پر غارتگروں اور قزاقوں کے
 بنودہ باشد۔
 خطرات اور راستے کا بے نشان ہونا مستزاد ہے۔

ان کے مکتوب کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے اس راستے کی دشوار گزاری اور مشقتوں اور خطروں کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے:-

”سلا باس سے روانہ ہوئے تو سارا دن ایک ایسے جنگل میں چلتے کٹ گیا جو سخت خاردار

۱۲۲۰ (قلمی) ۱۲۲۰

اور بالکل غیر آباد تھا، روپا پاس میں منزل ہوئی، وہاں ایک کنواں تھا جس کا قطر تین ہاتھ اوڑھ گہرائی سو ہاتھ تھی پانی نہایت کھاری جو صرف مجبوری دلا چاری سے استعمال کیا گیا، اس پر بھی سیکڑوں آدمی پانی لے جانے کے لئے اپنے اپنے پھکڑے لے ہوئے اور سیکڑوں والے ونٹ اور گائے بکری اس طرح جمع تھے کہ کسی آدمی کا کنویں تک پہنچنا بھی مشکل تھا، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ پانچ پانچ چھ چھ کوس سے لوگ یہاں پانی لے جانے کے لئے آتے ہیں اور پویشی پانی ملانے کے لئے لاتے ہیں۔

موضع زوڑ میں ایک ندی تھی جس کا پانی بالکل کھاری تھا، گھوڑے اور جانور بھی اس کو نہیں پی سکے، ندی کے اندر ہم نے بہت سے کنویں کھودے، دو تین ہاتھ پر پانی نکل آتا کہیں مٹھا کہیں کھاری کھاری چھوڑ دینے اور مٹھے سے کام چلاتے کسی طرح یہاں رات گزاری کہ کنویں جو کھودے جاتے تھے ایک دن میں ریت بھر جاتے اور خشک ہو جاتے، مٹھا پانی بھی چونکتا، وہ دو تین گھڑی کے بعد کھاری ہو جاتا، دو روز تک آبادی کا نشان نظر نہ آیا، راستے میں سوائے وحشتناک اور خاردار جنگلوں کے کچھ نظر نہ آیا۔

چاندڑہ میں زمین میں سخت نشیب و فراز اور ریت کے ایسے ٹیلے تھے کہ ایک کوس چل کر ایسا تکان ہوتا تھا کہ گویا چار کوس چلے ان ٹیلوں کے اوپر خاردار جنگل اور بہت اونچے اونچے درخت تھے، دس دس بیس بیس کوس کے فاصلے پر کوئی کنواں ہوتا کہیں کسی مسافر یا چلنے والے کا نشان قدم نظر نہیں آتا تھا، نہ کہیں اس ریزار میں راستہ نظر آتا تھا، دہر کے بغیر چلنا مشکل تھا، اگر مسافر دہر سے چھوٹ جائے تو بھٹک کر پیاسا مر جائے۔

اس مقام پر پانی اتنا کاڑھا اور کالا تھا کہ کسی طرح پینے پر طبیعت آمادہ نہ ہوتی تھی، لیکن مجبوری سے پی گیا۔

اسی حالت میں سوراہے کی منزل میں عید کا چاند دیکھا، اگلے روز عید تھی پانی سے اس مقام

تک متواتر مسلسل سفر رہا، لوگ بہت خستہ ہو گئے تھے، لوگ جو راستے سے قافلے میں شامل ہوتے گئے تھے، اور ابھی تک ان کو بیعت کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا، انھوں نے نماز صبح کے بعد بیعت کی اور تمام حاضرین و غائبین کے لئے بڑے خشوع و خضوع سے دعا ہوئی یہی محفل بیعت دو گانہ، شکر اور محفل سرودین گئی اور مخلصین کی عید ہو گئی۔

۲۔ شوال کو جب سورابہ سے کوچ ہوا تو ہم نے سنا کہ اس علاقے میں بلوچ آکر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور غارتگری کرتے ہیں، ان کو کھوسا (یعنی قزاق) کہتے ہیں اس لئے لشکر میں پہرے اور چوکیداری کا خاص انتظام کیا گیا، سورابہ سے ہم دو کوس چلے تھے اور نماز فجر میں مشغول تھے کہ بیس سوار اور دو شتر سوار اور چند پیادے دور سے نظر آئے، اس بیابان میں جہاں آدمی کی صورت کو آدمی ترستا ہے، اس گروہ کو دیکھ کر یقین ہوا کہ یہ قزاق ہیں اور جیسا کہ رہبر نے کہا تھا ہم کو یقین ہوا کہ صد ہا سوار جنگل میں چھپے ہوں گے حضرت نے سواروں اور پیادوں کو جنگی ترتیب اور قاعدے سے آراستہ کیا اور سارے دن اسی ترتیب سے سفر طے کرتے رہے، پاڑیو یا رالیو کے مقام پر قیام ہوا، یہاں ایک کنواں جس کے ساتھ ایک حوض بھی تھا، اس کا پانی کھاری تھا، لیکن مجھوی سے استعمال ہوا، اس روز قزاق اس موضع کی چراگاہ سے اکثر مویشی لوٹ لے گئے، لشکر کا چوکی پہرہ اور سخت کر دیا گیا، رات کو ہم سب جنگ کے لئے مستعد تھے لیکن کسی کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

موضع برسانی کے باشندے ہم کو دیکھ کر بڑے خوفزدہ ہوئے، وہ سمجھے کہ قزاق آئے اور لڑنے کے لئے آمادہ ہوئے لیکن بار بردار اونٹوں اور سافروں کے قافلے کو دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی، موضع کے کنارے پر خام کنویں تھے اہل قریہ نے خاردار درخت کاٹ کر ان کنوؤں کو بھر دیا تھا کہ دشمن پانی نہ پی سکے، حضرت نے ان کے سرداروں کو بلا کر ان کی

تسلی تشفی کی اور اپنا حال بیان کیا، ترجمان کے بغیر ان سے گفتگو ممکن نہ تھی، آپ نے ان کے ذریعے ان کو پوری بات سمجھائی اور انھوں نے کنویں صاف کئے، کنوؤں میں پانی بہت کم تھا، بڑی دقت سے رات کاٹی اور صبح روانہ ہوئے۔

برسالی سے چل کر ایک دوسرے مقام پر پہنچے، وہاں کے باشندے بھی ہم کو دیکھ کر مقابلے کے لئے آمادہ ہوئے، حضرت نے موضع سے دور ہی توقف فرمایا، آپ نے ان کو سمجھانے کے لئے شیخ باقر علی کو بھیجا، انھوں نے ایک بندوق سر کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا، آخر وہ اپنے ریت کے ٹیلے سے نیچے اترے، جب بار بار اونٹوں کو دیکھا تو مطمئن ہوئے، حضرت مع شکر کے ان کے مقام پر تشریف لے گئے اور بڑی خاطر داری اور محبت سے ان کو رام کیا، وہاں سے کچھ فاصلے پر دس پندرہ کنویں تھے، جن میں صرف ایک و میں پانی تھا، لیکن وہ بھی دو تین ڈول کھینچنے سے خشک ہو گئے، پانی کی سخت دقت ہوئی، لوگوں نے وہی گدلا اور سیاہ پانی پیا، اونٹ اور گھوڑے پیاسے ہی رہے، کسی نہ کسی طرح رات گزاری۔

اڈیوں میں پانچ چھ خام کنویں تھے، ڈول نکالتے ہی سب خشک ہو گئے، لوگوں کا پیاس سے برا حال تھا، حضرت نے حکم دیا کہ لوگ کنوؤں میں اتر کر کھویں، اسی حال میں شام ہو گئی، لوگ پیاس سے بیقرار تھے، دوسری منزل سے کچھ پانی آیا، جس سے لوگوں نے حلق تر کئے، رات کو کنوؤں سے پانی نکلنا شروع ہوا، جس سے لوگوں نے اپنی پیاس بجھائی، جانوروں کی بھی آدھی پیاس بجھ سکی، رات بسر ہوئی۔

اگلی منزل پر باشندوں کو پھر وہی شبہ ہوا اور اڑنے کے لئے تیار ہوئے، شیخ باقر علی نے جا کر ان کو سمجھایا، لیکن شکر کو دیکھ کر وہ بدحواس ہوئے اور اپنے مویشی لے کر بھاگ گئے،

آخر حضرت خود اس موضع کے نیچے تشریف لے گئے، انھوں نے نیچے اتر کر آپ سے ملاقات کی۔ یہاں معلوم ہوا کہ یہاں سے بارہ کوس تک کہیں راستے میں پانی نہیں چار گھڑی رہتا ہے قافلے کا کوچ ہوا، ساری رات اسی خشک و بے آب بیابان میں چل کر چھ گھڑی دن نکلے کٹھیا کے مقام پر منزل ہوئی، وہاں ایک بچہ کنواں نکھا جس میں وہاں کے رہنے والوں اور ان کے جانوروں کی ضرورت بھر کا پانی تھا، قافلے کے پہنچنے پر وہ کنواں خشک ہو گیا، گرمی کی شدت اور رات بھر چلنے کی وجہ سے آدمی اور جانور سخت پیاسے اور ٹھکے ہوئے تھے، یہاں پانی کے نہ ہونے اور پیاس کی زیادتی سے سخت تکلیف ہوئی، ایسی تکلیف کسی منزل پر نہیں ہوئی تھی، جو ٹھوڑا سا پانی کنویں نکلتا تھا قریب تھا کہ لوگ اس پر اطمینان اور جانوروں کا پیاس سے دم نکل جائے، یہ وقتاً تمام دن دھوپ میں ایسی کنویں پر بیٹھے پانی نکھواتے رہے، آپ نے گھوڑوں اور اونٹوں کو پانی پلوایا اور جو پیاس سے بہت بے قرار اور خستہ حال تھے، ان کو اتنا دیا کہ ان کی زندگی برقرار رہ سکی۔

یہاں سے مارواڑ کا علاقہ ختم ہوا اور سندھی بلوچیوں کی عملداری شروع ہوئی، یہاں سادات و فقرا کی حدیثی تعلیم دیکھی کسی ملک میں کسی طبقے کی ایسی تعلیم نہیں دیکھی، مارواڑ کے پورے علاقے میں کسی جانور کا شکار ممکن نہ تھا، جانور کا مارنا ان کے نزدیک دمی کے قتل کے برابر تھا، یہاں پہنچ کر اہل اسلام کی حکومت کی آثار نظر آئے، ایک شخص نے ایک گائے نذر کی پانی کی قلت کی وجہ سے بڑی مشکل سے اس کا گوشت پک سکا اور قافلے نے کھایا۔

سردار سندھ

جو وہ پور کے علاقے اور مارواڑ کے صحرا کا یہ پریشقت سفر کٹھیا پر ختم ہوا اور امیر ان سندھ

۱۳۵ تا ۱۳۶

کی عملداری شروع ہوئی، عمرکوٹ کا قلعہ یہاں سے تین کوس کے فاصلے پر تھا، آپ نے حاجی عبدالرحیم کو اپنی آمد کی اطلاع کے لئے قلعہ دار کے پاس بھیجا، جو حاکم سندھ کی طرف سے متعین تھا، حکومت جو دھپو اور حکومت سندھ کے درمیان عمرکوٹ کے معاملے میں جھگڑا چلا آ رہا تھا اور انگریزوں کی طرف سے بھی سندھی مسلمان نہیں تھے ان کی طرف سے ہر آنے والے کو خطرے اور شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے، خود قلعہ دار کی ضرورت سے حیدرآباد گیا ہوا تھا، اور اپنے بھتیجے کو قائم مقام بنا گیا تھا، اس نے حاجی صفا کو قلعے میں آنے اور ملاقات کرنے کی اجازت نہ دی اور اندر سے پہلو ادا کیا اگر آپ کا سردار سید ہے اور مسافر توجیر آباد چلا جائے، نہ ہمارے شہر میں آئے، نہ اس کے قریب سے گزریے، ہمارے قلعے سے دو کوس پر پھیر کر آگے چلا جائے، سید صفا نے ایسا ہی کیا اور دوسرے روز وہاں سے کوچ کر کے قلعے کو بائیں جانب ایک کوس کے فاصلے پر چھوڑنے ہوئے قلعے سے ڈھائی کوس کے فاصلے پر موضع کھاوڑہ میں قیام کیا وہاں بھی قلعہ دار کی طرف سے دو آدمی آئے اور انھوں نے پیغام پہنچا کہ کوئی شخص ہتھیار کے ساتھ قلعے کے اندر نہ آئے اور دوسرے روز قیام نہ ہو سید حمید الدین چند ساتھیوں کے ساتھ ہتھیار اور سلاح کے بغیر قلعے کی سیر کو گئے، قلعے کے دروازے پر پہنچے تو گولہ اندازہ اور بندوقچیوں نے شور کیا اور گولہ افگنی اور بندوق چلانے کے لئے آمادہ ہوئے، سید حمید الدین وغیرہ نے ان کا اطمینان کیا اور شہر کی سیر کر کے آگئے۔

سندھ کے مختلف سرحدی مقامات سے ہوتے ہوئے موضع کارو میں پہنچے یہاں سید جوڑن ثنا نامی ایک بزرگ رہتے تھے، سید صفا نے سید حمید الدین اور مولانا سید اولاد حسن قنوجی کو ان کی خدمت میں بھیجا، وہ سید صفا کی ملاقات کو آئے اور ایک بھینسا بھی نذر کیا، سید صفا نے ایک بہت عمدہ پیل ان کو اور ایک سلطی سپران کے صاحبزادے کو تحفے میں دی۔

۱۔ خطوط قلمی میں اسی طرح بیان کیا یہ مقام کھاوڑو ہے۔ ۲۔ والد نواب صدیق حسن خاں مرحوم۔

سید جوڑن شاہ کی زبانی معلوم ہوا کہ یہاں کے لوگوں کو سید صاحبؒ اور ان کے ہمراہیوں پر انگریزوں کے جاسوس ہونے کا شبہ ہے اس لئے وہ ہر جگہ آمادہ جنگ نظر آتے ہیں انھوں نے کہا کہ یہاں سے دس کوس پر میرپور ہے جو آپ کو راستے میں پڑے گا میں چونکہ یہاں کے معتبر سادات میں سے ہوں اس لئے بہتر یہ ہے کہ میں پہلے سے جا کر آپ کا تعارف کرادوں اور تبادلوں کہ آپ سادات کرام میں سے ہیں اپنے ملک سے ہجرت کر کے آئے ہیں اور ملک سندھ کو دارالاسلام سمجھ کر اس کا قصد کیا ہے۔ کارو سے چل کر راستے میں ایک منزل کرتے ہوئے میرپور پہنچے، علی مراد حاکم میرپور کو سید جوڑن شاہ نامی کی زبانی اگرچہ حقیقت حال معلوم ہو گئی تھی، مگر وہ مطمئن نہیں ہوا، اس نے خود آنے اور ملاقات کرنے کے بجائے بطور نذر دس ہانڈیاں بھیج دیں اور حفاظت و رہبری کے لئے دو سوار ساتھ کر دیے کہ اگلی منزل تک پہنچا دیں۔

میرپور سے چل کر آپ ٹنڈوالہ یار پھیرے رات کو وہاں سے امیران سندھ کے بھیجے ہوئے دو آدمی تحقیق احوال کے لئے آئے، انھوں نے پوسے حالات دریافت کر کے حکام کو اطلاع دی وہاں سے پیغام آیا کہ سید صاحبؒ کی خدمت میں عرض کرو کہ شوق سے تشریف لائیں یہ آپ ہی کا گھر ہے۔

حیدرآباد سندھ

جس وقت سید صاحبؒ نے ہجرت کی ہے، حیدرآباد اس وقت ایک خود مختار حکومت کا دارالسلطنت تھا جس پر میر محمد، میر کریم علی اور میر مراد علی حکومت کرتے تھے، یہ سندھ کے مشہور

لے سید حمید الدین کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ میر محمد تخت نشین تھا، اور اس کے دونوں چچا دارالمہام اور مختار سلطنت تھے، وہ لکھتے ہیں "انہوں نے غلام علی فوت نمودہ میر محمد پسر من نشین آن مملکت است و عمو سے

او کریم علی و مراد علی مختار کل بیاہ و پیدہ سندھ ہرچہ خواہند بکنند" مکتوبات: ص ۱۲۴

ٹاپور خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اس خاندان سے پہلے سندھ پر کلہوڑہ خاندان کی حکومت تھی، ۱۷۸۶ء میں میر فتح علی ٹاپور نے اس خاندان کے آخری حکمراں نور محمد کلہوڑہ کو بے دخل کر کے سندھ پر قبضہ کر لیا اور اپنے ساتھ اپنے تین بھائیوں میر غلام علی، میر کریم علی اور میر مراد علی کو بھی شریک سلطنت کر لیا۔ میر فتح علی نے ۱۸۰۱ء یا ۱۸۰۲ء میں اور میر علی نے ۱۸۱۲ء میں انتقال کیا، میر محمد اسی غلام علی کا بیٹا تھا۔ ۱۸۰۹ء میں کمپنی اور حکومت حیدرآباد کے درمیان ایک تجارتی اور فوجی معاہدہ ہو جس کی رو سے دونوں حکومتیں ایک دوسرے کی حلیف بن گئیں اور یہ طے ہو گیا کہ ہر حکومت کا وہیل دوسری حکومت میں رہے گا، سندھ کی یہ حکومت ۱۸۴۳ء تک خود مختار رہی، ۲ فروری ۱۸۴۳ء کو امیران سندھ اور کمپنی کے درمیان میانہ کے مقام پر سخت جنگ ہوئی، جس میں انگریزی افواج نے اپنے جدید اسلحہ فوجی نظام اور عزم و استقلال سے اپنے کثیر التعداد حریف پر فتح پائی، امیران سندھ نے اپنے کو جنگی قیدی کی حیثیت سے حوالے کر دیا، حیدرآباد پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا، ۵ مارچ ۱۸۴۳ء کو (خیرپور کو مستثنیٰ کر کے) جو جنگ سے علیحدہ رہا تھا) سندھ کے پورے علاقے کے احاق کا اعلان ہو گیا اور دریائے سندھ کی دونوں جانب سکھ سے لے کر سندھ تک پورا ملک سندھ انگریزوں کے قبضے میں آ گیا۔

سید حمید الدین نے اپنے مکتوب میں حکومت حیدرآباد کی وسعت اور اس کا رقبہ اس طرح بیان کیا ہے:-

دریائے سندھ کی دونوں جانب جنوباً و شمالاً حیدرآباد	در جانب میں دریائے سندھ جنوباً و شمالاً صد
سے سو سو کو سن تک ان کی مملکت کا طول اور شرقی و غربی	کردہ از حیدرآباد طول مملکت ایشان واقع
عمر کوٹ تک جہاں سے ہم لوگ آئے ہیں ساٹھ کو س	و فصنت کردہ مشرق طرف عمر کوٹ کر ما ایدیم
اور دوسری طرف بندرگاہ کراچی تک جو سندھ کے	و فصنت کردہ تا بندر کراچی کہ بر لب دریائے سندھ واقع

است عرضِ مملکتِ ایشان است۔
 کنارے واقع ہے ساتھ گوساں کا عرض ہے۔
 اس طویل و عریض حکومت سے جو خود مختار اور ان مسلمان حکمرانوں کے ماتحت تھی
 جو ایک ہی خاندان کے افراد تھے اور جن کے حدود حکومت میں لاکھوں کی تعداد میں جنگجو و جنگ آزما
 آباد تھے سیدھنا کی یہ توقع کہ ان کو اس حکومت اور اس مسلمان ملک سے اپنے مقصد میں مدد او
 نئے رفقا و انصار ملیں گے کچھ سچا نہ تھی کہ یہ ملک ایک طرف سکھوں کی بڑھتی ہوئی طاقت،
 دوسری طرف انگریزوں کے بڑھتے ہوئے سیاسی اقتدار سے خود خطرے میں تھا اور ان
 دونوں خطرات سے بچنے کی صرف یہی صورت تھی کہ اس کے حاکموں اور رعیت میں جہاد
 فی سبیل اللہ کا صحیح جذبہ پیدا ہو اور ایک عزم و نظم کے ساتھ آنے والے خطرات کا مقابلہ کر سکیں
 انیسویں صدی کے عام مسلمان حکمرانوں کی طرح اس خاندان کو بھی حقیقی خطرات کا کوئی
 احساس نہ تھا، اور مسلمان بادشاہوں اور رئیسوں کی جو عام روش تھی اس سے یہ خاندان بھی
 الگ نہ تھا، بھائیوں اور بھتیجیوں کی نا اتفاقی نے پہلے ملک کو تقسیم کیا اور میرپور اور خیرپور کی
 علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم ہوئیں، آخر کار سیدھنا کی ہجرت کے پورے سترہ برس بعد یز خیر
 ویر حاصل ملک انگریزی اقتدار و سلطنت میں تحلیل ہو کر رہ گیا۔

جیدر آباد میں داخلہ اور امیران شدہ کی مدارات

ٹنڈوالیہ سے چل کر ٹنڈو جام میں ایک شب بسر کی، صبح وہاں سے کوچ ہوا، چار کوس کے
 فاصلے پر پھلی نندی کے مشرقی کنارے پر قیام ہوا، جیدر آباد اس کے مغربی کنارے پر آباد ہے۔
 سید صاحب نے حاجی رحیم بخش اور ایک لائتی سید کو ٹنڈوالیہ سے اپنی آمد کی اطلاع

۱۲۲۲ (قلمی) ۱۲۲۲

دینے کے لئے بھیج دیا تھا، امیران سندھ نے یہ صبغت الشریعہ کو استقبال کے لئے دربانگ بھیجا، یہ صبغت الشریعہ معظمہ میں بیدھن سے بیعت ہوئے تھے، اور یہاں میر کرم علی کے مقرب خاص تھے، وہ بیدھن کو سرکاری کشتی پر سوار کر کر شہر کے کنارے لائے اور شہر سے دو تیر کے فاصلے پر شکر اسلام کا قیام ہوا، اس وقت کو تو اس شہر نے استقبال کیا اور میر کرم علی و مراد علی صاحبان کی طرف سے شہری پیش کی اور ان کا سلام پہنچایا، دوسرے دن مہانداری کی ضروری اجناس اور بڑی مقدار میں موسم کا میوہ اور پھل (آم اور خرپوزہ) پیش کیا گیا، تیسرے روز جمعے کے دن نماز جمعہ کی تقریب سے میر صاحبان نے بیدھن سے قلعے میں تشریف لانے کی درخواست کی، آپ آٹھ آدمیوں کے ساتھ تشریف لے گئے اور میر کرم علی، مراد علی اور میر محمد سے ملاقات کی، وہ آپ کی ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور آپ کے عزم و ہمت و نیت پر حیرت کی اور اپنی ریاست میں بیدھن کے اہل خیال کے رہنے کی بخوشی اجازت دی، اور آپ سے قیام کرنے کی درخواست کی، لیکن چونکہ دریائے سندھ میں برف کی وجہ سے طغیانی آوڑوں اور راستوں کے بند ہو جانے کا اندیشہ تھا، اس لئے آپ نے ایک ہفتے سے زیادہ ٹھہرنے سے عذر کیا اور رخصت چاہی، تینوں صاحبوں نے ایک ہزار روپیہ، ایک ہندوق اور چھپے کی ایک چوڑی نذر کی، حیدرآباد کے دوسرے رؤسا، امرا اور اعیان نے بیعت کی، میر اسماعیل شاہ نائب وزیر حکام سندھ اور مولوی محمد یوسف ضیا، وکیل گورنر کمپنی اور محمد یوسف خاں امیر کبیر بیعت و خدمت مجاہدین سے مشرف ہوئے، ان کے علاوہ صد ہا اہل شہر نے بیعت توبہ کی اور دینی فوائد و برکات مال مال ہوئے، یہ حمید الدین لکھتے ہیں کہ اگر قیام رہتا تو شاید بیعت سے کوئی محروم نہ رہتا۔

حیدرآباد سے روانگی

یہ صاحب حیدرآباد میں تیرہ روز ٹھہر کر ۵ ذی قعدہ کو روانہ ہو گئے، معلوم ہوتا ہے کہ

۱۲۲۲ تا ۱۲۸۱

حیدرآباد کے حالات اور امیرانِ سندھ کی ملاقاتیں آپ اتنے افسردہ خاطر ہوئے کہ وہاں زیادہ قیام کرنے پر بھی طبیعتِ رضامند نہ ہوئی اور اہل و عیال کو وہاں بلانے اور ٹھہرانے کا ارادہ بھی ملتوی فرما دیا اور ٹونک اطلاع بھجوا دی کہ آئندہ اطلاع تک متعلقین و مہتمم رہیں فنکار پور سے جیسا مناسب سمجھا جائے گا، اطلاع کی جائے گی۔

حیدرآباد سے رانی پوزنگ

سید صاحب زدی قعدہ ۱۲۲۱ھ کو حیدرآباد سے قندھار کے عزم سے روانہ ہوئے آپ نے دو کشتیاں اسی روپے کو کرایے پر لیں ایک بحیرہ امیرانِ سندھ سے مستعار لیا، اسبابِ پیادہ پار فقاو کزور ساتھیوں کو کشتیوں پر سوار کیا، گھوڑوں اور اونٹوں، مضبوط و توانا ساتھیوں و سواروں کے ساتھ خود خشکی کے راستے روانہ ہوئے، سید صبغت اللہ کابلی و منشی محمد یوسف، کپیل کمپنی مشائخ کے لئے ساتھ آئے، حیدرآباد سے روانہ ہو کر رانی پوزنگ آپ نے آٹھ منزلیں کہیں، جن میں سے کاٹھری (ہالہ) کوٹ سید (سید آباد) لاکوٹ، ملاکوٹ، ہنگورجہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

رانی پور میں سید صالح شاہ بغدادی نے، جو اس نواح کے ایک مشہور پیر زادے تھے، سائے لشکر کی ضیافت کی، یہیں سندھ کے مشہور شیخ طریقت اور پشوا پیر سید صبغت اللہ شاہ راشد (بابائی تحریک) سے ملاقا ہوئی، جو اپنے ایک سوار ازمنڈ کے ساتھ آئے ہوئے تھے اور پیر زادہ صفا کے یہاں تھے۔

سید صبغت اللہ راشدی

سید صبغت اللہ پیر سید محمد راشد کے صاحبزادے اور جانشین تھے، جو اپنے دور

۱۲۶۱ھ مکتوب سید حمید الدین ص ۱۲۶

(بارہویں صدی ہجری) کے ممتاز ترین شیخ طریقت اور صفا علم و ارشاد بزرگ تھے، ان کا سلسلہ قادری تھا، جو اچ (ریاست بہاولپور) سے سندھ پہنچا۔

سید محمد راشد کے صاحبزادوں میں دو فرزند خاص طور پر نامور ہوئے اور خاندان کا سلسلہ رشتہ ارشاد ان کی اولاد میں منتقل ہوا، ایک سید صبغت اللہ جن کے سرپرستار شیخت و خلافت باندھی گئی اور اسی وجہ سے سندھیوں کی زبان میں "پیر گھاڑو" کے شہرہ آفاق لقب سے مشہور ہوئے، دوسرے سید محمد حسین جن کے حصے میں علم (جھنڈا) آیا اور وہ پیر جھنڈا کے لقب سے مشہور عالم ہوئے، پیر جھنڈا کا کتب خانہ ہندوستان کے علمی حلقوں میں مشہور ہے۔

سید صبغت اللہ شاہ بڑے قوی النسبت، کثیر الارشاد بزرگ تھے، روشن ضمیر کی ساتھ بیدار مغزی کی دولت بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اور زمانے کے تقاضوں اور آنے والی خطرات کا احساس بھی بخشتا تھا، جو اس زمانے کے عام مشائخ کے یہاں کم نظر آتا ہے، انھوں نے اپنے مریدین و اہل تعلق کی روحانی تربیت و ارشاد پر اکتفا نہیں کی، بلکہ بدلتے ہوئے حالات کے

لے سید محمد راشد اپنے والد سید محمد بقا کے مرید مجاز تھے، وہ سید عبدالقادر جیلانی خاس کے خلیفہ تھے، جو پیر کوٹ سدھانہ (ضلع جھنگ، خیال پنجاب) میں مدفون ہیں، یہ سلسلہ بغداد و حلب سے اچ (ریاست بہاولپور) پہنچا، جہاں اس سلسلے کے مشائخ مدفون ہیں، سید محمد راشد کا ایک خلیفہ حضرت شاہ حسن تھے جن سے سندھ، ریاست بہاولپور اور پنجاب میں سلسلہ قادریہ کی بڑی اشاعت اور عقائد و اعمال کی اصلاح ہوئی، ہمارے دور میں مولانا سید تاج محمود امرولی اور حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری اس سلسلے کے نامور مشائخ اور صاحب ارشاد بزرگ گزرے ہیں۔ لے سید صبغت اللہ کی اولاد میں پیر علی گوہر اول پیر گھاڑو سے پھر پیر حزب اللہ شاہ پیر گھاڑو سے، ان کے بعد پیر علی گوہر ثانی، پھر شاہ مردان ان کے بعد پیر صبغت اللہ شاہ ثانی ہوئے، جن کے زمانے میں حرون بدامنی شروع کی اور اس کی وجہ سے ان کو پھانسی دی گئی، ابلان کے بعد سکند شاہ شاہ مردان ثانی اپنے اسلاف کے جانشین ہیں، لے اس سلسلے میں پیر رشید الدین پیر رشاد اللہ پیر احسان اللہ پیر ضیاء الدین قابل ذکر ہیں۔

میں نظر ان میں جذبہ جہاد اور نظم و اطاعت کا مادہ بھی پیدا کرنے کی کوشش کی اور ان کو ایسے طریقے پر منظم کرنا شروع کیا کہ اہل ذکر و ارادت کے حلقے اور گروہ آسانی کے ساتھ مجاہدین اور سپاہیوں کے جیش میں تبدیل ہو سکیں اور میدان جہاد و قتال میں اپنی روحانی تربیت کے جوہر دکھا سکیں یہی "حزب" تحریک کی ابتدا تھی جس نے مرور زمانہ سے بیسویں صدی تک غلط رخ اختیار کر لیا۔

یہ صبغت اللہ کا حلقہ ارادت نہایت وسیع تھا، لاکھوں سندھی اور بلوچی ان سے وابستہ تھے، سید حمید الدین ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

در تمام ملک سندھ پچواہ شیخ و مرشدے
 اور مرشد پوسے ملک میں پایا نہیں جانا ہر تلوچویا
 مریدانش از قوم بلوچ ہستند کمال جاہ و جلال
 در جوعات خلایق خوش می گزارند و در جوہد کم
 و اخلاص و مروت ہم شہرہ آفاق
 اہل ملک کے بیان کے مطابق ان جیسا شیخ طریقت
 اور مرشد پوسے ملک میں پایا نہیں جانا ہر تلوچویا
 جس ان کے تین لاکھ مریدیں بڑے جاہ و جلال اور
 مقبولیت کے ساتھ اچھی زندگی گزارتے ہیں ان کی نظر
 جمیع عام ہے جوہد و کم اور اخلاص و مروت ہم شہرہ آفاق

یہ صاحب نے حیدرآباد ہی میں ان کا ذکر خیر سن لیا تھا، اور آپ کو ان کی ملاقات کا
 اختیار تھا، اصل سیر کوٹ میں ان کا قیام تھا، اور وہ حیدرآباد اور نیکار پور کے درمیان واقع
 ہے اس لئے امید تھی کہ سیر کوٹ میں ان سے ملاقات ہوگی جس اتفاق سے رانی پور ہی میں ان سے
 ملاقات ہو گئی، وہ بڑی گرم ہوشی اور اخلاص سے ملے ان کو ایک وزیر رانی پور میں قیام کرنا ضروری تھا
 اس لئے اپنے بھائی کو ہمراہ کر دیا، سیر کوٹ رانی پور سے ۴۴ کوس آراستے میں ایک منزل کرتے ہوئے اور
 نالوں ندیوں کو عبور کرتے ہوئے، از یقینہ کو آپ سیر کوٹ پہنچے، سید صبغت اللہ شاہ کے برادر
 واعزہ بڑی تواضع اور محبت سے پیش آئے، دو گھنٹے بعد پیر صاحب بھی تشریف لے آئے، دو جمعے کا دن تھا،

سید رضاؒ نے نماز پڑھائی، پیر صفا کے متعلقین اور اہل قافلہ کی ایک بڑی جمعیت اور مجمع نے نماز پڑھی۔ تین روز تک تمام قافلہ پیر صفت الشہ شاہ کا مہمان رہا، تین روز کے بعد سید صفا کے حکم سے تمام قافلے کو جنس تقسیم ہونی شروع ہوئی اور اپنا انتظام کیا گیا۔

پیر صاحب بڑے علمی مذاق کے آدمی تھے، ان کے پاس ایک بڑا وسیع اور زاد کتب خانہ تھا، سید حمید الدین کا بیان ہے کہ ایسا کتب خانہ سلاطین امر کے یہاں بھی نہ ہوگا، اس کتب خانے میں ۱۵ ہزار شہور و معتبر کتابیں تھیں، سو نو صرف فارسی کے دیوان تھے، جو نہایت عمدہ ایرانی خط میں لکھے ہوئے مطلقاً تھے، ۶۵ تفسیر کی کتابیں تھیں، شہنارہ فردوسی وغیرہ کے نہایت بیش قیمت اور زاد نسخے تھے، حدیث و تصوف کی بھی بعض نایاب کتابیں تھیں، پیر صفا کی طرف سے اذن عام تھا کہ جس کتاب کو چاہے مطالعے کے لئے بے تکلف ساتھ لے لیا جائے۔

سید رضاؒ، اردی قعدہ کو پیر کوٹ پہنچے تھے، وہاں کشتیوں کے انتظار میں جو حیدرآباد سے روانہ ہوئی تھیں، کئی روز قیام رہا، پیر کوٹ پہنچنے کے نوے روز وہ کشتیاں پہنچیں، آپ نے پیر صفت الشہ کا بلی کوہ ۱۵ روپے زاد راہ اور ایک سفید دو تالارے کراٹھیں کشتیوں پر حیدرآباد واپس کر دیا، اپنے ہمراہیوں میں سے محمدی نام ایک شخص کو خط دے کر ٹونگ روانہ کیا۔

۲۶ رذی قعدہ کو پیر صفت الشہ شاہ کی توجہ اور کوشش سے کشتیوں کا انتظام ہوا اور قافلہ بہ دفعات روانہ ہوتا شروع ہوا سب کے آخر میں ۳ رذی قعدہ کو سید رضاؒ نے دریائے سندھ کو عبور کیا، گویا آپ پیر کوٹ میں ۱۳ روز مقیم رہے۔

پیر کوٹ کا دو ہفتے کا قیام پیر صفت الشہ شاہ سے ایک مستقل ربط و تعلق کا ذریعہ بنا، اہل و عیال کے ٹونگ سے وہیں منتقل ہونے کی رائے قرار پائی، دوبارہ (سید صفا کی شہادت کے بعد)

ٹونگ منتقل ہونے تک آپ کے اہل خانہ سپرکوٹ ہی میں مقیم رہے، یہ صیغۃ الشہداء نے ان مہاجرین کی نصرت کے علاوہ اصل مقصد جہاد میں شرکت و رفاقت کا عزم بھی کیا، وہ اپنے حلقہ ارادت میں جہاد کی تبلیغ کرنے کے علاوہ ایک مرتبہ خود سید حسنا کے پاس پہنچ جانے اور آپ کی رفاقت کرنے پر آمادہ ہوئے، لیکن سید حسنا نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ خود اپنی جمعیت و انصار کے ساتھ سکھوں کے حدود حکومت کے متصل کسی موزوں مقام پر جہاد کا آغاز کر دیں اور اس کا رخیر میں زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو شریک کریں و ان اطراف و دیار میں جہاد کا آوازہ و غلغلہ بلند کریں شاید آپ کا مقصد یہ تھا کہ اس سے سکھوں کی حکومت و طرف سے مقابلہ و مدافعت میں کچھ جائے اور اس کی پریشانیوں اور دقتوں میں اضافہ ہو۔ آپ نے ان کے نام جہاد کا اعلام عام اور دعوت نامہ بھی بھیجا کہ اس کی تقلید اطراف و اکناف میں بھیج دی جائیں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگرچہ آپ سے زیادہ اس کا کوئی اہل اور سخی نہیں کہ وہ نیابتاً میری طرف سے بیعت جہاد لے، لیکن چونکہ اس کا اندیشہ ہے کہ آپ کے اعزہ اور اہل برادری شاید رفاقت و حسد کی وجہ سے اسلام سنوں سے محروم رہیں اس لئے مصلحتاً دوسرے شخص کو برائے نام نائب بنا کر بھیجا جا رہا ہے، ورنہ یہ منصب نیابت آپ ہی کو زیب دیتا ہے۔

سپرکوٹ سے شکار پوز تک

راستے میں نہروں میں پانی کی کثرت کی وجہ سے بار بار اونٹوں کا گز زیادہ شواہد تھا، اس کو دوزخ کشتیاں کر ایسے پرگی گئیں اور بھاری سامان ان پر بار کیا گیا سید حسنا خود اونٹوں و سواروں کے ساتھ روانہ ہوئے انہائے راہ میں دوندیاں پڑیں جن کو بغیر سیرے ہوئے عبور کرنا غیر ممکن معلوم ہوتا تھا سید حسنا

۱۔ ملاحظہ ہو مکتوب بنام سید شاہ صیغۃ الشہداء مندرجہ سولج احمدی ص ۲۹۹-۳۰۰ (مطبع فاروقی)

۲۔ مکتوب بنام سید صیغۃ الشہداء، حوالہ سابق۔

نے ایسا انتظام فرمایا کہ بغیر کشتی کے تمام اسباب سامان گھوٹے اور وہ تمام لوگ جو سیرنا نہیں جانتے تھے، پارا تر گئے، وہاں سے آٹھ کوس پر جا کر موضع راگھامیں قیام ہوا، جہاں ذی الحجہ ۱۲۲۱ھ کی پہلی تاریخ ہوئی۔ وہاں سے چل کر گہری گہری ندیوں کو بڑی دقت سے عبور کر کے حبیب کوٹ پہنچے جو شاہ غلام محی الدین کا مسکن تھا، جو ان اطراف میں "سرنہدی پیرزادہ" کے لقب سے مشہور تھے، ان کو حیدرآباد سے یہ صفا کو اپنے مسکن پر لے جانے اور قافلے کی ضیافت کرنے کی آرزو تھی، ایک شب ان کی بہانداری میں بسر کر کے اگلے روز صبح وہاں سے کوچ کر کے ایک گھڑی دن کو شکار پور کے دروازے پر پہنچ گئے۔

شکار پور

شکار پور اس وقت بھی سندھ کا بہت بڑا شہر اور اہم ترین تجارتی مرکز تھا، اس کا محل وقوع بھی ایسا ہے کہ وہ ہندوستان کی بہت بڑی تجارتی منڈی اور گزرگاہ بن گیا، یہ حمید الدین لکھنے میں اس شہر میں ہر ملک و رہبرمت کے لوگ ملتے ہیں اور ہر ملک کے قریب ہونے کی وجہ سے یہاں کے لوگ متنوع زبانیں سمجھتے اور بولتے ہیں، افغانی (پشتو)، فارسی، اردو اور سندھی بے تکلف بولی جاتی ہیں۔

شاہ شجاع کے لشکر کا شبہ

شکار پور تین سال سے شاہ شجاع الملک کی حکومت نکل کر حکام حیدرآباد کی حکومت میں آ گیا تھا، شاہ شجاع مسافرت و بے سرو سامانی کے ساتھ انگریزوں کی پناہ میں لے دیا، یہیں مقیم تھا۔ یہ صفا جب ہندوستان سے اتنی بڑی جمعیت کے ساتھ پہنچے تو اہل شکار پور نے سمجھا کہ

لہ ان کے والد سرنہدی سے نقل سکونت کر کے پشاور آ گئے تھے، سکھوں کی غارتگری کے بعد شاہ غلام محی الدین اس مقام پر نقل ہو گئے جو شکار پور کے نواح میں حکام حیدرآباد نے ان کو ایک مغول جاگیر دے دی، لہ مکتوباً ۱۵۹-۱۶۰ھ ایضاً ۱۱۷۰ھ

شاید خود شاہ شجاع خفیہ طور پر اس شکر کے ساتھ آرہا ہے، چنانچہ شہر کے دروازے بند ہو گئے اور قافلے کو باہر ٹھہرنا پڑا، شہر کا حاکم آغا کاظم میرا سمعیل شاہ کا بیٹا تھا، جو میر کریم علی و مراد علی کے معتمد و نائب تھے اور یہ صفا کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، یہ دیکھتے ہی میرا حسین اور سید اولاد حسن فتوحی کو آغا کاظم کے پاس بھیجا اور کہلوا یا کہ ہم کو شاہ شجاع سے کوئی واسطہ نہیں بعض ضروریات کی بنا پر ہم دونوں کے لئے یہاں آئے ہیں اور آگے چلے جائیں گے، ہمارے لئے شہر کے دروازے کھول دیے جائیں تاکہ ہم کو غلے اور گھوڑوں کے دانے وغیرہ کی تکلیف نہ ہو، اگر اعتبار نہ ہو تو دو آدمیوں کو متعین کر دیا جائے، جن کی معرفت ہم شہر سے ضروری سامان منگوا لیں، آغا کاظم نے جواب دیا کہ ہم کو آپ سے دشمنی نہیں، رعایا کو البتہ خطرہ ہے، اس لئے ہم شہر کے اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتے، البتہ ایک غیر مسلح آدمی شہر میں اجناس کی خریداری کے لئے آسکتے ہیں، جب اہل شہر کو اطمینان ہو جائے گا ہم اجازت دے دیں گے۔

رجوع عام

دروازہ کھلنے پر جوق در جوق علماء، فضلا، صلحا اور ہر طرح کے لوگ غیر ملکی لوگوں کو دیکھنے اور سیدھا کی ملاقات کو آئے، جب حقیقت ظاہر ہو گئی کہ اس جگہ کو شاہ شجاع یا کسی بادشاہ سے کوئی تعلق نہیں تو فکار پور کے ہندو مہاجن اور سلمان شرقا بکثرت دینی و دنیوی اغراض کے لئے دعا کرنے آنا شروع ہوئے اور قافلے کے لوگ بھی بغیر ہتھیار بلاروک ٹوک آنے جانے لگے، خود آغا کاظم حاکم شہر ملاقات کے لئے آیا اور اپنے پاس ضروری سامان آپ کے پاس بھیجا، دونوں وقت دس آدمیوں کا پر تکلف کھانا اپنی سرکار سے بھیجا، اہل شہر میں سے ہر طبقے کے ہزار ہا آدمی معززین و شرفا ہدایت و تلقین کے لئے حاضر ہوتے، کوئی کسی دنیاوی غرض کے لئے، کوئی دینی مقصد کے لئے دعا کی درخواست کرتا، آپ کے پیچھے لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا کہ آپ کے قافلے کے لوگوں کو بات کرنے کی مہلت نہ ملتی۔

ارذی الحجہ کو عید کے دن تمام روسائے شہر اور عام مسلمان عید گاہ میں جمع ہوئے آپ بھی اپنے دو تین ہوسا تھیوں کے ساتھ تشریف لائے امامت کے لئے ہر شخص کی نگاہ آپ پر پڑتی تھی آغا کاظم نے آپ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی خطبہ خطیب شہر نے پڑھا اور پندرہ ہزار مسلمانوں نے آپ کے پیچھے عید کی نماز پڑھی نماز کے بعد آغا کاظم اور آپ کی ملاقات اور مسلمانوں کے جوش عقیدت اور ازدحام کا منظر قابل دید تھا آپ نے تیرہ دنے اور کبرے ذبح کر کے قافلے میں ان کا گوشت تقسیم کیا، علما و مشائخ و رؤسا و عزین میں سے ہزاروں آدمی عید کی مبارک باد دینے کے لئے آئے ظہر کے وقت آغا کاظم بھی ملنے کے لئے آیا۔

حاکم اور اہل شہر کی عقیدت

آغا محمد کاظم شاہ حاکم شکار پور نے سیدنا اور جماعت کی خدمت گزاری اور خاطر داری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اپنے ظاہری و باطنی حسن عقیدت اور حسن خدمت سیدنا کی کمال خوشنودی حال کی اس نے سیدنا سے مجاہدین کی معیت کے ارادے کا بھی اظہار کیا، لیکن سیدنا نے اس وقت ہمراہ لینا مناسب نہ سمجھا اور نچتہ وعدہ لے لیا کہ جس وقت آپ طلب کریں گے اس وقت وہ ضرور حاضر ہوں گے حضرت نے شکار پور سے رخصت کے وقت ایک سرخ گھوڑا، جو مرزا امیر بیگ نے آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا، اپنی طرف سے بطور تبرک حاکم شکار پور کو دیا، اور حاکم شکار پور نے ایک اعلیٰ تہایت ثنائتہ اور خوش رفتار سانڈنی، جو امر کی پسند کے لائق ہے، بطور نذر پیش کی، گاڑھے کے دو سو تھانوں سے، جو پیر کوٹ سے خریدے گئے تھے، شکاریوں کے انگرکھے اور پاجامے بنا کر تقسیم کر دیے گئے اور شکار پور سے دو سو جو تیاں خرید کر کے ضرورت مندوں کو تقسیم کر دی گئیں۔

میسواں باب

شکار پور سے شمال تک

روانگی

شکار پور سے شمال کا فاصلہ ایک سو بیس ^{۱۲۰} کوس تھا، یہ راستہ نہایت دشوار گزار کوہستانی اور غیر آباد تھا، اس مسافت کو طے کرنے کے لئے بڑے انتظامات کی ضرورت تھی قافلے کے ساتھ ۱۱۵ اونٹ تھے ان میں سے نصف تھک کر بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں رہے تھے، واپسی پر چونکہ غارتگروں کا خطرہ تھا اس لئے قدرے ہلکے جانے کے لئے گریہ پر اونٹ نہیں ملتے تھے، بڑی سعی و تلاش سے بارہ اونٹ مل سکے، اس تعداد پر بھی چونکہ سارا سامان نہیں جاسکتا تھا، اس لئے بہت سی فاضل چیزیں ہیں لوگوں کو دے دی گئیں اور پینل تانبے کے اکثر برتن اور بعض دوسری چیزیں فروخت کر دی گئیں۔

شکار پور سے شمال تک کا سفر خالص رنگستانی اور کوہستانی علاقے میں تھا موسم بھی سخت گرم تھا اور اس ملک میں گرمی بھی بہت سخت ہوتی ہے اور لوٹنے سے غضب کی چلتی ہے، خصوصیت کے ساتھ شکار پور سے شہر ڈھاڈ تک دیگر مقامات کے مقابلے میں تو اور زیادہ چلتی ہے اور موسم گرما کی شدت کے زمانے میں لوگوں کی آمد و رفت بالکل بند ہو جاتی ہے اس رستے میں پانی بہت نایاب ہے، کہیں دس دس کوس اور بیس بیس کوس تک دستیاب نہیں ہوتا۔

ان تمام وجوہ سے واقف کاروں اور خیر خواہوں نے بہت ڈرایا اور صلاح دی کہ

برسات کا موسم شروع ہو جانے کے بعد سفر کیا جائے، یہ بدھتک نے خیال کیا کہ اگر برسات کا انتظار کیا جاتا ہے تو اس وقت افغانستان کے حد میں داخل ہوتے ہوتے کابل اور قندھار اور غزنی میں برف باری کا موسم شروع ہو جائے گا اور پھر زیادہ توقف کرنا پڑے گا، اس لئے الشریف پھر و سہ کر کے مردانہ وار قدم اٹھانا چاہئے، چنانچہ شکار پور پہنچنے کے نویں روز ۱۲ رزی الحجہ ۱۲۷۱ھ (۲۰ جولائی ۱۸۲۶ء) کو منوکل علی الشرف کا آغاز کر دیا گیا۔

خدا کی قدرت ”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“ کے وعدے کا پورا ظہور ہوا اور انگی سے ایک دن پہلے معمول کے خلاف اتنی بارش ہوئی کہ گرمی کی آدھی تیزی جاتی رہی۔ شہر سے روانگی کے وقت وہاں کے اکثر معززین اہل شہر قاضی اور بعض شکاری تین چار کوس تک خصت کرنے کے لئے آپ کی سواری کے ساتھ آئے اور ہزاروں آدمی اور وہاں کے رؤسا بیعت ہونے کے لئے آئے اور یہ وعدہ لے کر گئے کہ جب کفار سے جنگ ہوگی تو ان کو طلب کر لیا جائے گا۔

جاگن

شکار پور سے چل کر جاگن میں پہلی منزل ہوئی، راستے میں پھر اتنی بارش ہوئی کہ جہاں سر آتا تھا، وہاں سیلاب جاری تھا، دیکھنے والوں نے صاف محسوس کیا کہ مہاجرین الی الشراورج بھارت فی سبیل اللہ کے اس گروہ اور اس کے امیر پر عنایت کی خاص نظر ہے۔

جاگن میں چار روز سید النور شاہ کے انتظار میں آپ ٹھہرے رہے، اسی عرصے میں دوبارہ اس قدر زور کی بارش ہوئی کہ جہاں خاک اڑتی تھی، وہاں کچھ ہو گئی، اگرچہ لوگوں کا کچھ سامان بھیگ گیا، لیکن انھوں نے ہر قطرے کو جان نازہ شمار کیا، جاگن کے باشندے قسم کھا کر کہتے تھے کہ

۱۰ مکتوبات ص ۱۰۱ ۱۱ ایضاً ص ۱۰۱ ۱۲ ایضاً ص ۱۰۱

آپ کے آنے سے پہلے جب بارش نہیں ہوئی تھی دن نکلنے کے ایک گھنٹہ بعد سے لے کر غروب آفتاب تک ہم مطلقاً گھر سے نہیں نکل سکتے تھے اور جو نکلتا وہ اکثر لو سے ہلاک ہو جاتا، یہ بارش اس سرزمین میں تین سال کے بعد ہوئی ہے۔

سید اور شاہ

سید اور شاہ پنجاب کے ساداتِ عظام اور اپنے ملک کے شرفاء کے کرام میں سے تھے، شہر امرتسر ان کا وطن تھا، اس نواح کے اکثر مسلمان اس خاندان کے مرید اور معتقد تھے، رحمتِ سنگھ خود پہلے ان کے ساتھ کمال اعزاز و عظیم کے ساتھ پیش آتا تھا، موضوع کے بزرگ اس ملک کے نامور دینی پیشوا اور مقتدا تھے، دو تین سال پہلے امرتسر میں سید اور شاہ کی زنجب سے سکھوں کے اعلیٰ خاندان کا ایک فرد مسلمان ہو گیا تھا اس کے خاندان والوں نے اس بنا پر بلوہ کر دیا اور سید اور شاہ کی ناک پر ضرب لگا کر چہرے کے حسن کو بگاڑ دیا، ہر چند اس مظلوم نے شہر کانگرہ کے استادوں کے علاج کرایا، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا اور اس کا نشان باقی رہ گیا، سید اور شاہ نے اپنی دینی حیثیت سے مغلوب ہو کر چاہا تھا کہ مخلص مسلمانوں کی ایک جماعت تیار کر کے اس گروہ کے خلافت بھاڑ دیا جائے، لیکن حاکموں نے اپنے حسن تدبیر اور حکومت کے زور سے سید موضوع کو دو سال سے نظر بند کر رکھا تھا، سید صاحب کو اس واقعے کی اطلاع آنے جانے والوں کی زبانی وطن ہی میں ہو گئی تھی آپ چونکہ ان تمام افراد کی تلاش میں رہتے تھے جن کے سینے میں حیثیتِ اسلامی اور جذبہٴ جہاد موجزن ہو اس لئے آپ نے ان کو اپنے پاس بلانے اور ساتھ لینے کا خاص اہتمام فرمایا، وطن سے روانگی کے وقت حاجی یوسف کشمیری کو جو آپ کے قدیمی رفیق اور مخلص معتقدوں میں تھے، فتحپور بہوہ سے سید موضوع کی رہائی اور ان کو اپنے پاس پہنچانے کے لئے امرتسر روانہ

کیا تھا، اس مدت میں حاجی صاحبید موصوف کے پاس پہنچ گئے اور اپنے حسن تدبیر سے سید مدوح کو پندرہ خادموں اور فریقوں تین سواری کے گھوڑوں اور بار برداری کے اونٹوں، خیموں اور اسباب ضروری کے ساتھ لے کر ملتان کے راستے سے شہر بہاول پور میں ہو نواب حیم خاں کی حکومت میں تھا، پہنچا دیا، اور وہ سید صاحب کی آمد کے انتظار میں گوش بر آواز ہو کر بیٹھ گئے، جب شکر مند پہنچا اور وہاں سے سید دین محمد قندھاری کو دعوتِ بہاد کا خط پہنچانے کے لئے حاکم بہاولپور کے پاس بھیجا گیا تو ان کی ملاقات سید موصوف سے ہوئی اور سید موصوف نے ان کی ہمراہی میں مقام جاگن میں سید صاحب کی ملاقات کا ثروت حاصل کیا، سید حمید الدین لکھتے ہیں "اس موقع پر اہل ایمان کا اجتماع اور دینی جوش و خروش کا نظارہ دیکھنے کے قابل تھا، تحریر میں اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔"

جاگن سے پھرتنگ

۸ ارڈی اچھ کو جاگن سے کوچ ہوا، بارش کی زیادتی کی وجہ سے برشوری اور کھن بیلے کا بیدھار اتہ چھوڑ کر خان گڑھ کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔
یہ محراب خاں کی حکومت کا علاقہ تھا، جو نصیر خاں کا پوتا تھا، سید حمید الدین لکھتے ہیں "اس زمین کا اکثر حصہ محض کوہستان ہے، شکار پور اور شہر تھال کے درمیان آبادی کم ہے، احکام کی غفلت کی وجہ سے ڈاکوؤں اور لٹیروں کا اس قدر زور رہتا ہے کہ بغیر سو دو سو پابھیوں کی حفاظت کے قافلے کا گزرنا مشکل ہے، پانی کی بھی اس راستے میں بڑی کمی ہے، تمام خاردار جنگل ہے، اس جنگل میں جا بجا دیہانوں میں بلوچی رہتے ہیں جو بڑے بے رحم، بد دین اور کثیف ہیں۔"

جاگن سے چل کر ۸ کوں پرخان گڑھ میں پڑاؤ پڑا، سید حمید الدین لکھتے ہیں وہاں خشک زمین ڈیرہ ڈالنے کے لئے بہت کم تھی وہاں کا زمیندار حاضر ہوا اور اجناس خوردنی اور گھوڑوں کا چارہ دانہ بطور ضیافت لایا اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی، بارش کی وجہ سے چونکہ سید ہمارا راستہ چھوڑ کر چلنا پڑ رہا تھا، اس لئے وہاں کے زمیندار نے کمال حسن عقیدت کے ساتھ اپنے حقیقی بھائی کو راستہ بتانے کے لئے ساتھ کر دیا۔

منزل منزل ٹھیرنے شہر شاہ پور پہنچے، جو بقول سید حمید الدین ہندوستان کے قصبوں کی طرح آباد تھا، سید محسن شاہ جو بلوچوں کے سپر و مشد تھے، کمال عقیدت کے ساتھ حاضر ہوئے اور اکثر شرفا نے بیعت ارادت کی، خان گڑھ سے روانہ ہونے کے بعد تین روز سفر کرنے کے بعد یہیں آدمیوں کی شکل نظر آئی، اس دشت بے نشان میں سمنڈ کی طرح صرف تاروں سے راستہ معلوم ہوتا ہے، اگر ہر غلطی کر جائے تو سارا قافلہ پانی کے نہ ملنے کی وجہ سے ہلاک ہو جائے، بارش کے علاوہ کسی اور موسم میں یہاں پانی نظر نہیں آتا، مسافر اپنے ساتھ پانی لے جاتے ہیں۔

خان گڑھ کے زمیندار کا بھائی شاہ پور سے رخصت ہوا اور وہاں سے محسن شاہ اپنے دو بیٹوں کے ساتھ کمال عقیدت مندی ہمراہ ہوئے، شاہ پور ایک روز ٹھیر کر قافلے نے کوچ کیا اور ۸ کوں پر قصبہ چھتر میں پہنچے، وہاں کا حاکم شکر کے حالات دریافت کرنے کے لئے چند بلوچی سواروں کے ساتھ آیا اور حقیقت حال کے دریافت کرنے کے بعد ایسے مقام پر آپ کی تشریف آوری کو نعمت غیر متزقہ سمجھ کر فوراً مرید ہوا، سید حمید الدین لکھتے ہیں اس حاکم کا نام ملا محمد ہے اور محراب خاں کی طرف سے اس نواح میں مقرر ہے، روانگی کے وقت اپنی حکومت کی سرحد تک

لے خان گڑھ جواب باقی نہیں ہے، اس مقام پر جنرل جان جیکب نے فوجی چوکی قائم کی جس نے بعد میں قصبہ اور شہر کی حیثیت اختیار کر لی اور جیکب آباد کے نام سے مشہور ہے۔

پہنچانے آیا، اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کو محراب خاں کے مزاج میں درخور حال ہے،
 سید صاحب نے محراب خاں کے نام دعوتِ جہاد کا ایک خط بھیجا، اس میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ اگر آپ ہمارے
 متعلقین کو اپنی حکومت کی سرحد میں رہنے کی اجازت دے دیں اور ان کے ساتھ ممکن رعایا
 بنیں تو ہم غریب لوگوں کو اپنا کام فایز الہامی کے ساتھ کر سکیں اور ملا محمد سے یہ فرمایا کہ اس خط کا
 جواب ہم کو کسی معتبر قاصد کے ذریعے سے جہاں بھی ہوں پہنچا دیا جائے۔

چھتر سے بھاگ تک

چھتر سے روانہ ہو کر ندیاں عبور کرتے ہوئے قصبہ شہور پہنچے، اس قصبے کے نیچے پونڈری
 بہتی ہے، کالی اور کچھڑ کی وجہ سے اس کا عبور کرنا بہت دشوار تھا، اس سے پہلے یہ زحمت
 پیش آچکی تھی اور بار برداری کے اونٹ پھسل پھسل کر گئے تھے، اس لئے سید صاحب نے
 بنفس نفیس اور دوسرے ہمراہیوں نے جنگل کی لکڑیاں کاٹ کر کالی پر بچھا دیں اور اس طرح
 سوار اور پیادے اس کے اوپر سے گزر گئے، وہ رات اس میدان میں بے پانی دانے کے گزاری۔
 ۲۶ ذی الحجہ کو شہر بھاگ میں پڑاؤ ہوا، سید حمید الدین لکھتے ہیں کہ یہ شہر شرفا علما
 اور قہرسم کے لوگوں کا مرکز ہے اور اس نواح میں اس سے بڑا دوسرا شہر نہیں دوسرے
 روز شہر کے قاضی اور حاکم اور شہر کے تمام شرفا و علما کمال حسن عقیدت کے ساتھ حاضر
 ہوئے اور ان میں سے اکثر نے بیعتِ ارادت کی، حاکم اور قاضی شہر نے ایک ایک روز
 سید صاحب کی چالیس چالیس آدمیوں کے ساتھ دعوت کی، دو روز وہاں قیام رہا۔

بھاگ سے ڈھاڈر تک

تیسرے روز ۲۹ رذی الحجہ کو بھاگ سے کوچ ہوا، اس نواح کا ایک ٹریں جس کا مکان یہاں سے دو کوس شہر حاجی کی طرف تھا، ایک دن پہلے سے ضیافت کا انتظام کر کے برسرِ راہ بڑی نیاز مندی اور عقیدت مندی کے ساتھ کھڑا انتظار کر رہا تھا، سید رضا کی سواری پہنچی تو اس نے وہاں کچھ توقف کرنے کی درخواست کی اور نہایت تکلف اور افراتفر کے ساتھ کھانا تیار کرایا اور بڑی خوش اخلاقی اور عالیٰ سمیٹی کے ساتھ ضیافت کی۔

شہر حاجی سے روانہ ہوئے تو اڑیسویں محرم الحرام ۱۲۲۲ھ کا چاند دیکھا، یکم محرم کو وہاں سے چل کر اسی روز ڈھاڈر پہنچ گئے، شہر ڈھاڈر کے شرفاء و علما بڑی نیاز مندی و عقیدت کے ساتھ حاضر ہوئے اور ان میں سے اکثر نے بیعت کی اور بعض دوسرے فوائد اور برکات سے مستفید ہوئے، شہر کے حاکم بھی ملاقات کے لئے آئے، دونوں دن شہر کے لوگ سید رضا کو چھاپاس ساتھ آدمیوں کے ساتھ اپنے گھر لے جاتے اور بڑے اخلاق و دلجوئی کے ساتھ ضیافت کرتے۔

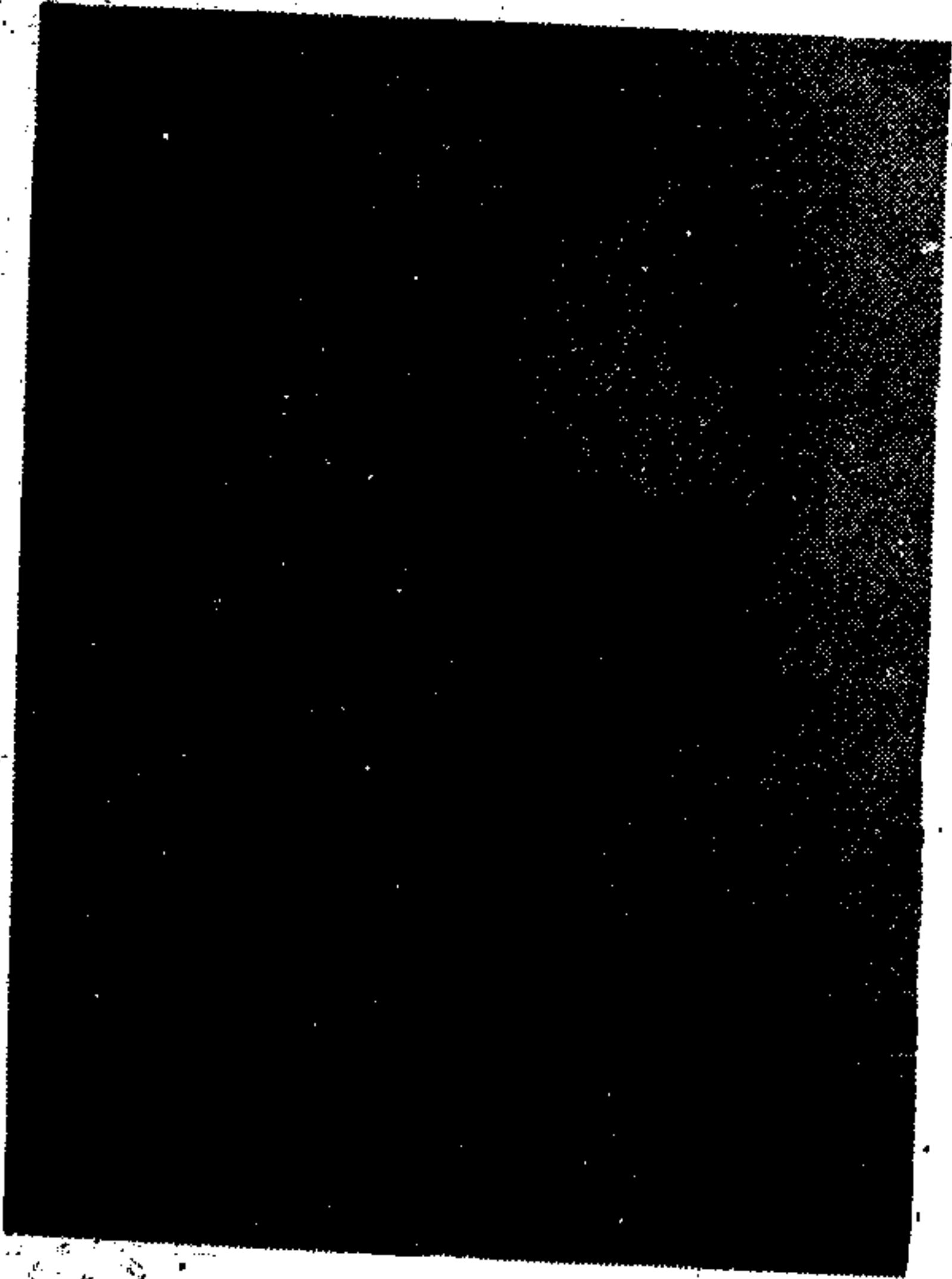
درۂ بولان

جنوب مشرق سے افغانستان جانے والے قافلوں کے لئے ممکن العمل راستہ صرف یہ تھا کہ وہ ڈھاڈر سے درۂ بولان میں داخل ہوں اور اس کو عبور کر کے شمال (کوئٹے) کے راستے سے افغانستان کے حدود میں داخل ہوں۔

لے ڈھاڈر درۂ بولان کے جنوبی دہانے کا مشہور مقام ہے، ڈھاڈر سے درۂ بولان داخل ہونے والے اور اس کو عبور کر کے شمال (کوئٹے) پہنچنے والے ارپل بن جاتے کے بعد ڈھاڈر کی جگہ سیبی تے لے لے۔

درہ بولان ایک قدرتی راستہ ہے، جو قدرت الہی نے اولوالعزم فاتحین اور ضرورت مند
 مسافروں کے لئے اس طویل سلسلہ کوہ کے اندر پیدا کر دیا ہے، جو ہندوستان کو افغانستان سے جدا کرتا ہے،
 گویا اس سڑکنڈی کے اندر ایک طویل قدرتی تنگناں ہے جس میں احتیاط کے ساتھ قافلے اور پیش گزر سکتے ہیں۔
 ۱۸۳۹ء میں یعنی سید صاحب کی ہجرت کے پورے ۱۳ برس بعد انگریزوں نے سر ولوبی کاٹن
 (SIR WILLOUGBY COTTON) کی سرکردگی میں شاہ شجاع کو تخت افغانستان پر بٹھانے
 کے لئے ایک فوجی مہم روانہ کی تھی، یہ مہم ٹھیک اسی ڈھاڈرا اور بولان کے راستے سے افغانستان گئی، اس مہم
 میں جو انگریز شریک تھے، انھوں نے درہ بولان کی عظمت و اہمیت اور اس کی جغرافیائی کیفیت مفصل بیان
 کی ہے، وہ کہتے ہیں:-

”یہ ایک گہری گھاٹی ہے جو کوہ براہنگ (BRAHUICK) کو کاٹتی ہوئی پچیس میل تک
 مسلسل چلی گئی ہے، اس پہاڑ کا ایک بازو قریب قریب زاویہ قائم بنا ہوا کوہ ہندو کش سے
 نکلا ہے اور شمال سے جنوب کی جانب میں درجہ عرض البلد میں پھیلا ہوا ہے مختلف مقامات پر
 اس کے مختلف نام ہیں، دتے سے ہو کر اسی کا ہم نام ایک دریا گزرتا ہے جس کو صرف اس کے
 دھالے کی لائی ہوئی چٹانوں اور سڈول پتھروں کے ذریعے ہی پار کیا جاسکتا ہے، دونوں
 طرف کے پہاڑ جو اپنے بلند ترین مقامات پر سطح سمندر سے پانچ ہزار سات سو (۵۷۰۰) فٹ
 اونچے ہیں، برابر جڑتے اور شقیں ہوتے رہتے ہیں، بعض جگہ ان میں کافی چوٹے تنگناں پائے جاتے
 ہیں مگر عموماً ان کی چوڑان چار اور پانچ سو گز کے درمیان ہے، ان کے باعث یہ پہاڑ پٹا
 چڑھائیوں والے بھڑے بھولے رنگ کے پتھر پلے پلے کے انباروں کے سلسلے نظر آتے ہیں،
 جو بقول اوٹرم (OUTRAM) اتنے ہی کریہ المنظر ہیں، جتنے کہ عقیم کہیں کہیں دریاہیم
 چٹانوں کے درمیان سے گزرا ہے، وہاں اس کی گود ساٹھ سے اسی فٹ تک چوڑی ہو گئی ہے“



دوره اول

چنانچہ برسات میں جب وہ بھر جاتی ہے تو جو فوج اس میں پھنس جائے اس کی ہلاکت ناگزیر ہے اور ان تنگ راستوں میں اسی ایک خطرے سے نہیں دوچار ہونا پڑتا، پہاڑی باشندے لوٹ مار کی تاک میں دونوں طرف غاروں میں چھپے رہتے ہیں اور موقع پا کر نیچے گھاٹی سے گزرنے والے بے بسوں پر اچانک ٹوٹ پڑتے ہیں اور آسانی ان کا کام تمام کر دیتے ہیں۔

سید حمید الدین کا بیان بھی اس سے مختلف نہیں، وہ لکھتے ہیں "شہر ڈھاڈر سے شہر شمال ساٹھ کوس کا فاصلہ غیر آباد کوہستان اور سخت دشوار گزار درہ ہے راستے میں دائیں بائیں بعض جگہ آدھا بیگہ اور بعض مقامات پر صرف چالیس قدم کی گنجائش ہے، سوائے ایک مقام کے جس کا نام کیرتا ہے جس میں دو سو گھر کی آبادی ہے کوئی دوسری آبادی نہیں، پہاڑ کے اوپر دونوں طرف اگر تڑا آدمی سامان جنگ کے ساتھ راستہ روک کر بیٹھ جائیں تو ایک لاکھ سوار و پیادہ کا لشکر زیادہ سے زیادہ سامان جنگ کے ساتھ گزر نہیں سکتا، اس راستے سے جو جنگی لشکر گزرتا ہے، مخرابیاں جو ان صدد کا حکم ہے ایک لاکھ روپیہ ٹیکس کے طور پر وصول کرتا ہے، ورنہ تھوڑے آدمیوں کے ساتھ راستہ روک دیتا ہے، پہاڑوں کے دائیں بائیں دو دو کوس کے فاصلے پر پہاڑیوں کے مکانات ہیں جن کا بکری پالنے اور خلیق خدا کو لوٹنے کے سوا کوئی دوسرا پیشہ نہیں، اس راستے کے مسافروں کا دستو ہے کہ وہ شہر ڈھاڈر اور شہر شمال میں دو دو مہینے قافلے کا انتظار کرتے ہیں اور تین چار سو آدمی اکٹھے ہو کر گزرتے ہیں، جب حضرت یہاں تشریف لائے تو سوانٹ اور اسی قدر آدمی جو پہلے کسی بڑے قافلے کے منتظر تھے، آپ کے قافلے میں شامل ہو گئے۔"

درہ بولان میں

سید حمید الدین لکھتے ہیں "ڈھاڈر سے شمال تک کوئی آبادی نہیں ہے اور پانی کے سوا کوئی

۱۵ A COMPREHENSIVE HISTORY OF INDIA, V. III, PP. 351-352

ترجمہ ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی، پی ایچ ڈی ۱۸۲-۱۸۳ء مکتوبات

چیز کھانے کو نہیں مل سکتی اس لئے چار دن کا کھانا اپنے ساتھ رکھ لیا گیا، ۴۷ محرم کو عصر کی نماز کے بعد روانہ ہو کر اس دے کے اندر آئے تمام رات چلے صبح کے قریب بارہ کوس کے فاصلے پر ایک پرانی بول کے نیچے شکر کا پڑا ہوا دن بھر آرام کرنے کے بعد نماز عصر پڑھ کر پھر روانہ ہوئے اور اسی طرح صبح کی نماز کے وقت موضع کیرت میں قیام ہوا، یہاں پہاڑوں کا فاصلہ نصف میل کے قریب تھا اور کچھ زمین بھی قابل کاشت تھی اس لئے وہاں آبادی تھی دن بھر وہاں قیام اور آرام کرنے کے بعد شام کو روانگی ہوئی، بارہ کوس پر شام کے وقت بی بی نانی مقام پر پہنچے شام کو حسب معمول وہاں سے روانگی ہوئی صبح کو مقام سرآب جس کو سر جوڑی کہتے ہیں پہنچے یہ مقام عجیب ہے قافلے کی فرودگاہ کے قریب پہاڑ کی جڑ میں پتھر میں دس بارہ جگہ سوراخ ہیں جن میں صفا و شفاف فوالے کی طرح شیریں پانی کے چشمے رواں ہیں جو ندیوں کی شکل میں دور دور تک بہتے چلے گئے ہیں اسی لئے اس مقام کو سرآب کہتے ہیں یہاں دونوں جانب پہاڑ کی اونچی اونچی دیواریں کھڑی ہیں درمیان میں بڑے بڑے گول گول پتھر اس قدر بڑے ہیں کہ ہمیں پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں ان پر آدمیوں اور اونٹوں کے پاؤں پھسلتے ہیں اکثر گھوڑوں کے نعل ان پر چلنے کی وجہ سے ٹوٹ کر گر گئے، اس وجہ سے اکثر سوار پیدل ہو گئے اور گھوڑوں کو اپنے ساتھ لے لیا۔

ظہر کے وقت مقام سرآب سے روانہ ہوئے تھے وہاں سے کچھ کوس تکے دونوں جانب پہاڑ اس قدر قریب اور بلند ہیں کہ قلعہ کی دیوار کی طرح معلوم ہوتے ہیں چالیس پچاس قدم سے زیادہ درمیانی فاصلہ نہیں اسی تنگ گلی میں سے آدمی گزر سکتا ہے سوائے پرندے کے کہ پرواز کر کے

لے یہاں ایک ستیہ کی قبر بتلائی جاتی ہے بلوچ یہاں عام طور پر نان تقسیم کرتے ہیں اس لئے اس مقام کا نام بی بی نانی مشہور ہو گیا (سید احمد شہید) لے مہر صاحب کی تحقیق ہے کہ اس سے مراد وہ مقام نہیں جو اسی نام سے اب بھی مشہور ہے اور کوئٹہ ریلوے لائن کا ایک اسٹیشن ہے بلکہ اس سے مراد کچھ قدیم ہے جو موجودہ کچھ سے دو میل شمال ہے اور بی بی نانی سے تقریباً سولہ میل بلوچی میں کچھ کے معنی کھجوریں اس لئے اس کو سر جوڑی کہتے ہیں۔ (لاحظہ ہو سید احمد شہید ص ۳۱)

اور پہنچ جائے کسی آدمی کے عبور کرنے کا کوئی سوال نہیں یہاں پہنچ کر بدن کے رونگٹے کھڑے
 ہو جاتے ہیں کہ اگر پہاڑ سے کوئی بڑا پتھر یا چٹان پھسل جائے تو جان کی خیر نہیں اس جگہ ہر قدم پر
 قزاقوں کا خطرہ تھا، حضرت نے اس موقع پر یہ انتظام کیا کہ اونٹوں اور بندوچھیوں کو سب آگے
 رکھا اور کمزوروں کو پیچ میں دھو سواروں کے ساتھ خبر گیری کے لئے سب سے پیچھے رہے اللہ تعالیٰ نے تمام خطرات
 سے محفوظ رکھا اور ایک گھڑی رات کو اس دڑے کے دروازے سے لوگ نکلے اور کھلی ہو ا میں اطمینان کا
 سانس لیا اور چار پانچ روز کے بعد میدان کی صورت اور دنیا کی وسعت دکھی اور جان میں جان آئی
 ایسا معلوم ہوا کہ سرنگ کے سوراخ سے نکلے ہیں دروازے کے متصل ہی بعض درختوں پر سا آدمیوں کی
 لاشیں دکھیں جو قزاقوں کے ہاتھوں زخمی ہو کر مر گئے تھے، دس بارہ روز کی لاشیں معلوم ہوتی تھیں۔
 اگرچہ بارش کی وجہ سے ٹوبند ہو گئی تھی لیکن بمقتضائے موسم شکار لوہے سے ڈھاڈرنک
 دھوپ میں وہی حدت تھی اور پہاڑوں کے پتھر تو بے کی طرح دکتے تھے اس مجبور رات کو چلنے
 تھے، اور دن کو خیموں کے سائے میں سوتے اور کھاتے پیتے تھے، رات کو بھی پسینہ بہتا تھا، ابی نانی کے
 مقام پر آفتاب کی وہ حدت اور پسینے کی وہ شدت نہیں رہی، ہر آگے مقام سے رات کو اوڑھنے کا
 ضرورت ہوئی، دڑے کے اندر ایک چادر سے زیادہ کی ضرورت نہ تھی لیکن جیسے ہی لوگ دڑے کی تنگت
 سے نکلے اور اس دشت بے دولت میں پہنچے، جو ایک ہموار اور سطح میدان ہے، اور عرض و طول میں
 بارہ کوس ہے، جس کی زمین قابل زراعت ہے، لیکن پانی کا نام نہیں تو معاً ایسا معلوم ہوا کہ برف کے
 دریا میں سر سے پاؤں تک ڈوب گئے، بدن میں کچی شروع ہو گئی اور دانت بچنے لگے، جس کو جو کپڑا ملا
 اس نے اپنے اوپر ڈال لیا، سواروں نے زمین پوش اپنے اوپر ڈال لیا، ایسا بھی ہوا کہ دس دس بارہ بارہ
 آدمیوں نے اکٹھا اپنے اوپر اونٹوں کا تلبیتہ یا پال یا خیمہ ڈال لیا اور سو گئے، اس سردی کے عالم میں
 لے یہ درہ بولان کے شمالی دروازے سے عین متصل ہے، پچھ قدیم سے تقریباً سترہ میل ہوگا (سید احمد شہید)

کسی کو کھانے پینے کا ہوش نہ تھا، گھوٹے اور اونٹ بھی سردی کا نپ رہتے تھے، مجبوراً اس میدان میں ٹھہرنا پڑا اور سردی حفاظت کا سامان کرنا پڑا، تمام خراسان میں یہاں کی سردی اور برف بار مشہور ہے، پانی اس پورے میدان میں تاپید ہے، اسی لئے اس مقام کو دشتِ بے دولت کہتے ہیں۔ جب سے ہم شہر ڈھا ڈر سے روانہ ہوئے تھے، اس پورے راتے میں سوائے موضع کیرتا کے کہیں ہم نے اپنے ہمراہیوں کے علاوہ کسی آدمی کی صورت نہیں دیکھی، بہر حال رات کسی طرح گئی، صبح سب سے تیمم کر کے نماز پڑھی، چار گھنٹہ کی دن چڑھے تک ہاتھ سردی کی وجہ سے کام نہیں کرتے تھے، آخر وہاں سے کوچ ہوا اور ہم شہر شمال کی طرف روانہ ہوئے۔

یہاں سے مملکت خراسان کی سرحد شروع ہوتی ہے، ہر طرف امن و امان ہے، ہر جانب دیہات اور آبادیاں ہیں، باغات اور کھیتیاں اور پانی کے چشمے ہر طرف جاری ہیں۔

شال

سید حمید الدین لکھتے ہیں: "آخر خیر و خوبی کے ساتھ ہم ظہر کے وقت شہر شمال میں داخل ہوئے یہاں کے لوگوں کی زبان افغانی ہے، دوسریں کی بات سمجھ نہیں سکتے، وہ کمال خلوص و اعتقاد کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہاں کا حاکم جو محراب خاں کی طرف سے مقرر ہے، ایک عظیم الشان سردار ہے، اور روس اور امریکہ کے طبقے میں ایسا دیندار آدمی کم دیکھنے میں آیا ہے،

۱۸۸۱-۱۸۸۲ء اس کا اصل نام شال کوٹ تھا، نخبیقا اس کو شمال بھی کہتے

تھے، جو اس وادی کا نام ہے، جس میں قبیلہ شال آباد ہے، انگریزوں نے اس کو کوٹ کر دیا۔

۱۸۸۳ء محراب خاں جو اس وقت بلوچستان کا حاکم تھا، محمود خاں کا بیٹا اور نصیر خاں اول کا پوتا تھا، نصیر خاں نے بلوچستان کو ایک مستقل حکومت کی حیثیت دی، اس نے ۱۸۹۲ء میں وفات پائی۔

وہ بھی حضرت کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا اور لشکر کی ضرورتوں کی تکمیل بروقت خبر گیری اور
دجوبی کا انتہائی خیال رکھا اور حضرت کی خوشنودی سے مالا مال ہوا، وہاں سے دو کوس پر ایک
دیہات میں سادات کا ایک گھر تھا، تیسرے روز اس گھر کے لوگوں نے کھانے اور پیوے سے
بڑی ضیافت کی اور حضرت کو سو آدمیوں کے ساتھ اپنے گھر لے گئے، اور بڑی خوشی سے کھانا کھلایا
اسی روز شمال کے حاکم نے حضرت کے ہاتھ پر امداد اور جہاد کی بیعت کی اور حضرت کو بہت سے
مجاہدین کے ساتھ اپنے گھر لے جا کر مہانداری کا حق ادا کیا اور اس سفر میں اپنی بیعت کی درخواست
کی حضرت نے اس کے حق میں دعائیں کیں اور فرمایا کہ جب ہم بلائیں تو تم آجانا۔

اس زمانے میں محراب خاں حاکم حرد (بلوچستان) اور حاکم قندھار کے درمیان تعلقاً
اس حد تک خراب ہو گئے تھے کہ طرفین دارا حکومت سے نکل نکل کر اپنی اپنی سرحدوں پر پھیرے ہوئے جنگ کا تیار
کر رہے تھے، قندھار کی فوج عبداللہ خاں درانی کی سرکردگی میں مع گیارہ ضرب توپ کے اپنی حکومت کی سرحد
میں مقام مے زئی پر جو شہر شمال سے تیس کوس پر ہے، پھیری ہوئی تھی اور محراب خاں حاکم قلات کی فوج ملا
فتح محمد آخون وزیر کی ماتحتی میں قصبہ مستنگ میں جو شمال سے سولہ میل قلات کی طرف ہے، پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا،
اور دونوں طرف جنگ کی تیاری ہو رہی تھی، حضرت کا حکم ہوا کہ سید انور شاہ میرا دیوں کی جماعت کے ساتھ
جو مولوی سید اولاد حسن فوجی حاجی بہادر شاہ رامپوری اور مولوی نظام الدین معروف بختی اور اس
کا نائب معروف (سید عبدالدین) اور دوسرے اشخاص پر مشتمل ہو، لشکر سے جدا ہو کر قصبہ مستنگ جو بہت سے
دیندار مسلمانوں کا مسکن اور محراب خاں کے لشکر کی چھاؤنی ہے، جائیں وہاں کے مسلمانوں کو جہاد کی تبلیغ
کریں اور ملا فتح محمد وزیر سے مل کر اس خط کا جواب لیں جو راستے سے حاکم قلات کو بھیجا گیا تھا اور تین رو
میں اپنا کام کر کے اپنے لشکر کاہ میں پہنچائیں، یہ سچا روانہ ہوئی اور قصبہ مستنگ میں پہنچ کر وہاں کے
اہل ایمان کو جہاد کی تبلیغ و دعوت کی اور وزیر مذکور سے ملاقات کی وزیر مدح اپنے زہد و ورع میں

نادرہ روزگار اور خوش اخلاقی اور مروت میں ضرب المثل ہے، نادر شاہ کے ملازمین میں ایک سو بیس سال کی عمر ہے لیکن قوی نہایت اچھے ہیں، شہ سواری اور فوج کشی کا خاص مذاق ہے، آغاز جوانی سے حاکمین قلات کا وزیر چلا آ رہا ہے، چار بادشاہ بادشاہت کر کے باری باری ملک بقا کو سدھارے اور یہ ابھی منصب وزارت پر فرزانہ نیک نام و کار گزار ہے، عمر و اقبال اور دنیا و تقویٰ کا ایسا اجتماع کم دیکھنے میں آیا، وزیر موصوف نے ہم لوگوں کے آنے کی خبر سن کر پہلے ہی سے ایک مکان فرش فروش اور ضروری سامان سمیت ہمارے لئے آراستہ کر رکھا تھا، جب ہم شہر کے دروازے پر پہنچے تو وزیر موصوف کی طرف سے ایک سوار نے استقبال کیا، ان کا سلام پہنچایا اور ہم کو ہماری اقامت گاہ میں پہنچا دیا، اس کے بعد ملا نور محمد جو محراب خاں کے مخصوص امر اور مقربین میں سے تھے، وزیر صفا کی طرف سے ملاقا اور دریافت احوال کے لئے آئے، بہر حال دجولی اور خاطر داری کا جواریا باہر خلاق اور رؤسائے مسلمین کے تباہانِ شان ہے، کوئی دقیقہ فروگذا نہیں کیا، موسمی پھل اور میوے، گھوڑوں کے لئے چارہ دانہ اور رات کو ہمارے لئے پڑکھتے رنگارنگ کے کھلنے پھینکنے صبح کو وزیر صفا کی ملاقات کے لئے آئے، وہ خیمے کے اندر سے لبِ فرش تک گھرے ہانوں سے بنگلیہ موئے اور نہایت اخلاق کے کلمات جن میں ریاست کے غور کا ثابہ بھی نہ تھا فرماتے رہے، او خط کے جواب کی تاخیر کا عذر بیان کیا کہ حاکم قندھار کے ساتھ جنگ کی تیاری تاخیر کا سبب بنی، فریقین کی مصالحت کے لئے حضرت سے دعا کی درخواست کرنے کو فرمایا اور حضرت کو اس مضمون کا ایک خط لکھ کر حوالے کیا کہ آج میں اپنے آقا کو اس خط کے جواب کی یاد دہانی کی ہے، جو کچھ جواب آئے گا انشاء اللہ دو تین روز میں آپ تک ہمارے خاص آدمی کے ہاتھ پہنچ جائے گا، دوسرے روز دو سوار ہماری حفاظت اور راہنمائی کے لئے اور اسبابِ میوہ جات کا ایک ونٹ ہمارے ہمراہ کیا اور رات کو ہم لوگ روانہ ہو کر دوسرے روز ظہر کو شہر شمال میں حضرت کے پاس پہنچ گئے، خط کے جواب میں چار روز وہاں قیام رہا۔

۱۸۹-۱۹۲

اکیسواں باب

شال (کوٹے) سے پشاور تک

شال سے روانگی

سید حمید الدین اپنے خط میں لکھتے ہیں ۱۵ محرم کو صبح کے وقت شہر شال سے لشکر کا کوچ ہوا، حاکم شال جس کی ارادت مندی کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، پاس ساٹھ سو اربان خاص کے ساتھ حضرت جت کی سواری کے ساتھ بڑے جنگی ساز و سامان سے شال سے نکلے، تین کوس تک آیا، سو اربان میں دوڑتے تھے اور بندوقیں سہرتے تھے اور فٹون سپہ گری اور اپنے کمالات دکھاتے تھے، اس موقع پر ہندی و ہندی سواروں اور پیادوں کا انبوه اور سواری کا تزک و اختتام عجب شان رکھتا تھا، حاکم شال نے رخصت چاہی اور سواروں نے ایک جگہ کھڑے ہو کر دعا کی، حاکم مذکورہ ہر خوش اور بیگانے کے سامنے حضرت کی شفقت و محبت زار و قطار روتا تھا، حضرت نے اس کے اور اس کے رفقا کے حق میں تمام دینی اور دنیوی مطالب کے لئے دعائیں کہیں اور قندھاریوں اور بلوچوں کی صلح کے لئے بڑی گریہ زاری کے ساتھ دعا فرمائی، جس کی قبولیت کا ذکر آگے آئے گا۔

شال سے روانگی کے وقت محراب خاں حاکم قلات کا خط فتح مجدد وزیر کا بھیجا ہوا حضرت کے خط کے جواب میں آیا، جس کا مضمون تھا کہ آپ جس ہم پر جا رہے ہیں، تشریف لے جائیں، جن چیز کے متعلق آپ نے لکھا ہے، اس کا مناسب جواب جنگ کے تصفیے کے بعد دیا جائے گا، اس کا اندازہ ہوا کہ

اس کو مجاہدین کے اہل و عیال کے لئے جگہ دینے میں تامل ہے۔

محراب خاں کی حکومت سے نکل کر ہم لوگ حکومت قندھار کے علاقے میں داخل ہوئے اور
مقام حیدرزی میں منزل ہوئی، اس نواح میں سادات کی آبادی ہے جو اس تمام علاقے میں نہایت
صحیح النسب اور معزز سمجھے جاتے ہیں اور حسن اخلاق بہت سخاوت و شجاعت میں بہت ممتاز ہیں
انھوں نے بہت خلوص کے ساتھ حضرت کی پچاس آدمیوں کے ساتھ دعوت کی اس راستے میں جس منزل سے
گزر رہتا تھا سادات میں سے کوئی نہ کوئی حضرت کی چالیس پچاس آدمیوں کے ساتھ دعوت ضرور کرتا تھا
بعض لوگ کچھ خرچہ، سردہ، تریبوز یا کوئی دوسری چیز ہاتھ میں لئے ہوئے راستے پر کھڑے ہوتے اور
سلام و مرحبا کہہ کر حضرت سے مصافحہ کرتے یہ تحفہ نذر کرتے اور اپنے حق میں عا کر کے رخصت ہوتے
سیکڑوں عورتیں پہروں پر نقاب ڈالے راستے پر کھڑی ہوتیں، سلام و مرحبا کہتیں اور جہاد کی فتح
و نصرت کی دعائیں کرتیں اور حضرت کا ہاتھ اپنے چھوٹے بچوں پر پھیر کر دارین کی بہبودی کے لئے
دعائیں لیتیں، حضرت اپنے فطری کمال اخلاق سے ہر شخص کے لئے کھڑے ہو جاتے اور دعا کرتے، سردہ اور گاؤں
میں چھوٹوں، بڑوں اور مردوں عورتوں کا اس قدر ہجوم ہوتا کہ لشکر کا چلنا رکنا تائبین کی حدود سے
لے کر شہر کابل میں داخلے تک وزانہ ہر منزل پر یہی نظر پیش آتا اور کوئی دن ایسا نہ جاتا جس میں کوئی نہ کوئی
شخص حضرت کی چالیس پچاس آدمیوں کے ساتھ دعوت نہ کرتا آپ کے ساتھ محبت و اخلاص کی شانیا
ہر چھوٹے بڑے مرد و عورت کے پہرے پر ظاہر ہوتی تھیں اور ہر شخص کفار پر آپ کی فتح و نصرت کی دعائیں کرتا تھا
دوسرے روز مقام حیدرزی سے چل کر ایک دوسرے مقام سوزنی میں منزل ہوئی جو پشین کے
سادات کا مسکن تھا وہاں کے سرداروں کے مشورے سے حضرت نے وہاں کے سادات کے ذریعے حاکم
قندھار کے پسالار کو، جو محارباں حاکم بلوچستان کے ساتھ جنگ کرنے کے ارادے سے یہاں سے
آٹھ کوس کے فاصلے پر فوجوں اور توپخانے کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے، ایک خط اس مضمون کا بھیجا کہ

ہم لوگ تمہارے ملک میں مسلمانوں سے ملاقات کرنے کے لئے اور ان کو کفار کے ساتھ جہاد کی دعوت دینے کے لئے آئے ہیں اور تمہارے شہر سے ہو کر کابل کی طرف جائیں گے، تم ہماری طرف سے اپنے دل میں کوئی برا خیال نہ کرنا، ہمیں امید ہے کہ تم اس کی اجازت دو گے، آدھی رات کو خط کا جواب اس مضمون کا آیا کہ کل آپ سڈزئی سے کوچ کر کے مقام مے زئی میں ہماری چھاؤنی میں آئیے، میں آپ کی آمد کی اطلاع اپنے آقا کو کروں گا جو قندھار میں ہے، اور آپ کے لئے قندھار سے گزرنے کی اجازت طلب کروں گا جب تک اس کا جواب نہ آئے، آپ ہمارے شکر گاہ ہی میں توقف فرمائیے اجازت آنے کے بعد قندھار کا رخ فرمائیے۔ اس خط کے مطابق حضرت نے سڈزئی سے کوچ فرما کر مے زئی میں شکر گاہ سے ایک تیر کے فاصلے پر خیمہ لگایا اور فرود گئے، سردار فوج اکثر افسروں کے ساتھ پیادہ پا اپنے خیمہ گاہ سے نکل کر حضرت کے استقبال کے لئے آیا، حضرت کو پہلے تنہا اپنے خیمے میں لے گیا اور آپ سے اس سفر کے مقاصد کا پورا حال دریافت کیا، دو گھنٹے کے بعد حضرت خیمے سے باہر تشریف لائے، گولہ اندازوں میں کثرت سے ہندوستانی ملازم تھے، وہ ہماری ملاقات کو آئے اور اپنے وطن کے حالات دریافت کئے، مے زئی کے سادات ان یمنوں میں ہیں ہم لوگ حاکم قندھار کے اجازت نامے کے انتظار میں ٹھہرے ہوئے تھے، روزانہ حضرت کی چالیس پچاس آدمیوں کے ساتھ ضیافت کرتے رہے، اور دن رات آپ کے خیمے میں اس نفاک کے اور قرب جوار کے معززین سادات کا ہجوم رہتا تھا، جو آپ کی ملاقات کرنے کے لئے آتے تھے، اور اس سفر جہاد میں اپنی محبت و رفاقت کے خواستگار تھے، حضرت ان کو وہی جواب دیتے تھے، جو اس پہلے آپ نے مشاقان جہاد کو دیا تھا کہ جب ہم بلائیں، اس وقت آجانا، تین روز کے بعد حاکم قندھار کا خط آیا کہ سید صاحب کو شکر مجاہدین کے ساتھ یہاں آنے سے کیوں روکا ہے، آنے دو، پوچھنے روز وہاں سے کوچ ہوا۔

کوزک

”مقام مے زئی سے کوچ کر کے دس کوس کے فاصلے پر عشا کے وقت کوزک پر پہنچے، جو کوہ توبہ کا درہ ہے، چونکہ اس سے پہلے بہت بلند و دشوار گزار پہاڑی راستے طے کرنا پڑتا تھا اور اس کا بلندی ایک سین یا زائد تھی جس کا رات کو طے کرنا اور تنگ گھاٹیوں سے نکلنا رات کو بہت دشوار تھا، اس لئے یہی صلاح ہوئی کہ صبح کے وقت سفر کیا جائے، چنانچہ صبح کا کھانا پکا کر دوپہر کے قریب کوچ ہوا، اور پہاڑ کے اوپر پہنچے، بڑی دشواری اور مشقت سے اترتے چڑھتے چار کوس چل کر عصر کے وقت چوکی پہنچے، جہاں سے کابل اور قندھار کا راستہ پھٹتا ہے۔“

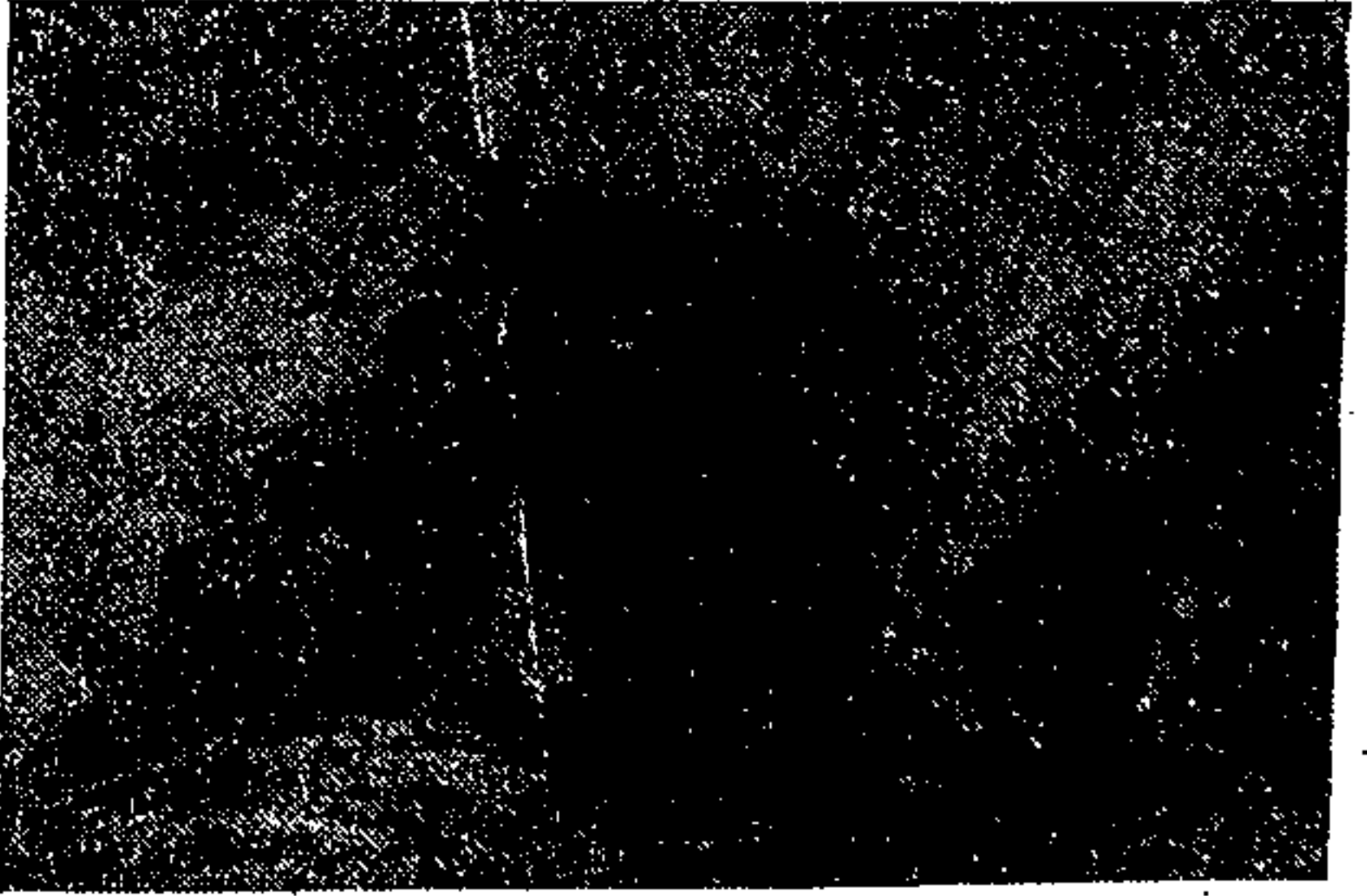
افغانستان کی حکومتوں پر ایک نظر

پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ زمان شاہ نے، جو احمد شاہ ابدالی کا پوتا تھا اپنے محسن اور صاحبِ سوخ وزیر پائندہ خاں کو قتل کر دیا، جس کے نتیجے میں وہ تختِ تلج سے محروم ہوا اور پائندہ خاں کے بیٹے فتح خاں نے شاہ ابدالی کے دوسرے پوتے محمود کو تختِ افغانستان پر بٹھا دیا اور ساری مملکت کو اپنے بھائیوں کی صوبے داری میں دے دیا، کچھ عرصے کے بعد محمود کے بیٹے کامران نے جس کو اپنے باپ کی سلطنت میں بارگاہی سردار فتح خاں کی مطلق العنانی اور خود مختاری گوارا نہ تھی، فتح خاں کی آنکھیں نکال لیں اور اس کو قید خانے میں ڈال دیا، کچھ عرصے کے بعد شاہ محمود کے حکم سے وہ قتل کر دیا گیا۔

۱۔ کوزک کے متعلق بھی انگریزی سچوں اور فوجیوں کا تاثر یہ ہے کہ وہ درہ بولان کی طرح نہایت اہم درہ اور دشوار گزار پہاڑی راستہ ہے، ملاحظہ ہو تصویر ۲۔ مکتوب سید حمید الدین مکتوبات (قلمی) ۱۹۹-۲۰۰ ملاحظہ ہو کتاب کا عنوان ”درانی خاندان کا زوال اور اس کے اسباب“ ص ۲۸۶



دریائے کنہار۔ بالاکوٹ



درہ کوزک

فتح خاں کے اس انجام نے ابدالیوں کے رہے ہے افتدار کا خاتمہ کر دیا اور بارک زئی بھائیوں کی خود مختار سلطنت قائم ہو گئی اس وقت تمام ملکِ افغانستان ان بھائیوں کے تصرف میں آ گیا اور انھوں نے مختلف صوبوں اور علاقوں پر اپنی خود مختار حکومتیں قائم کر لیں یہ دیکھنا ہے جب ۱۲۲۲ھ (۱۸۲۶ء) میں افغانستان سرحد کا سفر فرمایا ہے تو پورا ملک انھیں بھائیوں میں بٹا ہوا تھا اقتدار پر پردل خاں شیردل خاں اور ان کے تین بھائی حکومت کرتے تھے، غزنی میر محمد خاں کی عملداری میں تھا، کابل کی حکومت کے بارے میں بھائیوں اور بھتیجیوں میں بارہا کشمکش اور جنگ کی نوبت آئی تھی اگرچہ بالآخر کابل کا تخت اور رفتہ رفتہ افغانستان کی حکومت مستقل طور پر دوست محمد خاں کے زیر نگیں آ گئی لیکن جس وقت یہ دیکھنا تشریف لے گئے، اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ کابل سلطان محمد خاں کے زیر انتظام تھا، یہ حمید الدین صاحب کے مکاتب میں حاکم کابل کی حیثیت سے سلطان محمد خاں ہی کا ذکر آتا ہے، اس وقت ان بھائیوں میں پھر ایک بار سخت اختلاف اور کشمکش تھی، اور اسی کی وجہ سے یہ صاحب کو کابل میں طویل قیام کرنا پڑا، پشاور بار محمد خاں کی تحویل میں تھا، بہشت نگر کا علاقہ یہ محمد خاں کے پاس تھا، اس طرح ہرات کو مستثنیٰ کر کے سارا افغانستان سرحد بارک زئی سرداروں کے زیر حکومت انتظام تھا، جو ایک باپ کے بیٹے تھے، اور عام طور پر درانی کہلاتے تھے، یہ دیکھنا کو انھیں سرداروں کی عملداری سے گزر کر یوسف زئیوں کے علاقے میں جانا تھا، جس کو عام طور پر پسمہ کہتے ہیں۔

۱۔ امیر امان اللہ خاں تک افغانستان کی حکومت دوست محمد خاں کی اولاد میں رہی بچہ سقہ کی بغاوت کے بعد جب نادر شاہ نے افغانستان پر قبضہ کیا، جو سلطان محمد خاں کی اولاد میں تھے تو تختِ افغانستان اس شاخ کی طرف منتقل ہو گیا۔ ۲۔ اس سے مقصود وہ میدانی علاقہ ہے جو دریائے سندھ اور سرحدی پہاڑوں کے درمیان ہے، ضلع پشاور ضلع مردان اسی علاقے میں واقع ہیں۔

قندھار کی جانب

کوڑک سے دوسرے روز ظہر کے وقت روانہ ہوئے، سات کوں تک کہیں پانی نہ تھا، یہ سب راستہ طے کر کے صبح کے قریب ایک تالاب کے کنارے پہنچے، جو بارش کے پانی سے پُر تھا، بقیہ شب وہاں گزار کر نماز صبح پڑھ کر روانہ ہوئے، پانچ کوں پر کارزیر ملاح فتح اللہ خاں پر منزل کی دوسرے روز آٹھ کوں چل کر ایک یران مقام پر منزل ہوئی، وہاں سے کوچ کر کے دس کوں پر قلعوہ حاجی میں منزل ہوئی، وہاں کے زمیندار نے بیعت کی اور چند لوگوں کے ساتھ رفاقت اختیار کی، اس کی زبانی معلوم ہوا کہ پر دل خاں حاکم قندھار کا حقیقی بھائی شیر دل خاں جو بڑا سفاک اور دلیر آدمی تھا، اور جس نے اپنی شیر دلی سے محراب خاں حاکم قلات والی حکومت بلوچستان سے جنگ کی نیت سے اپنی فوج اور نوچانے کو مے زئی میں بھیج دیا تھا اور غنقریب محراب خاں پر حملے کا ارادہ رکھتا تھا، گزشتہ شب ایک ہفتہ بیمار رہ کر انتقال کر گیا اور چار و ناچار حاکم بلوچستان سے صلح ہو گئی اور اس طرح سے حضرت کی دعا جو آپ نے فریقین کی صلح کے لئے حاکم شمال کے سامنے کی تھی، قبول ہوئی۔

چونکہ قندھار یہاں سے قریب تھا، مواضع و دیہات راستے میں کثرت سے ملتے تھے، زائرین اور زمانائوں کا، ہجوم تھا، لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر راستے پر کھڑے ہو جاتے، زیارت کرتے اور دعائیں لیتے، بہت سے موسمی بھیل اور فواکہ، سردہ، تر بوز اور انگور گدھوں اور اونٹوں پر لادے ہوئے کھڑے ہوتے تھے، اور حضرت کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

اسی طریقے پر آپ دیہا اور قریوں سے گزرتے ہوئے چھ کوں پر جا کر کارزیر ملاح عبدالشہید جو قصبہ خوشاب کے قریب ہے مقیم ہوئے، وہاں سردے اور انگور وغیرہ کے ڈھیر لگ گئے، ہندوستانی

رفقانی جن میں سے بہنوں نے ان پھلوں کے نام ہی نام سے تھے، شکم سیر ہو کر کھائے۔

استقبال

”حاکم قندھار نے آپ کی آمد آمد سن کر اپنی حضور کی امر میں سے ایک کو، جسے قندھار میں شاہ غالی کہتے ہیں، پندرہ سو اڑھے کر استقبال کے لئے بھیجا، اور سائے شہر میں بہت سے لوگ، جو مدتِ دراز سے آپ کے اوصاف سن کر اور تشریف آوری کی خبر معلوم کر کے ملاقات کے متعلق تھے، شہر سے پانچ کوس کا فاصلہ طے کر کے کاڑا عبدالشہیدؒ کے

قندھار

”دوسرے روز ۲۸ محرم الحرام کو آپ قصبہ خوشاب کا ریزید عبدالشہید سے کوچ کر کے اسی عرض بیگی کی رہبری و معیت میں جس کو حاکم قندھار نے آپ کے استقبال کے لئے بھیجا تھا، قندھار کی طرف روانہ ہوئے، سیکڑوں سواریوں نے اپنے گھر سے نکل کر راستے میں ملاقات کی اور فرودگاہ تک ساتھ آئے، ہزاروں شرفاء و علماء و فضلاء نے شہر بیاہ پا استقبال کرتے تھے، اور سواری کے ساتھ ساتھ چلتے تھے، کہ راستے اور سڑکیں تنگ ہو گئیں، ہجوم کی کثرت سے ٹوٹش و بیگانگی کی تمیز شکل تھی، اس نرک و اختتام کے ساتھ آپ شہر کے قریب آئے، شہر سے ایک میل مغرب کی جانب دروازہ ہراتی کے قریب آپ کا خیمہ نصب ہوا اور شکر نے قیام کیا۔ پُر دل خاں حاکم قندھار نے اپنے بھائی شیردل خاں کی وفات کی وجہ سے جس کو چوتھا روز تھا، حاضر کی سے معذرت کی اور ضیافت کا سامان بھیج دیا، آپ نے سلام کہلایا

اور فرمایا کہ کل صبح میں خود تعزیت کے لئے آؤں گا دوسرے دن چالیس آدمیوں کے ساتھ آپؐ تعزیت ملاقات اور مرحوم کی فاتحہ خوانی کی تقریب میں تشریف لے گئے، پُر دل خاں اپنے تمام بھائیوں کے ساتھ والان سے نکل کر استقبال کے لئے باہر آیا اور بڑی عقیدت کے ساتھ ملاقات و معانقت کیا اندر لے جا کر اپنی مسد پر بٹھایا آداب و تعظیم بجایا اور اس دور دراز سفر کے حالات و مقاصد دریافت کئے اور اس کی تفصیل معلوم کر کے ظاہری بے سر سامانی کے باوجود حضرت کی اولوالعزمی پر حیرت کی اور اس کو تائید الہی شمار کیا دو گھنٹے اسی قسم کی گفتگو اور رسم فاتحہ خوانی کے بعد آپؐ باہر تشریف لائے۔

قندھار سے روانگی

”چار روز قندھار میں قیام رہا، خاص و عام میں سے کوئی نہ تھا جو حاضر نہ ہوا، ہر شخص نے باصرار معیت جہاد کی درخواست کی نوبت اس کی پہنچی کہ بغیر آپؐ کی اجازت کے ہزار ہا اشخاص نے جہاد کے عزم سے سفر کا ساز و سامان درست کرنا شروع کر دیا، حکام کو معلوم ہوا تو شہر آشوبی کے خطرے سے پریشان ہو کر پوچھوں کہ حکم دیا کہ شہر سے کسی کو نکلنے نہ دیں لوگ اس پر بھی باز نہ آئے تو حضرتؐ کو پیغام بھیجا کہ آپؐ تشریف رکھنے سے سارا شہر شوق جہاد میں آپؐ کی معیت کے لئے بے قرار ہے، انتظام حکومت و ہم ہم ہو رہا ہے ہماری گزارش ہے کہ آپؐ بل تشریف لے جانے میں تعجل فرمائیے اور اہل شہر میں بھی جو آپؐ کی معیت کی درخواست کرے قبول نہ فرمائیے۔“

حضرتؐ بے لطفی کے اندیشے سے صرف کو قندھار سے روانہ ہو گئے اور کاریز حاجی

۱۰ مکتوب سید حمید الدین، مکتوبات ص ۲۰۳-۲۰۴

عبدالعزیز پر قیام فرمایا، ۲۲ محرم کو وہاں قیام فرما کر قندھار سے کابل تک کے لئے اونٹ کرائے پر لئے اور ۵ محرم کو وہاں سے کابل کی جانب روانہ ہو گئے اور قلعہ اعظم خاں پر منزل کی باوجود بندش اور شدید انتظام کے چار سو کے قریب علما و فضلا مدارس کے طلباء اور خاتقاہوں کے شاخ کسی نہ کسی طرح باہر آ گئے اور قلعہ اعظم خاں میں پہنچ کر آپ سے مل گئے، یہ سب شوقی جہاد میں سرشار اور سر دینے کے لئے تیار تھے، حضرت نے خواجہ ظہور اللہ کو حاکم قندھار کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ہم تمہارے شہر کے لوگوں کو نہیں لے جا رہے ہیں، وہ خود آ گئے ہیں اگر اجازت ہو تو ساتھ لے جائیں ورنہ اپنا آدمی بھیج کر واپس کر لو، حاکم نے جواب دیا کہ علما و فضلا و طلباء میں جو اب تک پہنچا ہوا اس کو لے جاسکتے ہیں، دوسرا اگر خواہش کرے تو اس کو جواب دے دیں حضرت نے ان میں دوسو سزا دی انتخاب کر لئے باقی سے فرمایا کہ جس وقت جہاد شروع ہو جائے، اس وقت آجانا، کوئی انکار نہ ہوگا، دوسو سزا دیوں کو مناسب نصیحتیں فرمائیں اور سیدین محمد قندھاری رفیق قدیم کو ان کا افسر مقرر کیا اور ان کو شکر مہاجرین و مجاہدین میں شامل کیا۔

غلزئی قبیلے کے علاقے میں

یہ قلعہ اعظم خان سے چل کر قلعہ رمضان خاں پہنچے، یہاں سے غلزئی سرداروں اور زمینداروں کا علاقہ شروع ہوتا ہے، جن کے آبا و اجداد کچھ ہی عرصہ پہلے افغانستان تیز ابران کے

۱۷ مکتوب سید حمید الدین، مکتوبات (قلمی) ۲۰۴-۲۰۸ ۱۸ "غلزئی افغانستان کا ایک بہت بڑا اور پھیلا ہوا قبیلہ ہے جو جنوب میں قلات غلزئی سے لے کر شمال میں دریائے کابل تک مغرب میں گل کوہ کے حدود سے مشرق میں ہندوستان کے حدود تک پھیلا ہوا ہے اور متعدد مقامات پر ان حدود سے بھی متجاوز ہے، اس قبیلے کا تعلق اسی نسل سے ہے جس سے عیسیٰ اخیل اور لودھی پٹھان پیدا ہوئے، اور تجارتی کاروبار میں وہ کسی قبیلے سے کمتر نہیں اور وہ صحیحہ بہاد اور مردانہ اوصاف کے حامل ہیں" (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، جلد دہم اشاعت ۱۲)

ایک بڑے جھڑپے پر حکومت کرتے تھے اور قندھار کے تخت پر فتنگن تھے، نادر شاہ افشار نے ان کو ایران سے نکالا، آخر غلزی فرماؤ اور حسین شاہ کو شکست دے کر قندھار و کابل پر قبضہ کر لیا، نادر شاہ کے قتل پر افغانستان کی عنان حکومت احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ میں آگئی، اس کے انتقال کے بعد اس کے پوتے محمود کے عہد میں ابدالیوں کی دوسری شاخ بارکنی افغانستان کے تخت و تاج کی مالک بن گئی اس پورے عرصے میں افغانستان کے سابق فرماؤوں کا خاندان غلزی جو ایک کثیر التعداد اور طاقتور قبیلہ تھا، حکومت اور اس کے تمام مناصب و منافع سے محروم رہا، اس بنا پر غلزی درانیوں و بارکنیوں کو ہمیشہ اس نظر سے دیکھتے تھے کہ وہ سلطنت کے فاصیہ ہیں اور درانی ان کی طرف سے مطمئن نہیں تھے، ان کو معلوم تھا کہ غلزی قبیلے کا ہر فرد اپنے کو حکومت افغانستان کا حقیقی مالک و وراثت سمجھتا ہے۔ یہ صاحب ان غلزی سرداروں اور زمینداروں کے علاقے سے گزرنے تو انھوں نے اپنی امداد و رفاقت کی پیشکش کی اور آپ کے مقاصد جہاد میں شرکت پر آمادگی ظاہر کی، یہ صاحب افغانستان کی قریبی گزشتہ تاریخ سے واقف تھے آپ کو درانیوں اور غلزیوں کے تعلقات کا علم تھا، آپ کو خوب معلوم تھا کہ غلزیوں کی رفاقت تائید کے معنی صرف یہ ہیں کہ درانیوں کو جو عملاً افغانستان کے حاکم اور اس کی سیاست پر حاوی ہیں اور جن کے علاقے میں آپ جا رہے ہیں اپنا دشمن بنا لیا جائے اور ان سے امداد کی ہر امید منقطع کر لی جائے، اس بنا پر آپ نے غلزیوں کی اس پیشکش کے قبول کرنے سے (جو ممکن ہے مخلصانہ رہی، جہادینی و سیاسی مصلحتوں کی بنا پر سردست معذوری ظاہر کی اور ان کو پورے اعزاز اور شکرگزاری کے ساتھ ان کو جواب دے دیا، یہ حمید الدین اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں "قلعہ رمضان خان تکے استے کے تمام دیہات میں درانی افغانوں کی سکونت و زمینداری تھی، قلعہ رمضان خان سے غلزیوں کو خیل پٹھانوں کی سکونت و زمینداری شروع ہوتی ہے، لکھنؤ میں عبدالرحمن قندھاری اسی قبیلے سے ہیں، قلعہ رمضان خان سے روانہ ہو کر مقام جلدک میں منزل ہوئی، چونکہ حضرت کی

ہندوستان سے تشریف آوری کی شہرت ان اطراف کے تمام باشندوں کے کانوں تک پہنچ چکی تھی اس لئے تمام سردار زادے اور قبیلہ رئیس زادے جو خاندان سلطنت کی تباہی کی وجہ سے کنج گنامی میں پڑے ہوئے تھے، کانتکاری کرتے تھے، انھوں نے حضرت کی رفاقت کو شوکتِ دنیوی اور نجاتِ اخروی کا وسیلہ سمجھ کر رفاقت کے لئے درخواستیں کیں اور اس مضمون کے خطوط لکھ کر بھیجے۔

انھیں میں سے شاہ حسین غلزی، سالم خیل کی اولاد میں عبدالرحیم خاں کا بیٹا خانان خاں بھی تھا جس کے بزرگ پہلے تمام ملک خراساں پر حکومت کرتے تھے، تاہم شاہ نے حسین شاہ کو شکست دے کر افغانستان کو اس سے حاصل کیا، جب شکر مجاہدین کا گزر قلعہ رمضان خاں سے ہو کر جلدک کی طرف سے ہوا تو خانان مذکور کے بھیجے ہوئے غلزی قوم کے دو سوار راستے میں ملے جنھوں نے عرض کیا کہ ہمارے آقا آپ سے ملنا چاہتے ہیں اور آپ کو اس مہم کے لئے بہت مفید مشورے دیں گے، چونکہ درانی اور غلزی قوم کے درمیان قدیم زمانے سے رقابت اور عداوت تھی اور حضرت کی رفاقت میں زیادہ تر قندھار کے آدمی تھے، جو درانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور چونکہ اس وقت رخ غلزی اور کابل کی طرف تھا، اور وہاں کی حکومت بھی درانیوں کی تھی اس لئے اس اندیشے سے کہ خانان مذکور کی ملاقات و مشورے سے اس ملک کے حکام کو کچھ کھٹک نہ پیدا ہو، خانان مذکور سے ملنا دورانہ نشیوں نے مناسب نہ سمجھا۔

جب یہ سوار خانان مذکور کے پاس واپس گئے تو اس نے کمال عقیدت اور اخلاص اور سعادتِ قدم بوسی کی انتہائی آرزو مندی ساتھ حضرت کو دوسرا خط دوسرے سواروں کے ساتھ بھیجا، ان سواروں نے شکر میں آکر لکھنؤ کے قندھاریوں کے حال دریاقت کئے، اور کہا کہ ہمارے آقا خانان اور عبدالرحمن خاں کے والد یوسف خاں اور محمد سعید خاں آپس میں بہت قریبے رشتے دار ہیں اور

ان اطراف میں اتنی بڑی برادری اور اتنے حامی و مددگار کسی کے نہیں اس کی تصدیق موافق و مخالف سے کی جاسکتی ہے آٹھ حضرت نے اس خط کا جواب کمال اعزاز شاہانہ کے ساتھ دیا جس میں اس کی دیکھو اور خاطر داری پورے طور پر کی اور مکان پر تشریف نہ لانے کا عذر بیان کیا صبح کو خان مذکور نے ایک دوسرا خط اس سرفراز نامے کے جواب میں بھیجا کہ مجھے اپنے معتقدین کی جماعت میں تصور فرمائیے اور جب کبھی کفار سے مقابلے کی صورت پیش آئے یا اس کا موقع قریب ہو تو مجھے سرفراز نامے کے ذریعے سے یاد فرمائیں میں فی الفور موجود حقیقی کی رضا جوئی کے لئے چالیس پچاس ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ کوہستان راستے سے ہو کر خدمت والا میں پہنچ جاؤں گا، اور سعاددارین حاصل کروں گا، اور خود اس بدگمانی سے بچنے کے لئے حضرت کی خدمت میں نہیں آیا۔ یہاں سے کوچ کر کے مقام کوڑم میں قیام ہوا یہاں شہاب الدین خاں نامی غلزی سردار نے جو غلزیوں کی سلطنت کے زمانے میں وزارت و نیابت کے عہدے پر تھا، اور اب بھی اپنی قوم کی بڑی جمعیت اس کے ساتھ ہے، لیکن شہاب الدین خاں نے رہنری اور قزاقی کا پیشہ اختیار کر لیا ہے اپنے ایک عمد آدمی کو حضرت کی خدمت میں بھیجا کہ مجھے اپنے منتسبین میں تصور فرمائیے اور جب میرا کام ہو مجھے طلب کیجئے میں بڑی جمعیت کے ساتھ حاضر ہوں گا۔

قندھار و غلزی کے راستے میں آپ متعذر نہیں کرتے ہوئے موضع مشکئی پہنچے آپ نے راستے ہی سے ملاظہور الشکر کو بیس قندھاریوں کے ساتھ میر محمد خاں حاکم غلزی اور سلطان محمد خاں حاکم کابل کے پاس اپنے اطلاعی خط کے ساتھ بھیج دیا تھا، خط کا مضمون یہ تھا کہ ہم ہندوستانی مسلمانوں و اہل حیت کا ایک گروہ کفرستان سے تنگ آکر جہاد و ہجرت کے عزم سے اپنے وطن سے نکلا ہے اور مسلمانوں کو دین کے اس رکن کربین کو قائم کرنے کی دعوت دینے کے لئے محض لوجہ الشرا سے قدر مسافت طے کر کے تمہارا ملک میں پہنچا ہے، مقصود یہ ہے کہ اسی طرح یوسف زلی کے علاقے میں جو تپا اور کے اطراف میں پہنچ جائیں ہم آپ کے شہروں سے گزریں گے، دانائی و مروت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ متوحش نہ ہوں اور ہمارے پہنچنے سے

پہلے ہم کو تحریری اجازت دینا کہ ہم اطمینان کے ساتھ ان حد سے گزر کر اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔ اس خط کے جواب میں میر محمد کا خط آیا، جس پر اس کی بہر تھی کہ آپ کی تشریف آوری ہمارے لئے سعاد و مسرت کا باعث ہے، آپ بلا تامل تشریف لائیں، ہم سے جو کچھ خدمت بن پڑے گی، ہم درین نہ کریں گے۔ مشکئی کی منزل پر شکر کی قیام گاہ سے دو کوس کے فاصلے پر دامن کوہ میں میر محمد خاں اپنے کسی سرکاری کام سے دو ہزار سوار اور تین ضرب توپ کے ساتھ آیا ہوا تھا، اس کے لشکر کے لوگ تمام کنگ سیکڑوں کی تعداد میں ملاقات کے لئے آئے رہے اور ان ہہاجرین کی عزیمت اور ہمت پر آفریں کہتے رہے، خود میر محمد خاں کا ارادہ اگلی صبح کو آنے اور ملاقات کرنے کا تھا، مگر پھلی شب میں کوئی ایسا ضروری کام پیش آ گیا کہ اسی وقت تمام لشکر اور توپ خانے کو کوچ کا حکم ہو گیا۔ اگلے روز صبح کو مشکئی سے کوچ ہوا، ایک روز راستے میں منزل ہوئی، دوسرے روز آٹھ کوس چل کر غزنی میں داخل ہوئے۔

غزنی

”رؤسائے شہر اور اہل علم و فضل اور بے شمار امیوں نے سوار اور پیادہ پادو کوس نکل کر آپ کا استقبال کیا، آپ نے سلطان محمود غزنوی کے مزار کے متصل لشکر کا پڑاؤ ڈالا، میر محمد خاں حاکم غزنی کے نو عمر صاحبزادے نے جو آشوبِ حشم میں مبتلا تھا، قلعے کی دیوار کے نیچے تیس سو اوروں کے ساتھ آکر قدم بوسی کی اور آپ کے ساتھ رہا، آپ نے تکلیف کا خیال کر کے اس کو رخصت کیا، عصر کے وقت نائب حاکم بارہ سواروں کے ساتھ آیا، حاکم غزنی نے تمام ضروریات کا انتظام کیا اور حاضر ہو کر بیعت کی، خواص و عوام سب ہی حاضر خدمت ہوئے، عمائد غزنی میں سے بعض رائے بریلی حاضر ہو کر زیارت

سے مشرف ہو چکے تھے اغزنی دؤر و زقیام کر کے ۲۵ صفر ۱۲۲۲ھ (۱۸۲۶ء) کو آپ کا بل روانہ ہوئے!

کابل

”راستے میں ہفت آیات شیخ آباد میدان ٹھہرتے ہوئے قلعہ قاضی پہنچے جہاں سے شہر کابل چار کوس ہے میدان ہی میں سردار سلطان محمد خاں حاکم کابل کا خط پہنچ گیا جس میں تحریر تھا کہ آپ کا تشریف لانا فراوانی برکت اور زینتِ مملکت کا باعث ہے، بے تکلف تشریف لائیں اور ہم سب کو اپنے خدام میں شمار کریں۔“

راستے میں ملا حاجی ملا علی ایک سردار فوج شاہی حکومت کابل کی طرف سے پچاس سوار اور پیادوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور سردار کابل کا سلام پہنچایا اور سرکاری طور پر آپ کا استقبال کیا اکثر رؤسا و عمائد دارالسلطنت اور ہزار ہا خاص و عام آپ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے تھے اور آپ کی سواری کے ہمراہ تھے، نصف راستے پر امین الشہر خاں نائب سلطان محمد خاں ٹپے نرک و احتشام سے سواروں اور پیادوں کے ساتھ آپ کا منتظر تھا، سلام و مزاج چرسی ہوئی، جہاں سے شہر کا دروازہ ایک کوس رہ جاتا ہے وہاں سوار اور پیادہ استقبال کرنے والوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ راستہ چلنا مشکل ہو گیا، حصار کے دروازے پر جہاں کوہ شمالی اور کوہ جنوبی آکر ملتے ہیں اور ان کے درمیان کابل کی ندی بہتی ہے اور اس کے شمالی ساحل پر شایع عام ہے اور اس درے سے مغرب کی طرف جو وسیع میدان ہے جب سواری وہاں پہنچی تو سلطان محمد خاں اپنے تین بھائیوں کے ساتھ پچاس سواروں کی جمعیت کے ساتھ استقبال کے لئے کھڑا ہوا تھا، سیدضانے دیکھ کر دور سے ہاتھ اٹھا اٹھا کر سلام کیا اس نے ادب سے سلام کا جواب دیا اور سواری اترا آیا، آپ نے بھی سواری سے اتر کر

لے مکتوب سید حمید الدین، مکتوبات (قلمی) ص ۲۱۴-۲۱۸

مصافحہ و معانقہ کیا، پھر حضرت کو سوار کر کے خود سوار ہو کر ہر کاب چلائے شمار و سادہ نما مشہر
 جوق جوق آئے تھے اور سلام و مزاج پرسی کرتے تھے، گھوڑوں اور ہجوم کی وجہ سے ایسی گرد اڑتی
 تھی کہ کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی، سلطان محمد خاں نے اجازت چاہی اور اپنے نائب امین الشرفا
 سے کہا کہ حضرت کو شہر کے بازار میں سے ہو کر لے جاؤ تاکہ تمام اہل شہر آپ کے دیدار سے اپنی آنکھیں
 روشن کریں، آپ بازار سے گزر کر وزیر فتح خاں کی شاندار جوہلی اور دلفراپا میں باغ میں منع قافلہ
 ٹھہرے، اس زمانے میں سردارانِ کابل میں سخت اختلاف تھا اور جنگ کی نوبت پہنچ گئی تھی، آپ
 مصاحبت کی امید پر ڈیڑھ مہینہ ٹھہرے رہے، جب کامیابی نہ دکھی تو پشاور روانہ ہوئے، راستے میں
 مسلمان اس جوش و محبت کے ساتھ استقبال کرتے تھے جس کا مظاہرہ سارے سفر میں ہوتا رہا۔
 پشاور دو تین روز قیام رہا، وہاں سے ہشت نگر تشریف لے گئے، وہاں چند روز قیام
 کر کے اور وہاں کے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت و تبلیغ فرما کر خوشگلی ہوتے ہوئے نوشہرے تشریف
 لائے، جہاں سے اس محبوبِ عمل عبادتِ عظمیٰ کا آغاز کیا گیا، جو برسوں کی دعوت و تبلیغ اور
 جدوجہد کا حاصل اور اس پر شفقت و رحمتِ سفر کا مقصد تھا جس کی نظر پھیلی صدیوں کے فاتحین
 اور کشور کشاؤں کی تاریخ میں بھی ملنی مشکل ہے، اور جو صرف قوتِ ایمانی، شوق و محبت اور
 اعتمادِ علی اللہ کا رشتہ تھا، یہ سید صاحب کی عظمت و عزیمت اور حسن تربیت کی ایسی یادگار ہے
 جس سے ہندوستان کی ہزار سالہ اسلامی تاریخ خالی ہے۔



بائیسواں باب

چمکنی سے نوشہرے تک

چمکنی سے ہشتنگر

آپ چمکنی سے کوچ فرما کر دریائے لنڈے اتر کر چار سد علاقہ ہشتنگر میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر اس مقام کے تمام مرد و عورتوں کی طرح آپ کی زیارت کے لئے جمع ہو گئے، جو انب اطراف کی عورتیں بھی مجتمع ہو گئیں۔ آپ اس وقت اونٹ پر سوار تھے، اونٹ کے زین پوش کی جھاکر کو عورتوں نے تبرک کے طور پر توڑ لیا، اونٹ کی دم کے بال انکے نوح لئے اونٹ کے پیروں کے نیچے کی خاک بھی تبرک سمجھ کر کوئی عورت اپنی آنکھ میں لگاتی تھی، کوئی منہ پر ملتی تھی، کسی نے گھر لے جانے کے لئے وہ خاک اپنے کپڑے میں باندھ لی، سب لوگوں نے آپ کو لے جا کر سستی کے کنارے آپ کا خیمہ نصب کیا اور سب قافلہ و ہرنیازا۔

شکر کی معیشت

غلے کی تقسیم اور اخراجات وغیرہ کے بہتم مولوی محمد یوسف صاحب بھگت تھے، مولوی صاحب نے

لہ یہاں سے جنگ بالا کوٹ تک جو حال اور افتخار لکھے جا میں گئے ان کا زیادہ تر ماخذ "وقائع احمدی" ہے جو ان چشم دید واقعات کا مجموعہ ہے جو لوگ میں مرتب ہوئے اور ادویوں کے خود اپنے الفاظ میں نقل کر دیے گئے، یہاں بھی کتاب کے الفاظ و عبارتیں کم سے کم تیسرے لکھی ہیں، جہاں کہیں قلمی خطوط یا "منظورۃ السعد" یا کسی اور ماخذ سے کوئی چیز نقل کی گئی ہے وہاں اس کا والد نے یا

بیان کیا کہ آج لشکر کے کھانے کا خرچ نہیں ہے، یہ دھنا کو اس کا علم ہوا تو آپ بڑک سکوت میں رہے، آپ نے فرمایا کچھ فکر و تشویش کی ضرورت نہیں، یہ سب لوگ جس کے بندے ہیں وہ آپ ان کی پرورش کرے گا، پھر فرمایا کہ باورچی خانے کے کچھ مٹی ظروف، دگچی، طشت وغیرہ تسلی کے لئے کسی بقال کے یہاں رکھ کر آج کے واسطے جنس لے لو پھر جیسا ہوگا دیکھا جائے گا، انھوں نے ایسا ہی کیا اور جنس لا کر حضرت سے پوچھا کہ اس کو کیونکر تقسیم کریں، آپ نے فرمایا کہ جس قدر سب کو پہنچے بانٹ دو، لشکر میں غلے کی تقسیم کے لئے ایک ناملوٹ تھا اس میں تین پاؤ آٹا تھا ہر ایک کو ایک ایک ناملوٹ غلہ یا آٹا ملتا تھا، اس روز غلہ کی قلت کے سبب سے تین تین آدمیوں میں ایک ایک ناملوٹ آٹا تقسیم ہوا، لوگ کھاپی کر اپنی خدمت پر مستعد ہو گئے، چونکہ اپنے چوکی پرے پر قائم ہوئے، شبنے وار گشت پر گئے اور بلوں کا حکم لشکر میں پہنچا دیا اور لوگ رام سے لیٹ گئے۔

شکرگاہ کی رات

یہ دھنا کی چار پائی کے گرد اکثر مشتاق لوگ آپ کی باتیں سننے کے لئے رہا کرتے تھے، اور اس کثرت ہونے تھے کہ کسی کا سر کسی کا پیر کسی کا پیٹ کسی کی پیٹھ کسی کو کسی بات کا تکلف نہ تھا، جس نے جہاں کہیں جگہ پائی وہیں بے تکلف سو رہا۔

پچھلی رات کو آپ اٹھے اور وضو کر کے نماز تہجد ادا کی، لوگوں کے بھی نماز پڑھی، آپ نے لوگوں سے فرمایا، یہ قبولیت دعا کا وقت ہے، میں جناب لہی میں دعا کرتا ہوں تم سب مل کر آمین کہو، پھر آپ نے سر بر منہ کر یہ زاری کے ساتھ دعا کی، اے پروردگار تو بڑا قادر ہے، نیاز ہے ہم سب تیرے محتاج و ناچار بند ہیں، تیرے سوا کوئی ہمارا حامی و مددگار نہیں، ہم سب تیری ہی رضا مندی کے لئے اپنے شہر و دیار چھوڑ کر یہاں آئے ہیں تو ہم سب پر اپنی رحمت کی نظر کر، اسی طرح کے الفاظ بار بار کہتے تھے، اس وقت ہر شخص کا کچھ اور ہی حال تھا، گویا سب پر خدا کی سی حالت طاری تھی، دعا کے بعد کچھ حاضرین کو وعظ اور نصیحت فرمائی،

پھر سوئے صبح کی اذان کے بعد بیدار ہوئے، استنجے سے فراغت کر کے وضو کیا، ہنٹیں پڑھیں، اس عرصے میں شکر کے لوگوں کے علاوہ اس بستی کے تمام لوگ نماز کے لئے حاضر ہو گئے، آپ نے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد بڑی دیر تک عاکلی۔

سید محمد خاں کی حاضری

دن نیکے سردار سلطان محمد خاں کا سب سے چھوٹا بھائی سردار سید محمد خاں بالاحصار سے ملاقات کے لئے آیا، بہت سے لوگ اس کے ہمراہ تھے، اس نے بیعت کی، اس کے ہمراہیوں اور بستی کے لوگوں میں سے بھی بہت آدمیوں نے بیعت کا شرف حاصل کیا، بیعت کرنے والوں کی اس قدر کثرت تھی کہ ہاتھ پکڑنے کی نوبت آئی بھی شکل تھی، آپ نے اپنا دوپٹہ پھیلا دیا اور ان سب سے بیعت لی۔

اہل شکر کے اخلاق

اکبر خاں شکر میں ایک پہلے دار تھے، اور رسول خاں نامی ملیح آباد کے رہنے والے بڑے بہادر اور بانکوں میں شہور تھے، ان کا ایک بھتیجا دس گیارہ برس کا تھا، جس کو انھوں نے تعلیم و تربیت کے لئے اکبر خاں کے پہلے میں رکھ دیا تھا، ہشت نگ میں جن لوگوں نے بیعت کی تھی، وہ کچھ مٹھائی بھی لائے تھے، وہ بھی اکبر خاں کے پہلے میں تھی، اس لئے اس میں ایک یاد و لڈ دکھائے، اکبر خاں کو خبر ہوئی تو انھوں نے اس کو ایک تھپڑ مارا، کچھ بھی ایسی حرکت نہ کرے کسی نے اس کی اطلاع رسول خاں کو کی کہ تمہارے بھتیجے کو اکبر خاں نے تھپڑ مارا، ان کو اس کا بڑا رنج ہوا اور غصے میں ان کی زبان کچھ سخت سست الفاظ نکل گئے، پھر کچھ سوچ سمجھ کر چپ ہوئے، نور خاں نے یہ سارا واقعہ یاد دہنا کو سنایا، آپ رسول خاں کا بڑا خیال رکھتے تھے، آپ نے ان کو بلا یا اور خاطر داری بٹھایا، اس کے بعد فرمایا، ہم نے سنا ہے کہ اکبر خاں نے تمہارے بھتیجے کو تھپڑ مارا، جس سے تم کو بڑا رنج ہوا، یہ بات تم کو نہ چاہئے، انھوں نے اپنا لڑکا سمجھ کر نعلیاً مارا، ہوگا رسول خاں نے کہا، شکر جیسا میرا مزاج

ہے آپ بھی جانتے ہیں اور اکثر لوگ اقف ہیں کہ مجھ کو کسی سخت بات کی برداشت نہیں جسے میں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی تہ سے وہ بہالت اور شورہ نشینی اللہ تعالیٰ نے دور کر دی اگر وہی بہالت اور شیطیت لغوز بالشر مجھ میں ہوتی تو اس کا وجود کہ آپ کے لشکر میں ہندوستانی وقتدھاری وغیرہ اتنے لوگ بہادری و شجاعت میں کیٹائے زمانہ ہیں مگر میں کسی کو خیال میں نہ لانا اور سخت بات کا جواب تلوار ہی سے دیتا لیکن میں نے سچے دل سے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی ہے اگر خاں تو میرے بھائی ہیں مارا تو خوب کیا۔

یہ بات سن کر آپ ان سے بہت خوش ہوئے اور ان کے لئے دعا کی۔

ایک جاسوس کی گرفتاری

ہشت نگر میں قندھاریوں نے ایک اجنبی آدمی کو گرفتار کیا اور کہا کہ بدھ سنگھ کا جاسوس ہے بعض قندھاریوں نے چاہا کہ اس کو مار ڈالیں کسی نے خیر آپ کو پہنچائی آپ نے اسی وقت ایک دی بھیجا کہ خیر دار اس پر کوئی شخص ہاتھ نہ ڈالے اس کو سلامت ہمارے پاس لے آؤ یہ حکم سن کر چند قندھاری اس کو لے کر آپ کے پاس گئے آپ نے اس کو بلا کر اپنے خیمے میں بٹھایا اور قندھاری اس کو لائے تھے، ان کو رخصت کر دیا نماز عشاء سے فارغ ہو کر آپ نے اس آدمی کو اپنے پاس بلا یا اور فرمایا "تو اپنا حال تم سے سچ بیان کر دے کسی بات سے مت ڈر" اس نے کہا "حضرت سچ بات تو یہ ہے کہ بدھ سنگھ لشکر کے ساتھ دریائے اٹک پر اتر کر خیر آباد میں داخل ہوا ہے اس کو یہ اطلاع ملی ہے کہ کوئی سیدنا ہندوستان سے ملک گیری کے ارادے سے ایک بڑا لشکر لے کر ہشت نگر میں آئے ہیں اس لئے مجھے جاسوس کے طور پر بھیجا کہ مفصل حالات دریافت کر کے اطلاع دوں"

آپ نے اس کی گفتگو سن کر فرمایا "ہماری طرف سے بدھ سنگھ سے کہنا کہ جیسے تم نجات سنگھ کے مطیع و فرمانبردار ہو اور وہ تم کو یہاں کہیں بھیجتا ہے وہاں جلتے ہو اسی طرح ہم بھی اپنے آقا کے

فرمانبردار اور غلام ہیں وہ ہم کو جو کچھ فرماتا ہے وہی ہم بجالاتے ہیں ہم اسی کے بھیجے ہوئے ہندوستان
یہاں آئے اور عنقریب ہم سے تم سے مقابلہ ہوگا۔“

اس کے بعد آپ نے الشرجش خاں جماعت دار کو بلایا اور فرمایا کہ اس آدمی کو ہمارے لشکر میں ڈیرے
ڈیرے کی سیر کر اگر کچھ رائے ہے حفاظت سے لشکر کے باہر دو ڈیرھ کو سن تک پہنچا دینا یہ وہاں سے چلا جائے گا۔

شکرگاہ کی تبدیلی

صبح کو اکوڑے کا رئیس میر خاں خشک ملاقات کے لئے آیا اور شرفِ بیعت سے شرف ہوا
اور عرض کی ”میرا بھتیجا فیروز خاں کا بیٹا خواص خاں میرا مخالف ہو گیا ہے اس نے بدھ سنگھ کو
اکوڑہ بلا لیا ہے اگر وہ سکھ سردار اکوڑے میں آکر دریائے لنڈے کے درے اترے تو تمام ملک سہہ کو
تاراج کر دے گا، مناسب یہ ہے کہ آپ یہاں سے کوچ کریں اور اس کو وہیں روکیں۔“

خوشگی میں

دوسرے روز آپ وہاں سے کوچ کر کے موضع خوشگی میں رونق افروز ہوئے، نماز مغرب کے بعد میا
عبدالشر نے اگر عرض کیا یہ تیری چھوٹی ہے یہاں کھانے کی مجلس کم ملتی ہے اور لشکر میں لوگ بہت ہیں آپ نے
اس وقت نماز حاضر ہو کر فرمایا ”ہم دعا کرتے ہیں تم سب مل کر آمین کہو“ پھر آپ سر پر بہت دعا میں مشغول
ہوئے لوگ آمین کہتے تھے جب عا سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ بھائیو! ہر شخص اس وقت سے عشا کی اذان
تک لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھے سبے ویسا ہی کیا اذان عشا کے بعد ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کی کہ
آٹے کی کشتی دریا کے کنارے موجود ہے اپنے لوگوں کو بھیج کر منگوا لیں آپ نے سین کر میاں عبدالشر سے کہا کہ

لہ سمہ سے مراد وہ میدانی علاقہ ہے جو دریائے سندھ اور سرحدی پہاڑوں کے درمیان ہے پشاور و ضلع مروان اسی
علاقے میں واقع ہیں

تم کچھ لوگوں کو لے کر جاؤ اور وہاں سے آٹالاؤ اور یہاں لاکر جامع پر جمع کر دو، عبداللہ تو اس طرف
 آٹالا لینے کو گئے اور آپ نے وضو کر کے لوگوں کو نماز عشا پڑھائی جب لوگ ہاں سے آٹالائے یہاں شکر
 میں ایک جامع پر جمع کر دیا، میاں عبداللہ نے آکر اطلاع کی کہ سب آٹا وہاں سے آگیا، آپ نے پوچھا
 ”کس قدر ہوگا؟“ کہا ”پندرہ من کے قریب ہوگا“ آپ نے فرمایا کہ جب تک تم وہاں نہ آئیں آٹا تقسیم
 نہ ہو، آپ وہاں تشریف لے گئے، اس سے تھوڑا آٹا اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و زرقانی اور
 اور اپنی مفلسی و محتاجی کا دیر تک بیان کرتے رہے پھر وہ آٹا بسم اللہ کر کے اسی انبار میں ڈال دیا اور
 جامع کے دونوں کونے ٹوٹا دیئے اور فرمایا کہ دو روزہ سب کو تقسیم کر دو، اس وقت شکر میں پندرہ سو
 کے قریب لوگوں کی جمعیت تھی، کچھ کم پانچ سو ہندستانی اور کچھ اوپر دو سو قندھاری اور کوئی اٹھ سو
 کے قریب ملکی لوگ ہوں گے، شیخ باقر علی صاحب آٹا تقسیم کرنے لگے، جو ہندستانی اور قندھاری تھے،
 ان سب کو دو روزہ دیا، اور جو لوگ ہیں نزدیک کے رہنے والے تھے، اپنے اپنے گھروں اکثر کھا کر آئے
 تھے، اور جو اپنے گھروں سے کھا کر نہیں آئے تھے ان میں سے جس نے مانگا، اس کو بھی دیا، جب سب کو
 تقسیم کر چکے تو کچھ آٹا بچ رہا، آپ نے فرمایا کہ وہ آٹا ہمارے باورچی خانے کے منظم شیخ قادر بخش کے
 حوالے کر دو، اسی وقت لوگوں نے اپنی اپنی جماعت میں روٹیاں پکائیں اور کھاپی کر اپنے ہمدرد قائم رہے۔

شکر کا انتظام

شکر میں ابتدا سے چار جماعتیں تھیں اور چار جماعت دار تھے، ایک جماعت خاص شہر تھی اور
 اس میں سید صاحب بنفیس تھے، وہ جماعت مولوی محمد یوسف صاحب کی تھی، وہ ہمیشہ کوچ اور مقام
 میں داہنی جانب کو ہوتی تھی، دوسری جماعت مولانا محمد اسماعیل صاحب کی تھی، وہ کوچ اور مقام میں
 آگے ہوتی تھی، تیسری جماعت سید محمد یعقوب صاحب کی تھی، اس جماعت میں ان کے نائب شیخ بڑھن تھے،

یہ محمد یعقوب صاحب ٹونک میں تھے، یہ جماعت کوچ اور مقام کے وقت بائیں طرف رہتی تھی چوتھی جماعت اللہ بخش خاں کی تھی، وہ پیچھے رہتی تھی، متفرق اشخاص بیچ میں ہوتے تھے، یہ رضا کا خیمہ خاص جماعت کے قریب نصب کیا جاتا تھا۔

حکومت لاہور کو اعلام نامہ

اسی نظم و انتظام کے ساتھ آپ نے موضع نوشکی سے کوچ کر کے ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۲ھ (۱۸ دسمبر ۱۸۰۶ء) کو نوشہرے میں قیام کیا، آپ نے حکومت لاہور کو شرعی دستور کے مطابق اس مضمون کا اعلام نامہ تحریر فرمایا تھا۔

۱۔ یا تو اسلام قبول کرو (اس وقت ہمارے بھائی اور ہمارے مساوی ہو جاؤ گے، لیکن اس میں کوئی جبر نہیں)۔

۲۔ یا ہماری اطاعت اختیار کر کے جزیہ دینا قبول کرو، اس وقت ہم اپنے جان و مال کی طرح تمہارے جان و مال کی حفاظت کریں گے۔

۳۔ آخری بات یہ ہے کہ اگر تم کو دونوں باتوں میں سے کوئی بھی منظور نہیں تو لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ، مگر یاد رکھو کہ سارا یغستان اور ملک ہندوستان ہمارے ساتھ ہے، اور تم کو شراب کی محبت اتنی نہ ہوگی جتنی ہم کو شہادت کی ہے۔

ایک مخبر نے آکر خبر دی کہ بدھ سنگھ شکر کے ساتھ اکوڑے میں داخل ہو گیا، یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ خبردار کوئی شخص مہرنہ کھولے، ہوشیاری سے تیار رہے اور جس کو کھانا پکانا ہو دن ہی کو پکا کر رکھا۔

لے "سورج احمدی" میں اس اعلام نامے کے ذکر کے ساتھ اتنا اضافہ اور ہے "در بارہ لاہور نے براہِ نخت اس اعلام نامے کا کچھ جو انہیں دیا، بلکہ قاصد آرزو اعلام نامہ کو دربار سے نکلوا دیا، اس سبب اب جنگ کی تیاری شروع ہوئی" (سورج احمدی)

تشیب و اسباب

اکوڑے کی جنگ

شب خون کا فیصلہ

اس وقت تک مجاہدین کو سکھوں سے جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی جنگی مصلحتوں کا تقاضا تھا کہ پہلا معرکہ کامیاب ہو اور دشمن پر مجاہدین کی جانبازی کا نقش قائم ہو جائے، حریف کی تعداد شانہ آ بیان کی جاتی تھی اس کے مقابلے میں جن مجاہدین پر اعتماد کیا جاسکتا تھا، وہ صرف پانچ سو ہندوستانی اور دو سو قذھاری تھے، ملیکیوں کی شجاعت اور میدان جنگ میں ثابت قدمی کا ابھی تک کوئی تجربہ نہ تھا، دراصل ابھی مجاہدین کی تعداد و استعداد اس درجے کو نہیں پہنچی تھی کہ اتنے کثیر التعداد دشمن کے میدان کی جنگ لڑی جائے، اس تمام تشیب و فراز کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا گیا کہ پہلا معرکہ شب خون کی صورت میں ہوتا کہ اصل اور مرکزی طاقت کو محفوظ رکھتے ہوئے دشمن پر ضرب لگائی جائے اور اس کو ہراس زدہ کر دیا جائے۔

مجاہدین کی فہرست

ناز ظہر کے بعد آپ نے اپنے خاص خاص لوگوں سے کچھ مشہورہ کیا اور چاروں جماعت والوں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی جماعت سے اچھے اچھے چست و چالاک جوانوں کے نام ایک فرد پر لکھ کر

لائیں اور ان میں سے جس کے پاس اچھے درست ہتھیار نہ ہوں دوسرے بھائیوں سے بدل لیں۔

ایک بیمار مسلمان کا شوقِ جہاد

وہ چاروں جماعت دار ناموں کی فردے کر آئے، اور آپ کے حوالے کی آپ نے اس فرد کو دیکھ کر چند نام ان میں سے نکال دیے اور ان کی جگہ دوسرے کو درج کیا، وہ لوگ اکثر لوگوں میں تھے، ان میں عبدالمجید خاں جہان آبادی رائے بریلی وارے بھی تھے، ان کو بخارا آتا تھا، بید صاحب نے اسی سبب ان کا نام نہیں رکھا، یہ خبر سن کر وہ اسی بخارا کی حالت میں لیتر سے اٹھ کر آئے اور آپ سے پوچھا کہ آپ نے میرا نام فرد میں کیوں داخل نہیں کیا، آپ نے ان کی نسلی کی اور فرمایا کہ تم کو بخارا آتا ہے، اس لئے ہم نے تمہارا نام نہیں لکھایا، انھوں نے کہا "حضرت آج کافروں سے پہلا مقابلہ ہے، گویا آج سے جہاد فی سبیل اللہ کی بنا قائم ہوتی ہے، میں ایسا سخت بیمار نہیں ہوں کہ جانہ سکوں، میرا نام آپ مجاہدین میں ضرور داخل فرمائیں۔"

آپ نے ان کا نام بھی فرد میں لکھایا اور کہا "بارک اللہ و جزاک اللہ اللہ تعالیٰ تم کو دین کی کوشش کی زیادہ توفیق عنایت کریں۔"

مجاہدین کی روانگی

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۳ھ کو نماز مغرب کے بعد آپ نے الشریح خاں صاحب جماعت دار

۱۵ قلمی مکتوب بید صاحب سے لیا یہ الشریح خاں صاحب سے لیا، جن کو دیکھ کر بید صاحب بہت خوش ہوئے تھے، اور بڑی تعریف کی تھی، اور کہا تھا کہ یہ لوگ ہمارے کام کے ہیں، پیرزادے ہمارے کام کے نہیں اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم سے بہت کام لے گا۔

کو بلایا اور لڑائی کے چند قانون جو آپ نے اس وقت مناسب جاتے ان کو تعلیم فرمائے اور کہا
 ”ہم نے تم کو اس چھاپے کی جماعت کا امیر کیا تم اس وقت کچھ لوگ لے کر دریا کے پار اس کنار
 پر پھیرو، جب اور لوگ یہاں جا کر تمہارے پاس جمع ہوں تب سب صاحبوں سے کہہ دینا اگر گیارہ
 گیارہ بار سورہ ”ایلیف“ پڑھ لیں پھر وہاں سے کوچ کرنا، اللہ تعالیٰ مدد کرے گا“

خان مدوح چند آدمی ساتھ لے کر کشتی پر سوار ہو کر دریا کے پار گئے اور وہاں ٹھہر کر باقی لوگوں
 کا انتظار کرنے لگے، یہاں شکر میں یہ دستانے نماز عشا کے بعد جن کے نام فرد میں تھے، ان کو بلایا اور فرمایا
 ”بھائیو! یہاں سے وہ مکان جہاں جانا ہو گا اچھے سات کوں ہے، جس کو اتنی دور جانے اور پھر آنے کی
 بخوبی طاقت ہو، وہ تو جائے اور نہیں تو نہ جائے اور جس کو بیماری وغیرہ کا کچھ اور عذر ہو، وہ بھی
 بیان کر دے، ہم اس کے عوض کسی اور کو بھیجیں“ وہاں جو حاضر تھے، وہ تو سب جانے ہی کی نیت سے
 آئے تھے، اور ہر کسی کو یہی اشتیاق تھا کہ ہم جائیں، اگرچہ کچھ عذر بھی تھا، مگر جب آپ نے اپنی زبان
 سے یوں فرمایا، تب ان میں سے دو چار آدمیوں نے اپنی اپنی ناطقتی وغیرہ کا عذر معقول بیان
 کیا، آپ نے ان کے عوض دوسروں کو شامل کر دیا۔

پھر آپ ہندوستانی و قندھاری اور ملکی لوگوں سے تقریباً نو سو آدمیوں کو لے کر دریا کے
 کنارے تشریف لے گئے، آدمیوں کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سو پچیس یا کچھ کم و بیش ہندوستانی تھے
 اور انہی کے قریب قندھاری تھے، اور باقی ملکی لوگ تھے۔

اسی عرصے میں الشربخش خاں صاحب بھی چند آدمیوں کے ہمراہ کشتی پر سوار ہو کر آپ سے ملنے
 اور رخصت ہونے کو اس پار آئے، آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ ہم جناب اپنی میں جا کر تے ہیں،
 تم سب مل کر آئیں، کہو پھر آپ سر کھول کر دعا میں مشغول ہوئے کہ ”اے پروردگار! قادر بے نیاز اور
 اے کریم کار ساز، بندہ نواز، بے تیرے بندے محض عاجز و خاکسار، ضعیف و ناچار میں تیری ہی مدد

کے امیدوار ہیں تیرے سوا ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں، یہ صرف تیری ہی رضا مندی اور خوشنودی کو جانتے ہیں تو ہی ان کی مدد کر" اسی طرح کے الفاظ اپنی زبان مبارک سے دتیزک فرمایا کئے۔

روانگی کا منظر

دعا کے بعد سب لوگ آپس میں ملے اور ایک دوسرے سے اپنا کہا سنا معاف کرایا اور کہا "اگر اللہ تعالیٰ زندہ سلامت لائے گا تو پھر ہم تم ملیں گے، اور جو وہاں شہید ہو گئے تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ ہماری ملاقات جنت میں ہوگی"

پھر ہر شخص بید صاحب سے دست بوس ہو کر کشتی پر سوار ہوا، اس وقت وہاں تین کشتیاں تھیں، تین تین پھیروں میں سب لوگ پارا تڑ گئے اور سورۃ "لا یلف" گیارہ گیارہ بار پڑھ کر اکوڑے کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ سب مجاہدین جاتے جاتے فوج مخالفین کے ورے پاؤ کو س کے فاصلے پر ایک نالے پر پھیرے وہاں امیر جماعت الشریحہ خاں صاحب سے مولوی امیر الدین حسنا ولایتی نے مشورۃ کہا "یہ ملکی لوگ جو ہمارے ساتھ ہیں اگر ان کو آگے کریں تو ہمیں ان پر پھرو نہیں، شاید وقت پر طرح دے جائیں اور اگر اپنے لوگوں کو آگے کریں تو وہ یہاں کے راہ گھات سے ناواقف ہیں، کیا تدبیر کرنی چاہئے؟ پھر آخر کو یہ صلاح ٹھہری کہ خدا پر توکل کر کے اپنے ہی لوگوں کو آگے کیا جائے، مگر ملکی لوگوں میں سے ایک شخص کو جو وہاں کے حال سے واقف تھا، آگے بھیجا کہ جا کر لشکر مخالف کی خبر لائے کہ کس طرف لشکر کے لوگ غافل ہیں، اور کس طرف ہوشیار۔

سکھوں کے لشکر کا معمول تھا کہ جہاں کہیں اترتے، لشکر کے گرد خاردار درخت کاٹ کر لشکر بنا لیتے تھے کہ بیکایک کسی غنیم کی فوج نہ آپڑے، کچھ دیر میں وہ آدمی وہاں کی خبر لایا اور کہا کہ

دریائے کابل کو عبور کر کے مجاہدین اکوڑہ کے میدان میں آئے۔

بیچ اکوڑہ، سبھان مجاہدین نے اپنے بیچ اکوڑہ

فلاں طرف لوگ غافل ہیں اور لوگوں کو لے جا کر ان کے لشکر کے قریب کھڑا کر دیا۔

راہِ خدا کا پہلا شہید

اس وقت لشکرِ کفار میں گھڑیاں نے تین پہر پرتین گھڑیاں بجائیں ادھر سے آواز بلند
الشر اکبر! الشر اکبر! کہہ کر سب مجاہدین سکھوں کی فوج میں گھس پڑے اس عرصے میں ادھر کے
ایک پیرے والے نے بندوق ماری، قضائے الہی سے وہ گوئی شیخ باقر علی صفا کے لگی وہ اسی جگہ ٹپ
گئے اور کہا، کوئی بھائی میرے پاس کے ہتھیار لے لے یہ اللہ کا مال ہے، میرا کام تو ہو گیا، مگر
ارمان دل میں باقی رہا!

مجاہدین کی شجاعت

مجاہدین میں جو لوگ دلاور و جزار و کارا زمودہ تھے وہ دس دس پانچ پانچ سکھوں کے خیمے
کی طرف جھکے اور ان کی طنابیں کاٹ کاٹ کر گرانے لگے اور نو تعلیم مجاہدین سے کہا کہ تم ان خیموں
کے آدمیوں کی خبر لیتے جاؤ یہ لوگ تو ان کی مار کوٹ میں مشغول ہوئے اور ملکی لوگ ٹوٹنے پر جھکے
کسی نے گھوڑی لی کسی نے ہتھیار لئے کسی نے کپڑے وغیرہ لئے اور اپنے اپنے گھروں کو چلنے لگے یہاں
مجاہدین میں سے کسی نے چار آدمی مارے کسی نے دس کسی نے زیادہ، عبدالمجید خاں بریلوی نے چودہ
پندرہ آدمیوں کے قریب مارے، اس عرصے میں ان کی تلوار ٹوٹ گئی، مولوی امیر الدین صاحب
دو تلواریں باندھتے تھے، اپنی ایک تلوار خاں صاحب کو دی، اس تلوار سے کبھی کبھی سکھ مارے۔

عبدالشہید اسم اللہ نام ایک مٹھت تھا، اس کے پاس برچھی تھی، اس نے سنا یا آٹھ آدمی
برچھی سے مارے، اسی طرح اللہ بخش خاں اور شمشیر خاں جنہارا اور غلام رسول خاں اور غلام حیدر خاں

اور شیخ بہدانی اور علی حسن، شیخ بڑھن، شیخ رضانی، مرزا ہالیوں بیگ اور بہت صاحبوں نے دشمن کے آدمی مارے اور جو انہوں نے اور شجاعت کی داد دی، بقیۃ السیف شکست فاش کھا کر بھاگنے لگے جس نے جس طرف موقع پایا، اپنی تلوار بندوق لے کر فرار ہو گیا، دس دس پانچ پانچ مجاہدین ان کے ڈیروں، خیموں کی طرف متفرق ہو گئے۔

اس عرصے میں چند مجاہدوں نے ان کے کوچے پر قبضہ کر لیا، اس اثنا میں کوچے کے ایک خلاصی یا گولہ انداز نے رن مہتاب کو آگ لگی اور اس کی ڈوری پھینچ کر اسے بند کیا اور آپ ہا سے ایک طرف بھاگ گیا، اس وقت روشنی سے گویا تمام لشکر میں دن ہو گیا، اس وقت تک مجاہدین میں گنتی کے کوئی دس پندرہ آدمی زخمی اور شہید ہوئے ہوں گے، خود بدھ سنگھ اس رات اکوٹے میں تھا، لشکر میں فقط اس کا خیمہ کھڑا تھا، ایک طرف لشکر کے باہر ان بھاگتے ہوئے، کھولنے ایک چھوٹا سا نقارہ بجایا اور اس روشنی میں دیکھا کہ مجاہدین تھوٹے ہیں کہیں کہیں دس دس پانچ پانچ نظر آتے ہیں وہ بندوقیں لے کر یکبارگی حملہ آور ہوئے، مجاہدین بھی جا بجا سے سمٹ کر ایک جانب کو ہو گئے اور دونوں طرف سے بندوقیں چلنے لگیں، مجاہدین کی طرف سے کسی نے آواز دی کہ اب یہاں سے نکل چلو، لوگوں نے نکلنے کا ارادہ کیا، فتح علی عظیم آبادی کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے دیکھا کہ الشہنشاہ خاں جو ہم لوگوں کے امیر تھے، چند آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے باہر نکلنے کے ارادے سے چلے آتے ہیں اور ان کے پیچھے سیکھہ ہلکے آتے ہیں اس وقت شیخ بہدانی اور علی حسن قواعد کے ساتھ بھاری کی بندوقیں چلا رہے تھے، اس وقت ہماری طرف ایک ایک دو دو شہید اور زخمی ہونے لگے، چنانچہ سید ستم علی صاحب بھی اسی جگہ زخمی ہوئے، اس عرصے میں الشہنشاہ خاں امیر شیخ بہدانی اور علی حسن کے برابر پہنچے کہ لشکر سے باہر نکلیں، تباہیوں نے آواز دی "الشہنشاہ خاں صاحب! تم کو تو حضرت نے سزا دے کر بھیجا تھا، اب تم اس وقت کفار کے مقابلے

سے نکلے جاتے ہو! یہ بات سن کر الشربخش خاں صفا اپنے ہمراہیوں کو لے کر کافروں کے مقابلے کو چلے، ان کو دیکھ کر اور لوگ بھی پھرے اور ان میں شریک ہو گئے، سب ملا کر کوئی پچاس ساٹھ غازی ہوں گے، وہ بند قفس مارنے لگے، جب سکھ اور نزدیک آگئے، تب فرابین اور شریچے سر کرنے لگے، پھر آخر کو تلواروں کی نوبت آئی، یہاں تک کہ تلواروں کے مارے ان کا ہلہ ہٹا دیا، الشربخش خاں صاحب اور ان کے اکثر ہمراہی اس ہلے میں شہید ہو گئے، اور بہت غازی زخمی بھی ہوئے۔

شکر کی مراجعت

یہ حال دیکھ کر اکثر لوگوں نے، جو باقی رہ گئے تھے، قصد کیا کہ ہم بھی جا کر انہیں شامل ہوں، تب اکبر خاں صاحب نے جوڑے دلا اور جہاں دیدہ آدمی تھے، لوگوں کو روکا اور کہا، بھائیو! کیا آج ہی لڑنا ہے؟ اب یہاں سے چلو، انشاء اللہ تعالیٰ پھر کافروں کو ماریں گے، اور سب کو سمجھا کر پھرانے اس وقت صبح صادق خوب نمودار ہو گئی تھی، وہاں سے دریا بہت ہی نزدیک تھا، کوئی کوئی لوگ جو آگے نکل گئے تھے، ان میں سے کسی نے جا کر دریا پار اذان کہی، جس سے پیچھے والوں کو معلوم ہوا کہ ہمارے کچھ لوگ آگے پہنچ گئے۔

پھر لوگوں نے سگر سے نکل کر انتظام کے ساتھ راستہ لیا اور مخالفین میں سے کسی نے ان کا تعاقب نہیں کیا، وہاں سے کوس بھر پریم کر کے نماز فجر پڑھی، نماز کے بعد وہاں سے چلے اور اسی گھاٹ پر آئے، جہاں سے اترے تھے، یہ صفا بہت سے لوگوں کے ساتھ دریا پر کھڑے تھے، آپ نے کچھ لوگوں کو مجاہدین کی تقویت کے لئے بھیجا کہ ایسا نہ ہو، سکھوں نے تعاقب کیا، ہویہ لوگ باقی ہمراہیوں کے انتظار میں صتر تک اسی پار رہے، جب پیچھے کے اکثر لوگ دو دو چار چار کر کے آگئے، تب سب کشتی پر

سوار ہو کر اترے اور پہر رات گئے تک کٹر لوگ دریا میں اتر کر لشکر میں داخل ہوئے اور سید صاحب سے مصافحہ کیا اور ملاقات کی آپ نے شہدا کے لئے دعائے مغفرت کی لوگ ایک ایک دو دو کر کے صبح تک آیا کئے، زخموں کا معالجہ اور مرہم پٹی ہوئی، ڈیرے ڈیرے جہاں سے لوگ گئے تھے، ان کا شمار کیا گیا، معلوم ہوا کہ ہندوستانیوں کوئی چھتیس آدمی شہید ہوئے اور قندھار لوگ کوئی چالیس پینتالیس اور دونوں میں سے کل تیس چالیس آدمی زخمی ہوئے، سکھوں کے سات سو آدمی مارے گئے۔

یہ واقعہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۲ھ (مطابق ۲۰ دسمبر ۱۸۳۲ء) چہار شنبہ اور پنجشنبہ کی درمیانی شب کا ہے۔

جنگِ اکوڑہ کے شہدا

اس جنگ کے شہدا کے نام مع ان کی وطنیت کے لکھے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کی سعادت اور شوقِ شہادت ان کو کہاں کہاں سے پہنچ کر لایا تھا۔

شیخ باقر علی عظیم آبادی، اللہ بخش خاں مورانی (ضلع اناؤ) امیر سرتیہ، عبدالحمید خاں جہان آبادی رائے بریلوی، شمشیر خاں جبار مورانی (ضلع اناؤ) شیخ بڑھن، شیخ رضوانی مورانی (ضلع اناؤ) شیخ ہمدانی خالص پوری بلخ آبادی (ضلع لکھنؤ) علی حسن گنتوی (نزدیک پورچ پرتاپ گڑھ) غلام حمید خاں خالص پوری (ضلع لکھنؤ) غلام رسول خاں خالص پوری خدا بخش خاں (بہلی) شادول خاں خیر آبادی (اودھ) کریم بخش خاں بڑھانوی (روہیلکھنڈ) کریم بخش مسجد فتحپوری (دہلی) میاں جی احسان اللہ بڑھانوی شیخ معظم جگدیش پوری (ضلع پرتاپ گڑھ) دین محمد کورہر تانوی

لے کورہر تانوں ضلع رائے بریلی میں ہے۔

بیواڑہ (اودھ) عباد اللہ (مؤصلع اعظم گڑھ) قاضی طیب، امام خیر آبادی، اولاد علی
 مادھوی، ہالیوں بیگ لکھنوی، امام الدین خاں رامپوری، سید محمد بہاروی (ضلع مظفرنگر) محمد کمال
 ترم پوری، فہیم خاں حسین پوری (ضلع مظفرنگر) سید عبدالرحمن شیاہلی (ضلع مظفرنگر) شیخ مخدوم
 سید فتحپوری (دہلی) غلام نبی خاں گوالیاری، عبدالرزاق دیوبندی، جو اہر خاں لکھنوی، منور خاں
 بیج آبادی (اودھ) سید ابجبار مورانوی، سید عبدالرحمن سندھی، حسن خاں سندھی، اکبر خاں
 خالص پوری (اودھ)۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
 خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

مؤمن کا یقین

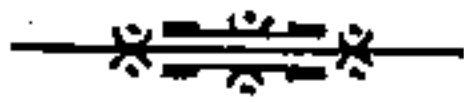
مولانا اسماعیل صاحب نے یہ حدیث سے کہا "یہاں جو واقعہ گزرا ہے اس کا حال ہندوستان
 لکھ کر بھیجنا ضروری ہے اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟" فرمایا "بہتر ہے" مولانا نے پوچھا "جو لوگ شہید
 ہوئے ہیں ان کے نام بھی خط میں لکھے جائیں یا یوں ہی مجل تذکرہ کر دیا جائے؟" آپ نے کچھ
 دیر سکوت کیا، پھر فرمایا "یوں لکھ دیجئے کہ عنایت الہی سے ہم سب لوگ یہاں خوشحال ہیں"
 مولانا نے کہا "حضرت میں آپ کے کلام کو اچھی طرح نہیں سمجھا، ذرا تفصیل فرمائیں" آپ نے
 فرمایا "مفصل یہ ہے کہ جو لوگ یہاں زندہ موجود ہیں یہ بھی خوشحال ہیں اور جو شہید ہوئے
 اور اپنی مراد کو پہنچے، وہ سب سے زیادہ خوشحال ہیں!"

اکوڑے کی جنگ کا اثر

اس جنگ کا اثر مسلمانوں اور مخالفین پر خاطر خواہ ہوا، مسلمانوں کے دل بڑھ گئے

اور جوصلے بلند ہوئے، دربارِ لاہور کی بھی آنکھیں کھلیں، ملکی سردار جو جو بوق آکر مبارکباد دینے لگے۔

سردار بدھ سنگھ نے اس ہزیمت کے بعد موضع شیدو سے جہاں وہ اکوڑے کے بعد مقیم تھا، پیچھے ہٹ جانے کا ارادہ کیا، لیکن اٹک کا قلعہ دار یہ خیر سن کر مانع ہوا کہ اس وقت یہاں سے پیچھے ہٹنا مناسب نہیں ہے، اگر آپ یہاں سے چلے جائیں گے تو مجاہدین کا لشکر خیر آباد اور اٹک کو تباہ کر دے گا، یہ سن کر بدھ سنگھ نے موضع شیدو میں لشکر کے گرد سکر باندھنے کا سامان جمع کیا، امیر خاں سے یہ سن کر یہ صاحب نے صبح کو نو تہرے سے کوچ فرمایا اور جو لوگ وہاں زخمی تھے ان کی خدمت اور خبر گیری کے واسطے دو صاحبوں (عبدالقیوم اور سید امانت علی) کو بھجوا دیا اور اس روز تمام لشکر کے ساتھ مصری بھانڈے میں مقام کیا، دوسری منزل موضع نور ڈھیر میں کی۔



چوبیسواں باب

حضرت کا چھاپہ

اس وقت اہل سرحد کو سید رضاؒ کی جماعت کی قوت اور جنگی صلاحیت کا کوئی اندازہ نہ تھا، لاہور کی منظم حکومت کے مقابلے میں وہ اس بے سوسا مان قافلے سے کوئی بلند توقعات نہیں رکھتے تھے، لیکن اکوڑے کے شب خون اور اس میں مجاہدین کی جانبازی و مردانگی کے جوہر دیکھ کر سب کو اس کا احساس ہوا کہ یہ فروش مجاہدین کی ایک جماعت ہے جس میں عزم اور نظم دونوں جوہر پائے جاتے ہیں اور سرحد کے ان مجاہدین میں جو وقتاً فوقتاً ”غزوا“ کے نام سے جمع ہو جاتا کرتے تھے ان دنوں کا استزاج و اجتماع بہت کم پایا جاتا تھا، خود سکھوں کو بھی ایسے سرکیت اور جانباز مجاہدین واسطہ نہیں پڑا تھا، مشہور تھا کہ ”سکھان این چنیں مقانلان دیدہ و شنیدہ شدہ“ اطراف و جوانب میں بھی اس واقعے سے مجاہدین کی دھاک بٹھ گئی اور ہر طرف سے لوگوں کی آمد شروع ہو گئی، ایک مکتوب میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ”بظہور این واقعہ مسلمین این دیار فراہم شدن شروع کردند“

لہٰذا یہ چھاپہ نہ تو سید رضاؒ کے ایما اور حکم سے ہوا تھا، نہ جماعت مجاہدین کی اس میں باضابطہ شرکت تھی، قندھاریوں میں صرف تیس چالیس اشخاص اپنی خواہش اور آپ کی اجازت سے شریک ہو گئے تھے، اس کا تذکرہ ضمنی طور پر سیرت میں آنا چاہئے، اس واقعے کی اہمیت یہ ہے کہ اس انعقاد بیعت و امامت اور حجاب کی تنظیم کے خیال کو تقویت ہوئی اور اس کے بعد سید رضاؒ کے دست مبارک پر باقاعدہ بیعت امامت کی گئی تاکہ تمام امور شرعی طریقے پر انجام دیئے جاسکیں۔

جن ملکی سرداروں کو اس واقعے نے خاص طور پر متوجہ کیا اور ان کے دل میں سیدضیاء کے پاس آنے اور آپ سے اشتراک عمل کرنے کی تحریک پیدا کی، ان میں سردار خاندے خاں ٹیس ہنڈ خاص طور پر قابل ذکر ہے، جو اس نواح کا ایک نامی گرامی سردار اور اس علاقے کا ایک طاقتور رئیس اور خان تھا، وہ چالیس پچاس سو اوروں کے ساتھ ملاقات کے لئے آیا، خلوت میں آپ سے کچھ مشورہ کیا اور وہیں آپ سے بیعت کی اور کہا "آپ کو اس سستی میں رہنا مناسب نہیں ہے، یہاں سے آپ میرے پاس چل کر ٹھہریں، وہاں ہر ایک چیز کا آرام ہے، چونکہ ہنڈ میں ایک مضبوط قلعہ موجود تھا، وہاں کا سردار اصرار سے دعوت دے رہا تھا، اور نصرت و رفاقت کا وعدہ کرتا تھا، اور چونکہ شروع ہی سے یہ بات سیدضیاء کے پیش نظر تھی کہ سردی خوانین اور سرداروں کی رفاقت و تعاون سے جہاد کا کام انجام دینا ہے، اس لئے آپ کو اس پیش کش کے منظور کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا تھا، آپ نے اس کی دعوت منظور فرمائی، صبح سردار خاندے خاں آپ کو تمام لشکر کے ساتھ لے گیا اور موضع بازار میں جو ہنڈ کے مشرق میں تقریباً ایک میل کے فاصلے پر واقع تھا، آپ کا قیام تجویز کیا۔

سید صاحب کی آمد کی اطلاع سن کر اطراف و جوانب کے سردار و خوانین ملاقات کے واسطے حاضر ہوئے، کچھ کم یا زیادہ پانچ ہزار آدمیوں کی جمعیت ہوگی۔

۱۔ اصل نام شادی خاں تھا، پشتو میں اکثر "ش" کو "خ" سے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

۲۔ ہنڈ بہت پرانا اور اہم مقام ہے، پرانے زمانے میں اسے ہنڈ اور دہنڈ بھی کہتے تھے، مشہور چینی عالم و سیاح یوانگ چونگ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، سکندرنے اسی جگہ سے اٹک کو عبور کیا تھا، اکبر نے اس جگہ ایک مضبوط قلعہ بنا دیا تھا، جو اب تک باقی ہے، یہ اٹک سے سترہ میل مشرق میں دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔

(سید احمد شہنشاہ)

حضرت پرچھاپہ

ان سرداروں اور خواہن نے یہ صاحب سے عرض کی کہ یہاں سے ڈھائی تین کوس دریاے اباسین کے پار ایک بستی حضرت سکھوں کی عملداری میں ہے اور وہ بڑی منڈی ہے لاکھوں روپے کا مال و اسباب ہاں ہے اس بستی کے کنارے ایک چھوٹی سی گڑھی بھی ہے اس میں ایک ٹوپ بھی ہے اگر آپ ہاں چھاپہ بھیجیں تو بہت مال غنیمت ہاتھ لگے گا۔

یہ سنانے انہوں نے ظہور اللہ صاحب سے فرمایا ان کی زبان پشتو ہے تم ہماری طرف سے کہو کہ ہمارے بہت غازی اکوٹے میں شہید ہوئے اور کچھ زخمی ہوئے باقی یہاں ہمارے پاس تھوڑے لوگ ہیں اور یہ آپ کے ملک کی راہ و رسم سے واقف بھی نہیں آپ کے ہمراہ بہت لوگ ہیں اور یہاں کے نشیب و فراز سے واقف ہیں اگر آپ اس بات کا ارادہ کریں تو ہو سکتا ہے۔

انہوں نے صاحب سے آپ کی طرف سے ترجمانی کی تو ان سرداروں نے عرض کیا کہ ہماری طرف سے حضرت کی خدمت میں عرض کیجئے کہ ہم فقط آپ کی اجازت ہی کے منتظر تھے اب آپ ہمارے حق میں دعا کریں ہم یہ معاملہ سمجھ لیں گے۔

یہ گفتگو سن کر ہندوستانی لوگ خاموش رہے کہ حضرت کے دل میں ہم کو بھیجنے کی صلاح نہیں ہے مگر قندھاریوں میں نہیں چالیس شخصوں نے یہ سنا سے اجازت چاہی کہ ہم کو حکم ہو تو ہم جائیں آپ نے فرمایا کہ خیر بہتر تم کو اجازت ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہاں جو لوگ مسلمان ہوں ان کو کسی طور کا صدمہ نہ پہنچے اس لئے کہ ان کو ابھی جہاد کی دعوت نہیں پہنچی لیکن ان میں جو ہتھیار لے کر تمہارا مقابلہ کرے اس کو مارنے کا تم کو اختیار ہے۔

۱۔ حضرت علاؤدین چچہ ضلع کیمبل پور کا مشہور مقام ہے اور دریاے اباسین (سندھ) سے تقریباً چھ سائیل کے فاصلے پر ہے۔

رات گئے لوگ کشتیوں، جانوں اور شناسوں پر سوار ہو کر اباسین کے پار اترے اور
 آدھی رات قریب اتر کر روانہ ہوئے اور جا کر اپنا کام کیا، صبح کو بیدار نماز فجر کا سلام
 پھر کر بیٹھے تھے کہ ان چھاپے والوں میں سے ایک شخص ایک بہت عمدہ گھوڑا لے کر آیا اور
 سید صاحب سے کہا "مبارک ہو غازیوں نے حضور کو لے لیا اور آپ کے قندھاریوں نے
 گڑھی پر قبضہ کر لیا، یہ گھوڑا آپ کی نذر ہے۔"

وہ یہی باتیں کر رہا تھا اور آپ خاموش بیٹھے سنتے تھے کہ کسی نے کہا کہ وہ دیکھو دریا

کے پار تمام چھاپے والے غازی چلے آتے ہیں یہ بات سن کر لشکر کے تمام لوگ اور جو وہاں تھے ان کی
 طرف دیکھنے لگے ابھی سوچ نہیں نکلا تھا جب لوگ اور قریب آئے اور خوب اجالا ہو گیا تو دیکھا کہ
 تمام ملکی لوگ مال و اسباب کی گھڑیاں اپنے اپنے سر پر رکھے سب آگے آگے چلے آتے ہیں اور ان کے
 پیچھے قندھاری سکھوں کے چودہ پندرہ سوار جنھوں نے وہاں سے ان کا تعاقب کیا تھا، ان کو
 بندوقیں مارتے چلے آتے ہیں، یہاں تک کہ ایک نالے کو آپکڑا اور ان سواروں کو گولیاں مارا کہ
 وہیں روکا، یہ ملکی لوگ مال غنیمت لئے ہوئے اباسین کے کنارے پہنچے کچھ لوگ شناسوں پر اترنے لگے
 اور کوئی گھاس کے گٹھوں پر باوجودیکہ یہ ملکی لوگ مسلح تھے، ان قندھاریوں کے سوا ان میں سے کسی نے
 سکھوں کا مقابلہ نہ کیا، اور اکثر بدحواسی کے مارے دریا میں اترتے اترتے مال و اسباب سمیت ڈوب گئے۔
 یہ حال دیکھ کر آپ نے سردار خافے خاں سے کہا کہ جلد اپنے لوگ ہمارے سید النور شاہ
 کے ہمراہ کر کے قندھاریوں کی مدد کو بھیجو اور اپنے سب ہندوستانیوں کو فرمایا کہ اس وقت تم مسلح
 ہو کر ہمارے پاس تیار رہو یہ حکم ہندوستانیوں میں سے حیات خاں بریلوی، شیخ برکت اللہ بنگالی

لے اہل سرد بڑے لوکرے کو چڑے سے منڈھ لیتے ہیں جس کی وجہ سے پانی اندر نہیں آسکتا، اس سے وہ دریا

عبور کرتے ہیں اور اس کو جالہ کہتے ہیں۔ لے شناس شگیزے کو کہتے ہیں۔

شیخ فیض الدین بنگالی، محمد صلاح سندھی اور نظام الدین اولیا کو نہیں پہنچا، نادانستہ وہ بھی خادے خاں کے آدمیوں کے ساتھ چلے گئے، اس عرصے میں سکھوں کی مدد کے لئے جا بجا سے چارپانچ سو آدمی آگئے، بید اور شاہ پچاس ساٹھ آدمیوں کے ساتھ سکھوں کے مقابلے میں قندھاریوں کے ساتھ شریک ہوئے اور حیات خاں بریلوی وغیرہ پانچوں اشخاص آگے بڑھ کر قواعد کے ساتھ بند و قفس چلانے لگے اور ایسی شجاعت اور جوانمردی سے مقابلہ اور حملہ کیا کہ وہ چارپانچ سو سکھ شکست کھا کر پسا ہو گئے، مجاہدین دریا پار سے یہ حال دیکھ رہے تھے، جب پیادہ اور سوار مقابلے سے بھاگے تو بیدھناتے سردار خادے خاں سے کہا کہ اب جلد لوگوں کو کشتیوں پر اتارنا شروع کراؤ، گھاٹ پر نین کشتیاں تھیں خادے خاں نے ان پر اپنے نوکر چاکروں کا بندوبست کر کے اتروانا شروع کیا، ایک کشتی پر بہت لوگ سوار ہو گئے، وہ کنارے ہی پر بیٹھ گئی، چند آدمی بھی ڈوب گئے، دو کشتیاں اس پار سلامت آئیں ان میں چند زخمی اور باقی ملکی مال غنیمت لئے ہوئے تھے، خادے خاں کے لوگوں نے ان سے مال غنیمت لے کر ایک جگہ جمع کیا، پانچ ہندوستانیوں میں سے شیخ برکت اللہ بنگالی اور حیات خاں شہید ہوئے، ان کی لاشیں آئیں، شیخ فیض الدین بنگالی، محمد صلاح سندھی اور نظام الدین اولیا زخمی ہو کر آئے، جب کشتیوں کا دوسرا پھیر آیا اور خادے خاں کے آدمی ان کا اسباب لینے لگے تو انھوں نے دینے سے انکار کر دیا اور رٹنے کو تیار ہو گئے، یہ معاملہ خادے خاں نے اپنی رائے سے کیا تھا، بیدھناتے کو اس کی اطلاع نہ تھی، جب اس قصے کی خبر بیدھناتے کو ملی کہ ملکی لوگ غنیمت کا سامان حوالے نہیں کرتے اور رٹنے کو تیار ہیں تو آپ نے حاجی عبدالشہراپوری اور اخوند ظہور اللہ و لایتی کو بھیجا کہ خادے خاں سے جا کر کہو کہ کسی سے مال و اسباب کے بارے میں تعرض نہ کریں اور جس کا لیا ہوا اس کے حوالے کر دیں، آپس میں فساد کرنا مناسب نہیں خادے خاں نے اس پیغام پر کچھ مال حوالے کر دیا

اور کچھ دبا رکھا، عصر کے وقت تک سید نور شاہ بھی اپنے لوگوں کے ساتھ اس پارا ترائے۔

سزا ریدہ سنگھ اور سید رضا کی خط و کتابت مقاصد جنگ کی وضاحت

اکوڑے کے شب خون اور حضور کے حملے کے بعد ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۲۱۲ھ کو سزا

ریدہ سنگھ نے سید صاحب کو حسب ذیل خط لکھا:-

شرافت منزلت سیادت مرتبت فضیلت

پناہ عبادت انبیا زید الفضلاء العظام

یگانہ بلا اشتباہ سید احمد جوہ سلمہ اظہر و

ہوید ایاد کہ باوجود چندیں مسافت از ملک

دور دست محض بنا بر ہنگامہ پیراستہ و لباس

شہاد و بر خود آراستہ اند لازم بود کہ مقابلہ جنگ

و پیکار در میدان بود اگر طمع نفسانی خون

و تاخت بر غریبا و یو پار بیان شہر حضور نمودند

سراسر تنگ بجهان جاودالی گردید معہذا

بے چارگان ہمراہی چون شیشہ سرنگ دہ معدوم

شدند الحال لازم کہ اگر اصل سید و کبیر امرا

اند مقابل صریح باشند از مخفی روی سود

جہانی و بہبود ملک جاودالی نیست

و اگر فرار شوند از نفع ہر دو جہانی

شرافت منزلت سیادت مرتبت فضیلت پناہ عبادت

انبیاء زید الفضلاء العظام، یگانہ بلا اشتباہ

سید احمد ضا سلمہ واضح ہو کہ اتنی مسافت طے کرنے

کے بعد اور اتنے دور دراز ملک سے اگر آپ نے لڑائی کی

طرح ڈالی اور لباس شہادت کو اپنے اوپر راستہ

کیا ہے تو لازم تھا کہ جنگ مقابلہ میدان میں نکل کر

طمع نفسانی سے شہر حضور کے غریبا و یو پار یوں

شب خون اور چھاپہ مارنا ذلت اور ہمیشہ کی

بدنامی کی بات ہے اسی کے ساتھ آپ کے ہمراہ

جس طرح شیشے کو پتھر سے مارا جائے اسی طرح

معدوم ہو گئے، اب بھی اگر آپ اصل سید اور

بڑے سردار ہیں تو باہر نکل کر صاف صاف مقابلہ

چھپ کر رٹنے سے دنیا اور دین کا کوئی فائدہ

نہ ہوگا اور اگر فرار اختیار کریں تو دونوں جہاں

خالی خواہند ماند۔ (مجموعہ خطوط قلمی) نفع سے خالی ہاتھ جائیں گے۔

یہ صاحب نے اس کا جو جواب دیا، وہ ذیل میں درج ہے۔

از امیر المؤمنین سید احمد رضا میرا بہت بخیر
 سپہ سالار جنود و عساکر مالک خزان و
 دفاتر جامع ریاست و سیاہاوی امارت
 و ایالت صاحب شمشیر و جنگ عظمت نشا
 سردار بدھ سنگھ ہذا اے اللہ سقاء الطریق
 و أمطر علیہ سبحان التوفیق ا پوشیدہ
 نامہ کہ نامہ فصاحت شمارہ مثل براظہار
 مراتب دعاوی شجاعت و شہامت رسید
 مضامین مندرجہ واضح گردید۔ ظاہر آنچہ
 اس جانب را ازین ہنگامہ آرائی و محرک پیرائی
 مقصود است آن را خوب نہ فہمید اندکہ
 نامہ مذکورہ نگارش نموده اند احوال بگوش
 باید تنبہ و خلاصہ آن بخور تمام باید فہمید کہ
 منازعت با اہل حکومت و ریاست براغراض
 امیر المؤمنین سید احمد کی طرف سے سپہ سالار
 جنود و عساکر مالک خزان و دفاتر جامع ریاست
 و ریاست عاوی امارت و ایالت صاحب شمشیر
 و جنگ عظمت نشان سردار بدھ سنگھ کو (اللہ
 اس کو بدھ سنگھ راستے کی ہدایت دے اور اس پر
 توفیق کی بارش کرے) واضح ہو کہ آپ کا گرامی نامہ
 جو اظہار مراتب شجاعت و شہامت کے
 دعاوی پر مشتمل ہے، پہنچا اور اس کے مضمون سے
 آگاہی ہوئی، معلوم ہوتا ہے کہ میرا اس
 ہنگامہ آرائی اور محرک پیرائی سے جو مقصود ہے،
 آپ نے اس کو اچھی طرح نہیں سمجھا اور اسی لئے
 آپ نے اس طرح کا خط لکھا، اب کان لگا کر سنئے
 اور غور کر کے سمجھئے کہ اہل حکومت و ریاست کے
 مطالبی جھگڑا چند اغراض سے ہوتا ہے بعض

۱۔ یہ خط ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۲۲۲ھ کا لکھا ہوا ہے یعنی انعقاد بیعت امامت (۱۲ جمادی الآخرہ

۱۲۲۲ھ) کے تیسرے روز لکھا گیا ہے اسی لئے اس میں پہلی مرتبہ "امیر المؤمنین" کا لقب آیا ہے، چونکہ

اس خط و کتابت کا تعلق حضور کے چھاپے سے ہے اس لئے اس کا ذکر یہاں کر دیا گیا ہے۔

متعدده می باشد بعضی را از نماز عت
 مذکورہ حصول مال و ریاست مقصود می باشد
 بعضی را اظهار شجاعت و شہامت و بعضی
 را فقط تحصیل مرتبہ شہادت و این جانب را
 امر دیگر مقصود است و آن فقط بجا آوردن
 حکم مولائے خود کہ مالک علی الاطلاق و ملک
 بالاستحقاق است کہ در مقدمہ نصرت دین
 محمدی وارد شدہ است خدائے عزوجل
 گواہ است بر این معنی کہ این جانب را ازین
 ہنگامہ آرائی غیر از امر مذکور غرض دیگر از
 اغراض نفسانیہ در میان نیست بلکہ آرزو
 حصول آن ہم نہ گاہے بزبان جاری می گردد
 و نہ گاہے در دل می گزرد پس در نصرت
 دین محمدی ہر سعی بہر وجہ کہ ممکن می باشد
 بجای آرم و ہر تدبیرے کہ در آن مفید
 می نماید بروئے کاری آرم و انشاء اللہ تا دم مرگ
 در ہمیں سعی مشغول خواہم ماند و تمام عمر در ہمیں
 تدبیرات مبذول خواہم کرد تا زندہ ام
 ہمیں راہ می پویم و تا موجودم ہی مقصد مجاہدیم

آدمیوں کا مقصود مال و ریاست کا حصول ہوتا
 ہے بعض کو محض اپنی شجاعت اور دلیری دکھانی
 ہوتی ہے اور بعض آدمیوں کا مقصد شہادت کا
 مرتبہ حاصل کرنا ہوتا ہے لیکن اس سے میرا
 مقصد ہی دوسرا ہے یعنی فقط اپنے مولا کے حکم کی
 بجا آوری جو مالک مطلق اور بادشاہ برحق ہے
 اس نے دین محمدی کی نصرت و اعانت کے
 بارے میں جو حکم دیا ہے محض اس کی تعمیل مقصود
 ہے خدائے عزوجل اس بات کا گواہ ہے کہ
 میرا اس ہنگامہ آرائی سے اس کے علاوہ کوئی
 دوسرا مقصود نہیں اور اس میں کوئی نفسانی
 غرض ہرگز شامل نہیں بلکہ کسی نفسانی غرض کے
 حصول کی آرزو نہ کبھی زبان پر آتی ہے نہ کبھی
 دل میں گزرتی ہے دین محمدی کی نصرت میں جو
 کوشش بھی ممکن ہوگی بجا لاؤں گا اور جو تدبیر
 بھی مفید ہوگی عمل میں لاؤں گا اور انشاء اللہ
 زندگی کی آخری سانس تک اسی کوشش میں مشغول
 رہوں گا اور اپنی پوری عمر اسی کام میں صرف
 کروں گا جب تک زندہ ہوں اسی راستے پر

تا سر و پا است، ہمیں راہ است وہی سودا۔
 خواہ مفلس شوم، خواہ غنی، خواہ منصب سلطنت
 یا ہم، خواہ منصب رعیت گری، خواہ مہم بچین
 شوم، خواہ قسم شجاعت، خواہ بمرتبہ غزافا از
 شوم، خواہ بمنزل شہادت آئے اگر ہم
 رضائے مولائے من در ہمیں منحصر است کہ
 در معرکہ جنگ تنہا بجان خود یا ہم پس
 باللہ و تاللہ کہ بعد جان سینہ سپر تا ہم، در
 جامع عسکر لے دغدغہ و وسواس در آیم،
 با جملہ مرا با ظہار دعاوی شجاعت و تحصیل
 ریاست غرض نیست، علائقش ہمیں است کہ
 اگر کسی از امرائے کبار و رؤسائے عالی مقدار
 دین محمدی قبول نماید فی الحال مردانگی او بعد
 زبان اظہار تا ہم و از دیاد سلطنت او ہزار
 جان می خواہم، بلکہ در باب ترقی ریا اور ماسی
 بے شمار می آیم، این امر رانی الحال امتحان کنند
 اگر خلاف بر آید الزام دہند، اگر نظر انصاف
 غور نمایند، اس جانب دریں مقدمہ اصلاً
 مطعون ملامت نیست، زیرا کہ وقتیکہ آن

چلتا رہوں گا اور جب تک دم میں دم ہے اسی
 کام بھرتا رہوں گا، جب تک پاؤں ہیں اس وقت
 تک یہی راستہ ہے اور جب تک سر ہے اس وقت
 تک یہی سودا، خواہ مفلس ہوں، خواہ دولت مند
 خواہ منصب سلطنت سے سرفراز ہوں، خواہ کسی
 رعیت بنوں، خواہ بزدلی کا الزام ہوں، خواہ
 بہادری کی تعریف سنوں، خواہ میدان جہاد سے
 زندہ واپس ہوں، خواہ شہادت سے سزور ہوں،
 ہاں اگر میں دیکھوں گا کہ میرے مولیٰ کی خوشی اسی میں ہے کہ
 میدان جنگ میں تنہا سر کف آؤں تو خدا کی قسم کہ
 سو جان سے سینہ سپر ہوں گا اور لشکر کے رنے میں
 بے کھٹکے گھس آؤں گا، مختصر یہ کہ مجھے نہ اپنی شجاعت
 اظہار مقصود ہے نہ ریا کا حصول اس کی علامت
 یہ ہے کہ اگر سر بر آوردہ حکام اور عالی مرتبت سرداروں
 میں سے کوئی شخص دین محمدی قبول کرے تو میں اس کا
 مردانگی کا سوزبان سے اعتراف و اظہار کروں گا اور
 ہزار جان سے اس کی سلطنت کی ترقی چاہوں گا
 اور اس کی حکومت کی ترقی کے لئے بے حد کوشش
 کروں گا، اس بنا کا آپ فوراً امتحان کر سکتے ہیں اگر

عظمت نشان در مقدمہ بجا آوردن احکام
حاکم خود هیچ عذرے و حیلہ نمی توانند در آن
حالیکہ آن حکومت نشان از افراد انسان
بلکہ از جملہ برادران ایشان است پس این
جانب در مقدمہ بجا آوردن حکم ام المومنین
گو نہ عذر توانند در آن حالیکہ آن جلیل نشان
خالق جمیع افراد انسان بل مکون سائر کائنات
است "وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی"
تحریر تاریخ پانزدہم شہر جمادی الثانیہ
۱۲۲۲ھ

اس کے خلاف ہو تو مجھے الزام دیجئے، اگر آپ نصیحت
کی نظر سے دیکھیں تو مجھے اس معاملے میں ہرگز قابل
ملامت اور قابل الزام نہ پائیں گے، کیونکہ جب
جناب اپنے حاکم کے احکام کی تعمیل میں جو آپ جیسا
ایک انسان بلکہ آپ کی برادری کا ایک فرد ہے کوئی
عذر اور کوئی حیلہ نہیں کر سکتے تو میں حکم ام المومنین کے
حکم کی تعمیل میں جو زمین و آسمان کے تمام افراد انسان
اور ساری کائنات کا خالق ہے، کیا عذر کر سکتا ہوں
والسلام علی من اتبع الهدی (سلام اس پر جو ہدایت
کا راستہ اختیار کرے) مؤرخہ ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۲۲۲ھ

موضع بازار سے آپ خادے خاں کی خواہش و اصرار پر پہنچے، قلعہ ہینڈ
کے جنوبی گوشے میں تالاب کے کنارے آپ کا خیمہ نصب ہوا اور تین مہینے آپ نے وہاں قیام فرمایا
اس عرصے میں آپ نے خادے خاں، انشرف خاں اور فتح خاں پنج تاری کے درمیان صلح کرادی
انشرف خاں اور فتح خاں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور کہا کہ ہم جان و مال سے آپ کے
شریک ہیں سرداروں کی مصالحت کے بعد دور دور سے ان اطراف و جوانب کے علما جمع
ہونے لگے۔

۲۵ پیسواں باب

بیعتِ امامت

بیعتِ امامت

اکوڑے اور حضرو کے چھاپے کے واقعات صاف تجربہ ہو گیا کہ ملکی لوگ کسی نظام اوڈ
ضابطے کے پابند نہیں، جنگ کے موقع پر وہ فوراً لوٹ پوٹ پڑتے ہیں اور مالِ غنیمت شرعی
اصول پر تقسیم نہیں ہونے پاتا، اس لئے علمائے لشکر کا بالاتفاق فیصلہ ہوا کہ سب سے زیادہ ضروری
اور مقدم کام یہ ہے کہ اپنا امام مقرر کر لیا جائے تاکہ اس کی قیادت و امامت میں شرعی جہاد ہو
محض بلوہ اور لوٹ مار نہ ہو، منظم جنگ ہو، مالِ غنیمت کی شرعی تقسیم ہو، احکامِ شریعت و قوانین
وحد شرعیہ کا اجرا، قضاة و محاسبین کا تقرر و انتظام ہو اور جو نافرمانی کرے وہ باغی اور
خارج از جماعت ہو، چنانچہ پینچشنبہ کے دن ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۲۴۲ھ کو بالاتفاق یہ صواب
کے ہاتھ پر بیعتِ امامت و خلافت کر لی گئی، ۱۳ جمادی الآخرہ کو جمعے میں دوسرے روز
آپ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

یہاں پر ایک مکتوب درج کیا جاتا ہے جس میں آپ نے ہندوستان کے اہل تعلق کو
اکوڑے کی جنگ اور حضرو کے چھاپے کے واقعات اور بیعتِ امامت کی اطلاع دی ہے

لے یہ مکتوب نصیر آباد کے قلمی ذخیرے میں دستیاب ہوا، اس کی شانِ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیدرآباد میں
سے لکھا گیا ہے۔

اور ان واقعات کو تحریر فرمایا ہے جو اس کے لئے محرک و موجب بنے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

از فقیر سید احمد بخد مت فضائل آب مناقب اکتساب۔

بعد از سلام مسنون و دعائے اجابت مقرون
واضح آنکہ اھم لیسہ و المنہ کہ فقیر مع جمیع رفقا
خود بشمول کفایت یزدانی و حمایت بانی بخیر فقا
تمام ناباضلاع یوسف زئی رسید چنانچہ اجزاء
کوچ و مقام فقیر تا بلدہ نیکار پور بسبب مبارک رسید
باشد بعد ازاں از راہ بھاک و شمال و درہ
ڈھاڈر بجائیت گزر نمودہ در بلدہ قندھار
رسید ہفت روز مقام کردہ عزم کابل نمود
اتناءے راہ مسلمین را سخین و مؤمنین صافین
از امر او ضعفا صنغار و کبار کمال محبت
و و داد و اخلاص اتحاد پیش آمدند چوں
بدار السلطنت کابل رسیدیم اہالی بلدہ نیکار
و اطراف و جوانب آن از سادات کرام
و علمائے عظام و مشائخ ذوی الاحترام
و رؤسائے عالی مقام و سایر خواص عوام
کمال فور رغبت و غایت اظہار مودت ملاقا نمودند

سلام مسنون و دعائے مقبول کے بعد واضح ہو کہ
الشر کا شکر و احسان ہے کہ فقیر اپنے تمام رفقا کے
ساتھ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و حمایت سے خیر و عافیت
کے ساتھ اضلاع یوسف زئی پہنچا شہر نیکار پور
نیک فقیر کے کوچ و مقام کی روداد آپ تک
پہنچ چکی ہوگی اس کے بعد بھاک شمال اور
درہ ڈھاڈر سے عافیت کے ساتھ گزرتا ہوا
شہر قندھار میں پہنچا سار و زوہاں قیام کر کے
کابل کا عزم کیا راستے میں اسخ العقید مسلمان
اور مخلص اہل ایمان کیا امیر کیا غریب کیا چھوٹے
کیا بڑے کمال محبت و مودت اور اخلاص و
اتحاد سے پیش آئے جب ہم دار السلطنت کابل
پہنچے تو وہاں کے باشندے اور اطراف جوانب کے
سادا کرام علمائے عظام مشائخ ذوی الاحترام
اور رؤسائے عالی مقام اور ہر طرح کے خواص عوام
بڑے ذوق و شوق سے ملاقات کرتے تھے ان ایام

در آن ایام فیما بین سردارانِ کابل مقدمہ
 جنگِ جدال پیش بود، فقیر بنا بر دفعِ نواز ایشا
 سی و ہفت روز مقامِ نمودہ آخرا لامر چوں صورت
 صلح ایشاں نہ بستہ فقیر نہضتِ بہمتِ پشاو
 نمودہ در اثنائے راہ ہم مثلِ حال سابق اہل
 از یبازاں از دحامِ مؤمنینِ مخلصینِ اجتماع
 مسلمینِ دینِ پیش آمدند بعد از اں بلکہ پشاو
 رسید باصغار و کبار آنجا ملاقات نمودہ و در روز
 در اں مقامِ اقامت نمودہ بہمتِ موضع
 ہشت نگر آمد چند روز مقامِ کردہ مؤمنینِ آں
 دیار را بسوئے اقامتِ جہاد و ازالہ کفر و فسق
 دعوت نمودہ از فضلِ ربِ قدیر حجے غفر از
 مؤمنینِ آن اطراف و اکناف بہ نیتِ خلوص
 بہ ارادہ ادائے ایں عبادتِ عظمیٰ و عطیہ کبریٰ
 و ادراکِ ایں سعادتِ علیا فراہم آمدند بعد از اں
 بہ موضعِ خوشگی آمد و از آنجا بموضعِ نوشہرہ
 رسید، قصدِ اقامتِ چند روز نمودہ دریں
 اثنائے شکر سیکہا کہ بقدرِ ہفت ہزار سوار پیادہ
 بسرکردگی بدھ سنگھ ابنِ عمِ رنجیت سنگھ بہ موضع

میں سزراں کابل کے درمیان کچھ جنگ و جدل
 تھا، فقیر نے ان کے نزاع کو دور کرنے کے لئے
 ایک مہینہ سات دن قیام کیا، جب مصالحت کی
 کوئی صورت نکلی تو پشاو کی جانب کوچ کر دیا
 اثنائے راہ میں پہلے ہی کی طرح، بلکہ اس کے کچھ
 زائد ہی مخلص مسلمانوں کا ہجوم تھا، وہاں سے
 پشاو پہنچے اور اہل شہر سے ملاقات کی دو تین
 روز وہاں ٹھہر کر موضع ہشت نگر میں آئے،
 چند روز وہاں قیام کر کے وہاں کے اہل ایمان
 کو اقامتِ جہاد اور ازالہ کفر و فساد کی دعوت
 دی، خدائے قدیر کی مہربانی سے ان اطراف
 و اکناف کا ایک جم غفیر اس عبادت کی
 ادائیگی اور اس سعادت کے حصول کے
 لئے جمع ہو گیا تھا، وہاں سے موضع خوشگی
 میں آنا ہوا جہاں سے نوشہرہ پہنچے اور
 چند روز قیام کا ارادہ کر لیا، اس اثناء میں
 نیکھوں کا ایک لشکر جو سات ہزار سوار پیادہ
 کی تعداد میں تھا، رنجیت سنگھ کے چچا زاد بھائی
 بدھ سنگھ کی سرکردگی میں موضع اکوڑہ میں پہنچ گیا جو

اکوڑہ کہ بفاصلہ ہفت کردہ از موضع نوشہر
 واقع است رسیدہ ہر چند در میان جنود مجاہدین
 و لشکر کفار ملا عین دریائے کہ مسمی بہ لنڈے
 است حائل بودہ اما ہیبت و رعبت یکے
 بردگیرے از قرب مجاورت ہویدا گردید
 لا بد مصلحت وقت چنان اقتضا کردہ کہ حجے را
 از مہاجرین مجاہدین صادقین تیا شب رود
 مسطور عبور کنایند بر سر کفار بد کردار طریق
 شب خون روانہ ساخت چنانچہ مجاہدین حسین
 شب سیم جمادی الاولیٰ ۱۲۲۲ھ ہجری قدسی
 بر سر اہل کفر و ارتیاب بمشایہ ملائکہ عذاب
 قریب صبح تاخت آوردند مثل روز قیامت
 در آخر ہماں شب بر سر آن غافلین دفعۃً رسیدند
 و توپ و تفنگ را معطل گزارانند کار و بار بیوقوفان
 قاطعہ رسانیدند دم صبح آب شمشیر بران مثل
 ریزش باران بر سر اثباں بارید چنانچہ حجے از کفائے
 بد کردار کہ قریب ہشت صد نفر باشند باز البوا
 فتازند و بیابے را بزخم ہائے پر خطر تالیب سقر
 رسانند و اجناس نفیسیہ از قسم سلاح و براق و غیرہ

موضع نوشہرہ سے سات کوس کے فاصلے پر
 واقع ہے اگرچہ مجاہدین اور سکھ لشکر کے درمیان
 ایک دریا حائل تھا، جو لنڈے کے نام سے
 مشہور ہے، لیکن ہر ایک کا دوسرے پر رعبت
 طاری تھا، اس وقت مصلحت کا تقاضا ہوا کہ
 مجاہدین و مہاجرین کے ایک گروہ کو راتوں رات
 دریا عبور کر کے مخالفین پر شب خون مارنے
 کے لئے روانہ کیا جائے، چنانچہ مجاہدین
 ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۲ھ کو بوقت صبح اہل کفر
 پر ملائکہ عذاب کی طرح جاڑے اور دفعۃً
 ان لوگوں کے سر پر پہنچ گئے، جو بالکل غافل
 تھے توپ و بندوق بالکل بیکار ہو گئی، تلواریں
 چلنے لگیں اور موت کا بازار گرم ہو گیا، آٹھ سو
 کے قریب سکھ مارے گئے اور بہت سے خطرناک
 طور پر زخمی ہوئے، بہت سلاح اور ہتھیار
 ایک ہزار گھوڑے مال غنیمت میں آئے چند
 مجاہدین بھی درجہ شہادت کو پہنچے، یہ مجاہدین
 کے لئے ایک بڑی فتح اور مخالفین کے
 لئے بڑی ہزیمت تھی، اس کے بعد

و ہزار اسلحہ غنیمت آوردند چند از مجاہدین
 بدرجہ شہادت فائز گردیدند باجملہ بانی از ابواب
 فتوح بروئے مجاہدین کشادہ گردید و درے از
 دروازہ بے جہنم برائے تعذیب کفار و اگر وہ شدہ
 بعد از ان مجاہدین مذکورین بغرود گاہ خود مراجعت
 بخیر و خوبی نمودند بعد چند روز از موضع نوشہرہ
 کوچ نمودہ بموضع ہند کہ گزر دریا بے عباسین است
 رسید۔ بار دیگر جماعت از جنود مجاہدین شائبہ زوریا
 عباسین عبور نمودہ بر سر حضرت دکر کہ مرکز کفار و مجتمع
 متمولان آن قطار بود تا آوردہ جمعہ را از ایشان
 زیر تیغ بے دریغ گرفتند جمعہ را بطریق سی مقید
 کردہ آوردند درین نوبت احوال خطیر و غنائم
 کثیرہ از نقود و اجناس بدست عموم ماسلمان قدر
 افتاد کہ تخمیناً بہ پانزدہ شانزدہ لک و پیرہ باشد و لشکر
 بدہ شگہ مخزول چون در ہر نوبت شجاعت مبین
 و جلاوت مجاہدین ظاہر و باہر دید مرعوبان زمینیت
 ایشان گردید از فرود گاہ خود فرار نمودہ بجاد گزرنگر
 کلاں گرداگرد زدند چنانچہ وقت تخریر اس قصبہ بدست
 خود جان خود را در زندان شکر مقید ساختہ بودند

مجاہدین اپنے پڑاؤ پر بخیر و خوبی واپس آگئے
 چند روز کے بعد موضع نوشہرہ سے کوچ
 کر کے موضع ہند میں آئے جو دریا بے
 سندھ کی گزرگاہ ہے۔ دوسری بار لشکر
 مجاہدین کے کچھ لوگوں نے دریا بے سندھ
 عبور کر کے راتوں رات حضور پر چھاپہ مارا۔
 جو سکھوں کا ایک مرکز اور دولت مندوں
 کا ایک اڈہ ہے۔ کچھ لوگ تلوار کی نذر
 ہوئے کچھ گرفتار ہو کر آئے۔ اس مرتبہ بہت
 بڑا مال غنیمت جس میں نقود و اجناس تھیں
 عام لوگوں کے ہاتھ لگیں۔ لوگ پندرہ سولہ
 لاکھ روپے کا اندازہ کرتے ہیں بدھ شگہ کے
 لشکر نے دونوں مرتبہ اہل ایمان کی شجاعت
 اور مجاہدین کی جوانمردی دیکھی اور مرعوب
 ہو کر اپنی فرود گاہ سے دور جا کر ایک دوسری
 جگہ بہت بڑا لشکر لگایا۔ اس خط کے تخریر کے
 وقت وہ اس لشکر کے اندر مقیم و مقید
 ہے۔ کمک پہنچ جانے کی امید پر اس نے
 بھاگ جانے کا سہارا نہیں لیا۔ ایک

نہ بلحاظ مفراز امید آغامی داشتند و از امام سوانح
 عجیبیت کہ ہر نوبت مجمع جنود مجاہدین مثل
 بلوای عام و لشکر بے سر بود و کوچ و مقام بے انتظام
 و ہذا غنائم ہر بار بزرگ قانون شرع شریف منقسم
 نہ گردید بنا علیہ جمہور مؤمنین حاضرین از
 سادات کرام و علما اعلام و مشائخ ذوی الاحترام
 و امرائے عالی مقام و سایر خواص عوام از اہل ایما
 و اسلام کہ در آن مقام حاضر بودند بر این معنی اتفاق
 نمودند کہ اقامت جہاد و ازالہ کفر و فساد بدین
 نصب نام برو بہ مشروع صورتی بند بنیاد علیہ
 بتاریخ دوازدم جمادی الآخرہ ۱۲۲۲ ھ ہجری
 قدسی بیعت امامت نمودند و لقبہ اطاعت
 فقیر گردن خود انداختند و بروز جمعہ خطبہ ہم بنام
 فقیر خواند شد انشاء اللہ بکرت ادائے این رکن
 رکن یعنی نصب امام کہ مدار اکثر احکام دین است
 روز بروز ضرور بالضرور انشاء اللہ العفو مظفر
 و منصور خواہند گردید انبیت بیان اجمالی
 احوال غرض فقیر از نگارش آنکہ وقت کار بر سر رسید
 و تقدیر کارزار پیش روانجا مید پس ہر مؤمن

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہر مرتبہ مجاہدین کا
 لشکر ایک بے سری فوج اور عام بلوائیوں کی
 طرح تھا اور کوچ و مقام میں کہیں کوئی نظم نہیں
 تھا، اس لئے مال غنیمت شرع شریف کے
 قانون کے مطابق تقسیم نہ ہو سکا۔ اس
 بنا پر تمام مسلمانوں نے جو موجود تھے،
 جن میں سادات، علما، مشائخ، امرا اور
 خواص و عوام تھے، بالاتفاق اس بات کو
 کہا کہ جہاد کا قیام اور کفر و فساد کا ازالہ
 امام کے تقرر کے بغیر مستون اور شرعی طریقے
 پر انجام نہیں پاسکتا، اس بنا پر
 ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۲۲۲ ھ کو ان سب نے اس فقیر
 کے ہاتھ پر بیعت امامت کی اور اس کی اطاعت
 کا عہد کیا جمعے کے روز خطبہ بھی اس فقیر کے
 نام کا پڑھا گیا انشاء اللہ اس رکن رکن کے
 ادا کرنے کی برکت سے جس پر دین کے اکثر احکام
 کا مدار ہے، فتح و نصرت ظاہر ہوگی یہ حالات کی
 مختصر روداد تھی اس تحریر سے فقیر کی غرض یہ ہے کہ
 کام کا وقت سر پر آ گیا ہے اور حرکت کا زار و پیش

راہِ الاعتقادِ اورِ اوسلمِ کاملِ الانقیادِ اورِ لازم
 است کہ خود را بہر وجہ کہ ممکن باشد نزد فقیر رساندہ
 در سلکِ مجاہدینِ مہاجرینِ منسلک گرداندہ بہر چند
 حق جَلَّ وَعَلَا بِطَبَقِ مَنْطُوقِ لَازِمِ الْوَلُوقِ وَكَانَ
 حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (۴۷: ۳۰) اِس مَقْدَمِ
 بانجامِ خواہد رساند و دینِ تہنیدِ المرسلینِ را
 بر سائر ادیانِ بروفق و عُدُّ خود غالبِ خواہد کرد
 ایاہر کہ جانِ خود را درینِ محرکہ حاضر کردہ گوے
 سعادتِ جاودانی از میانِ بردہ و کسے کہ درین
 مقدمہ تقاعد و تکاسل و زریذہ لا بد فرداے
 قیامت دستِ افسوس و ندامت خواہد گزیدہ
 وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (۱۷: ۳۶)
 وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (۳۷: ۲۰)

ہر صاحبِ ایمان اور ہر مسلمان کو جسے اللہ نے
 اطاعت و انقیاد کی دولت عطا فرمائی ہے
 اس وقت لازم ہے کہ جس طرح ممکن ہو فقیر کے
 پاس پہنچ جائے اور مجاہدین اور مہاجرین زمرے
 میں شامل ہو جائے اگرچہ یہ سلسلہ انجام کو پہنچ کر رہے گا
 ”وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (۴۷: ۳۰)

اور اللہ کے وعدے کے مطابق یہ دین تہنید تمام ادیان
 پر غالب ہو کر رہے گا لیکن جو شخص اس معرکہ میں خود
 حاضر ہو گا وہ سعادتِ شرف ہو گا اور دوسروں کے
 سبقت لے جائے گا اور جو اس معاملے میں کامیابی اور سستی
 سے کام لے گا وہ کل قیامت میں کفِ افسوس ملے گا
 وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (۱۷: ۳۶)
 وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (۳۷: ۲۰)

بیعتِ امامت کے بعد آپ نے پوری تصریح و وضاحت کے ساتھ اعلان کر دیا کہ امام کی
 کمل اطاعت اور احکام و قانونِ شریعت کی پوری پابندی کرنی ہوگی، تمام رسومِ جاہلیت
 اور امور غیر مشروع، مخالفِ شریعت رواج و دستور کچھ چھوڑنے پڑیں گے اور اس کے لئے ہر طرح کا
 ایثار و قربانی، نذکال و جاہ و عزت کرنا پڑے گا، خاندے خاں، اشرف خاں، فتح خاں، سعادت خاں
 بہرام خاں اور علماء و سادات و خوانین نے بیعتِ امامت کی اور آپ کی امامت کی خبر اس ملک میں
 جا بجا مشہور ہوئی، وہاں کے چھوٹے بڑے جتنے خاں اور میں تھے، سب آ کر بیعتِ امامت کی یہاں تک کہ

پشاور سے ایک بڑے جلیل القدر پیر زادے جو گڈڑی شاہزادے کے نام سے مشہور تھے، تشریف لائے اور بیت کی اور کہا کہ میں خالصاً لوہر الشراپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں انشاء اللہ الشراپ کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گا۔

خاندے خاں اشرف خاں اور دوسرے یوسف زئی سرداروں نے یار محمد خاں اور سلطان محمد خاں ابیان پشاور کو سید صفا کی امامت و امارت کی اطلاع دی اور مسلمانوں کی زبوں حالی، ان کے انتشار جہاد کی ضرورت اور سید صفا کی امارتِ حقہ کا ذکر کرنے کے بعد ان آپ کے جھنڈے کے نیچے دشمنانِ اسلام سے جہاد کرنے کی اور مجاہدین کی رفا و اعانگی درخواست کی انھوں نے و ابیان پشاور کو جو مکتوب بھیجا تھا، وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:-

بہ عالی جناب، معالی القاب، رفعت قباب،	عالی جناب، معالی القاب، رفعت قباب، سردار
سردار سرداران، سردار یار محمد خاں صاحب و سردار	سرداران، سردار یار محمد خاں صفا اور سردار
سلطان محمد خاں صفا "آبَدَ اللهُ جَلَالَهُمَا	سلطان محمد خاں صفا "آبَدَ اللهُ جَلَالَهُمَا
وَصَاعَفَ اِقْبَالَہُمَا، از کمترین فدویان	وَصَاعَفَ اِقْبَالَہُمَا، کی خدمت میں مخلص
اخلاص کیشاں و خیر اندیشاں بعد اے اپنے	نیاز مندوں اور حقیر ہی خواہوں کی طرف سے
شایان شان آن جلالت نشا است، معروض	آداب ضروری کے بعد عرض ہے کہ اس زمانے
رائے فیض انجلائے آنکہ آنچہ دریں اوقات	میں اس ملک کے مسلمانوں پر کفار کے ہاتھوں سے
پراز آفات از دست نظم کفار بد کردار بر رویا	بہ ظلم ہو رہے ہیں اور ان پر قتل و غارتگری
این یار اولیٰ علی رنج و تکالیف و مضار قتل	رہائی جھگڑے، بے عزتی و بے آبروئی کھاتھا
و نہیب شورش فتنہ و جنگ بے پروگی ناموس	خدا اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی اور خیر کے

لہ الشران دونوں کے جلال کو ہمیشہ قائم رکھے اور ان کے اقبال کو کسی گنا بڑھائے!

وَنُكِّمُ تَخْرِيْبٍ مَّسَاجِدَ مُعَايِدٍ مَّزِيْنٍ مُّكْرِمٍ
 بِرِيْحٍ يَّكِيْلٍ زَعَاْفَلٍ وَغَاْفَلٍ يُّوْتِنِذُ نَيْسِتٍ جَبَابِجٍ
 صَبِيَّانٍ فَنَسُوْنِ اِهْلِ اِيْمَانٍ فِى اِحْوَاطِ دَرَبِ اَدْنِيَّانِ
 وَرَقِيْبَضِ اِهْلِ شُرْكَ اَزِيَابٍ مُّقِيْدَانِ ذِكْرِ اَلْبَصِيْرِيَّانِ
 مَضْمُوْنِ اِيْرَآئِيْتِ قُرْآنِ اَلْبَصِيْرِيَّانِ وَغَاْفَلِ اِبَادِ اِيْرَآئِيَّانِ
 وَحَيْثُمُ كَرِيْبَانِ كَبُوْرِيْرٍ كَرِيْمٍ نَاكِسِ كُوْيَانِ وَمَا لَكُمْ
 لَا تَقَاتِلُوْنَ فِى سَبِيْلِ اَللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ
 مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوَلْدَانِ الَّذِيْنَ
 يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ
 الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا
 وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (۷۵: ۴)

باجملہ عمرے گزشت کہ اس رنج و تکلیف
 می کشیم و انتظار ہمیں معنی می نمایم کہ تا کہ رام
 وقت محمود و کرامت سا در رسد کہ آفتاب برنگ
 سلطنت طلوع نماید تا سارہ از افق حکومت
 درخشند کہ از اشراقات اشعه الوار آن منیر ظلمات
 و شرک و طغیان مضمحل و مفقود گردد و لیکن مدت

جو مصائب گزریے اور گزر رہے ہیں وہ کسی
 عاقل یا غافل سے پوشیدہ نہیں چنانچہ اس وقت
 پنجاب کے مسلمان بچے اور عورتیں اہل شرک کے
 پنجے میں گرفتار ہیں اور رو کر سوسوزبان
 سے اس آیت کا مضمون ہر شخص کو سناتی ہیں
 وَمَا لَكُمْ لَا تَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اَللّٰهِ
 وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
 وَالْوَلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
 اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا
 وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَّنَا
 مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (۷۵: ۴)

مختصر یہ کہ عمر گزری کہ ہم لوگ یہ رنج و تکلیف
 اٹھا رہے ہیں کہ وہ کون سی مبارک سنت ہوگی
 کہ آسمان سلطنت میں وہ آفتاب طلوع ہوگا
 اور افق حکومت پر وہ ستارہ ظاہر ہوگا جس کی
 چمک سے شرک و سرکشی کی تاریکیاں کافور
 ہو جائیں گی لیکن ایک طویل مدت ہوگئی او

لہٰذا اور تم کو کیا ہو گیا کہ تم اشرفی راہ میں اور ان بے بس مردوں عورتوں اور بچوں کے واسطے نہیں لڑتے جو کہتے ہیں کہ
 لے پڑو گا ہم کو نکال اس نبی سے جس کے رہنے والے ظلم کر رہے ہیں اور بنا ہمارے اپنی طرف کوئی حمایتی اور اپنی طرف کسی کو ہمارا

مدیدہ و عرصہ بعیدہ منقضی گردید کہ نہ شاہے
 از بیستان مستعد این معنی گردید نہ از خراسان
 و نہ سردارے از قندھار و کابل سر بر آورد نہ
 از پشاور و کوہستان یا بجلکہ کے از سرداران
 زمان و سلاطین دوران باہ و فغان مظلوماں
 گوش نہ نہاد و بدستگیری افتادگان دست
 نکشاد، آخر الامر نور محمدی علم حمایت بر افراخت
 جمال احمدی نقاب از چہرہ بر انداخت یعنی
 سلالہ خاندان نبوت نقادہ دودمان ولایت
 شمع شبستان سید مختار چراغ سلسلہ ائمہ اطہار
 الامام الادھد السید الامجد امیر المجاہدین السید
 از بلا و ہندوستان صعود فرمودہ بدیار ما منتظر
 نزول نمودہ اظہار دعوت عام بسوئے قتال
 کفار تمام بجد و جہد تمام سعی بالاکلام محض
 شرفی الشریبہ ثابثہ طلب مال و عزت
 وجاہ و حکومت کردہ ہمیں توجہات آن امام
 ہام ماضعقار اہم خمیت دینی جوش زدوم
 غیرت ننگ و ناموس یاد آمد۔

ایک زمانہ ہونے کو آیا کہ نہ کوئی بادشاہ
 بیستان یا خراسان سے یہ مقصد لے کر
 اٹھا اور نہ کوئی سردار قندھار و کابل یا
 پشاور و کوہستان سے یہ عزم لے کر چلا سرداران
 وقت اور سلاطین زمانہ میں نہ کسی نے ان
 مظلوموں کی آہ و فغان پر کان دھرا اور نہ ان گتے
 ہوں کو تھامنے کے لئے ہاتھ بڑھایا، آخر الامر نور محمدی
 نے حمایت کا پرچم لہرایا اور جمال احمدی نے پھرے
 سے نقاب ہٹایا یعنی سلالہ خاندان نبوت نقادہ
 دودمان ولایت شمع شبستان سید مختار چراغ
 سلسلہ ائمہ اطہار امام اوصد سید امیر المجاہدین
 سید احمد ملک ہندوستان سے تشریف لائے اور
 ہم منتظروں کے ملک میں نزول اجلال فرمایا اور
 محض شرفی الشریبہ مال و عزت وجاہ و حکومت
 کے ثنائے کے بغیر پوری کوشش اور جدوجہد سے
 کفار سے جہاد کی دعوت عام دی انھیں امام سما کی
 توجہ کا نتیجہ ہے کہ ہم کمزوروں کی دل میں بھی دینی غیرت
 کا جوش پیدا ہوا اور ہم کو عزت و آبرو کی غیرت آئی
 خود پید صاحب نے سردار سلطان محمد خاں سردار سید محمد خاں نواب شیر محمد خاں

سردار احمد خاں نواب بہاول خاں شاہ سلیمان وغیرہ کو نہایت پرجوش اور پراثر خط لکھے جن میں اپنی امامت کی اطلاع کے ساتھ ان کی غیرتِ ایمانی اور حمیتِ اسلامی کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ سردار یار محمد خاں، سلطان محمد خاں اور پیر محمد خاں کی عرضیاں آئیں کہ ہم بھی آپ کی اطاعت میں جان و مال سے حاضر ہیں وہاں کے خواتین اور عیسوں نے کہا کہ سردار یار محمد خاں نے یہ نیا ساز کی بات کی ہے وہ اعتبار کے قابل نہیں اس سے ہوشیار رہنا چاہئے، بید صاحب نے فرمایا، ”آپ سچ کہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ہادی مطلق ہے، شخص ہماری شرکت کا اظہار کرتا ہے دل کا حال خدا کو معلوم ہے، ہمارے لئے ظاہر شریعت کا حکم ہے“

بید صاحب کا خط امامت کے متعلق

بیعت کے بعد بید صاحب نے اطلاع نامے جاری کئے اور تمام علاقے میں زیر ہندوستان میں اس کی خبر دی آپ کے ایک الانامے کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو غالباً سرحد میں کسی نفاک کو بھیجا گیا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”اہل انصاف و ہدایت سے پوشیدہ نہیں کہ اہل کفر و ضلال کے ساتھ جو جنگ مجاہد اور قتل و قتال ہوتا ہے اگر محض مال و عزت اور حکومت و ریاست حاصل کرنے کے لئے ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کچھ اعتبار نہیں اور اگر نصرتِ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ اور ترویج سنت نبوی کے لئے ہو تو اس کو عرفِ شرع میں جہاد کہتے ہیں اور وہ تمام عبادات میں افضل اور تمام طاعات سے اکمل ہے کہ کوئی عبادت رفیع درجات اور کفریہ عبادت میں اس کے مساوی نہیں جیسے کہ آیہ کریمہ ”وَقَضَىٰ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَنْفِرَةً تَأْوِیْلًا رَّحِیْمًا“ (۲: ۱۹۵، ۱۹۶) سے معلوم ہوتا ہے

پس اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ فرض قانونِ شریعت کے مطابق ادا کیا جاتا تاکہ آخرت میں وسیلہٴ نجات اور دنیا میں شہرِ ثمرات اور نزولِ رحمتِ یزدانی اور تائیدِ آسمانی کا باعث ہو، جہاد کے لئے سب سے بڑی شرط امام کا مقرر کرنا ہے، چنانچہ آیت ہے "أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ" (۵۹:۴) اور "وَلَوْ دُودَةٌ إِلَى الرَّسُولِ فَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ" (۸۳:۴) اور حدیث میں ہے "مَنْ لَمْ يَعْرِفْ إِمَامًا زَمَانِهِ، فَقَدْ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً" اور حدیث "صَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَطِيعُوا إِذَا أَمَرَكُمْ، تَدْفَعُوا حِبَّةَ رَيْبِكُمْ" اور حدیث "مَنْ قُتِلَ تَحْتَ رَأْيِ عَمِيَاءٍ، فَقَدْ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً" اور حدیث "مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِمْ مُجَاهِدًا وَأَمْلَكَ ذَاتَ الْبَيْنِ وَأَطَاعَ الْإِمَامَ، قَوْمُهُ وَيَقَطُّهُ حَسَنَةٌ وَمَنْ خَرَجَ وَأَفْسَدَ فِي الْأَرْضِ وَلَمْ يُطِيعِ الْإِمَامَ، فَلَمْ يَرْجِعْ كَقَافًا" اسی طرح بے شمار آیات و احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور چونکہ اقامتِ جہاد اور ازالہٴ کفر و فساد اس زمانے میں کہ اہل کفر و طغیان کی شورش کا زمانہ ہے، عام مسلمانوں کے ذمہ واجب و مؤکد ہو گیا ہے، پس امام کا مقرر کرنا بھی ان پر واجب و مؤکد ہے۔

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے اپنے فضل سے اس فقیر یعنی سید احمد کو پہلے اشارہٴ غیبی و الہاماتِ لازمی سے اس منصبِ شریف کی بشارت دی، پھر مومنین و صائقینِ مسادات و علمائے عظام، مشائخِ کرام، خوانینِ عالی مقام اور خواص و عوام کی ایک جماعت کثیر کا دل مائل کر کے مجھ کو اس منصبِ شریف سے شرف فرمایا، چنانچہ بروز پنجشنبہ بتاریخ ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۲۲۲ھ مخلص مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے جس میں خادے خان، اشرف خان، فتح خان، سعاد خان، بہرام خان اور علماء و سادات و خوانین تھے، اس فقیر کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کی

اور فقیر کو اپنا نام قرار دیا اور اس کی امامت و ریا کو تسلیم کیا اور اطا کا حلقہ اپنی گردنوں
میں ڈالا اور اسی مہینے کی ۱۳ تاریخ کو جو جمعے کا دن تھا، خطبے میں فقیر کا نام داخل کیا
انشاء اللہ عنقریب اس سنت کی ادائیگی کی برکت سے منظر و تصور ہوں گے۔

ان مسلمانوں کو بھی جو یہاں موجود نہیں لازم ہے کہ جہاد کے لئے اور کفر و فساد کے
مٹانے کے لئے کمر بستہ بن جائیں اور اس فقیر کی امامت کی بیعت اس نائبوں مثلاً سجاد ماب
کمالا انتساب بخوی اعوی شیخ صابر رضا کے ہاتھ پر کریں اور پوری توجہ دیکھیں اور بلند ہمتی
سے جہاد میں مشغول ہوں اور فقیر کے نام کا خطبہ پڑھیں تاکہ کفار سے جنگ و جہاد و عید
کی نماز شروع طریقے پر ہوں اور دنیا و آخرت میں ثمرات جلیلہ اور اجر جزیلہ کی موجب ہوں۔

شاہ اسماعیل صاحب کا خط

مولانا اسماعیل شہیدؒ تے ہندوستان کے کسی صاحب کے نام یہ خط کی امامت کے بارے میں
ایک جوابی خط لکھا ہے، جو ہمیشہ بہا علمی اور دینی اور فقیہی فوائد و نکات پر مشتمل ہے اور جس سے
بہت سے حالات پر روشنی پڑتی ہے اس کے ترجمہ کا بڑا حصہ پیش کیا جاتا ہے :-
”بندہ ضعیف محمد اسماعیل کی طرف سے بخیرت معدن غیرت ایمانی، منبع حیات اسلامی
مقبول بارگاہ ربّ قوی، امیر شاہ علی ہمدانی علیہ السلام منون اور دعائے اجابت مقرون
کے بعد واضح ہو کہ آپ کا وہ گرامی نام پہنچا جس میں چند مخلصین اور بعض منافقین کے
ایک مباحثے کا تذکرہ ہے، منافقین سے آپ جو جہاد باللسان کر رہے ہیں اور راہ ایمان
کی طرف طالبین کو جو آپ دعوت دے رہے ہیں اس پر اللہ آپ کو جزائے خیر دے!“

لے ”مجموعہ خطوط قلمی“

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ سوال و جواب کے مضامین کو متعجب کہے اور ان کو ایک سارے کی شکل میں تحریر کیے آپ کو بھیجوں تو مخدوم من اگرچہ ان مسائل میں تقریر و تحریر بھی جہاد کی ایک قسم ہے لیکن ضعیف بلکہ اس مقام کے تمام حاضرین ایسے کام میں مشغول ہیں کہ تقریراً و تحریراً کی اس میں قطعاً گنجائش نہیں بہار حال اہل تقریر و تحریر کی نسبت بالکل ایسا ہے کہ ایک شخص خود نماز کی ادائیگی میں مشغول ہے تو اگرچہ نماز کے مسائل کی تعلیم بھی مقدماً صلوٰۃ میں ہے لیکن ادائے نقر صلوٰۃ مسائل صلوٰۃ کی تعلیم میں مشغول ہونے سے مانع ہے، جو شخص مجاہدین کا حال دیکھے اس کو یقین ہو جائے کہ قبل و قال و رجت و جہاد کا مسلک خواہ وہ حق ہو خواہ باطل دوسرا ہے اور ان لوگوں کا مسلک دوسرا پہلا مسلک علماء کی جنس سے ہے اور دوسرا مسلک سپاہ کی جنس سے ”وَسَيَاتُ يَلِيهِمَا“ آپ کی خاطر سے چند کلمے لکھے جاتے ہیں اگرچہ وہ بھی طبیعت پر بہت باہر ہیں۔

حدیث و کلام و فقہ کے مطابق جناب امیر المؤمنین کی بیعت کے انعقاد میں قطعاً کوئی شبہ نہیں باقی مخالفین آنجناب یا آپ کے تابعین کے متعلق جن قبائل کی نسبت کرتے ہیں تو اول تو آپ کی ذات سے متعلق جن باتوں کی نسبت کرتے ہیں وہ سراسر باطل اور صداقت سے معرکہ میں اور جو آپ کے رفقاء سے نسبت کرتے ہیں تو ان کا بھی بیشتر حصہ مطابق واقعہ نہیں ہے، بر تقدیر تسلیم رفقاء امام کی خرابی اس امام کی امامت میں ہرگز قاذب نہیں جیسے کہ امتیوں کی خرابی نبی کی نبوت پر ہرگز اثر انداز نہیں آپ کی ذات سے متعلق جن چیزوں کی نسبت کرتے ہیں ان کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی نبوت امام پر قطعاً اثر نہیں پڑتا، اس لئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مراتب لایت کے خلاف پڑتی ہیں اور مراتب لایت کا ثبوت سرے سے امام کی شرائط میں سے نہیں ہے، بلکہ فسق و ظلم بھی

امامت کے ثابت ہو جانے کے بعد امامت کے زوال کا سبب نہیں ہو سکتا، چنانچہ احادیث متواترہ اور متقدمین و متاخرین فقہائے مکملین کی عبارات اس پر دلیل ہیں مختصر گفتگو کا دار و مدار دو باتوں پر ہے، ایک ثبوتِ امامت دوسرے اس کے بعد اس کا زائل ہو جانا اعتراضاتِ مذکورہ کی وجہ سے پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ امامت کے ثبوت کے طریقے کی تحقیق حدیث و کلام و فقہ کی کتابوں سے کرنی چاہئے اور اس مسئلے میں قوی و ضعیف راجح و مرجوح روایات میں تیز کرنی چاہئے اور اس کے بعد مضمونِ قوی کا خلاصہ ذہن میں ملحوظ رکھنا چاہئے اور پھر غور کرنا چاہئے کہ ہمارے اس مسئلے میں یہ بات پائی جاتی ہے یا نہیں اگرچہ ان مسائل میں شاہدے سے حقیقت ظاہر ہوتی ہے لیکن الخیر کالمعاینۃ اور شنیدہ کے بودماند دیدہ لیکن چونکہ شاہدہ حال ان لوگوں کو غیر نہیں جو غیر موجود ہیں اس لئے اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں کہ ان لوگوں کو اس مجمعِ اختیار کا مجملہ حال معلوم ہو، اسی لئے اس مضمون کا ایک خط اور ان حالات کے چند اور خطوط آپ کی خدمت میں بھیجے جا چکے ہیں تاکہ کسی طرح حقیقتِ حال منکشف ہو جائے، جو شخص بھی ان دونوں مقدموں میں اچھی طرح غور کرے گا، اس کو یقیناً ان جناب کی امامت کے انعقاد کا اذعان ہو جائے گا۔

رہا دوسرا مسئلہ (امامت کے زوال کی بحث) تو اس کی بھی حدیث و کلام و فقہ کی کتابوں سے تحقیق کرنی چاہئے کہ کون سا امامت کے امام کی علیحدگی کا باعث ہوتا ہے یقین ہے کہ ان میں سے کوئی ان جناب میں نہیں پایا جائے گا، بلکہ وہ قبائحِ منصبِ امامت سے امام کی علیحدگی کا باعث ہیں آپ کی شان سے اس قدر بعید ہیں کہ کافر سکھوں اور فرنگیوں میں سے بھی کوئی ان کی آپ سے نسبت نہیں کر سکتا، پھر حیاتِ آپ کی

امامت ثابت ہو گئی اور کوئی امر جو اس منصب سے آپ کی علیحدگی کا سبب ہو، نہ پایا گیا، پس آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہوئی۔

باقی، آپ نے جو اس کا ذکر کیا ہے، کہ اہل شوکت کے مقابلے کے لئے مقابل شوکت چاہئے، پس اول تو یہ مقدمہ ممنوع ہے، کیونکہ شوکت کی تحصیل کی کوشش بقدر استطاعت کافی ہے، مخالفین کی شوکت کے مماثل ہو یا نہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَاعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ" (۸: ۶۰) یہ نہیں فرماتا "وَاعِدُّوا لَهُمْ مِثْلَ مَا آعَدُوا لَكُمْ" دوسرے یہ کہ شوکت کے وجود کے یہ معنی نہیں کہ امام کے جسم میں ایسی قوت پیدا ہو جائے کہ اس قوت سے مخالفین کی سلطنت کو درہم برہم کر دے اور اکیلے ان کے شکروں اور فوجوں کو شکست دے دے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ موافقین کی ایسی جماعت اس کے ساتھ ہو جائے کہ باعتبار ظاہر عقل ان کی قوت سے مخالفین کی مدافعت کر سکے اور اجتماع کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر وقت اس کے چاروں طرف وہ لوگ کھڑے رہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اس کی ذات سے ایسا تعلق ہو کہ اس سے وہ اس کے احکام کی اطاعت کرنے لگیں جیسے نوکری کا تعلق سلاطین کے عرف میں اور قرابت و برادری کا تعلق افغانوں کے عرف میں، اسی لئے شریعت نے قنآنِ نبیت کا اعتبار کیا ہے، پس جس طرح کہ صاحب شوکت

سلاطین وہ ہوتے ہیں کہ نوکروں کا صحیح کثیران کے ہمراہ ہوتا ہے اور قافضہ کے عرف میں وہ ہوتے ہیں کہ "اوس" کا صحیح کثیران پاس ہو اسی طرح شریعت کے عرف میں امام صاحب شکت وہ ہے جس کے ہاتھ پر مسلمانوں کے صحیح کثیران نے بیعت کی ہو، کیونکہ بیعت کا تعلق شرع کے نزدیک ملازمت اور قرابت کے تعلق سے قوی مانا گیا ہے، پس جناب امام ہمام کو بالفعل اس درجے کا شوکت شرعی حاصل ہے جو مخالفین کی شوکت کے کئی درجے زیادہ ہے کیونکہ شکر و فرج و توبہ شاہین کے مالک سرداران پشاور و سوات و شیر و سہ کے خوانین اور ان کے تمام عوام و خواہ پانڈہ خاں وغیرہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت امامت کی ہے اور ان اشخاص کا شمار لاکھوں کو پہنچتا ہے ضروری ہے کہ آپ کے شکروں کی تعداد اس درجے تک پہنچتی ہو کہ مخالفین میں سے کسی کی قوت اس درجے کی نہ ہو، باقی رہا یہ کہ بعض لوگوں نے بیعت توڑ دی ہے اور احتمال ہے کہ دوسرے بھی یہی معاملہ کریں پس یہ بات شوکت شرعی میں اصلاً قاجح نہیں اس لئے کہ بہت سے نوکر نمک حرامی اور آقا کی بدخواہی کرتے ہیں اور احتمال ہوتا ہے کہ دوسرے بھی یہی طریقہ اختیار کریں پس جس طرح یہ بات سلاطین کی شوکت عرفیہ میں قاجح نہیں اسی طرح یہ احتمال ائمہ کی شوکت شرعیہ کے بھی منافی نہیں۔

تیسری یہ بات ہے کہ مشرق و مغرب کے کفار کی شوکت کے مثل شوکت مراد نہیں اور نہ اگلے پچھلے اماموں کسی کی امامت ثابت نہیں ہوگی پس اس سے مراد صرف یہ ہے کہ ان مخالفین کی شوکت کے مثل شوکت ہو جو بالفعل مقابل ہیں اور اس وقت یہ شوکت محقق ہے یعنی اسلحہ چھبہ ہزارہ اور کھلی کے ناظموں کی شوکت کے مثل شوکت موجود ہے، اگرچہ رنجیت سنگھ اور کپٹنی کی شوکت کے مثل شوکت نہ ہو۔

کس شخص نے آپ کو یہ خبر دی ہے کہ جناب امام ہمام ایسی مختصر جمعیت کے ساتھ لاہور آؤ

کلکتے کا عزم رکھتے ہیں؟ آپ تو رات دن مسلمانوں کی جمعیت کی زیادتی اور ان کی شوکت کی ترقی کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اسلامی شوکت کے عروج کی تدریجاً امید رکھتے ہیں اور یہ بات بالکل مستبعد نہیں بلکہ قوموں اور سلطنتوں کے انقلاب میں اللہ کی سنت جاری ہے کہ معمولی لوگوں میں سے کوئی کمزور فرد جیسے نادر شاہ وغیرہ سر اٹھاتا ہے اور آہستہ آہستہ رفقا کی ایک جماعت فراہم کر لیتا ہے اور تدریجاً قوت اور شوکت حاصل کر لیتا ہے یہاں تک کہ بڑے بڑے سلاطین کی سلطنت اور بڑے بڑے باقتدار شاہنشاہوں کی مملکت دہم برہم کر دیتا ہے اس قدر بے انصافی ہے کہ جو شخص محض دنیا کی طلب میں کمر بستہ ہوتا ہے اس کے حق میں فتح و نصرت کا گمان کر لیا جاتا ہے اور اسی گمان پر اس کا ساتھ دیا جاتا ہے لیکن جو شخص محض اللہ کے لئے اور اللہ کی خوشی کے لئے دین کی فکر کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس کے حق میں فتح و نصرت کا حصول مستبعد سمجھا جاتا ہے اور اس کو بھی دو سکے و ہموں میں شمار کیا جاتا ہے اور اس پر عجیب عجیب اشکالات اور قسم قسم کے اعتراضات کئے جاتے ہیں اس کا کوئی ساتھ نہیں دیتا اور عام مسلمانوں کو بھی اس کی رفاقت سے روکا جاتا ہے اور نوبت باہیں جا رسد کہ اس کے کارخانہ جہاد کو دہم برہم کرنے کی سعی ناشکور کی جاتی ہے ۱۱ اَلَا كَفَرًاۙ عَلٰی الظّٰلِمِيْنَ ۗ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ

عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَ نَهَاۗءِۙ جَا۔ (۱۱: ۱۸۱۹)

جو تھے یہ کہ ہم مانے لیتے ہیں کہ شوکتِ فویہ کا حاصل ہونا اہل شوکت کے ساتھ جہاد کرنے کی شرط ہے اور آنجناب کو بالفعل شوکت حاصل نہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ امام و قریب کے لئے شوکت حاصل کرنے کا طریقہ آخر کیا ہے کیا شوکت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ ایک شخص اپنی ان کے پیٹ سے فوجوں لشکروں اور سامانِ جنگ کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، یہیں وقت جہاد کرنے کے لئے مستعد ہو جاتا ہے اسی وقت فی الفہم غیب سے تمام لشکر و افواج اور سامانِ جنگ عطا ہو جاتا ہے؟ یہ بات

نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ کبھی ہو سکتی ہے اس کا طریقہ یہی ہے کہ جس طرح امام کا مقرر کرنا نام مسلمانوں
 کا فرض ہے اور اس میں بدامانت موجب عصیت اسی طرح امام وقت کے لئے شوکت کا حاصل
 کرنا بھی ان کا فریضہ ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس گرد جمع ہو جائیں اور ہر شخص اپنی استطاعت
 کے مطابق سامان جنگ فراہم کرنے کی کوشش کرے اور اس کو امام وقت کے سامنے پیش کرے
 اسی لئے آیت کریمہ **وَاعِدُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** (۸: ۶۰) اور آیت **جَاهِدُوا**
بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ (۹: ۴۱) میں تمام مخاطبین کو خطاب تھا نہ کہ صرف ائمہ کو،
 پس ہر وہ شخص جو کہتا کہ امام کی شوکت بھاد کی شرط ہے اور یہ شوکت ہم کو حاصل نہیں اس کو لڑا
 ہے کہ پہلے خود آئے اور بقدر استطاعت سامان جنگ اپنے ساتھ لائے اور اس معاملے میں کسی دوسرے کی
 شوکت کا انتظار اصلاً جائز نہیں بھاد کے معاملے میں جو تعویق و تعطیل واقع ہوگی اس کا وبال
 تمام خاندانیں پس ماندہ لوگوں کی گردن پر ہوگا جس طرح نماز جمعہ کی ادا نگاہی ہر شخص پر واجب ہے
 اور اس کا ادا کرنا جماعت کے بغیر منصوص نہیں اور انعقاد جماعت امام کے بغیر ممنوع ہے پس اگر ہر شخص
 اپنے گھر میں بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہے کہ جس وقت امام آجائے گا، جہاں موجود ہو جائے گی میں بھی
 حاضر ہو جاؤں گا تو یقیناً جمعے کی نماز قوت ہو جائے گی اور ہر شخص گناہ گار ہوگا اس لئے کہ
 اذیاح مقدر میں کسی امام کا اترنا اور فرشتوں کی جماعتیں سے کسی جماعت کا جمعہ قائم کرنے کے
 لئے آنا ہونے والی بات نہیں اس کا طریقہ یہی ہے کہ ہر شخص اپنے گھر سے خواہ تنہا ہو،
 باہر آئے اور مسجد میں چلا جائے اگر جماعت مجتمع ہو تو اس میں شریک ہو جائے، ورنہ مسجد میں بیٹھا
 رہے اور دوسرے کا انتظار کرے اگر اس نے مسجد خالی دیکھ کر اپنے گھر کا رستہ لیا تو جمعے کی جماعت
 و امامت قائم ہو چکی! اسی طرح لازم ہے کہ ہر شخص اگر چہ تنہا، کمزور، قلیل الاستطاعت ہو امام کی
 دعوت کا آواز سن کر اپنے گھر سے نکل دوڑے اور جس قدر سامان میرا سکے اس کے ہمراہ مسلمانوں کی

جماعت میں پہنچ جائے تاکہ جہاد کے قائم ہو جانے کی صورت پیدا ہو اور یہ کہ اپنے کو اللہ کے بندوں کے
 زمرے سے نکال کر ڈرپوک بندوں میں شامل کرے اور دین میں اس رکن کین کو ہاتھ
 سے جانے دے سرکش دولت مندوں کی کاٹسی اور ناقصا عقل عورتوں کی گنگھی چوٹی میں مشغول
 رہے سبحان اللہ! اسلام کا حق یہی ہے کہ اس کے رکن اعظم کی جڑ کاٹھوڑ کر پھینک دی جائے اور
 اس شخص کو جس کے سینے میں کمزوری ناتوانی کے باوجود اسلامی حمیت پوش مار رہی ہے، طعن و
 تشنیع کا ہون بتایا جائے یہ لوگ نصاریٰ و یہود و مجوس و منہود کی طرح ہیں کہ ملت محمدیہ کے
 ساتھ دشمنی کرتے ہیں "مجریت" کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کھیل اور مذاق سے بھی جہاد کا نام
 لے لے تو مسلمانوں کے دل سننے ہی پھول کی طرح کھل جائیں اور سبل کی طرح ہلہلانے لگیں اور
 اگر دروازے کے مقامات سے بھی جہاد کا آواز اہل غیرت کے کانوں تک پہنچ جائے تو دیوار و
 دشت و کوہ ساڑیں روڑنے اور شہباز کی طرح اڑنے لگیں، نہ یہ کہ جہاد کا مسئلہ اس عظمت کے
 باوجود کتاب بحیض و النفاس کی تعلیم و علم کے درجے سے بھی کم سمجھا جائے۔

مناسب ہے کہ ان ہوا جس نفسانی اور وساوس شیطانی کو دل سے دور کریں اور
 ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت کو پوش میں لائیں اور مردانہ وار مجاہدین کے لشکر میں داخل
 ہو جائیں اور زمانے کے تشیب و فراز پر صبر کریں اور دروازے کے خیالات کو چھوڑ دیں اور
 دنیاوی تعلقات کو جو اس مشغولیت سے مانع ہوں، خیر باد کہیں۔

مصلحت دیدین آنست کہ یاراں ہمکار بگز ازند و خم طرہ یارے گیرند!
 حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو اپنے دل کو وادیوں میں ال دے اور ڈالوان ٹول رکھے تو اللہ کو
 پروا نہیں ہوتی کہ کس ادی میں وہ مرتا ہے اور جو اللہ پر پھروسہ کے، اللہ ان تمام اراہوں کا انتظام فرماتا ہے

لے "مجموعہ خطوط قلبی"

INDEX

انشائات

(اندرکس)

(سیرت سید احمد شہید)

مؤلف

محمد غیاث الدین ندوی

شخصیات

		(الف)
۲۷۴	(پیر) احسان الشیر	حضرت آدم علیہ السلام
۵۲۴	(پیاں جی) احسان الشیر پٹھانوی	حضرت ابراہیم علیہ السلام
۸۷	(شیخ) احمد اکبر آبادی	۲۲۷ (۱۲۴۱۹۱۰۳۵)
۶۸ (۱۷۷۱۳۹۰۳۷)	(مجدد الف ثانی) احمد سرسندی	۲۵۱ (۲۵۷)
۱۰۱ (۱۰۰۱۹۱۰۹۰)		حضرت ابو بکر صدیق
۳۴۴ (۳۴۲)	(پید) احمد بخداوی	۲۵۱ (۳۹۰۱۱۲۸)
کتاب	(پید) احمد شہید پوری	۹۴
۲۵-۱۹۰	(دیوان خواجہ پید) احمد	حضرت ابو ذر غفاری
۱۷۶	احمد (توسلم)	حضرت ابو ہریرہ
۱۷۵	(حاجی شیخ) احمد	ابراہیم خاں
۸۹	(قاضی پید) احمد (راجی)	(شاہ) ابراہیم شرقی
۹۰	(مولانا سید خواجہ) احمد نصیر آبادی	(شاہ) ابراہیم علی
۹۸	(مولانا شیخ) احمد (ملاحیون)	(پید) ابراہیم دیکھے
۳۶۶	(شیخ) احمد بن ادیس	(شیخ) ابو بکر برہانوی
۱۰۹	(پید) احمد بن سید علی	ابو جعفر محمد
۱۹	(پید) احمد بن قاضی سید محمود	(پید) ابو حنیفہ
۳۷۲ (۳۶۸۱۳۶۵)	احمد پاشا	۱۰۷ (۹۹۶۹۸)
۳۵۳	احمد ترک رومی (ناخدا)	(مولوی) ابوالحسن حسن کاندھلوی
۵۴۷ (۴۲۹)	(سرदार) احمد خاں	(پید) ابوالحسن علی بن ابی جعفر
۲۸۸ (۱۶۸)	(حافظ) احمد الدین الہ آبادی	(مولوی) ابوالحسن نصیر آبادی
۲۹۸ (۲۲۰۱۲۳۵ (۲۳۲ (۲۲۷	احمد شاہ ابدالی	(سید شاہ) ابوسعید رائے بریلوی
۵۰۴	احمد شاہ درانی	۳۶۴ (۳۶۱ (۳۳۶ (۲۰۲ (۱۱۹ (۱۰۳-۸
۲۶۴ (۲۶۲ (۱۳۱ (۱۰۷	(پید) احمد علی شہید	(شاہ) ابوسعید مجددی
۴۶۱ (۳۷۰ (۳۴۲ (۳۳۷ (۲۷۳		ابوالفرج الاصبہانی
۷۹	(مولانا) احمدی کروی	(مولوی) ابوالقاسم کاندھلوی
۲۱۶	احمد الشیر (توسلم)	(مولوی پید) ابوالقاسم نسوی
۳۰۹	(مولانا) احمد الشیر صادق پوری	(شاہ پید) ابواللیث
۳۷۸ (۳۵۳ (۱۶۱	(مولوی قاضی) احمد الشیر میرٹھی	(شاہ) ابوالمعانی
۳۳۸	(حاجی) احمد ولایتی (حاجی پورٹھ)	(پید) ابو محمد
۳۸۳	(مولوی) احمدی	(پید) ابو محمد عبدالشیر
		(پید) ابو محمد عبدالشیر الا شیر
		(خواجہ) آتش
		(شاہ) اجل الہ آبادی

۲۲۲	(جنرل) الارڈ	خونزادہ	دیکھیے	محمدا یازخان
۳۷۰	(شیخ) الطاف	(سید) آدم بنوری	۲۵-۱۹۰-۹۳، ۳۹	
۱۲۲	(سٹر) الفسٹن	(لفٹننٹ) آرٹھر کانولی	(LIEUT. ARTHUR CONOLLI)	
۲۳۲	الہ بخش	۲۲۵، ۲۲۲		
۲۹۸-۳۰۰	الہی بخش (تلو کا چار)	۲۰۱		(مولانا) ازہارا حق
۱۷۳	(چودھری) الہی بخش	۲۰۳		(مرزا) اسد علی بیگ کیدان
۳۰۹	(مولوی) الہی بخش صادق پوری	۱۳۶		اسفندیار
۱۶۱۱۵۰، ۷۸۱۵۳	(مفتی) الہی بخش کاندھلوی	محمدا سمیع	دیکھیے	(سید) اسماعیل
۳۸۸۱۱۷۹		۲۷۹، ۲۷۲		(میر) اسماعیل شاہ
۱۱۹	(قاضی) الشربخش	محمدا سمیع	دیکھیے	(مولانا) اسماعیل شہید
۲۵۲، ۲۵۱	الشربخش خان مورانی (جماعت دار)	۷۸		(مفتی) اسماعیل لدنی
۵۱۸-۲۲، ۵۱۶، ۵۱۴، ۵۱۳، ۵۱۲		۱۱۲		(حضرت سید) اسماعیل
۳۰۶، ۳۰۱-۲۲، ۲۹۶	(میاں) الشربکھو	۲۰۳		(مرزا) اشرف بیگ رسالدار
۳۱۲	امام بخش خراج	۵۲۲، ۵۲۳، ۵۳۶، ۵۲۷، ۵۲۸		(سردار) اشرف خان
۳۲۵، ۳۲۸-۳۱، ۳۰۲	(شیخ) امام بخش سوداگر	۵۲۸		(مولانا) اشرف علی تھانوی
۳۲۸، ۲۰۲، ۱۹۹، ۷۹	(شیخ) امام بخش ناسخ	۵۳		(نظام الملک) آصف جاہ اول
۱۶۱	امام خان جمعدار	۳۸		(نواب) آصف الدولہ
۵۲۵، ۳۷۰	امام خان خیر آبادی	۲۱۳، ۲۰۳		(سید) اعجاز الدین
۱۷۰	امام الدین (امام بخش)	۸۷		اعظم خان
۳۳۲-۳۵، ۲۱۲	(مولوی) امام الدین بنگالی	۵۰۳		(خواجہ) آغا الماس ترکی
۳۸۱، ۳۸۰، ۳۶۸، ۳۵۹		۳۶۵		آغا حسین ترکی
۱۷۱	(چودھری) امام الدین دیوبندی	۳۷۸		آغا کاظم
۲۱۵، ۲۰۱	(مولوی) امام الدین لکھنوی	۲۸۰، ۲۷۹		(مستعد الدولہ) آغابیر
۵۲۵	امام الدین خان رامپوری	۲۱۰، ۲۰۲، ۱۹۹، ۱۹۸		
۱۷۲، ۱۷۳	(چودھری) امام الدین سہارنپوری	۲۵۳-۵۶، ۲۲۹-۳۲		
۸۱	(شاہ) امام علی	۳۱۵		(خواجہ) افضل علی
۵۲۶	(سید) اننت علی	۲۳۲		(ڈاکٹر) اقبال
۲۹۹، ۲۲۳-۲۶، ۲۰۱	(امیر) انان الشرخان	۵۲۸، ۷۲، ۶۷، ۳۶		اکبر (بادشاہ)
۱۶۶	(حافظ) انان الشرخاندار	۵۲۵، ۵۲۳، ۵۱۳، ۵۱۲		اکبر خان خالص پوری
۲۵۱	امجد غازی پوری	۳۱۵		اکرام الحق
۲۵۸	امجد خان گنتوی	۲۸۷، ۲۸۶		(حافظ) اکرام الدین دہلوی
۲۲۰، ۲۱۵	(میر) امیر علی لکھنوی	۱۲۵، ۱۲۴		(جنرل) آکٹر لونی
۳۲۲، ۳۲۳	(مفتی) امیر کلکتوی	۲۹۵، ۷۱		الکسٹس بروک فرنگی
		۸۰		(سید) آل احمد رابہری

۳۶۶	عبدالعلی دیکھے	(مولانا) بحر العلوم	۲۸۰	(مرزا) امیر بیگ
۱۶۳		(ملا) بخاری	۱۳۱-۳۵۴	(امیر الدولہ نواب) امیر خاں (توزنگ)
۳۲۲		بدرالدین	۲۶۱، ۲۲۵، ۲۲۲، ۱۵۱، ۱۲۹، ۱۲۵، ۱۲۲، ۱۲۰	
۲۱۷		بدر الزمان	۵۲۶، ۵۱۲	(سردار) امیر خاں خشک
۵۲۲، ۵۱۶، ۵۱۲، ۵۱۳		بدل خاں دہلوی	۵۲۰	امیر الدین ولایتی
۵۲۱، ۵۳۹، ۵۳۳، ۵۳۲، ۵۲۵		(سردار) بدھ سنگھ	۵۲۱	(مولوی) امیر الدین
۵۲۲، ۵۱۵، ۴۵۸، ۴۵۱، ۳۸۰		(شیخ) بدھن	۳۵۰، ۳۲۵، ۳۳۶، ۳۱۷-۲۵	(منشی) امین الدین
۵۲۲		(شیخ) برکت الشریگی	۱۰۵، ۷۹	(شاہ حاجی) امین الدین کاکروی
۵۳۱، ۵۳۰		(لالہ) بساوان لعل	۵۰۹، ۵۰۸	(سردار) امین الشراخاں
۱۳۲		بسی میاں	۳۸۰، ۳۷۹	(مولوی) انس
۲۸۷		(مولوی) بشیر الشرا	۲۰۰، ۱۷۹، ۷۰	(سید) انشاء
۱۷۱		(مرزا) بلاتی	۸۰	(مولانا) انوار الحق فرنگی محلی
۳۰۱، ۲۹۷، ۲۹۵		(مرزا) بلاتی شاہزادہ	۲۱	(سید) انور حسین نفیس رقم
۳۸۲		(شیخ) بلند بخت	۵۳۰-۳۲۰، ۲۹۳، ۲۸۳، ۲۸۲	(سید) انور شاہ
۱۶۵		بلند بیگ خاں	۲۸۸	اوٹرم (OUTRAM)
۱۵۱		بلند خاں	۷۸	(مولانا) اوصد الدین بلگرامی
۳۹۲		بندرا بیراگی	۲۸۲، ۱۹۲	(راجہ) اودت زلفی
۲۲۸		بوعلی بخش		(سلطان) اورنگ زیب دیکھے عالمگیر
۱۶۶		(وزیر الدولہ) بہادر	۲۹۳، ۲۷۹، ۲۶۸	(مولانا سید) اولاد حسن فتوحی
		(شاہ عالم) بہادر شاہ	۵۲۵	اولاد علی مادھوی
۲۹۳، ۲۲۹		(حاجی) بہادر شاہ رامپوری	۵۲	اولاد محمد خاں
۳۲۲		(سید) بہادر علی اودھی	۱۵۸، ۱۰۴، ۲۸، ۳۸	(شاہ) اہل الشرا
۵۲۷		(نواب) بہاول خاں	۱۰۷، ۱۰۰، ۱۹۹	(سید) آیت الشرا
۵۲۸، ۵۲۳		بہرام خاں	۲۳۵	شاہ البوب
۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۶-۹۸		بھولا چاکی سوار		(ب)
		(سردار) پائیدہ خاں (سرفراز خاں)	۱۳۳	باجی راؤ پیشوا
۵۵۳، ۲۹۸، ۲۲۰، ۲۳۹		(سردار) پرول خاں	۲۵۲، ۲۵۳	بادشاہ بیگم
۲۹۹-۵۰۲، ۲۳۷، ۲۳۶		(شاہ) پناہ عطا سلونی	۳۵۲	بادل خاں
۸۰		پھولا سنگھ اکالی	۳۹۸	(مولوی) باقر علی
۲۲۲، ۲۳۰		پیر خاں	۲۵۳، ۲۵۲، ۲۳۳	(شیخ) باقر علی عظیم آبادی
۱۶۶			۵۲۲، ۵۲۱، ۲۶۶	
			۷۸	(مولانا) باقر داسی
			۲۹۹	بچہ سنفہ

۳۲	(منشی) جمیل احمد (تنویر رقم)	پیر علی گوہر اول (پیرنگاڑو علی) دیکھیے علی
۷۶	جمیل الدین بدایونی	پیر علی گوہر ثانی دیکھیے علی
۵۲۵	جواہر خاں لکھنوی	(سرکار) پیر محمد خاں ۵۲۷، ۲۳۷، ۲۳۶
۲۶۹، ۲۶۸	(سید) جوڑن شاہ	۳۵۳ (حاجی) پیر محمد بریلوی
۲۲۲	(سرکار) جہاں دار خاں	۱۹-۱۹۸ (شاہ) پیر محمد سلوٹی
۳۷	جہانگیر	۲۱۷، ۲۰۹، ۲۰۴، ۱۹۷ (شاہ) پیر محمد لکھنوی
۲۲۲	(کیپٹن) جمیس	۲۲۹، ۲۲۷، ۲۲۳
	(ج)	(ت) (ط) (ث)
۱۷۰	(شیخ) چاند	۱۳-۱۸۷-۹۰ (سید) تاج الدین
۱۲۲	چاند علی	۲۳-۱۲۲۹، ۱۲۱- (تاج الدین) حسین خاں
۸۷	چنگیز خاں	۲۷۴ (مولانا سید) تاج محمود امرولی
۸۷	(سید) چھو	۷۸ (نواب) تفضل حسین خاں علامہ
	(ح)	۷۹ (سیر) نقی
۳۷۵، ۳۷۳، ۲۶۹، ۱۱۰	(سیدنا امام) حسن	۲۵۴ (سید) تقی احمد کاکوری
۳۷۳، ۲۶۹، ۱۵۸	(سیدنا امام) حسین	۲۲ (تاکر) تقی الدین اہلالی المراکشی
۳۷۶	(سیدنا) حمزہ	الہی بخش تلوکار دیکھیے
۵۰۸	(ملا) حاجی	۳-۷ تنغ علی خاں
۳۰۱	(مرزا) حاجی شاہزادہ	۲۳۵ تیمور شاہ
۳۵۸، ۲۶۸	(خواجہ) حافظ	۲۳۶ (سرکار) تیمور قلی خاں
۸۷	(سید) حامد بخاری سندھی	۲۲۴، ۳۳۹، ۳۳۷، ۳۳۶، ۷۲ (سید) سلطان
۲۵۲	حبیب اللہ خاں	۷۷ (قاضی) ثناء الشربانی پتی
۲۷۴	(پیر) حزب اللہ شاہ (پیرنگاڑو علی)	(ج)
۱۹۰	(شاہ) حاتم اکثان پکپوری	۶۳ انجا حظ
۱۰۹	(سید) حسن حسنی	۲۸۵ (جنرل) جان جبک
ابراہیم کاندھلوی	حسن دیکھیے	۲۲۶ جبار خاں
۲۷۴	(شاہ) حسن	(بہاراجہ) جیونت راؤ بلکر ۱۲۳، ۱۲۱، ۱۳۵، ۱۳۳
۱۱۰	(سید) حسن الامجد اکواد	۱۲۷، ۱۲۵، ۱۲۴
۳۶۶، ۳۶۵	(شیخ) حسن آفندی	(مولوی) جعفر علی نقوی ۱۶۰، ۱۳۵، ۱۱۲، ۱۲۹
۵۲۵	حسن خاں سندھی	۲۵۱، ۲۲۹، ۲۳۵، ۱۷۸
۲۱۳	حسن رضا خاں	۲۵۸ (حاجی) جلال الدین
۲۹۲، ۲۷۹	(شیخ) حسن علی	۸۶ (سید) جلال الدین
۳۲۵، ۳۲۲، ۳۱۶	(منشی) حسن علی	۱۶۹ (میاں) جمال چلتی
۲۰۹، ۲۰۶	(مرزا) حسن علی بیگ	۱۰۵ (مولانا) جمال الدین

۱۳۹	(قاضی) خدا بخش	۲۰۰	(مرزا) حسن علی محدث لکهنوی
۱۶۲	(مولوی) خدا بخش میرکھی	۲۳۷	حسن علی مرزا قاجاری
۵۲۲	خدا بخش خان بمبئی	۱۱۰	(سید) حسن ثنی
۲۲۱	(میاں) خدا بخش	۱۰۸	(سید) حسن مجتبی
۲۵۸	(مولانا) خرم علی بلہوری	۷۹	(سید) حسن دہلوی
۲۲۴۲۳	(مولوی سید) خلیل الدین	۳۳	(مولانا حکیم سید) حسن ثنی امرودی
۲۰۳	خلیل اللہ خان	۵۰۵۱۵۰۲	حسین شاہ غلزی
۵۱۲	خواص خان	۱۱۲	(سید) حسین علی
۲۵۸۱۵۳	(عشی) خیرالد	۷۹	(شاہ) حسین علی مکاوی
۱۲۵	داتارام	۱۷۰	(شیخ) حفیظ اللہ دیوبندی
۱۶۶	داراب خان	۱۰۷	حکیم بی بی
۱۰۳۹۰	(شاہ) داؤد	۲۰۹	(مولانا) جلال اللہ دیوبندی
۲۶۱	داؤد خان	۳۶۶	(شیخ) حمزہ محدث
۲۲	(مولانا) داؤد غزنوی	۲۶۲۱۳۱۱۰۷۱۵۰	(مولوی سید) حمید الدین
۷۹	(شاہ) درگاہی نقشبندی	۲۷۵۱۲۶۸-۷۲۱۲۶۳۰۲۲۹۱۲۷۳-۷۶	
۲۱۳	(مولوی سید) دلدار علی مجتہد (غفران آب)	۲۹۲-۹۵۱۲۸۹۱۲۸۲-۸۶۱۲۷۸-۸۰	
۲۲۸	(خواجہ) دل محمد	۵۳۷۱۵۰۲۱۲۹۹	
۳۳	دوست محمد خان	۱۰۷	(سید) حلیقہ (صاحبزادی)
۲۳۹-۲۵۱۲۳۷۱۲۳۶	دوست محمد خان	۱۶۱	(قاضی) حیات بخش میرکھی
۲۹۹	دوست (ناخدا)	۵۳۱۷۵۳۰	حیات خان بریلوی
۳۵۶	دولت راؤ سندھیا	۲۹۵	حیات النساء بیگم
۲۵۲-۵۲۱۲۱۸۱۱۲۲۱۱۳۳	دھوکل سنگھ	۲۶	(مولانا) حیدر حسن خان
۱۷۷	دھومن خان	۲۳۶	حیدر علی (والد ظہیر سلطان)
۱۹۲	دیدار بخش	۲۰۹۱۷۸	(مولانا) حیدر علی سندیلوی
۲۲۸	(میاں) دین محمد	۷۷	(مولانا) حیدر علی رامپوری
۲۲۹۱۲۲۳۱۲۲۲۱۲۱۳۱۲۰۸	(سید) دین محمد قندھاری	۱۳۱	(مرزا) حیرت
۳۶۸۱۳۵۳۱۳۱۲۱۳۰-۳۲۲۱۲۹۶۱۲۵۱	دین محمد کورہستانی		(خ)
۵۰۳۱۲۸۲	(جنرل) ڈنگلین	۲۷۷	(حضرت) خضر علیہ السلام
۵۲۲	(مولانا) ذوالفقار علی دیوبندی	۲۲۰	خانی خان
۱۲۲	ذوق	۵۰۵	خانان خانان
۱۸۱۱۸۰	(س)	محمد	(خواجہ) خانسان دیکھے
۷۹	رحیب علی دیوبندی	۵۳۱۵۲۸۱۲۲۷	(مردار) خاویز خان (شادی خان)
۱۷۰	(شاہ) رحمان	۵۲۸۱۵۲۲۱۵۲۳۱۵۳۶۱۵۳۱	
۱۹۲			

۱۰۹	(بید) زین الدین	۲۰۲	(حافظ) رحمت خاں
۲۶۱، ۳۶۳، ۳۵۸، ۱۲۲، ۲۶۲	(بید) زین العابدین	۲۳۶	(سردار) رحم دل خاں
۱۸۵	(حاجی) زین العابدین خاں رامپوری	۲۴۱	(حاجی) رحیم بخش
	(س)	۲۸۲	(نواب) رحیم خاں
۱۲۲	(حضرت) سفیان ثوری	۳۱۵	رحیم خاں افغانی
۲۲۳، ۲۲۲	(حضرت) سعد بن عبادہ	۲۱۵	(مولوی) رحیم الشرفنگی محلی
۲۶۱، ۲۵۰، ۲۸۲، ۲۲۹، ۱۳۰	(بی بی) سارہ	۱۳۶	رستم
۲۲۲، ۲۲۳	سبحان خاں	۵۲۲، ۱۴۲	(بید) رستم علی سہارنپوری
۲۲۹-۳۱، ۲۱۰	سبحان علی خاں کبوه	۵۱۲	رسول خاں بلج آبادی
۲-۱	سبحان اللہ خاں	۲۴۲	(پیر) رشد اللہ
لو تھراپ اسٹارڈ	(ڈاکٹر) طاہر ڈیکھے	۱۴۲	(مولانا) رشید احمد گنگوہی
۵۳	(مولانا) سخاوت علی	۲۴۲	(پیر) رشید الدین
۲۶۲	(مولوی) سراج الدین	۱۰۹، ۸۵	(بید) رشید احمد مدنی
۵۲۸، ۵۲۳	سعادت خاں	۷۸	(مولانا) رشید الدین خاں
۲۲۲، ۲۱۰، ۱۹۹، ۱۱۲	(نواب) سعادت علی خاں	۲۲	(علامہ بید) رشید رضا مصری
۲۰۰	سعادت پارخاں زکین	۳۲	رفعت اقبال
۳۶۸، ۲۸۸، ۱۶۹، ۱۶۷	(میاں) سعد الدین کھلیتی	۱۲۴، ۱۲۲، ۷۷، ۳۸	(شاہ) رفیع الدین دہلوی
۳۲۸، ۳۲۵	سعد الدین (ناخدا)	۲-۹، ۱۵۳	(بی بی) رقیہ
۲۳	(مولوی بید) سعید الدین	۲۹۳	(بید) رکن الدین
۳۲	سعیدہ اقبال	۱۰۹، ۸۹، ۸۸	رکھو جی بھونسلہ
۵۲۸	سکندر	۱۳۳	(شیخ) رمضان
۲۴۲	سکندر شاہ (شاہ مردان ثانی)	۲۳۶	رمضان خاں (فیلبان)
۳۰۱	(حکیم) سلامت علی خاں	۱۲۰	(شیخ) رمضان مورانوی
۷۷	(مولانا) سلام اللہ محدث	۱۶۱	(مولوی شاہ) رمضان رٹکی
محمد سلطان	(شیخ) سلطان دیکھے	۱۷۱	(شیخ) رضانی مورانوی
۳۶۸، ۳۶۱	(نواب) سلطان حسین حیدر آبادی	۱۷۵	رنجیت خاں سوداگر
۲۲۲، ۲۳۶، ۲۲۲، ۲۰۸	(سردار) سلطان محمد خاں	۳۲۸، ۳۲۵، ۳۱۹	رنجیت سنگھ
۵۲۲، ۵۱۲، ۵۰۹، ۱۵۰، ۸۱، ۵۰۶، ۲۹۹، ۲۲۷	سلو خاں رسالدار	۵۲۲، ۵۲۲	رنجیت سنگھ
۱۶۶	(شاہ) سلیمان (والی چترال)	۲۸۸	(شاہ) رؤوف احمد مجددی
۵۲۷، ۲۲، ۲۰۳	(شاہ) سلیمان تونسوی	۸۱، ۷۹	(منشی) رؤوف الدین
۸۰	(مولانا بید) سلیمان ندوی	۳۱۶	(س)
۲۲، ۳۵، ۲۷	(بید) سمہودی	۲۹۸، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۲۸، ۱۷۸	(شاہ) زماں
۳۷۳		۱۳۰	(بی بی) زہیرہ

۲۷۴	(پیر) صبغت الشرفہ ثانی	دولت راؤ	نذہبا دیکھے
۸۰	(بید) صبغت الشرفین مجدد راشد	۳۱۵	(شیخ) سوین
۲۷۳-۷۷	(بید) صبغت الشرفہ راشد (پیر بگاڑو)	۷۰	(میر) بید محمد بگرا می
۲۷۷	(بید) صبغت الشرفہ صہی	۲۹۹، ۲۳۷، ۲۳۶	(سردار) بید محمد خاں
۲۷۳	(بید) صبغت الشرفہ کابلی	۵۲۶، ۵۱۳	(سن)
۲۷۲	(بید) صبغت الشرفہ لاتی	۵۲۲، ۱۶۳	شاد دل خاں خیر آبادی
۱۶۶	(شیخ) صبورا الشرفہ کھلتی	۳۰۱	(مرزا حاجی) شاہزادہ
۲۲۴-۲۶	صدر خاں	۵۲۹	(میر) شاہ علی
۱۶۶، ۱۶۴، ۱۶۳	(میاں) صدر الدین بیگھی	۷۲	شاہ جہاں
۱۰۹	(بید) صدر الدین بن قاضی بیدرکن الدین	۱۲۰، ۵۳	(امیر) شاہ خاں علی گڑھی
۱۰۹	(بید) صدر الدین ثانی	۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۰، ۲۲۲	(شاہ) شجاع الملک
۳۰۸، ۱۳۰-۷	صدر الدین دانا پوری	۲۸۸، ۲۷۹، ۲۷۸	
۲۶۸	(نواب بید) صدیق حسن خاں	۲۰۳، ۱۱۲	(نواب) شجاع الدولہ
۲۱۵، ۱۷۴	(شیخ) صلاح الدین	۱۷۲	(مفتی) شرف الدین
۱۶۹	(میاں) صلاح الدین کھلتی	۷۵	(امیر) تکلیب ارسلان
۶۲	(سلطان) صلاح الدین اعظم	۱۷۱، ۱۷۰	(مولوی) شمس الدین دیوبندی
۲۲۵	صدر خاں	۸۶	(سلطان) شمس الدین انتمش
۲۷۴	(پیر) ضیاء الدین	۳۶۵	(خواجہ سرا) شمس الدین شطا
۸۸، ۱۸۶	(قاضی) ضیاء الدین برنی	۳۵۵، ۲۳۶، ۱۰۰۳	شمسیر خاں جمدار مورانی
۹۹	(بید شاہ) ضیاء النبی	۵۲۲، ۵۲۱	
	(ط)	۲۶۳	شہاب الدین
۳۸۳	طالب حسین	۵۰۶	(سردار) شہاب الدین خاں غلزئی
۱۳۲	طالع خاں	۲۹۹-۵۰۱، ۲۲۷، ۲۳۷، ۲۳۶	(سردار) شیر دل خاں
۳۸۹	(مولوی) طالب علی	۵۲۶	(نواب) شیر محمد خاں
۵۲۵	(قاضی) طیب		(ص)
	(ظ)		(حضرت) صدیق اکبر دیکھے
۳۲، ۳۳	(مولانا) ظفر اقبال	۵۲۹	(شیخ) صابر
۱۲۰	(بید) ظہور احمد	۱۹۶، ۱۷۸، ۱۸۰	(میاں شیخ) صابر بخش دہلوی
۵۳۱، ۵۲۹	(اخوند) ظہور الشرف	۱۰۷	(بیدہ) صاحب النساء
۵۰۳	(خواجہ) ظہور الشرف	۳۶۶	(شیخ) صاع شافعی
۵۰۶	(ملا) ظہور الشرف	۲۷۳	(بید) صاع شاہ بغدادی
۳۸۳	(شاہ) ظہور الشرف اشقی	۲۶۱	صاع محمد خاں
		۱۰۷	(بی بی) صاعہ

۳۵۱، ۳۴۲، ۳۳۷، ۳۳۲، ۳۲۹، ۳۲۶
 ۳۶۶، ۳۶۴، ۳۶۳، ۳۵۹، ۳۵۶، ۳۵۵
 ۳۶۱، ۳۹۲، ۳۸۰، ۳۷۷، ۳۷۴
 ۱۶۷، ۱۷۷ (مولانا) عبدالحی برہانوی
 ۲۰۴ (مولوی) عبدالرب
 ۲۱۶ (عبدالرحمن) (نومسلم)
 ۲۶۴، ۲۰۲، ۱۱۳، ۱۰۷، ۱۰۵ (سید) عبدالرحمن
 ۲۸۵، ۲۸۳، ۲۸۲، ۳۷۰، ۳۵۵، ۳۵۱، ۲۹۲
 ۲۶۱، ۲۵۹، ۲۵۵، ۵۷، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۹۵
 ۱۶۱ (شیخ) عبدالرحمن
 ۳۵۲ (عبدالرحمن) حضری (ناخدا)
 ۵۰، ۵۱۵، ۲۰۳، ۲۰۳ (عبدالرحمن) خان قندھاری
 ۵۲۵ (سید) عبدالرحمن بندھی
 ۳۱۵ (عبدالرحمن) خان عظیم آبادی
 ۳۶۰، ۱۸۰ (مولوی صوفی) عبدالرحمن لکھنوی
 ۵۲۵ (سید) عبدالرحمن مظفرنگری
 ۶۳ (خلیفہ) عبدالرحمن الناصر
 ۲۶۸، ۳۴۲، ۲۲۸ (حاجی) عبدالرحیم
 ۱۰۰ (سید) عبدالرحیم
 ۳۸، ۳۷ (شاہ) عبدالرحیم دہلوی
 ۵۰، ۵۱، ۲۰۳ (عبدالرحیم) خان
 ۳۶۶، ۱۵۳ (صاحبزادہ) عبدالرحیم خان
 ۵۰، ۱۲۹ (نواب) عبدالرحیم خان
 ۳۰۸ (عبدالرحیم) دانا پوری
 ۲۹۸، ۳۹۵، ۵۳ (مولانا) عبدالرحیم صادق پوری
 ۷۸ (مولانا) عبدالرحیم صفی پوری
 ۳۲۰، ۲۳۷، ۲۳۶ (عبدالرحیم) فلسفی
 ۱۸۸، ۱۷۱ (حاجی) عبدالرحیم ولایتی
 ۱۶۹ (عبدالرزاق) پھلتی
 ۱۲۰ (سید) عبدالرزاق
 ۵۲۵ (عبدالرزاق) دلونڈی
 ۱۶۹ (عبدالرؤف) پھلتی
 ۱۳۱، ۱۰۷ (مولوی سید) عبدالسبحان
 ۳۵۳ (قاضی) عبدالستار
 ۱۰۵ (میر) عبدالسلام بدخشان

(ع)

۳۹-۷۶۴ (حضرت) عمر
 ۳۹۰، ۳۷۵، ۳۷۴، ۳۷۲ (حضرت) عثمان
 ۳۹۲، ۳۹۰، ۲۱۲، ۱۲۹، ۱۱۰، ۸۹ (حضرت) علی
 ۲۲۷ (ام المؤمنین) عائشہ صدیقہ
 ۱۹۸ (حضرت) عباس
 ۶۲ (حضرت) عمر بن عبدالعزیز
 ۷۲ (شاہ) عالم
 ۶۸، ۳۷-۳۹ (عالم گبر) (محمی الدین اورنگ زیب)
 ۲۳۵، ۱۰۳، ۹۱-۹۳، ۷۲، ۷۰
 ۵۲۵ (عبدالشر) اعظم گڑھی
 ۲۵۴ (عبدالاحد) رابط
 ۲۰۴ (مولوی) عبدالاعلی
 ۸۰ (شاہ) عبدالباری امر وہوی
 ۲۱۵ (مولوی) عبدالباسط
 ۷۸ (مولانا) عبدالباسط قنوجی
 ۱۰۷ (سید) عبدالباقی
 ۲۲۲، ۲۳۶، ۲۰۳، ۲۰۱ (عبدالباقی) خان قندھاری
 ۵۲۵ (عبدانجبار) مورانوی
 ۲۳۶ (عبدانجبار) خان
 ۷۰ (میر سید) عبدالجلیل بلگرامی
 ۲۸ (سید) عبدالحفیظ
 ۶۶ (شیخ) عبدالحق محدث
 ۳۵۹، ۳۵۳ (مولوی) عبدالحق نیوتنوی
 ۱۶۹، ۹۵، ۹۲ (شیخ) عبدالحکیم
 ۹۲ (شیخ) عبدالحجید بادی
 ۲۶۱، ۲۶۰ (عبدالحمد) خان رامپوری (رسالدار)
 ۹۰، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۲۲ (مولانا حکیم سید) عبدالحق حسنی
 ۵۷، ۵۲، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۸ (مولانا شاہ) عبدالحق دہلوی
 ۱۹۳، ۱۹۱، ۱۸۸، ۱۸۲، ۸۲، ۱۷۳، ۷۷، ۱۵۸
 ۲۳۱، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۰۷، ۲۰۷، ۱۹۶
 ۲۶۶، ۲۶۳، ۲۶۰، ۲۵۸، ۲۲۲، ۲۲۳
 ۲۹۷، ۲۹۲، ۹۲، ۲۸۹، ۲۷۰، ۸۵، ۷۷، ۲۲۷، ۲۰۰
 ۳۱۸، ۳۱۶، ۳۱۵، ۳۰۸، ۳۰۵، ۳۰۳، ۲۱۳، ۱

۲۹۶-۳۰۰	(مولوی) عبدالشہر بناری	۱۶۱	عبدالشکور خان
۱۷۱۱۷۰۱۱۶۱	(حافظ) عبدالشہر	۵۴	(سید) عبدالشکور
۱۹۵	(شاہ) عبدالشہر	۹۱	(شاہ) عبدالشکور محذوب
۵۱۵۱۵۱۴۲۲-۸	(میاں) عبدالشہر	۲۴۵۱۴۲۳۱۴۳۱۴۳۶	(سرور) عبدالصمد خان
۱۰۵	(مولانا) عبدالشہر آفندی	۵۰۳	(حاجی) عبدالعزیز
۵۲۱	عبدالشہر سیم	۷۳۱۷۰۱۴۸۱۳۸	(شاہ) عبدالعزیز دہلوی
۱۰۵	(مولانا) عبدالشہر امیٹھوی	۱۱۹-۲۱۱۱۶۱۰۸۱۰۲۱۰۱۰۸۰۷۷۷۷۵	
۳۲۲	(مولوی) عبدالشہر اودھی	۱۷۹۱۵۸۱۵۷۱۵۰-۵۴۱۴۸۱۲۶-۲۸	
۳۵۳	عبدالشہر بلال	۲۵۹۱۵۸۱۲۴۸۱۲۳۳۱۲۰۹۱۲۰۲۱۸۳	
۶۳	(حضرت) عبدالشہر مبارک	۳۵۹۱۳۳۷۱۳۳۶۱۳۱۹	
۳۸۰۱۳۵۱۲۱۷-۲	عبدالشہر خان	۱۶۸	عبدالعلی سہلانی
۲۱۵	(مولوی) عبدالشہر قرنگی محلی	۲۴	(ڈاکٹر سید) عبدالعلی حسنی
۲۹۳	عبدالشہر خان درانی	۲۰۱۸۰۷۷۷	(ملک العلماء مولانا) عبدالعلی بکر العلوم
۵۳۱	(حاجی) عبدالشہر رامپوری	۲۰۹	عبدالعلی لکھنوی
۳۶۵	(شیخ) عبدالشہر سراج	۱۳۰	(سید) عبدالغفار
۱۱۰	(سید) عبدالشہر المحض	۳۸	(شاہ) عبدالغنی
۱۹۲۱۲۹۱۲۸۹۱۲۸۸	(شیخ) عبداللطیف سوداگر	۲۸۸	عبدالقادر الہ آبادی
۳۳۸۱۳۳۳	(شیخ) عبداللطیف حبیبی مصری	۱۰۸۱۰۱۰۷۷۷۷۳۸	(شاہ) عبدالقادر دہلوی
۱۰۵	(شیخ) عبداللطیف مرزا پوری	۳۴۲۱۲۰۹۱۵۱-۵۳۱۲۷۱۲۶۱۲۰۱۱۹	
۳۸۵۱۳۷۵	عبدالحمید خان جہان آبادی (بریلوی)	۲۵۲	(مرزا) عبدالقادر
۵۱۸ (بریلوی)	عبدالحمید خان	۶۸	(ملا) عبدالقادر بدایونی
۵۲۲۱۵۲۲	(مولوی) عبدالواحد	۲۷۲	(سید) عبدالقادر جیلانی خامس
۲۰۳	(مولوی) عبدالوہاب	۱۳۰	(میاں) عبدالقادر خان
۲۰۴	عبدالہادی (نوسلم)	۱۰۵	(شاہ) عبدالقادر خالص پوری
۲۱۵۱۲۰۱	(سرور) عبدالشہر خان	۲۶۱	(مولوی) عبدالقدوس
۲۱۶	(میاں شیخ) عثمان شاہ جہانپوری	۲۶۵	(مرزا) عبدالقدوس
۲۴۰	(سید) عثمان علی	۵۲۶۱۱۸	(شیخ) عبدالقیوم
۹۳	(مولانا سید) عرفان دیکھے	۱۶۷	(مولانا مفتی) عبدالقیوم بڑھانوی
۳۹۸	عزیز الدین	۳۸	(شاہ) عبدالقیوم
محمد عرفان	(سید) عزیز الدین سامانہ	۷۹	(خلیفہ قاضی) عبدالکریم جواسی
۲۳۲	(مفتی) عزیز الرحمن	۱۹۰	(شاہ) عبدالکریم مانیکپوری
۸۶	(میاں) عصمت الشہر سہلانی	۷۹	(خلیفہ قاضی) عبدالکریم نگرانی
۳۱۶	عطا محمد خان	۵۰۱۱۵۰۰	(ملا) عبدالشہر
۱۶۹	عظیم خان	۲۵۹	عبدالشہر
۲۳۹۱۲۳۸			
۳۷۲			

۲۱۰۲۰۲۱۱۹۸	(نواب) غازی الدین حیدر	۲۰۲	(نواب) عظیم الدولہ
۲۷۱۷۲۵۲۷۲۵۳۷۲۳۲۷۱۹	غالب	۱۰۰	(میر) عظیم الدین
۷۹	(سید) غلام جیلانی رائے بریلوی	۱۷۱	(قاضی) عظیم الشکر
۲۶۶	(مولانا) غلام جیلانی رامپوری	۱۶۶	عظیم الشریک کیران
۷۸	غلام حسین خاں	۸۹۷۸۷	(سلطان) علاء الدین خلجی
۱۹۷۷۱۹۶	(شیخ) غلام حسین خاں فخرالتجار	۱۰۹۷۸۹	(سید) علاء الدین
۲۲۹-۵۱۷۲۲۶	(مفتی) غلام حضرت	۹۹-۱۰۳۱۹۷۱۹۰-۹۲۷۵۲۷۳۹	(شاہ) علم الشریعہ
۳۸۰	غلام حیدر خاں خاکس پوری	۲۵-۱۲۲۲۱۲-۱۱۱۹۰۱۱۳۰۱۱-۹۱۰۵-۷	(سید) علم الہدی
۲۱۳	غلام حیدر خاں لکھنوی	۱۳۰	(سید) علی
۵۲۲۷۵۲۱	غلام حیدر خاں گوالیاری	۱۰۹	(ملا) علی
۲۲۲-۲۷۱۲۰۱	(مولانا) غلام رسول تہرہ	۵۰۸	(شیخ) علی حنفی
۱۳۱۱۰۹۷۳۱۷۳۰۱۱۸	غلام رسول خاں خالص پوری	۳۶۶	(میر) علی
۲۲۲-۲۷	غلام رسول خاں لکھنوی	۲۷۰	(شاہ) علی اکبر فیض آبادی مودودی
۳-۷	(شیخ) غلام ضامن	۲-۲	(میر) علی پناہ بنارس
۱۶۸	غلام علی پھلتی	۳-۷	(شیخ) علی جان
۱۵۲۷۱۵۱۷۵۰۱۹۲۷۱۷۱۷۹	(شاہ) غلام علی	۵۲۲۷۵۲۲	علی حسن لکھنوی
۲۲۵۷۱۸۸	(شیخ) غلام علی الہ آبادی	۲۷۲	(میر) علی گوہراول (پیرنگاڑو)
۲۸۳۷۲۸۲۷۱۹۲	(میر) غلام علی	۲۷۲	(میر) علی گوہرمانی (پیرنگاڑو)
۲۵۱۷۲۵۰۷۳۸۵-۸۷۷۲۸۷۱۲۸۶	غلام علی	۱۸۵	(نواب) علی محمد خاں
۲۷-۱۲۶۹	غلام قادر روہیلے	۲۶۹	علی مراد میر پوری
۷۲	غلام قادر فصیح	۱۰۸	(سید) علی مرتضیٰ
۳۳	(شیخ) غلام محمد پھلتی	۱۱۳	(مولوی) عظیم الشکر
۱۶۸	(خلیقہ) غلام محمد دین پوری	۲۰۷۳۲۷۲۷۱۹	(مولانا الواسع) علی ندوی
۲۷۲	(شاہ) غلام محی الدین (سرسدھی پیرزادہ)	۸۷	(سید) علی بہدانی
۲۷۸	(دیوان) غلام مرتضیٰ	۲۲۲	(شیخ) عمر
۳۸۱	غلام نبی خاں گوالیاری	۳۶۵	(شیخ) عمر بن عبد الرسول محدث
۵۲۵	(مولوی) غلام کبیری	۱۲۱	عمر خاں
۳۰۱	(سلطان) غیاث الدین بلین	۲۶۲	(سید) حکیم نصیر آبادی
۸۶	(حضرت) فاطمہ	۳۹۸	(مولوی) غیاث علی
۳۷۳۷۱۹۹۷۱۲۹	(سید) فاطمہ صغریٰ	۳۸۱۷۳۱۲	غیاث الشکر
۱۱۰	(مستشار) فتح خاں	۱۰۹	(سید) عیسیٰ
۲۹۹۷۲۹۸۷۲۲۷۲۳۶-۲۰	(شاہ) غانی	۵۰۱	

(ف)

(ع)

۳۵۳، ۲۹۴ قادر شاه ہریانوی
 ۱۱- (سید) قاسم
 ۲-۲ (نواب) قایم خاں بنگش
 ۲۰۰ (مرزا) قتیل
 ۳۹ قدرۃ اللہ سنبھلی
 ۱۶۳، ۱۶۲ قدن خاں
 ۱۶۲-۶۴، ۱۵۱ (حافظ) قطب الدین بھلی
 ۲۹۴، ۲۶۶، ۲۶۳، ۱۱۷۳، ۱۶۹
 ۱-۹، ۱۸۹ (سید) قطب الدین محمد ثانی حسنی
 ۷۹ (مولانا) قطب الدین
 (شیخ الاسلام) ابرید قطب الدین محمد احسنی المرنی
 ۱-۹، ۱۸۵-۸۹، ۱۳۹
 ۳۱۴، ۳۱۳ (نواب) قطب الدین خاں
 ۱۹۲ (شاه) قطب الدین فاخر
 ۲۵۱ (سید) قطب علی (والد سید جعفر علی)
 ۱۳۱، ۱۰۰، ۹۹ (مولانا) قطب الہدیٰ محدث
 ۱۶۹ (حکیم) قمر الدین بھلی
 ۳۰۸ (خواجہ) قمر الدین
 ۳۹۸ (مولوی) قمر الدین
 ۱-۹ (سید) قیام الدین
 ۲۰۶ قیصر (سلطان)
 ۱۹۱ (کاکم بیگ)
 ۲۹۸، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۲۳ (شہزادہ) کامران
 ۱۷۰ کرامت حسین
 ۲۸۸ (مولوی) کرامت علی الہ آبادی
 ۱۵۸، ۱۵۳، ۱۵۳ (مولانا) کرامت علی جوہری
 ۳۸۶، ۳۸۳، ۳۸۲ (سید) کرامت اللہ عظیم آبادی
 ۲۵۸ کرمانی
 ۲۷۹، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۶۹ (سید) کرم علی
 ۵۲۲ کریم بخش خاں بڑھانوی
 ۵۲۲ کریم بخش فتحپوری
 ۱۶۳ کریم بخش میرٹھی
 ۱۷۳، ۱۷۰ (جوہری) کریم الدین

۵۲۳، ۵۳۶ فتح خاں پنجتاری
 ۲۷۷ (سید) فتح علی مالپور
 ۲۵۲، ۲۱۹ (نواب) فتح علی خاں کپتان
 ۳۹۶-۹۸، ۳۰۹ (مولوی) فتح علی عظیم آبادی
 ۵۲۲ فتح علی عظیم آبادی
 ۵۰۰ (ملا) فتح اللہ خاں
 ۲۹۵، ۲۹۳ (ملا) فتح محمد آخون
 ۱-۶ (شیخ) فتح محمد انبالوی
 ۲۹۵، ۲۹۳ (ملا) فتح محمد وزیر
 ۵۲ (مولوی) فتح الدین
 ۷۸ (نواب) فتح الدین حیدر آبادی
 ۷۹ (مولانا) فتح الدین دہلوی
 ۳۹۷-۹۸ (مولوی) فرحت حسین عظیم آبادی
 ۳۰۷ فرحت علی
 ۲۸۹ (مولوی) فرزند علی
 ۲۵۱، ۳۸۲ (شیخ) فرزند علی غازی پوری
 ۷۸ (خواجہ) فرید الدین
 ۱۷۱ (مولوی) فرید الدین
 ۲۷۲، ۲۷۳، ۷۷ (مولانا) فضل امام خیر آبادی
 ۷۸ (مولانا) فضل حق خیر آبادی
 ۳۱۶ (مثنیٰ) فضل الرحمن
 ۲۲۲ (نواب) فقیر محمد خاں آفریدی
 ۲۲۷، ۲۰۲، ۲۰۱ فقیر محمد خاں بہادر رسالدار
 ۳۲۲، ۲۵۶، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۲۹-۳۲۲
 ۵۲۵ فہم خاں حسین پوری
 ۲۳۸، ۲۳۷ (حاجی) فیروز
 ۲۳۵ (شہزادہ) فیروز
 ۵۱۲ فیروز خاں
 ۵۳۱ (شیخ) فیض الدین بنگالی
 ۱۲۵ فیض اللہ خاں بنگش
 ۱۲۲ FRAZER. R. W.
 ۵۱۵ (نی)
 ۳۳۱ (شیخ) تاد بخش
 تاد بخش لکھنوی

۱۸۴ مبارک علی
 ۷۸ (ملا) بین فرنگی محلی
 ۱۲۵ مشکات
 ۳۸۳ عیذ الفتانی یا مجذوب سرسندی دیکھئے احمد سرسندی
 ۲۹۲-۹۶۱۲۸۹۱۲۸۲-۸۶ محراب خاں
 ۱۸۲۱۱۷۸۱۱۷۶۱۱۷۹۱۱۷۰۱۱۵۹ محسن خاں
 ۲۸۵ (سید) محسن شاہ
 ۳۷۷ (حافظ سید) محمد
 ۱۶۶ (خواجہ) محمد
 ۲۰۲۱۱۳ (سید) محمد
 ۳۶۶ (سید) محمد (مغربی)
 ۲۳۳ (مولوی سید) محمد نصیر آبادی
 ۲۸۶۱۲۸۵ (ملا) محمد
 ۲۷۲۱۲۷۰ (میر) محمد
 ۲۵۸۱۱۰۱۱۰۷ (سید) محمد ابراہیم
 ۱۰۵ (سید) محمد احسن
 ۱۰۰ (میر) محمد احسن
 ۱۰۷۱۱۰۱۰۹۹۱۰۹۰۲۹ (سید) محمد اسحاق حسنی
 ۲۲۵۱۱۸۲۱۱۸۳۱۱۷۱۱۱۵۹۱۱۳۰۱۱۱۰۱۰۸ (مولانا شاہ) محمد اسحاق دہلوی
 ۳۹۲۱۲۷۰ ۱۲۷۱۷۷۱۳۸
 ۱۹۲ (مولانا) محمد اسلم
 ۲۸۲۱۲۲۹۱۲۷۷۱۱۰۸ (سید) محمد اسماعیل حسنی
 ۲۷۱۱۲۷۰ (مولانا شاہ) محمد اسماعیل شہید
 ۲۸-۲۰۱۲۵
 ۱۶۰۱۱۵۱-۵۷۱۱۲۹۱۱۲۹۱۱۲۷۱۷۷۱۷۵۲۱۷۵۰
 ۲۰۶۱۱۸۸۱۱۸۷۱۱۸۲-۸۲۱۷۶۱۷۵۱۷۹
 ۲۵۸۱۷۵۶۱۷۲۵-۲۸۱۷۳۲۱۷۳۱۷۳۰
 ۲۹۳۱۷۸۹۱۷۸۸۱۷۷۸۱۷۶۶۱۷۶۳۱۷۶۰
 ۳۶۲۱۷۵۲۱۷۳۹۱۷۳۷۱۷۳۱۷۳۰۸۱۷۲۹۲
 ۳۹۲۱۷۳۸۱۷۳۸۲۱۷۷۷۱۷۶۸۱۷۶۶۱۷۶۵
 ۵۲۹۱۷۲۵۱۷۱۵۱۷۱۵۸۱۷۰۹۱۷۳۹۵
 ۱۹۰ (شاہ) محمد اشرف
 ۲۱۵۱۲۱۴ (مولانا) محمد اشرف

۲۷۸۱۱۹۰۱۸۰ (شاہ) کریم عطا سلوٹی
 ۳۰۱۱۱۹۵ (میرزا) کریم اشرف بیگ
 ۱۹۹ (سید) کمال الدین خیر شہدی
 ۲۲۹-۳۲ (رائے بہادر) کنہیا لال
 ۲۲۴ (سردار) کھرک سنگھ
 ۲۰۶ کسری
 ۲۳۲ کہلو شکی
 ۲۳۶ کہن دل خاں
 ۵۲۲ (شہزادہ) گدڑی
 ۳۳ (خواجہ) گلزار محمد
 ۲۳۳ (گرو) گویند سنگھ
 ۳۱۵ (شاہ) گھیٹا

ل

۲۱۲ (سیدنا) لوط علیہ السلام
 ۱۲۳۱۷۲ لارڈ لیک
 ۳۵۱ لارڈ مائٹرا
 (شاہ) لعل دیکھئے محمد عدل
 ۳۰۳۱۲۸۵۱۲۸۰۱۲۷۹ (شیخ) لعل محمد
 ۷۵۱۶۲ (ڈاکٹر) لوتھراپ اشادرد
 ۶۶ (ڈاکٹر) لیان
 ۲۲۳۱۲۲۲۱۲۳۱ (سر) لپیل گریفن
 ۲۲۱ LIEUT ARTHUR CONOLLY

م

۱۰۶ (سیدنا) موسیٰ علیہ السلام
 (سیدنا نبینا) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۵
 ۸۵۱۶۷۱۶۲۱۶۱۱۵۹۱۵۲-۵۷۱۷۵۱۷۳
 ۱۵۰۱۱۲۹۱۱۲۸۱۹۸۱۹۲۱۹۲۱۸۹۱۸۸
 ۲۶۱۱۲۸۱-۲۸۱۲۳۶۱۲۳۲۱۲۰۶۱۵۱
 ۲۰۵۱۲۰۲۱۲۰۱۰۱۲۷۱۲۷۵۱۲۷۳۱۲۶۸۱۲۸۷
 ۲۵۱۲۲۱۲۰۷
 ۲۳۱ (حضرت) معاویہ
 ۱۲۹۱۱۲۷۱۱۲۷ (نواب) مادھو
 ۶۳ (خلیفہ) مامون
 ۸۶ (سید) مبارک

۱۳۲	محمد حیات خاں	۲۸۹	ڈاکٹر محمد آصف قدوائی
۲۹۲، ۲۹۱	(شیخ) محمد خاں مرزا پوری	۱۰۳	محمد اعظم شاہ
۵۲	محمد خاں	۷۹	(شاہ) محمد آفاق
۱۶۶، ۱۶۴	(خواجہ) محمد خان ساماں	۳۸	(شاہ) محمد افضل
۱۱۰، ۷۸۵	(سید) محمد ذوالنفس الزکیہ شہید	۲۲۲	(پیرزادہ) محمد اکبر
۱۶۲	(داروغہ) محمد راحم	۱۳۲	(میاں) محمد اکبر خاں
۲۷۲، ۲۷۳	(پیرسید) محمد راشد	۹۲	(خواجہ) محمد امین بدخشی
۳۷۹، ۳۷۸	محمد رجب (ناخدا)	۹۰	(مولانا سید) محمد امین نصیر آبادی
۱۳۰	(سید) محمد روشن	۲۵۲، ۵۱، ۱۳۵، ۱۳۲	(خونڈزادہ) محمد ایاز خاں
۳۷۳، ۳۶۸، ۳۶۱	محمد رئیس (معلم)	۱۰۲، ۹۹	(سید) محمد باقی
۳۹۲، ۵۲	محمد زمان خاں لوہانی پوری	۲۷۶، ۱۹۰	(شاہ) محمد بنیاد
۵۲	(ماسٹر) محمد زمان خاں	۱۶۲	(مولوی) محمد بخش
۵۱	(مولوی) محمد سعید نصیر آبادی	۳۵۹	(قاضی) محمد بن علی شوکانی
۵۰، ۵، ۲۵۹	محمد سعید خاں	۲۷۲	(سید) محمد بقاء
۹۳	(شیخ) محمد سلطان	۷۰	(سید) محمد بلگرامی
۲۸۸	(شیخ شاہ) محمد سوداگر	۲۸۷	(شیخ) محمد تقی الہ آبادی
۱۰۲	(سید) محمد ثنا	۱۶۲، ۱۶۳	محمد تقی قصاب
۱۳۰	(سید) محمد شافع	۱۱۰، ۱۰۷	(سید) محمد ثانی
۲۲۰، ۱۳۲	(سلطان) محمد شاہ	۲۶۶، ۱۳۰، ۱۰۷، ۱۰۰	(سید) محمد جامع
۱۰۷، ۱۰۲، ۱۰۰، ۹۹	(مولانا سید) محمد صابر	۲۵۱، ۵۲، ۲۵	(مولوی) محمد جعفر تھانی سیری
۲۵۲	(نواب) محمد صابر قلی خاں	۲۷۲، ۲۷۳	(مولوی) محمد جعفر رائے بریلوی
۱۰۰	(شیخ) محمد صدیق	۱۰۶، ۱۰۵، ۹۹	(سید) محمد جی
۱۰۵	محمد صدیق قطب	۱۶۷	محمد حسن برہانوی
۳۸۰	محمد صدیق محمدی	۳۰۷	(قاضی) محمد حسن
۵۳۱	محمد صلاح سندھی	۲۰۳	محمد حسن خاں
۱۰۳، ۹۹	(سید) محمد ضیاء	۲۸۸	محمد حسین الہ آبادی
۲۶۲، ۱۳۱، ۹۹، ۲۳	(مولانا سید) محمد ظاہر حسنی	۱۶۹	(حافظ) محمد حسین پھلتی
۱۶۸	محمد عارف پھلتی	۱۸۱، ۱۷۶	(میاں) محمد حسین سہارنپوری
۱۲۰	(شیخ) محمد عارف کرنالی	۱۷۱	(سید) محمد حسین
۱۰۲، ۱۲۸	(مولانا شاہ) محمد عاشق پھلتی	۳۸۳، ۳۸۲، ۳۰۹	(شاہ) محمد حسین
۱۲۰	(شیخ) محمد عبدالسمیع	۳۵۳، ۳۲۹	محمد حسین ترک
۱۶۹، ۱۶۸	(حافظ) محمد عثمان پھلتی	۱۰۷، ۹۹	(مولانا سید) محمد حکم
۱۰۷	(سید) محمد عثمان	۹۹	(سید) محمد جیا بن محمد ثنا
۱۶۹، ۹۹، ۷۹	(سید) محمد عدل (شاہ لعل) رائے بریلوی	۳۸۳	محمد حیات

(مولانا بید) محمد رفان ۱۰۹۱۰۷۱۰۶۱۹۹۱۲۸
 ۱۱۸
 ۳۷۲
 محمد عظیم خاں ۲۲۲-۲۶۰۲۲۰-۲۲۳
 (مولوی بید) محمد علی ۱۳۱۰۱۱۶۱۰۷۱۵۲۱۵۱
 ۳۶۸۱۲۶۷۱۲۶۲۱۹۶۱۱۸۷۱۱۸۶۱۱۳۶
 ۳۹۳
 ۵۲۰۲۹
 (نواب) محمد علی خاں
 (مولوی) محمد علی کشمیری ۲۱۳
 محمد علی ہندی ۳۶۶
 (شاہ) محمد عمر ۳۸
 (مولانا) محمد فاخر زائر آبادی ۱۹۲
 (مولوی) محمد فائق ۲۵۲
 (مولانا) محمد فصیح جونپوری ۱۹۲
 (بید) محمد فضل حسنی ۱۰۹۱۹۰
 (بید) محمد فضل بھلتی ۱۶۸
 محمد قاسم (خواجہ سرا) ۳۳۶۱۲۱
 (میاں) محمد قاسم جالسی ۲۶۲
 محمد کفاح ۲۷۶
 محمد کمال خرم پوری ۵۲۵
 (بید) محمد لطیف ۲۲۶۱۲۲۲۱۲۲۲۱۲۲۹
 (بید) محمد بہاروی ۵۲۵
 محمد باہ ۱۷۰
 (بید) محمد مستقیم نصیر آبادی ۳۸۵۱۲۸۲۱۲۲۹
 (بید) محمد مصطفیٰ ۱۰۷
 (شیخ) محمد مصوم ۱۰۰
 (بید) محمد معظ ۱۳۰۷۱۰۹۷۹۰
 (بید) محمد معین ۱۰۷۷۱۰۰
 محمد میان مراد آبادی ۱۸۵
 (شیخ) محمد سید داد قاری مکی ۱۰۵
 (مفتی) محمد ناصح ۱۹۲
 (شاہ) محمد ناصر الہ آبادی ۱۹۲
 (شیخ) محمد ناصر نصیر آبادی ۱۲۰
 (شیخ) محمد ناظر ۲۱
 (بید) محمد نور ۱۰۹۷۱۰۷۱۰۵۱۰۳۱۰۲۰۹۹
 (بید) محمد نعمان بیگم نعمان

(مولانا بید) محمد واضح ۲۷۳۱۲۶۶۱۰۷۱۰۰۱۹۹
 (نواب وزیر الدولہ بہادر) محمد وزیر خاں ۲۷-۲۹
 ۲۶۰۲۲۵۹۱۰۵۱۱۲۸۱۱۱۵۱۱۱۳۱۱۱۳۱۱۵۲
 محمد ہاشم لکھنوی ۲۹۲
 (بید) محمد ہدی ۱۰۹۱۱۰۷۱۰۲۱۰۱۰۱۹۹
 (بید) ہدایت اللہ ۱۱۰
 (چودھری) محمد یار ۱۷۳
 محمد یار خاں ۱۷۲
 (شیخ) محمد یحییٰ ۸۶
 (بید) محمد یسین ۲۶۵۱۱۸۸۱۱۸۷
 (بید) محمد یسین راشدی (پہچنڈا) ۲۷۲
 (بید) محمد یعقوب ۳۵۱۱۲۶۲۱۲۲۵۱۰۷
 ۵۱۶۱۵۱۵۱۲۶۱۰۲۵۸۱۲۵۰
 (مولانا شاہ) محمد یعقوب ہلوی ۱۲۷۱۳۸
 (مولوی) محمد یعقوب ۱۵۱
 محمد یوسف خاں (امیر کبیر) ۲۷۲
 (مولوی) محمد یوسف (وکیل) ۲۷۳۱۲۷۲
 (مولوی) محمد یوسف لکھنوی ۲۲۸۱۲۱۲۱۰۸
 (مولانا) محمد یوسف بھلتی ۱۸۸۱۱۶۷۱۱۵۸۱۱۵۱
 ۳۲۸۱۲۷۲-۷۶۱۲۶۸۱۲۶۷۱۲۳۸۱۲۳۷
 ۵۱۵۷۵۱۰۲۲۵۸۱۳۶۲۱۳۵۲۱۳۵۱
 (حاجی) محمد یوسف کشمیری ۲۸۳۱۳۵۳
 (حافظ بید) محمد یونس ۲۸
 (شاہ) محمد یونس ۱۰۲
 محمدی ۲۷۶
 (مفتی) محمدی انصاری ۳۱۶۱۱۶۹۱۱۶۲
 (شاہ) محمود ۲۹۸۱۲۳۵-۳۹
 (قاضی بید) محمود ۱۰۹۷۸۹
 (مرزا) محمود بخت شہزادہ ۳۸۲
 (شیخ الہند مولانا) محمود حسن دیوبندی ۱۸۰
 محمود خاں ۲۹۲
 (مجتبیٰ) محمود خاں آفریدی ۲۰۱
 (حافظ) محمود خاں شیروانی ٹونکی ۲۹
 (شیخ) محمود بن تاب خوجوی ۱۰۶

۵۲۴	(شیخ) معظم جگدیش پوری	۵-۷	(سلطان) محمود غزنوی
۱۱۳	معین خاں	۳۶۹	(نواب) محمود ازخاں حیدر آبادی ۱۳۶۱
۲۶۳، ۱۶۸، ۱۵۸	(حافظ) معین الدین بھلتی	۱۸	(غلام) محی الدین احمد
۳۶۸		۱۳۰	(بید) محی الدین
۸۶	(بید) معین الدین سامانہ	۲۲	(مولوی) محی الدین احمد قصوری
۱۶۷	(شیخ) معین الدین	۲۱۵، ۲۰۵	(مولانا) مخدوم
۲۳۸	(سر دار) معین الملک	۳۱۶	(مثنی) مخدوم بخش
۲۶۶، ۲۶۳، ۱۷۶، ۱۵۸	(حکیم) معین الدین	۲۱۲	(مولانا) مخدوم حبیبی لکھنوی
۳۵۳	(بید) مقبول دیوبندی	۵۲۵	(شیخ) مخدوم مسجد فتحپوری دہلی
۱۷۰	ملا بخاری	۳۸	(شاہ) مخصوص الشہ
۱۵۲	(بید) منتخب الدین	۱۳۸	(پساری) مدار بخش (الشہ بخش)
۸۶	منڈرو (فرنگی)	۱۶۶	مدے خاں کیدان
۲۶۵، ۷۱	(شاہ) منصور عالم	۱۶۶	مراد خاں
۳۰۷	منور خاں یلیح آبادی	۲۷۹، ۲۷۲، ۲۷۰، ۲۶۹	(بیر) مراد علی
۵۲۵	(شیخ) منور علی دیوبندی	۷۹	(شاہ) مراد الشہ تھانیسری
۱۷۰	موکھی صاحب	۵۳	(بیر) مرتضیٰ خاں رامپوری
۱۲۳	(خواجہ) مولا بخش	۲۷۲	(شاہ) مردان
۳۱۵	مومن خاں	۲۷۲	(سکندر شاہ) مردان ثانی
۷۹	مہاراج یا مہاراجہ دیکھے رنجیت سنگھ	۱۹۲	(قاضی) مستور خاں
	مہر صاحب دیکھے	۷۰، ۲۶	(مولانا) مسعود عالم ندوی
	مہر صاحب دیکھے	۳۲۶	مصاحب علی
۲۳۷، ۲۳۶	مہربان خاں	۷۹	(اتحاد) مصحفی
۲۱	مہر محمد	۳۶۵	(شیخ) مصطفیٰ
۲۵۲، ۲۰۲	(نواب) میر خاں	۲۸	(مولانا) مصطفیٰ
۲۳۶	میر دل خاں	۲۰۳	مصطفیٰ خاں
۲۶۹	میر محمد	۳۷۳	مصطفیٰ داغستانی (معلم)
۵۰۶، ۲۹۹، ۲۳۷، ۲۳۶	(سر دار) میر محمد خاں	۲۹	منظر جنگ (ابن عبدالرحیم خاں)
۵۰۷	(شاہ) میر محمدی	۲۲۹	(نواب) منظر خاں
۸۰	(بید) میر مسکین	۱۵۰، ۷۹، ۷۳	(مرزا) منظر جان جاناں
۲۰۳	(کرنل) میلکم (LIEUT. COL. MALCOLM)	۲۷۸	(شاہ) منظر علی
۲۲۸	منڈو خاں رسالدار ۲۲۰-۲۲۱	۲۷۵، ۲۷۴	(شیخ) منظر علی
۲۳۳		۳۰۹، ۳۰۸	(مولوی) منظر علی عظیم آبادی
۲۲۰، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۲۰		آغا میر	منظر الدولہ دیکھے
		۲۶۶، ۱۰۷	(بید) معصوم احمد
۵۰۵، ۵۰۴، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۳۵	نادر شاہ اقطاع		
۲۱۳	ناخ		
۲۱۰	(مرزا) نھو		
۲۸۸	(حافظ) نجابت علی		

۵۱۲	نورخان	۱۷۰	قاسمی (نجات علی خاں)
۲۳۲	نور الدین	۲۱۳	(بید) نجم الدین سبزواری
۱۰۲۱۲۸	(مولانا) نورالشر	۷۸	قاسمی (نجم الدین کاکوروی)
۲۱	(رانانا) نور محمد	۱۶۹	قاسمی (نجم الدین مظفرنگری)
۳۸۱۱۳۳۲	(صوفی) نور محمد سلہٹی	۱۹۹	(مولوی) نجم الغنی رامپوری
۲۹۲	(ملا) نور محمد	۲۲۷	(حافظ) نورخان
۲۷۰	نور محمد کلہوڑہ	۲۸۷	نجیب خاں میواتی
۵۱	(بخشی بید) نور الہدیٰ	۳۹	(نواب) نجیب الدولہ
۸۰	(شاہ) نیاز احمد بریلوی	۲۱۵	(مولوی) نجیب الشربنگالی
	(۵)	۱۰۷	(بی بی) نجیبہ
۳۱۵	واحد علی خاں	۲۰۲	(میر) نذر علی
۱۲۳	واسلی	۳۱۵	(مولانا بید) نذیر حسین محدث دہلوی
۳۸۳	وجیہ الحق	۱۲۵	نرخین لال
۲۶۶، ۲۶۳، ۱۵۸	(مولوی) وجیہ الدین	۲۸۶	(داروغہ) نصرت
۳۸	(شاہ) وجیہ الدین فاروقی	۱۶۶	نصرالشر
۳۸۳	(مولانا) وجیہ الحق پھلواری	۲۲۳	(مولوی) نصیر حسین فاروقی
۱۹۲، ۱۶۹، ۱۶۷، ۱۵۱	(مولوی) وحید الدین پھلتی	۲۹۲، ۲۸۲، ۱۳۲	نصیر خاں
۲۵۳، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۸۸، ۲۶۶، ۲۶۳، ۲۰۶		۲۱۵	(مولوی) نصیر الدین بازار خانم
۳۷۷، ۳۶۹، ۳۶۸		۱۲۳	نظام دکن
۲۸۵، ۲۸۱	(شیخ) وزیر	۱۷۰	نظام الدین
	(نواب) وزیر الدین بہادر و وزیر محمد خاں و وزیر محمد خاں	۵۳۱	نظام الدین اولیاء
۳۸۳، ۳۸۲، ۵۳	(مولانا) ولایت علی عظیم آبادی	۲۹۳	(مولوی) نظام الدین بخش
۳۹۵-۹۸	(سر) ولوی کاتن (WILLOUGHBY-COTTON)	۱۶۷	(میاں) نظام الدین خشتی
۲۸۷	ولید بن عبدالملک	۱۰۹، ۸۸	(امیر بید) نظام الدین
۲۸، ۱۲-۳۹	(حکیم الاسلام شاہ) ولی الشرف دہلوی	۱۰۲-۶۱۹۹-۱۰۱، ۵۲	(مولانا بید محمد) نعمان
۱۵۸، ۱۲۰، ۱۰۶، ۱۰۲، ۹۹		۱۱۹	نعمت الشرف
۳۵۹		۲۱۲	(شاہ) نعمت الشرف پھلواری
۷۸	(مولانا) ولی الشرف کھنوی	۳۸۳، ۸۰	(شاہ) نعیم الشرف پراچی
۱۰۸	(بی بی) ولیہ	۷۹	نعمت خاں
۱۶۹، ۱۶۸	(شیخ) ولی محمد پھلتی	۱۶۶	(بید) نور احمد
۱۷۲	ولی محمد سہارنپوری	۲۹	(مولوی) نور احمد نگرامی
۲۲۲	(جنرل) ونٹورا	۲۱۷-۱۹	(مولوی) نور الحسن کاندھلوی
	(۷)	۱۷۹	(شاہ) نور الحق بندھوی
۶۳	(خلیفہ) مارون رشید	۱۹۰	(مولانا) نور الحق ٹکھنوی رنگی محلی
۳۱۲	ہدایت الشرف عظیم آبادی	۲۱۲، ۷۸	

(۵)

۳۷ (سیدنا) یوسف علیہ السلام
 ۲۷۸ (مولوی) یاد علی
 ۳۰۳، ۳۰۲، ۲۹۶ یار محمد
 (سردار) یار محمد خان درانی ۲۲۷، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۳۹
 ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰
 ۳۰۹ (مولانا) یحییٰ علی
 ۱۹۲ (شاه) یسین
 ۲۱۵، ۲۰۱ (شاه) یقین اللہ
 ۵۲۸ یوانگ چونگ (چینی بیاح)
 ۱۰۹ (سید) یوسف حسنی
 ۱۰۶ (شیخ) یوسف انبالوی
 ۵۰۵، ۲۰۳ یوسف خان قندھاری

۹۰ (مولانا) ہدایت اللہ
 ۱۰۰ (سید) ہدایت اللہ شہید
 ۲۲۱ ہدی (شارج منشی)
 ۱۶۱ ہری رام تحصیلدار
 ۲۲۶ (سردار) ہری سنگھ
 ۲۳۰ ہری سنگھ نلوہ
 ہنگر دیکھیے جو نت راؤ
 ۲۳۵ ہمایوں
 ۲۲۲-۲۶، ۲۰۱ (مرزا) ہمایوں بیگ لکھنوی
 ۵۲۵، ۵۲۲
 ۱۷۱ بہت خان
 ۵۲۲، ۵۲۳ شیخ بہدانی طبع آبادی
 ۲۵۲-۵۷، ۲۱۸ (راجہ) ہندوراؤ

اقوام و قبائل اور طبقات

۶۲ بنی امیہ
 ۳۷۶ بنی قریظہ (قبیلہ)
 ۲۰۹ بنی ہاشم (خاندان)
 ۲۹۲، ۲۸۹، ۲۷۸، ۱۶۹، ۱۳۳، ۱۰۱ پٹھان
 ۵۰، ۲، ۵-۳، ۲۲۲-۲۶، ۳۸۵
 ۱۲۲-۲۶ پنڈاری
 ۶۰ تابعین
 ۱۲۲ تبع تابعین
 ۶۵ ترک
 ۲۱۷ ترک جیک (قبیلہ)
 ۷۲، ۳۹ تیموری
 ۲۷-۲۸ ٹالپور (خاندان)
 ۱۲۵ ٹھاکر
 ۷۳ جاٹ
 ۲۷۵، ۲۷۴
 ۵۳، ۲۶ خاندان صادقپور
 ۲۲۲ خاندان عزیز
 ۲۲۲، ۱۳۱، ۲۲۲ خاندان علم الہی

۵-۱، ۲۳۵، ۲۹۹، ۲۰۲ ابدالی
 ۲۲۷، ۲۲۱، ۲۲۵ ازواج مطہرات۔ امہ المؤمنین
 ۳۷۵ آفریدی
 ۲۲۳
 ۲۲۸، ۲۲۵، ۲۲۲، ۱۳۳ افغان۔ افغانی
 ۵۵۲، ۲۲۳-۲۷، ۲۳۸، ۲۳۱، ۲۳۰
 ۲۳۰-۳۲، ۲۲۸ اکالی
 ۳۶۸ انصاری
 ۱۳۵، ۱۳۳، ۷۵، ۷۲، ۷۱، ۲۰-۲۱ انگریز۔ فرنگی
 ۲۸۷، ۲۸۰، ۲۷۸، ۲۷۷، ۱۸۷، ۱۲۲-۱۲۹
 ۲۰، ۱۳۰، ۲۰۱، ۲۲۲، ۲۲۶، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۱۸، ۲۰۹
 ۵۵۱، ۲۹۸، ۲۸۸، ۲۷۸
 ۱۰۸ اہل بدر
 ۳۷۵، ۲۱۲ اہل بیت کرام
 ۲۵۲، ۲۵۰، ۲۲۸، ۲۲۸ اہل سنت و جماعت
 ۳۱۶
 ۲۳۷ ایرانی
 ۵۰، ۲۱۹، ۲۹۸، ۲۳۷-۲۱، ۲۳۵، ۲۱۱، ۲۳۵ بارک زئی
 ۱۶۲، ۳۶
 ۲۹۵، ۲۹۰، ۲۸۸، ۲۷۷، ۲۶۷، ۲۶۵ بلوچ

۲۵۲ عرب
 ۲۲۰۱۲۰۳۱۳۶ عیسائی
 ۵۰۳-۶ غلزی
 ۳۷ فاروقی
 ۵۲۲۱۵۱۹۱۵۱۳۱۵۰۵-۶۱۲۹۵ قندھاری
 ۵۲۹-۵۳۱۱۵۲۷
 ۲۷۰ کلہوڑہ (خاندان)
 ۲۱۰ کنبوہ (قوم)
 ۵۰۳ لودھی
 ۵۵۱۲۲ مجددین
 ۵۵۶۱۳۶ مجوسی
 ۱۲۲۱۱۳۵۱۱۳۳۱۷۲-۷۲۱۳۸ مرہٹہ
 ۲۲۰۱۲۳۲۱۲۰۳۱۱۲۵
 ۲۱۷۱۲۰۹۱۶۵ مغل
 ۵۵۶۱۲۲۱۷۳۵۱۲۵۸ نصاری
 ۶۹ نصرانی
 ۱۲۳ نظام (خاندان)
 ۳۰۱۷۲۹۷۱۲۹۶ نوربات
 ۵۵۶۷۷۲۷۹ ہندو-ہنود
 ۲۹۹۱۲۲۷۱۲۲۱-۲۲۱۱۲۲۱ (قبیلہ) یوسف زئی
 ۵۲۲ یورپین
 ۷۱
 ۵۵۶۷۳۵۱۷۹ یہود

۱۵۸۱۱۵۲۱۵۳ خاندان ولی اللہی
 ۵۷۱۲۳ خلفائے راشدین
 ۵۲۸۱۵۲۷۱۵۲۳۱۵۲۹۱۵۲۸۱۲۲۶ خوانین
 ۵۵۳
 ۵۰۲۱۲۹۹۱۲۳۹-۲۱۱۲۳۵ درانی خاندان
 ۵۰۵
 ۱۲۲۱۱۳۵۱۱۳۳ راجپوت
 ۱۲۲۷۷۲۱۳۹ روہیلہ
 ۲۶۷۷۲۲۸۱۱۱۹۱۸۵-۸۹۱۳۹ سادات
 ۵۲۲۱۵۲۸۱۲۹۷۱۲۹۳۱۲۸۳۱۲۶۹
 ۵۲۸۱۵۲۳
 ۱۳۲ سالارزئی
 ۵۰۵۱۵۰۲ سالم خیل
 ۲۳۵ سدوزئی
 ۵۵۲۱۵۲۷۱۵۲۶۱۵۲۹۱۵۲۸۱۵۲۶ سردار (قبیلہ)
 ۲۲۱۱۲۲۷-۳۳۱۱۲۳۷۷۳۷۲۱۲۰۱۲۸ سکھ
 ۵۱۷۱۲۸۳۱۲۷۸۱۲۷۷۱۲۷۱۱۲۲۲-۲۶
 ۵۵۲۱۵۳۹-۲۱۱۵۲۷-۳۱۱۵۲۰-۲۳
 ۲۷۵۱۲۶۸۱۲۶۷ سندھی
 ۷۵ شاہانِ مغلیہ
 ۲۲۸-۳۰۱۲۱۳۷۱۲۱۲۰۹۱۲۰۹۱۲۰۹ شیخ
 ۳۱۶۷۳۱۳۷۳۱۰۱۳۰۹۱۲۵۰-۵۵۱۲۲۸
 ۱۵۵۱۲۲۷۱۲۱۹۳۱۶۲۱۵۵-۶۰ صحابہ کرام
 ۳۹۰۷۲۱۲۷۱۵۷
 ۶۲۱۲۵ صوفیہ

کتابیات

۱۰۶۱۱۰۱-۱۰۳۷۹۲۱۹۱۵۴ اعلام الہدی
 ۲۱۲ الاصول الراضیة
 ۲۹۲۱۲۶۱۱۲۰۲۵۳ امیرالروایات
 ۱۳۶۱۲۲۷۱۲۳۷۱۲۱۱۳۵۱۲۲۱۳۲ امیرنامہ
 ۲۱۸ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
 ۳۳۶ الاوارالمشرقیة فی الاسوارالمنطقیة
 آئینہ اودھ دیکھیے تاریخ آئینہ اودھ
 ۲۲۵ (۲۲۱) AFGHAN HISTORY
 O.P. ENCYCLOPAEDIA OF BRITANNICA

قرآن کریم
 (الف)
 ۷۷ إبطال البراہین الحکمیة
 ۸۱ اثار الصادید
 ۱۸ اذا هبت ریح الایمان
 ۲۵ ارمغان احباب (دہلی اور اس کے اطراف)
 ۳۱۹۱۱۸۰۷۱۷۹۱۵۰
 ۱۲۶۷۵۳ ارواحِ ثلاثہ
 ۳۹ انالۃ الخفا

۲۲	جاوید نامہ (NEW WORLD OF ISLAM) جدید دنیا کے اسلام ۷۷۷۷۷ MY JOURNEY TO THE NORTH OF INDIA	۲۱۰	الباقيات الصالحات
		۸۷۷۸۵	بحر الأنساب
		۹۲۷۵۲	بحر زخار
		۱۲۲	BRITISH INDIA
۲۶	حاضر الہند وغا برہما		
۳۷۷۷۳۹	حجۃ الستر البالغۃ		
۳۷۰۷۳۵۲	حزب البحر	۲۱۰۷۲۰۳۷۱۹۶	تاریخ اودھ
۷۵	خواشی امیر شکیب ارسلان	۱۱۰۷۵۸۷۵۲	تاریخ آئینہ اودھ
۷۷	خواشی ملا جلال	۲۵۲	تاریخ بادشاہ سلیم
۷۸	خواشی منطقیۃ	۲۲۹	تاریخ پنجاب
۷۷	خواشی میرزا ہد	۸۶-۸۹۷۵۲	تاریخ فرور شاہی
۱۳۱۷۲۵	حیات طیبہ	۳۲۲	تاریخ کلکتہ
		۲۳۳ (۲۳۱)	تاریخ لاہور
۳۶	دبستان مذاہب	۳۳۶	التالیفات التمثیلیۃ
۲۵۸	در مختار	۷۰	تبصرۃ الناظرین
۹۲۷۸۱	در المعارف	۲۱۳	تحفۃ اتناء عشریہ
الدر المنشور فی تراجم اہل صادقہ (تذکرہ صادقہ)		۷۸	تحفۃ نعمانیہ
۳۹۸۷۳۹۵۷۵۳	دریاعے لطافت	۱۰۵۷۱۰۰	تذکرۃ الابرار
۲۰۰۷۷۱۷۷۰	الدوحۃ الشامخۃ	۱۷۹۷۱۷۸	تذکرۃ الرشید
۲۱۲	دہلی اور اس کے اطراف دیکھئے ارمان اجاب	۸۷۷۵۲	تذکرۃ السادات
		الدر المنشور	تذکرۃ صادقہ دیکھئے
۵۳	رسالہ احسن الوصایا	۲۲	ترجمۃ الید اللام احمد بن عرفان الشہید (رسالہ)
۲۲	توجید	۷۷	تشیید الاذہان
۵۳	دافع الفساد	۹۸	تفسیرات احمدیہ
۵۲	دعوت	۲۱۲	تفسیر القرآن
۵۳	ذخیرۃ کرامت	۷۷	تفسیر نظری
۵۳	نافع العباد	۳۷	تفسیرات الہیہ
۵۳	ملہات احمدیہ	۷۷	تلخیص الشفاء
۵۳	نصائح	۵۲۷۲۵	تواریخ عجیب (کالا پانی)
۵۳	وصول	۳۹۲	توضیح
۷۸	رسائل جبر و مقابلہ	۲۲۲۷۲۹	THE HISTORY OF PUNJAB
۲۲۲۷۲۹	RANJIT SINGH	۲۲۶۷۲۲	THE SKETCH OF THE SIKHS
		۲۲۸۷۳۳	
		۳۹	جام جہاں نما (قلمی)

۷۷	فتاویٰ مولانا عبدالحی برہانوی	۷۸	الستہ الجبرہ
۲۲۳ (۲۲۲-۱۱۷)	فتاویٰ عزیز	۷۸	نتہ شمشیر
۷۷	(تفسیر) فتح العزیز	۳۹۲	سراجی
۷۸	فوائد الافکار	۲۲۳	سرود عزیز
		۳۹۲، ۷۷	سلم
۲۱۲	تسطاس الصوف	۲۷۷، ۲۵۱، ۳۸۹، ۱۱۱، ۵۲، ۲۵	سوانح احمدی
۳۶۶	(شرح) قسطانی	۵۱۶	مید احمد شہید
۹۳	(رسالہ) قوت العمل	۳۵۶، ۳۵۵، ۱۵۳، ۱۱۲، ۹، ۱۳۱، ۱۸	
۲۰۰، ۱۹۹	قیصر التاریخ	۵۲۸، ۲۹۱، ۲۹۰	
		۱۰۵-۸، ۱۰۳، ۱۰۰، ۱۵۲	سیرۃ السادات
		۲۷، ۲۲، ۲۳، ۱۷-۲۰	سیرت مید احمد شہید
۳۳۶	کارنامہ حیدری	۱۵۳، ۱۲۹، ۳۱-۳۳	
۶۳	کتاب الاغانی	۱-۲، ۱۰۰، ۱۵۲	سیرۃ علیہ
۶۳	کتاب الحیوان	۱۸	SAIYID AHMAD SHAHID
۱۱۵	کریم		
۷۲	کلکتہ گزٹ	۲۷۶	شاہ نامہ فردوسی
۱۰-۲، ۷۳	کلمات طیبات	۲۲۱	شرح معنی
۲۱۳	کلیات تاریخ	۷۸	شرح خطوط
A COMPREHENSIVE HISTORY	OF INDIA	۲۱-	شمس الضحیٰ
۲۸۹، ۲۷۷		۷۸	شمس الہند
		۵۸	ص
۲۳۲	گرنج صاحب	۳۶۶، ۲۲۲	ص
۱۹۹	گل رعنا	۲۲۲	ص
۱۳۲، ۵۲	گلشن محمودی	۲۲۳، ۱۵۰، ۱۱۲، ۹، ۱۳۰، ۱۱۲، ۹، ۱۲۹، ۱۲۲	ص
THE GAZETTER OF THE HAZARA	DISTRICT	۲۱۷، ۲۰۹، ۳۶۶	ص
۲۳۰		۲۶	ص
۲۳. THE PUNJAB GOVT. RECORDS			ص
N.W.F.P. GAZETTER 1931			ص
۲۲۶	PESHAWAR DIST.	۷۸	ص
		۲۱۳	ص
۱۰-۲، ۲۸	آنر الابرار	۸۷، ۵۲	ص
۷۷	الابدمنہ	۲۱۲	ص
۱۱۵	بامقیمان	۲۵۸	ص
۳۸۸، ۱۷۹	فتویٰ گلزار ابراہیم		ص

۲۹۲،۲۷۲-۸۷۱،۳۶۶-۷۲،۳۵۴،۳۵۲
 ۵۱۰،۱۲۶۲،۱۲۵۱،۱۲۹۱،۳۹۵
 ۲۱۳ مواظب حنیفہ
 ۷۷ موضح القرآن
 ۱۰۸ المائتین
 (ن)
 ۹۱-۹۲ نتاج الحرمین
 ۱۰۸،۱۰۶،۱۰۵،۸۶،۵۴،۵۱ نزهتہ الخواطر
 ۲۸۸،۲۷۲،۲۷۱،۲۰۹،۲۰۴،۱۹۲،۱۳۲
 ۳۸۳،۳۳۶،۳۱۵
 ۷۸ نفائس اللغات
 ۲۱۷ نور احمد (کتاب)
 ۱۵۸،۱۱۵۲ نور علی نور (رسالہ)
 NEW WORLD OF ISLAM دیکھئے جدید دنیا کے اسلام
 (۵)
 وصایائے وزیر (وصایا وزیر علی طریقہ البشیر والنزیر)
 ۲۶۱،۵۲
 ۸۶ وفيات الایمان
 ۱۳۲،۱۱۸،۲۹،۲۸،۲۹-۳۲ احمدی ۳۲
 ۱۶۰،۱۵۹،۱۵۲،۱۵۱،۱۲۸،۱۲۷،۱۳۶-۴۲
 ۱۹۸،۱۹۶،۱۹۵،۱۹۱-۹۳،۱۸۲-۸۹،۱۸۰
 ۲۲۲-۲۲۱،۲۲۰،۲۱۳-۱۶،۲۱۰،۲۰۹،۲۰۲-۶
 ۲۵۲،۲۵۱،۲۴۹،۲۳۹،۲۳۰-۳۷،۲۲۸،۲۲۶
 ۲۸۵،۲۸۰-۸۳،۲۷۵،۲۶۲-۶۶،۲۵۲-۵۶
 ۳۰۱،۲۹۶-۹۸،۲۹۰-۹۲،۲۸۶-۸۸
 ۳۱۱-۱۶،۳۰۹،۳۰۸،۳۰۶،۳۰۵،۳۰۳
 ۳۳۵،۳۳۱،۳۳۰،۳۲۲-۲۷،۳۲۱،۳۲۰
 ۳۲۶-۶۶،۳۲۴،۳۲۲،۳۲۰،۳۳۸
 ۵۱۰،۳۹۲
 ۲۵۲ وقائع دلیپیہ
 ۳۷۳ وقایع الوفاتی اخبار دارالمصطفیٰ
 ۲۹۲ وقایہ
 (۷) (۸)
 ۳۹۲ ہدایہ

مجموعہ خطوط (قلمی) ۵۲۹،۵۳۶،۲۲۳،۱۵۳
 ۵۵۶
 ۷۷
 مخزن احمدی ۱۱۶،۱۰۹-۱۱۱،۱۰۷،۱۵۲،۵۱،۲۹
 ۱۵۳،۱۵۱،۱۳۶،۱۲۷-۲۹،۱۲۳،۱۱۹،۱۱۸
 ۲۲۷،۱۹۷،۱۹۶،۱۸۹،۱۸۸،۱۸۶،۱۵۸
 ۲۸۲،۲۷۸،۲۷۶،۲۷۳،۲۶۲-۷۰،۲۲۸
 ۲۲۳،۳۲۵-۲۷،۳۲۲،۳۲۱،۳۱۶،۲۹۵
 ۳۶۵،۳۶۳،۳۶۲،۳۶۰،۳۵۵،۳۲۶
 ۳۹۲،۳۷۷-۷۹،۳۷۳،۳۶۷
 صحیح مسلم دیکھئے مسلم
 ۳۷۷ مشکوٰۃ
 ۵۱ معارف (رسالہ)
 ۷۸ مفتاح اللسان
 مکاتیب سید محمد الین ۲۸۳،۲۷۳-۷۹،۲۹
 ۲۷۲،۲۶۹،۲۹۵،۲۹۴،۲۹۲،۲۸۲-۸۹
 ۵۰۹،۲۹۸،۲۸۰،۲۷۳
 کتوبات (قلمی) ۲۷۱،۲۶۷،۲۶۳،۲۶۲،۵۰
 ۲۸۹،۲۸۲-۸۶،۲۸۰،۲۷۵-۷۸،۲۷۲
 ۵۰،۷۵،۱-۳،۲۹۸،۲۹۷،۲۹۴،۲۹۳
 ۵۱۸،۵۰۸
 ۱۰۲ کتوب المعارف
 ۱۵۰ لمحات احمدیہ
 ۲۲ المنار (مجلہ)
 ۸۷،۵۲ نسج الانساب
 ۶۸ منتخب التواریخ
 ۷۸ غنئی الارب
 ۲۱۳ غنئی الافکار
 ۲۵۸ منج الغفار
 ۷۸ منصب الامت
 منظومۃ السعدا فی احوال الغزاة والشہداء
 (تاریخ احمدی) ۱۳۲،۱۳۰،۱۱۸،۱۱۲،۱۲۹،۳۰
 ۱۸۹،۱۸۸،۱۸۵،۱۸۴،۱۷۰،۱۳۵
 ۲۲۵،۲۳۶،۲۳۵،۲۳۱،۱۹۸،۱۹۶،۱۹۲
 ۲۹۶،۲۹۱،۲۷۲،۲۷۳،۲۵۲-۵۶،۲۵۲
 ۳۵۲،۳۵۰،۳۴۲،۳۳۹،۳۳۸،۳۰۹،۳۰۸

۳۶۴۱۳۶۳۱۳۶۱۳۵۰۱۳۴۱۳۳۲
۳۶۹۱۳۶۸

۷۸

یادداشت قلمی سفر حج مدینه سعیدیه
۳۳۱۳۰۰۱۳۰۶۱۲۹۶

مَقَامَات

رقم	مقام	رقم	مقام	رقم	مقام
۲۸	انبار	۷۸	ایبار علی	۲۸۶۱۲۸۱	ایبار علی
۵۲۱۲۸	انبار جبل	۵۲۸۱۵۲۶۱۳۶۱۳۳۱۳۱	دیکھے	۲۳۵۱۳۳۳۱۳۳۲	ایبار علی
۱۸۰۱۱۷۸	انبیٹھہ	۲۶۲۱۱۳۱	ذوا کلیف	۲۳۵	ایبار علی
۶۴	اندلس	۱۵۱	اجیر دروازہ	۲۸۶۱۲۸۱	ایبار علی
۱۳۵	اندور	۲۷۶	اچ	۵۲۵۱۱۵۱۵۱۳۲	ایبار علی
۲۸	اندیمان	۷۲	آڈیون	۳۶	ایبار علی
۲۷۹	اوجینی	۲۳۵	ارٹیبہ	۲۳۵	ایبار علی
۱۱۵۱۱۱۳۱۹۷۱۹۱۱۸۷۱۸۰۷۷۹	اودھ	۲۸۶۱۲۸۱	آسام	۲۳۵	ایبار علی
۲۷۳۱۲۵۳۱۲۱۳۱۲۰۰۱۱۸۳۱۱۳۳	اودھے پور	۲۸۶۱۲۸۱	استرآباد	۲۳۵	ایبار علی
۵۲۵۱۵۲۱۱۵۲۱۴۸۱۴۲۱۴۱۲۷۹	اورنگ آباد	۲۸۶۱۲۸۱	اسرولی	۲۳۵	ایبار علی
۱۴۱	اوردے پور	۲۸۶۱۲۸۱	اعظم گڑھ	۲۳۵	ایبار علی
۱۴۳	اورنگ آباد	۲۸۶۱۲۸۱	افریقہ	۲۳۵	ایبار علی
۲۸۷۱۱۹۶۱۱۹۲۱۱۹۱۱۱۸۹	اٹلا د گنج	۲۸۶۱۲۸۱	افغانستان	۲۳۵	ایبار علی
۵۰۳۱۵۰۳۱۴۳۶۱۶۶۱۶۵۱۳۶	ایران	۲۸۶۱۲۸۱	ایٹلی	۲۳۵	ایبار علی
۱۶۸	ایرانی	۲۸۶۱۲۸۱	ایشیا	۲۳۵	ایبار علی
۲۳۵۱۴۲۸	ایشیا	۲۸۶۱۲۸۱	ایمپیرس روڈ لاہور	۲۳۵	ایبار علی
۲۲	ایمپیرس روڈ لاہور	۲۸۶۱۲۸۱	باب جبریل	۲۳۵	ایبار علی
		۲۸۶۱۲۸۱	باب الرحمتہ	۲۳۵	ایبار علی
۳۷۴	باب جبریل	۲۸۶۱۲۸۱	باب السلام	۲۳۵	ایبار علی
۳۷۴	باب الرحمتہ	۲۸۶۱۲۸۱	باب سکندر	۲۳۵	ایبار علی
۳۷۳۱۳۶۳	باب السلام	۲۸۶۱۲۸۱	باب الصفا	۲۳۵	ایبار علی
۳۵۷	باب سکندر	۲۸۶۱۲۸۱	باب عمر	۲۳۵	ایبار علی
۳۶۳	باب الصفا	۲۸۶۱۲۸۱	باب المنرب	۲۳۵	ایبار علی
۳۶۳	باب عمر	۲۸۶۱۲۸۱	بارہ دری قلعہ ڈلسو	۲۳۵	ایبار علی
۳۵۷	باب المنرب	۲۸۶۱۲۸۱	باڑھ	۲۳۵	ایبار علی
۲۷۳	بارہ دری قلعہ ڈلسو	۲۸۶۱۲۸۱	باڑھ (قصبہ)	۲۳۵	ایبار علی
۳۱۵	باڑھ	۲۸۶۱۲۸۱	بازار (موضع)	۲۳۵	ایبار علی
۳۸۲	باڑھ (قصبہ)	۲۸۶۱۲۸۱		۲۳۵	ایبار علی
۵۳۶۱۵۲۸	بازار (موضع)	۲۸۶۱۲۸۱		۲۳۵	ایبار علی

۱۴۱	بھانپور	۴۳۸	باغ شاہ
۴۸۴۱۴۴	بھادولپور	۵۱-۱۴۹۱۲۵۱۲۱	بالاکوٹ
۲۲-۱۲۱۹۱۲۱۴	بھراچ	۵۱۲۱۴۲۲	بالاحصار
۱۴۱	بھرت پور	۴۵۲	بانڈہ
۱۶۸	بھرسور	۱۸۵	بانس بریلی
۲۶۵	بھڑپا	۳۹۶	بانکم
۱۶۹	بھویاڑی	۸۱	بخاری
۱۶۷۱۷۹	بھوپال	۸۷۱۸۶	بدایوں
۳۸۴	بھوچپور	۸۰	بردوان
۴۵۲	بھوا	۴۶۶۱۴۶۵	برہمانی
۳۷۶	بھرخاتم	۴۸۴	برشوری
۳۷۶	بھرومہ	۶۰	برصغیر
۸۶	بیانہ	۱۰۲	برہانپور
۴۹۱۱۴۹۰	بی بی نانی	۲۶۳۱۶۷۱۶۴۱۰۶	بڑھانہ
۵۲۵	بیس وارڈ	۲۴۹۱۸۵۱۸۰	بریلی
۱۴۱	بیکانیر	۴۹	بستی
	پ	۲۹۷۱۹۷۱۹۳	بسپہ
۴۶۵	بار پلوا	۴۷۴۱۳۴۳۱۶۴۱۶۳	بنداد
۳۴۱۱۷	پاکستان	۳۸۴۱۳۰۷	بکسر
۴۶۲-۶۵	پالی	۳۶۵	بلتار
۵۰	پالی پت	۸۰	بلگرام
۱۶۵	پانگلی	۴۹۶۱۴۹۳۱۴۹۲۱۴۸۱۳۴	بلوچستان
۳۹۵-۹۸۱۳۰۹۱۳۰۸۷۷	پٹنہ	۵۰۰	بلیا
۱۴۳	پٹیالہ	۳۰۷۱۹۳	بمبئی
۲۶۸	پرائی ٹیکال	۳۸۰۱۳۷۹۱۳۴۴	بنارس
۵۲۴۱۹۱	پرتا بگڑھ	۱۹۶-۹۸۱۹۳۱۱۸۹۱۷۱۷۱۱۵۱	بنارس
۴۴-۴۳۱۴۳۷۱۴۲۲۱۳۸۲۱۸۱۴۱۱	پشاور	۳۰۶۱۳۰۱۲۹۸۱۲۹۴-۹۶۱۲۹۲۱۲۷۳	بنارس
۵۰۶۱۴۹۹۱۴۹۵۱۴۷۸۱۴۶۳۱۴۴۵-۴۷		۳۸۵۱۳۸۴۳۳۳۱۳۱۸۱۳۰۷	بنارس
۵۵۲۱۵۴۶۱۵۴۴۱۵۳۹۱۵۲۷۱۵۱۴۱۵۰۹		۱۴۳	بند بکھنڈ
۴۹۶	پٹنہ	۳۳۲۱۳۲۶۱۳۲۲۱۳۲۱۳۲۱۳۲۱۳۲۱۳۲	بنگال
۴۴۶	پکھلی	۳۵۹۱۳۳۵	بنگال
	پنجاب	۵۵۲۱۴۴۳۱۱۳۴	بنہ
۴۲۳۱۷۹-۸۱۷۲۱۴۹۱۴۱۱۴۰۱۲۸		۲۰۱۷۸۰	بویار
۴۴۷۱۴۴۰۱۴۳-۳۴۱۴۲۸۱۴۲۷۱۴۲۵		۳۹۶۱۳۸۲۱۲۶۲۱۸۰۱۷۲	بہار
۵۴۵۱۴۸۳۱۴۷۴		۵۴۱۵۳۸۱۴۸۷۱۴۸۶	بھاگ
		۳۱۶	بھاگ پور

۲۵۲	جلال پور	۲۲۶	پنجاب
۵۰۴	جلدک	۵۳۱۵۲	پورٹ بلیئر
۳۶۷	خمرہ عقبہ	۲۷۳۱۲۶۶۱۲۶۳۱۲۶۲۱۱۶۷-۶۹	پھلت
۸۶	خیرہ	۳۶۷	پھلواڑی
۳۶۳	جنت المعالیٰ	۳۸۳۱۳۸۲	پھولا ککڑی
۳۷۵	جنت البقیع	۱۳۸	پیران ککڑی
۱۳۴	جوتڑ	۱۷۱	پیرکوٹ
۲۶۸۱۲۶۷۱۲۶۳۱۱۲۱	جودھ پور	۲۷۲-۷۷۱۲۲۹	پیرکوٹ
۱۵۸۱۸۰	جوہنور	۲۷۸	پیرکوٹ
۲۲۵۱۲۷۹۱۲۲۹	جہاں آباد	۸۰	پیرکوٹ
۲۵۸	جھلائی	۸۱	پیرکوٹ
۲۲۹	جھنگ	۳۱۲۱۳۱۰	پیرکوٹ
۲۷۲	جھنگ ریال	۲۲۳۷۷۹۱۳۶	پیرکوٹ
۲۵۸۱۱۲۷۱۱۲۵۱۱۲۱	جے پور	۲۶۵۱۷۵	پیرکوٹ
۲۲۷	جیلہ	۲۶۵۱۷۵	پیرکوٹ
۲۸۵	جیلہ آباد	۱۰۷	پیرکوٹ
۳۳۳	جنگم	۲۶۴	پیرکوٹ
۵۱۰	چار سدرہ	۳۶۴	پیرکوٹ
۲۶۴	چاندڑہ	۵۲۶	پیرکوٹ
۲۲۰۱۲۰۳	چترال (کاشکار)	۱۶۵	پیرکوٹ
۱۷۲	چلکانہ	۱۸۰۱۱۷۸	پیرکوٹ
۲۵۲	چلہ تارہ	۲۷۱۱۲۶۹	پیرکوٹ
۵۱۰۱۲۲۲	چکنی	۲۷۱	پیرکوٹ
۲۹۴	چنار گڑھ	۶۰۷۱-۵۳۱۲۹۱۲۷۹۱۲۷۱۲۶	پیرکوٹ
۱۶۸	چولی	۲۶۶۱۲۳۷۱۱۵۳۱۱۲۵۱۱۳۵۱۱۱۳۱۰۷	پیرکوٹ
۳۸۲۱۳۰۷	چھپرہ	۱۲۷۳۱۲۵۸-۶۱۱۲۵۶۱۲۵۲۱۲۲۹	پیرکوٹ
۲۸۲	چھپرہ	۵۱۰۱۲۷۷۱۲۷۶	پیرکوٹ
۲۸۶۱۲۸۵۱۲۸۲	چھتر	۲۲۳۱۲۲۲۱۲۱۷-۱۹	پیرکوٹ
۵۲۹	چھوچھو	۲۲۹۱۲۲۷۱۲۲۵	پیرکوٹ
۳۲۱	چیت پور		پیرکوٹ
۳۱۳۱۳۱۲	چین		پیرکوٹ
۱۰۵	چینا پن	۱۷۵	پیرکوٹ
۲۸۷	چاجی (شہر)	۲۸۵۱۲۸۲۱۲۸۲	پیرکوٹ
۳۳۲	چاجی پور	۲۵۲	پیرکوٹ
۲۷۸	چلیب کوٹ	۳۶۶۱۳۳۵	پیرکوٹ
۳۶۸۱۳۶۳۱۲۹۱۱۵۱	حجاز	۲۶۶۱۸۹	پیرکوٹ
۳۶۲	حدیبیہ	۲۸۵	پیرکوٹ
		۳۷۶	پیرکوٹ
		۳۷۹۱۲۷۸۱۲۶۵۱۲۶۶۱۲۶۱۱۳۲۷	پیرکوٹ

۲۲۱ درہ خیبر
 ۲۹۸ درہ کوہ توبہ
 ۲۹۲، ۲۹۱ دشت بے دولت
 ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۲۲، ۱۳۸ دکن
 ۶۳ دشت
 ۱۸۰، ۱۷۸، ۱۶۰، ۱۵۰، ۱۲۹، ۱۱۵، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۳، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

۳۶۰ حدیدہ
 ۳۶۴ حرم شریف (مکہ)
 ۲۲۲، ۲۲۱، ۱۹۲، ۱۰۶، ۹۴، ۹۱ حرمین شریفین
 ۳۸۵، ۳۶۹، ۳۴۷، ۳۳۰، ۳۲۰، ۳۱۰، ۳۰۰، ۲۹۱
 ۲-۲ حسن گنج
 ۵-۸، ۴۲۷ حصار
 ۵۸۱، ۵۷۲، ۵۵۳، ۵۳۲، ۵۳۰، ۵۲۹، ۵۲۷، ۵۲۵، ۵۲۴، ۵۲۳، ۵۲۲، ۵۲۱، ۵۲۰، ۵۱۹، ۵۱۸، ۵۱۷، ۵۱۶، ۵۱۵، ۵۱۴، ۵۱۳، ۵۱۲، ۵۱۱، ۵۱۰، ۵۰۹، ۵۰۸، ۵۰۷، ۵۰۶، ۵۰۵، ۵۰۴، ۵۰۳، ۵۰۲، ۵۰۱، ۵۰۰، ۴۹۹، ۴۹۸، ۴۹۷، ۴۹۶، ۴۹۵، ۴۹۴، ۴۹۳، ۴۹۲، ۴۹۱، ۴۹۰، ۴۸۹، ۴۸۸، ۴۸۷، ۴۸۶، ۴۸۵، ۴۸۴، ۴۸۳، ۴۸۲، ۴۸۱، ۴۸۰، ۴۷۹، ۴۷۸، ۴۷۷، ۴۷۶، ۴۷۵، ۴۷۴، ۴۷۳، ۴۷۲، ۴۷۱، ۴۷۰، ۴۶۹، ۴۶۸، ۴۶۷، ۴۶۶، ۴۶۵، ۴۶۴، ۴۶۳، ۴۶۲، ۴۶۱، ۴۶۰، ۴۵۹، ۴۵۸، ۴۵۷، ۴۵۶، ۴۵۵، ۴۵۴، ۴۵۳، ۴۵۲، ۴۵۱، ۴۵۰، ۴۴۹، ۴۴۸، ۴۴۷، ۴۴۶، ۴۴۵، ۴۴۴، ۴۴۳، ۴۴۲، ۴۴۱، ۴۴۰، ۴۳۹، ۴۳۸، ۴۳۷، ۴۳۶، ۴۳۵، ۴۳۴، ۴۳۳، ۴۳۲، ۴۳۱، ۴۳۰، ۴۲۹، ۴۲۸، ۴۲۷، ۴۲۶، ۴۲۵، ۴۲۴، ۴۲۳، ۴۲۲، ۴۲۱، ۴۲۰، ۴۱۹، ۴۱۸، ۴۱۷، ۴۱۶، ۴۱۵، ۴۱۴، ۴۱۳، ۴۱۲، ۴۱۱، ۴۱۰، ۴۰۹، ۴۰۸، ۴۰۷، ۴۰۶، ۴۰۵، ۴۰۴، ۴۰۳، ۴۰۲، ۴۰۱، ۴۰۰، ۳۹۹، ۳۹۸، ۳۹۷، ۳۹۶، ۳۹۵، ۳۹۴، ۳۹۳، ۳۹۲، ۳۹۱، ۳۹۰، ۳۸۹، ۳۸۸، ۳۸۷، ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۴، ۳۸۳، ۳۸۲، ۳۸۱، ۳۸۰، ۳۷۹، ۳۷۸، ۳۷۷، ۳۷۶، ۳۷۵، ۳۷۴، ۳۷۳، ۳۷۲، ۳۷۱، ۳۷۰، ۳۶۹، ۳۶۸، ۳۶۷، ۳۶۶، ۳۶۵، ۳۶۴، ۳۶۳، ۳۶۲، ۳۶۱، ۳۶۰، ۳۵۹، ۳۵۸، ۳۵۷، ۳۵۶، ۳۵۵، ۳۵۴، ۳۵۳، ۳۵۲، ۳۵۱، ۳۵۰، ۳۴۹، ۳۴۸، ۳۴۷، ۳۴۶، ۳۴۵، ۳۴۴، ۳۴۳، ۳۴۲، ۳۴۱، ۳۴۰، ۳۳۹، ۳۳۸، ۳۳۷، ۳۳۶، ۳۳۵، ۳۳۴، ۳۳۳، ۳۳۲، ۳۳۱، ۳۳۰، ۳۲۹، ۳۲۸، ۳۲۷، ۳۲۶، ۳۲۵، ۳۲۴، ۳۲۳، ۳۲۲، ۳۲۱، ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳۱۷، ۳۱۶، ۳۱۵، ۳۱۴، ۳۱۳، ۳۱۲، ۳۱۱، ۳۱۰، ۳۰۹، ۳۰۸، ۳۰۷، ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۳، ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۷، ۲۹۶، ۲۹۵، ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۵، ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰، ۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

۵ ۵

۵ ۵

۵

۳۱۵ سورج گرہ
 ۱۷۱ سویری
 ۸-۸۲۱۷۸۱۷۱-۷۵۱۱۵۰۱۵۰ سہارنپور
 ۳۷۰۱۲۶۶۱۲۶۲۱۲۴۴۱۲۳۸
 ۳۲۱ پیالہ
 ۲۸۷ نیلی
 ۵۲۶ بیتان
 ۳۵۵ یلون
 (ش) (ص)
 ۲۸۹۱۲۸۷۱۲۸۴۱۲۸۱ (شان کوٹ)
 ۵۲۸۱۵۰۰۱۲۹۲-۹۵
 ۳۷۶۱۷۹۱۳۶ شام
 ۲۸۵ شاہ پور
 ۸۰ شاہجہانپور
 ۱۸۳ شاہدرہ
 ۵۲۸۱۲۹۱۲۸۴۱۲۷۷-۸۲۱۲۷۳ شکار پور
 ۳۶۲ دہلی
 ۲۸۶ شور (قصبہ)
 ۵۰۸ شیخ آباد
 ۱۷۱ شیخ پور
 ۳۹۲ شیخون (راٹے بریلی)
 ۵۲۶ شیدو
 ۳۰۹۱۵۳۱۲۶ صادق پور
 ۳۵۹ صنعاء
 ۲۶۲۱۱۲۶ صوبہ جات متحد
 (ع)
 ۲۳۴۱۲۷۷۱۲۷۱۸ عالم اسلام
 ۷۷۱۳۶ علم
 ۳۵۷۱۳۵۶ عدن
 ۲۱۳۱۷۹۱۳۶ عراق
 ۲۲۶۱۱۸۸۱۹۲۱۷۷۱۷۹۱۳۶۱۳۵ عرب
 ۳۷۱۳۶۵۱۳۶۰۱۳۵۶۱۳۴۹ عرفات
 ۳۶۷۱۳۴۶ عظیم آباد
 ۳۱۵۱۳۱۳۱۳۰۸-۱۰۱۳۰۶۱۸۰
 ۳۸۶۱۳۸۳۱۳۸۲ عقبہ
 ۳۶۸ عقیدہ
 ۳۵۶ علی گڑھ
 ۱۱۵۱۵۳ عمر کوٹ
 ۲۷۰۱۲۶۸۱۲۶۳ عبسی خیل
 ۵۰۳۱۲۲۹

۲۲۸۵۱۲۳۲۲۵۱۲۲۸۱۲۲۶۱۲۲۵۱۲۱۹۱۲۱۶
 ۲۹۲۱۲۸۸۱۲۸۷۱۲۸۶۱۲۸۵۱۲۸۴۱۲۸۳۱۲۸۲۱۲۸۱۲۸۰۱۲۷۹۱۲۷۸
 ۲۵۱۲۴۹۱۲۴۸۱۲۴۷۱۲۴۶۱۲۴۵۱۲۴۴۱۲۴۳۱۲۴۲۱۲۴۱۲۴۰۱۲۳۹۱۲۳۸
 ۵۲۲۱۵۱۸۱۵۰۷۰۶۳۱۲۵۹
 ۳۳۷ رسابکلا (علا)
 ۱۹۷ رسولی
 ۲۶۵ رنجیت پور
 ۲۶۳ روپاپاس
 ۶۰ رودبناس
 ۷۹ روم
 ۵۲۲۱۲۲۵۱۱۳۳۱۱۱۵۱۸۰ روہیلکھنڈ
 ۳۸۴ ریل سٹیشن
 ۳۰۷ زبانہ (قصبہ)
 (س)
 ۲۹۷۱۲۹۶ دروڑی
 ۲۷۲ سدھانہ
 ۲۹۰-۹۲ سرآب (سرگھور)
 ۱۳۴ سرکے ترین
 ۱۶۷۱۱۶۵۱۱۶۴ سردھنہ
 ۲۲۳۱۲۰۹۱۲۰۸۱۲۰۷۱۲۰۶۱۲۰۵۱۲۰۴۱۲۰۳۱۲۰۲۱۲۰۱۲۰۰ سرحد
 ۲۵۹۱۲۲۸۱۲۲۷۱۲۲۶۱۲۲۵۱۲۲۴۱۲۲۳۱۲۲۲۱۲۲۱۲۲۰-۲۷
 ۵۲۷۱۵۲۷۱۲۹۹۱۲۶۷۱۲۶۳ سرگندھی
 ۲۵۲ سرگندھی
 ۱۳۴ سرگندھی
 ۲۷۸۱۵۰۱۳۷ سرسند
 ۳۷۹۱۳۵۶ سقوڑہ (جزیرہ)
 ۲۷۰ سکھ
 ۲۶۳ سلاباس
 ۲۱۰۱۱۹۷۱۱۹۶ سلطانپور
 ۲۷۸۱۲۵۳۱۱۸۹-۹۱ سلون
 ۳۳۳ سلیمان
 ۸۱ سمرقند
 ۵۵۳۱۵۱۲۱۲۹۹ سمنہ
 ۱۲۶۱۱۳۴۱۱۳۳ سنہیل
 ۲۵۱۲۲۹۱۲۲۸۱۲۲۷۱۲۲۶۱۲۲۵۱۲۲۴۱۲۲۳۱۲۲۲۱۲۲۱۲۲۰ سندھ
 ۵۲۹۱۲۸۲۱۲۷۸۱۲۷۷۱۲۷۶-۷۴۱۲۷۳ سنہیل
 ۲۱۳۱۸۰ سنہیل
 ۲۸۲ سلیمن بارہ دریا آباد
 ۵۵۳۱۲۲۳۱۲۲۲ سوات
 ۳۳۳۱۳۳۲ سوڈان

۲۷۰	کراچی	غازی آباد (غازی الدین نگر) ۱۸۲۱۱۸۳۱۸-۱۱۶	غ
۱۱۰	کرپلا	غازی پور ۲۵۱۳۸۶۳۸۲۳۸۳۳۰۷۷۷۲	
۲۵۸	کروٹی	۵۰۵-۷	
۸۹۱۸۸۱۸۶۱۸۵۱۳۹	کڑا آباد کیو	۶۳	غناطہ
۲۵۸	کشمیری	۵۰۸ ۱۲۹۹ ۳۸۲ ۱۲۳۷ ۱۸۵ ۱۸۱	غزنی
۲۲۷ (۲۲۱) ۱۲۲۰ (۱۲۳۷) ۱۲۱۱۸۱	کشمیر		ف
۳۱۲ (۲۹۵) ۲۸۶ (۲۷۲) ۲۶۶ ۱۸۹ ۱۸۰	گلگتہ	۲۵۲ ۱۲۵ ۱۲۶ ۲۴-۶۶	فتیہ پور
۳۳۱-۳۷۳ ۳۲۸ ۳۲۷ ۳۲۰-۲۲۳ ۳۱۵-۱۷		۲۸۳	فتیہ پور بہنوہ
۵۵۲ ۳۷۸-۸۱ ۳۵۱ ۳۵۰ ۳۲۶ ۳۲۱-۲۲۲		۲۰۲	فرخ آباد
۱۷۱	کلبہ	۲۱۵ ۲۱۳ ۲-۱	فرنگی محل
۲۱۰	کشیوہ	۲۱۳	فیض آباد
۲۹۵ ۲۹۲ ۲۹۰ (۲۸۷) ۱۱۲۲	کوشٹہ	۱۸۱	قاضی (محلہ)
۲۷۳	کوٹ سید (سید آباد)	۶۳	قربہ
۳۵۵	کوچین	۲۲۹	قصور
۵۲۲	کورہستان	۵۰۰ ۱۲۹۳-۹۵	قلات
۵۰۶	کوڑم	۵۰۳	قلات غلزی
۲۶۵ ۲۶۲	کوڑہ جهان آباد	۲۸۲ ۲۸۱ ۲۷۳ ۲۳۹ ۲۳۷ ۱۸۱	قندھار
۲۹۸-۵۰۰	کوزک	۵۲۷ ۵۳۸ ۲۹۶-۵۰۶ ۲۹۴ ۲۹۳	
۱۱۰	کوفہ	۸۵ ۱۸۰	قنوج
۵۲۶	کوہستان		ک
۲۶۸	کھاوڑہ (کھاوڑو)	۲۲۶ ۲۳۶-۲۱۱ ۲۳۱ ۲۳۲ ۱۸۱ ۱۷۵	کابل
۲۶۲	کھیلا گرہ	۵۲۶ ۵۳۹ ۵۳۸ ۲۹۶-۵۰۹ ۲۸۲	
۲۶۵ ۲۶۲	کھیجور	۲۷۳	کاکڑی (بالمہ)
۱۶۵	کھروی	۵۰۲	کارینہ حاجی عبدالعزیز
۳۸۱	کھنہ	۵۰۱ ۱۵۰۰	کارینہ بلا عبدالشر
۸۶	کھنہ بھل	۵۰۰	کارینہ ملا فتح اللہ
۵۲۹	کھنہ پور	۲۶۹ ۲۶۸	کارو
۲۹۲ ۲۹۰ ۱۸۹	کھنہ پور	۲۰۳	کاشکار (چترال)
۲۹۲ ۲۷۸	کھنہ پور	۲۲۹	کالا باغ
	کھنہ پور	۵۲	کالا پانی
۲۵۸ ۲۷۸ ۱۹۶	گتئی	۳۵۶ ۳۵۵	کالی کرپ
۶۶	گجرات	۲۶۲-۶۶ ۷۷۱	کان پور
۲۷۸	گرگڑھ	۱۷۸-۸۰	کانڈھلہ
۲۶۶ ۱۸۲	گرگڑھ ٹکٹیر	۲۸۳	کانگرہ
۸۶	گردیز	۳۱۶	کڑہ
۵۳۰	گرگڑھ	۳۱۶	کڑا
۳۲	گلبرگ روڈ (لاہور)	۲۶۶	کٹھیار
۵۰۳	گل کوه		
۲۶۱ ۲۶۰	گلوت		

۱۸۵۱۳۴۱۳۳۱۷۳ مراد آباد
 ۱۶۱ مراد نگر
 ۵۱۴۱۴۹۹۱۴۴۱۴۲۴ مردان
 ۳۳۲۲۹۴۲۹۱۴۸۹۱۴۸۱۴۶۷ مرزا پور
 ۳۸۶۱۳۸۵
 ۳۸۲۱۳۸۱۳۱۴۶۷۱ مرشد آباد
 ۳۶۷ مزدلفہ
 ۴۹۳ سنگ
 ۴۳۱ سستی دروازہ
 ۵-۷۱۵-۶ شکی
 ۴۳۷ شہد
 ۳۶۵۱۳۶ مصر
 ۵۲۶ مصری بھانڈہ
 ۵۲۵۱۱۷۸۱۱۷۰۱۱۶۹ مظفر نگر
 ۳۶۶ مغرب
 ۳۶۳ مقام ابراہیم
 ۳۷۳ مقام شاخہ
 ۳۵۱۳۴۱۳۴۱۳۴۱۳۴۱۳۴۱۳۴۱ کرمعظمہ
 ۴۷۲۴۵۰۱۳۸۱۳۷۴-۷۸۱۳۷۱۳۶۱-۶۹
 ۴۸۴ کھن بیلہ
 ۴۷۳ ملاکوٹ
 ۴۸۴۱۴۲۹۱۴۲۷ نشان
 ۳۷۹ بلیار
 ۵۱۲ بلوچ آباد
 ۳۸۱ نقی نغری
 ۳۸۱ منگل کوٹ
 ۱۸۱ منگلور
 ۳۶۸۱۳۶۷ منی
 ۱۴۲۱۴۱ مونی ڈونگری
 ۳۶۵ موراناں
 ۵۱۸۱۳۶ موراپین
 ۳۸۲ مورسپان
 ۳۸۲۱۳۱۴ مونگیر
 ۱۹۶ مہرورہ
 ۳۸۷ مہر وندہ
 ۴۴۴ مہند
 ۴۶۱۶۱۷۵ مہیار
 ۴۷۰ میانی
 ۵۰۸ میدان

۱۸۰۱۷۸ گنگوہ
 ۴۵۶-۵۸۱۴۵۴۱۴۵۲۱۴۴۹۱۴۱۹ گوالیار
 ۸۰ گویا مو
 ۳۳۶۱۱۵ گویا مو
 ۲۲۴ گویا مو
 ۱۷۱ لاکھ نوز
 ۲۷۳ لاکھ کوٹ
 ۲۱ لاوا
 ۴۴۶۱۴۴۲۱۴۲۷-۳۱۴۳۴۲۲۱۴۲۱۴۲۱ لاہور
 ۵۵۳۱۵۲۷۱۵۲۵۱۵۱۶
 ۴۷۸ لڑھیانہ
 ۱۵۳۱۴۳۱۴۱۴۱۳-۱۶۱۱۰۵-۱۰۹۱۸۰۱۷۹ لکھنؤ
 ۲۰۹۱۲۰۰-۲۰۴۱۱۹۶-۹۸۱۱۹۱۱۸۹۱۱۵۹
 ۲۵۳۲۳۲-۳۶۱۲۲۸۰۲۱۹-۲۳۱۲۱۳-۱۵
 ۳۱۲۱۲۹۲۱ ۲۷۳۱۲۵۸۱۲۵۴-۵۶
 ۵۲۴۱۵۰۵۱۵۰۴۱۴۵۸۱۳۸۷
 ۴۴۵۱۴۴۱۴۳۳۱۴۲۸۱۴۱۴۱ لندن
 ۳۵۵ تنکا
 ۳۹۴۱۵۲ لورائی پور
 ۱۴۲ حاجی
 ۸۰ مارہرہ
 ۴۶۷۱۴۶۳۱۴۴۸۱۴۱۴۱۴۳ ماروار
 ۳۸۰ مالابار
 ۱۴۵۱۴۱۴۱۴۳۵۱۴۳ مالوہ
 ۵۲۴۱۱۹۰۷۸۵ مانگیور
 ۲۶۵ مجھاون
 ۴۹ مجھوا میر
 ۴۹- پیچھ
 ۴۹- پیچھ
 ۴۵۲ پیچھ
 ۲۳۳۲۲۰۲۱۱۷ محمدی
 ۲۹۵ محلہ کنڈی گراں
 ۳۸۴ محمود آباد
 ۳۵۸-۶۰۲۳۵۲ منہ
 ۲۰۴۱۰۵۱۸۰ مدراس
 ۳۶۹۱۳۶۸۱۸۸۱۹۲۱۳۳ بدینہ منورہ
 ۳۷۲-۷۷

Marfat.com

۱۸۲	پاپور	۳۶۹	میدان طوی
۵۰۱	ہراتی	۲۵۹، ۲۵۸	بیٹاری
۲۹۹، ۲۳۷-۳۹	ہرات	۲۷۱، ۲۶۹	میرپور
۲۲۶	ہزارہ	۱۳۹	میرتھ
۵۳۹، ۵۱۳، ۵۱۲، ۵۱۰، ۵۰۹، ۴۹۹	ہشت نگر	۱۶۱-۶۵	میرنگھ
۵۰۸	ہفت اسیاب	۲۲۲	پینجی
۳۰۷	ہلدیہ	۵۰۰، ۴۹۸، ۴۹۷، ۴۹۳	مے زئی
۳۸۲	ہلسار	۵۳	مینڈو
۲۵۲	ہمیرپور	۳۷۹	مہین وارہ
۳۶، ۳۵، ۳۸، ۳۶، ۳۱، ۲۸، ۲۷	ہندوستان	۱۲۱	میسار
۷۱، ۶۸، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱		۱۳۹	ناگور
		۱۷۸	نانوتہ
		۱۹	ندوہ و وڈ میر (نیویارک)
		۲۲۵، ۲۱۳، ۱۸۹، ۱۰۵، ۱۰۳، ۹۱، ۸۹	نصیر آباد
		۵۳۷، ۴۷۳، ۳۶۶، ۲۵۲-۵۶، ۲۲۸-۵۰	
		۲۵۹	نذر باغ
		۱۲۰	نکراؤں
		۵۰	نگینہ
		۳۳۲	نواکھالی
	ہنڈ (دینڈ)	۵۳۹-۲۱، ۵۱۶، ۵۱۰، ۵۰۹، ۴۲۲-۲۶	نوشہرہ
	ہنگورجہ	۲۱، ۲۰	نیپال
		۲۳۵	پیشاپور
		۱۹	نیویارک
		۳۷۱	وادی خیف
		۳۷۶، ۳۷۱	وادی صفرا
		۳۷۶، ۳۶۹	وادی ناظمہ

متفرقات

۱۰۶	خطبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
۳۷۶	مقبرہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ
۱۱۳	مقبرہ معین خاں
۳۷۸، ۱۹۰	خانقاہ سلون
۸۱	خانقاہ شاہ غلام علی
۲۰۱	خانقاہ شاہ نعل
۱۹۰	خانقاہ بابکپور
۸۱	خانقاہ مکان (پنجاب)
	عہد سلاطین
	تیموری سلطنت

۱۸۹، ۱۲۱، ۷۹	سلاسل سلوک
۸۰	سلسلہ چشتیہ
	” صابریہ
۲۷۲، ۱۲۱، ۸۰	” قادریہ
۳۶۷	طریقہ مجددیہ
۱۸۹، ۸۰	سلسلہ نظامیہ
۱۲۱، ۱۰۶، ۹۳، ۷۹	” نقشبندیہ مجددیہ
	مزارات و خانقاہیں
۳۷۶، ۳۷۳	روضہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

۲۶۵	مسجد تاضی بھاون	۶۳	خلافت امویہ
۳۷۶۱۳۷۵	مسجد قبا	۶۲۷۵۹	خلافت راشدہ
۳۷۶۱۳۷۵	مسجد قبلتین	۶۳	خلافت عباسیہ
۳۹۴۱۵۲	مسجد لوہانی پور	۱۳۳۱۱۱۴	سلطنت اودھ
۲۹۱	مسجد مرزا پور	۲۰۶	سلطنت قیصر
۲۳۱	مسجد ستی دروازہ (بارون خانہ والی مسجد)	۲۰۶	سلطنت کسری
۳۷۹	مسجد مولوی انس بھٹی (بیمین والہ)	۷۱	سلطنت منلیہ
۳۲۲	مسجد ناخدا، کلکتہ	۶۸۱۶۷	عہد اکبری

گھاٹ و بندرگاہیں:

۲۸۲	بلوہ گھاٹ	۶۳	عہد عباسی
۲۹۵	جسائیں گھاٹ	۶۳	عہد شاہجہانی
۳۵۱	خانہ پور گھاٹ	۹۳	عہد سلطان شمس الدین التمش
۳۵۲	جلہ پورہ گھاٹ	۸۶	عہد سلطان عالمگیر اورنگ زیب
۲۹۸۱۲۹۷۱۲۲۱	زاج گھاٹ بنارس	۹۱	عہد سلطان علاء الدین خلجی
۲۲۱	راج گھاٹ گومتی	۸۹	عہد سلطان ظہیر من عبدالعزیز
۲۷۹	رام پورہ گھاٹ	۶۲	عہد سلطان غیاث الدین بلبن
۲۶۶	گرہ پکتیہ گھاٹ	۸۷۱۸۶	عہد سلطان محمد شاہی
۳۵۵	بندرگاہ اپنی	۲۲۰	
۳۶۰	بندرگاہ حدیدہ		
۳۷۸	بندرگاہ جدہ		
۲۷۰	بندرگاہ سراجی		
۳۷۹۱۳۵۲	بندرگاہ محہ		
۳۱۷۱۳۱۶	ہوگی		

جہاز:

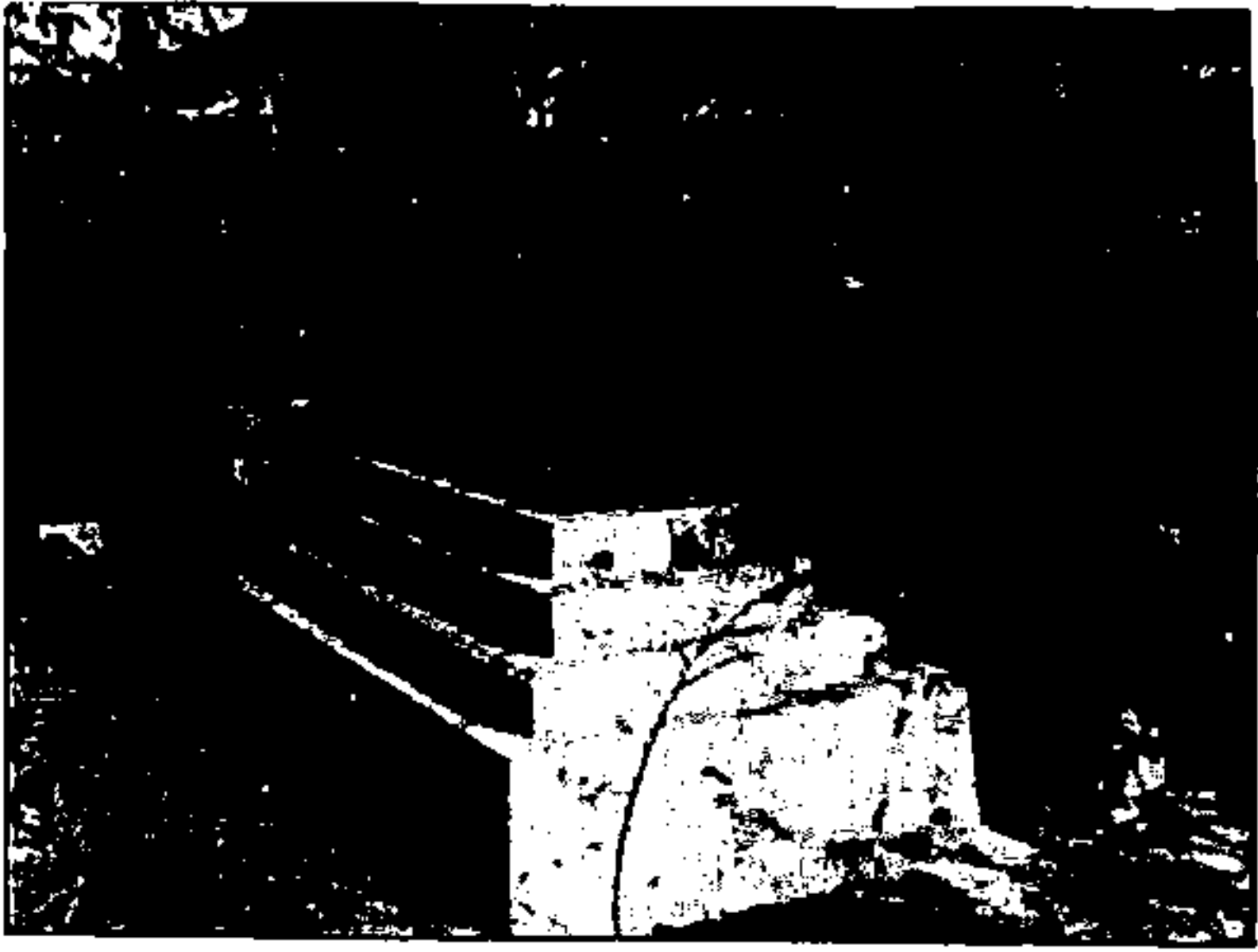
۳۵۳	تاج	۲۷۲۱۲۷۱۲۶۲۱۲۵۷۱۳۶	کعبہ (بیت اللہ شریف)
۳۴۹	دریا بقی	۳۹۳۱۳۷۸۱۳۷۷۱۳۷۷۱۳۷۷۱۳۷۷۱۳۷۷	بیت المقدس
۳۵۳	عماسی	۳۷۵۱۳۷۷۱۱۰۶	مسجد نبوی
۳۸۱۳۸۰۱۳۷۸۱۳۵۳۱۳۴۹	غلبینہ الرحمن	۳۷۶۱۳۷۷۱۳۷۷	بادشاہی مسجد لہور
۳۵۳۱۳۴۶	غراب احمدی	۱۹۳	جامع مسجد بریلی
۳۵۳	فتح اباری	۱۸۶۱۱۸۵	جامع مسجد دہلی
۳۵۳	فتح الرحمن	۷-	جامع مسجد محہ
۳۵۳۱۳۴۶	فتح الکریم	۳۵۸	جامع مسجد ناٹوہ
۳۵۳	فیض ربانی	۱۷۹	جامع مسجد یوسف پور
۳۵۳	فیض الکریم	۳۸۴	سنہری مسجد
۳۷۸-۸۰	ملک البحر	۲۲۲	شاہی مسجد بنارس

نہر و دریا:

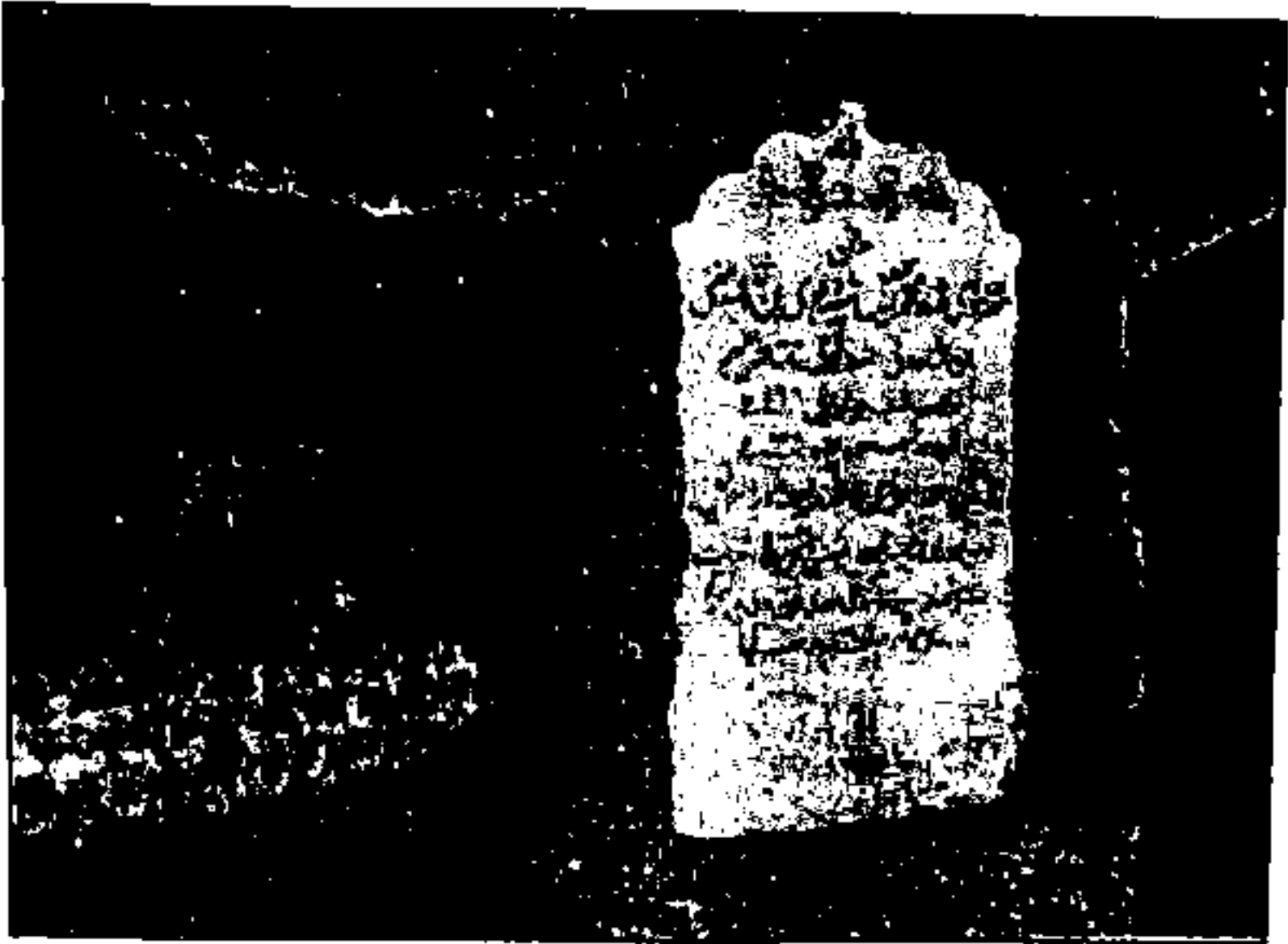
۳۶	بحر ظلمات	۱۹۳	شاہی مسجد لاہور
۳۸۱	بھاگی رنی (ندی)	۲۳۱	عالمگیری مسجد لکنؤ (میلہ والی مسجد)
۲۷۱	پھلی ندی	۲۰۹۱۲۰۲	مسجد ابوبی (مسجد عبدالقی)
۲۵۲۱۲۲۷۱۳۸۶۱۱۲۷	جنا	۱۷۱	مسجد اواب
۳۲۲	تخلج بنگال	۳۷۶	مسجد اکبر آبادی
۵۳۰۷۵۲۹	دریا بے ابا سین	۱۸۳۱۱۵۲۱۱۵۱۱۲۰۱۱۱۹	مسجد الہی بخش (بنارس)
۵۱۳	دریا بے اٹک	۳۰۱۲۳۰	مسجد لہور
۲۶۰۱۲۶	دریا بے بناس	۳-۱۲۹۷۱۱۹۷۱۱۹۳	مسجد تکیہ رائے بریلی (مسجد شاہ علم الشریعہ)
۲۲۷۱۳۲۲	دریا بے شلج	۱۰۷۱۱۹۱	مسجد خیف
		۳۸۶۱۲۲۲	مسجد دیوان جی نصیر آباد
		۳۶۷	مسجد سراہ (سرودھنی)
		۲۹۵	مسجد شاہ ابراہیم شری
		۲۷۸	مسجد شاہ ابراہیم علی
		۳۹۴	مسجد شیخون
		۵۲۲	مسجد فتحپوری

۲۵۴ رضالائبریری، رامپور
 ۲۴۴ کتبخانہ سیر حضرت
 ۲۴۶ " پیرکوٹ
 ۴۸ " جامعہ عثمانیہ حیدرآباد
 ۴۹ " جامعہ ملیہ، دہلی
 ۵۰ " ریاست ٹونک
 ۳۶۶، ۱۵۳، ۵۰ " عبدالرحیم، ٹونک
 ۲۴۳ " ندوۃ العلماء، لکھنؤ
 ۲۹ " نواب مظفر جنگ
 ۲۹ لائبریری پنجاب یونیورسٹی
 ادارے، درسگاہیں و تحریکات:
 ۵۱ دائرۃ المعارف حیدرآباد
 ۱۸ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام (لکھنؤ)
 ۲۹ پنجاب یونیورسٹی
 ۲۴۳ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد
 ۳۹ جامعہ ملیہ، دہلی
 ۴۰، ۳۶ دارالعلوم ندوۃ العلماء
 ۵۱، ۲۲ دارالمصنفین اعظم گڑھ
 ۳۴ لیڈی میکنگ گریجویٹ اسکول لاہور
 ۸۰ مدرسہ والا جاہلی، مدراس
 ۲۰-۲۲ تحریک جہاد (سید احمد شہید)
 ۲۴۵، ۲۴۳ تحریک ۳
 ۱۱۵، ۱۲۱، ۱۱۱ سرکار کیمپنی (ایسٹ انڈیا کیمپنی)
 ۲۴۰، ۲۱۹، ۳۲۲، ۳۲۱، ۲۴۸، ۱۲۶، ۱۲۴
 ۵۵۳، ۲۴۳، ۲۴۲ سنٹرل ٹریننگ کالج (لاہور)
 ۲۱ لاہور کالج فار اوپن
 ۳۴ سرانے، دائرے، انام، بالے اور بارہ دری:
 ۱۵۱ سرایہ اجیری دروازہ
 ۱۸۴ " امروہہ
 ۱۸۵ " مراد آباد
 ۲۵۸ " معالی خاں
 ۱۴۸ " مکہ
 ۱۹۲ دائرہ شاہ اجل
 ۱۹۲ " " رحمن
 نقات میں " " علم الشریعہ دیکھیے
 ۲۱۳ امام بازارہ غفران مآب
 ۲۴۳ بارہ دری ٹونک
 ۲۸۲ " راجہ اودت زائین

دریائے سندھ ۲۴۶، ۲۴۲، ۲۴۰، ۱۲۲، ۳۱، ۲۲۲، ۲۲۲
 ۵۴۱، ۵۲۸، ۵۱۲، ۲۹۹
 دریائے شور ۲۱
 دریائے کابل ۵۰، ۸۱، ۵۰، ۳
 دریائے لنڈے ۵۲۰، ۵۱۲، ۵۱۰
 سکی ندی ۲۲۹، ۱۸۴، ۱۹۱
 گنگا ۳۸۸، ۳۲۴، ۳۲۸، ۲۴۸
 گوتمی ۲۲۸، ۲۲۱، ۲۱۶، ۲۰، ۲
 بہار و قلعے:
 قلعہ جمل احد ۳۴۶
 قلعہ صفا ۳۴۴، ۳۶۴
 کوہ براہنگ (BRAHUICK) ۲۸۸
 کوہ زویر کش ۲۹۸
 کوہ ہندو کش ۲۸۸
 مروہ ۳۴۴، ۳۶۴
 بہالیہ ۲۰
 قلعہ اعظم خاں ۵۰، ۳
 قلعہ الہ آباد ۲۸۸، ۲۸۴
 قلعہ ٹونک ۲۵۹
 قلعہ جاندیول گھاٹ ۳۵۱
 قلعہ جبار گڑھ ۲۹۲
 قلعہ حاجی ۵۰۰
 قلعہ دھکولہ ۱۳۲
 قلعہ ڈلمٹو ۲۴۳
 قلعہ راجپورہ ۱۲۲
 قلعہ رمضان خاں ۵۰، ۳-۵
 قلعہ عمر کوٹ ۲۶۸
 قلعہ قاضی ۵۰، ۸
 قلعہ معالی ۴۲
 قلعہ ہند ۵۳۶، ۵۲۸
 مطابع:
 اعظم المطابع (جونپور) ۱۵۸
 فتح المطابع لکھنؤ ۲۲۳
 مطبع آفتاب عالیشان مرشد آباد ۴۱
 مطبع فاروقی ۲۴۴
 مطبع گلزار عالم پریس ۳۳
 مطبع مجتہبی ۲۱۴، ۲۲۳، ۱۱۲، ۶
 مطبع محمدی، ٹونک ۵۳
 کتبخانے و لائبریری:
 خدابخش لائبریری پٹنہ ۴۰



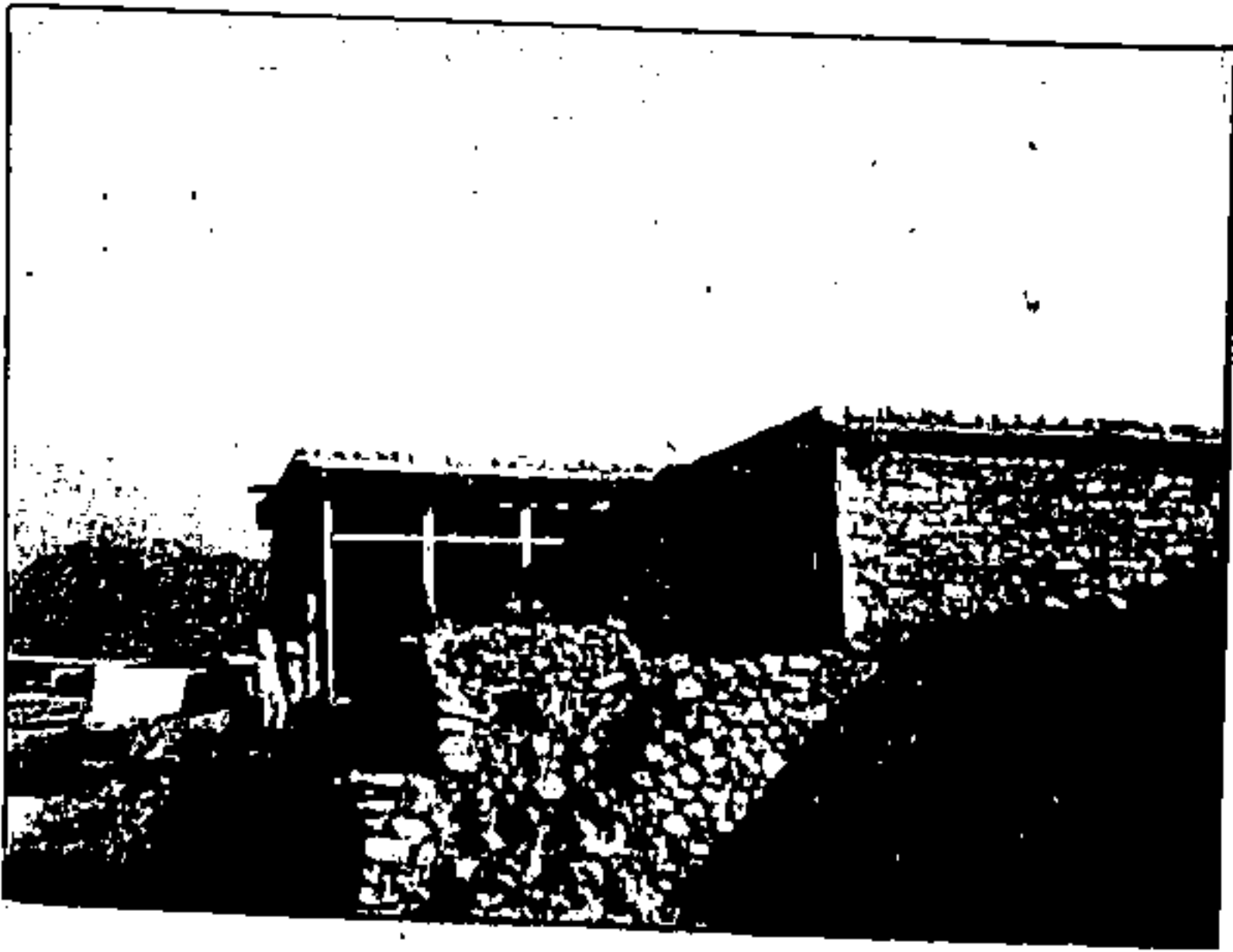
تربت حضرت سید احمد شہیدؒ - بالاکوٹ



کتبہ : مزار حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ - بالاکوٹ



وہ چٹانیں جن کے زیر سایہ سید صاحب نے شہادت پائی۔ بالاکوٹ۔



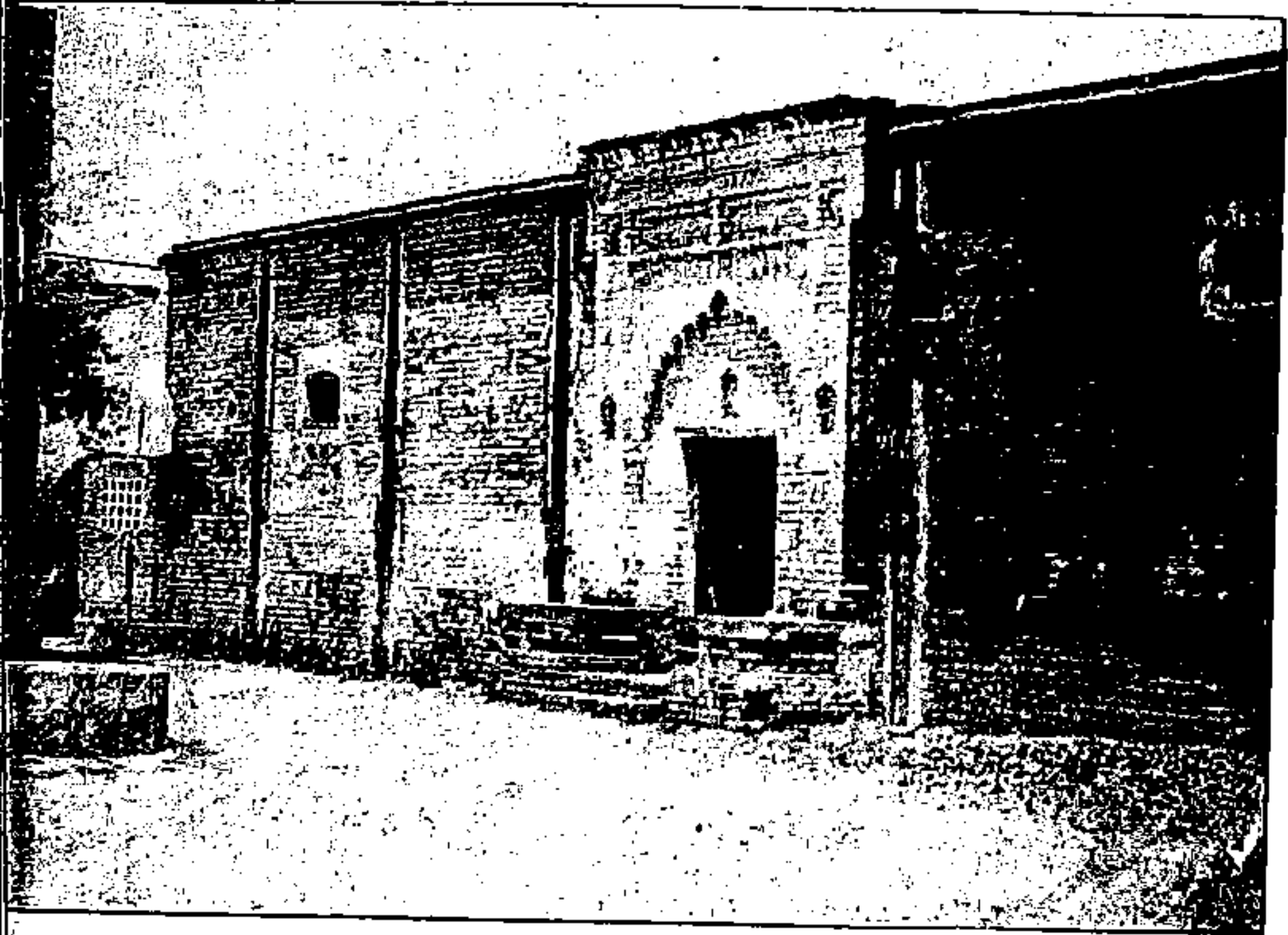
وہ مسجد جو سید صاحب کی رہائش گاہ تھی۔ بالاکوٹ۔



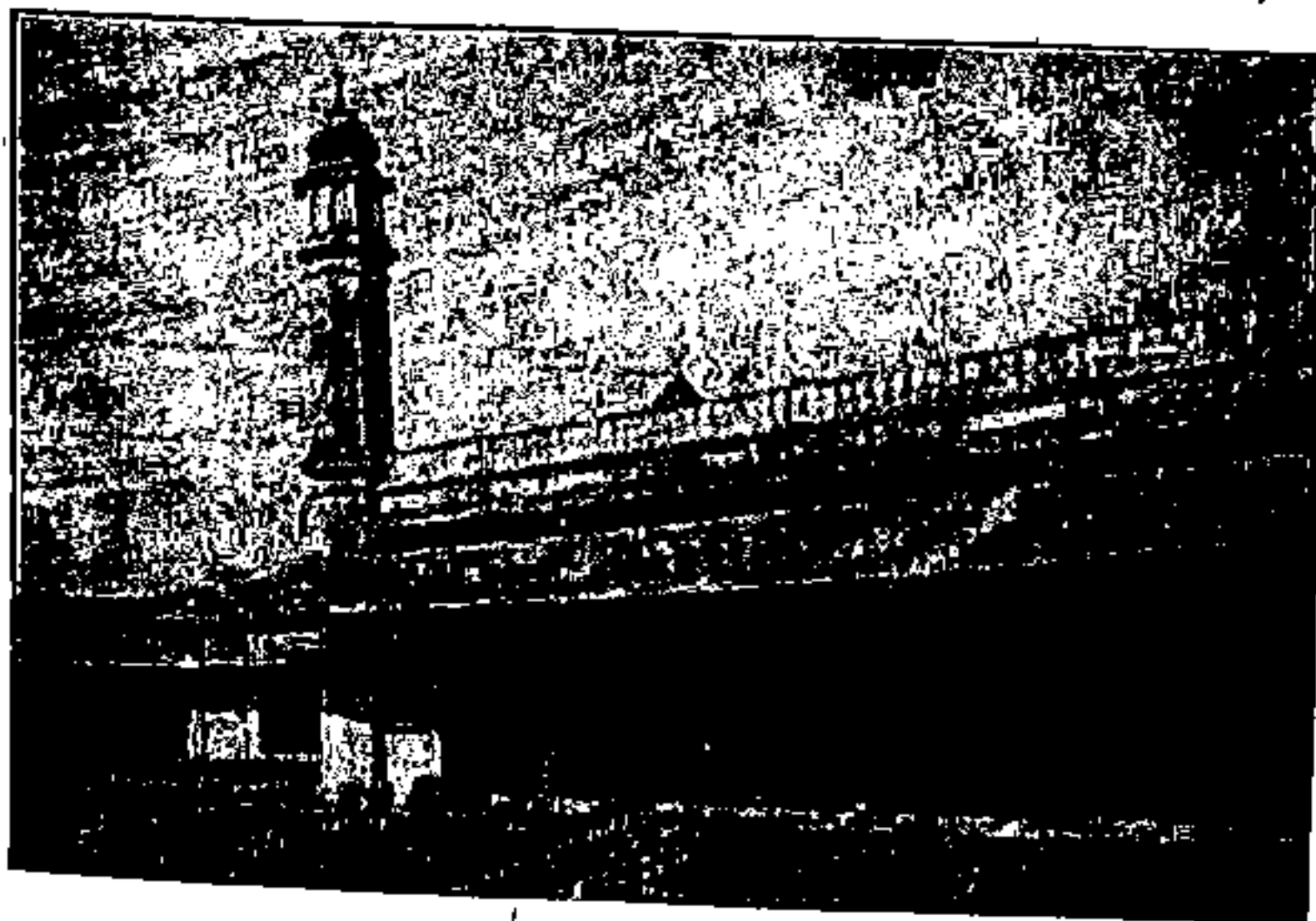
میدان جنگ - بالاکوٹ



وہ مسجد جو مجاہدین کا ہسپتال کو اڑھتی - بالاکوٹ



قیام گاہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ۔



مسجد قافلہ۔ ٹونک

مدظلہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

